ماہنامہ "ندائے شاہی" کی خاص اشاعت

تاریخ شاہی نمبر

نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء م جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

سرپرستی

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ

مہتمم مدرسہ شاہی و خلیفہ مجاز حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

مرتب

محمد سلمان منصورپوری







فون :- دفتر ۲۴۲۲۰

فون :- گھر ۲۷۰۲۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکز العلوم الاسلامیہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

کا

دینی واصلاحی ماہنامہ

ندائے شاہی

تاریخ شاہی نمبر

جلد ۴ — شمارہ ۱۱، ۱۲

نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ

اس شمارے کی قیمت

= /۷۰ روپئے

بدلِ اشتراک

عمومی زرتعاون سالانہ	: /۵۰ روپئے
خصوصی زرتعاون	: /۱۰۰ "
سعودی عرب برطانیہ	: /۱۲ امریکی ڈالر
پاکستان	: /۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش	: /۱۵۰ روپئے

ترسیلِ زر کا پتہ

حضرت مہتمم صاحب

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ۲۴۴۰۰۱

کاتب :- صدر الدین القاسمی الاعظمی مدرس جامعہ

طابع و ناشر :- حافظ محمد صدیق صاحب

مطبوعہ شاہجہان آباد شی پرنٹ نئی دہلی - ٹیلیفون نمبر - ۶۸۴۱۱۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاریہ مضامین

عرض مرتب

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ ہم ماہنامہ ندائے شاہی کا ضخیم "تاریخ شاہی نمبر" پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔ کوشش کی گئی ہے کہ یہ شمارہ کتابت، طباعت، اور مواد کے اعتبار سے معیاری اور دستاویزی ہو۔ اس کوشش میں ہم کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اس شمارہ کی ترتیب میں جہاں بہت سی اہم تاریخی معلومات اور عبقری شخصیات کے مختصر احوال شامل ہیں وہیں خود ہمیں اس کا احساس ہے کہ مدرسہ شاہی کے فیض یافتگان اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات پر کما حقہ مواد نہیں آسکا ہے۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اگر سبھی فضلاء کا ذکر کیا جاتا تو اندازہ یہ تھا کہ اس شمارہ کی ضخامت کم از کم ڈیڑھ گنا زیادہ ہو جاتی اس لئے بالآخر یہی طے ہوا کہ اس موضوع پر "ندائے شاہی" میں مستقل مضامین آتے رہیں گے اور حسب موقع اس کی تلافی کی جاتی رہے گی۔ سردست جو کچھ مرتب ہو سکے پیش کر دیا جائے اور اسے ہرگز حرف آخر نہ سمجھا جائے۔

ایک ہی موضوع کے تاریخی شماروں میں جب متعدد افراد کے مضامین شامل ہوتے ہیں تو ان میں کسی نہ کسی حد تک تکرار ناگزیر ہوتا ہے۔ ہمیں بھی ترتیب میں اس دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے شخصیات کے خاکوں میں تکرار ختم کرنے میں کافی جدوجہد صرف بھی کی لیکن پھر بھی بہت سی جگہوں پر تکرار محسوس کیا جائے گا جس پر ہم معذرت پیش کرتے ہیں۔

ہم ان حضرات سے بھی معذرت خواہ ہیں جنہوں نے ہماری فرمائش پر محنت سے مضامین لکھے مگر اسی موضوع پر اس سے بہتر مضامین آنے کی بنا پر ان کے مضامین ترتیب میں شامل نہ ہو سکے۔ یا جن کے مضامین میں بے جا طوالت کو حذف کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر مہتمم جامعہ و سرپرست ندائے شاہی حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی کی ذاتی دلچسپی اور توجہ ہمیں حاصل نہ ہوتی تو یہ "تاریخی نمبر" اس صورت میں ہم پیش نہ کر سکتے۔ اس سلسلے میں ہمارا دل حضرت موصوف کے لئے جذبات تشکر سے معمور ہے۔ نیز ہم ان سبھی حضرات کے مشکور ہیں جنہوں نے مضامین لکھ کر ہمارا تعاون کیا۔ مدیر ندائے شاہی جناب مولانا حکیم حفیظ الرحمن صاحب دھام پوری، دیگر اراکین مجلس ادارت اور حضرات اساتذۂ جامعہ، خاص کر **مولانا محمد عمر صاحب نائب مہتمم جامعہ اور** مولانا اخلد صاحب رشیدی، بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے کسی بھی موقع پر تعاون سے دریغ نہیں کیا۔

جناب مولانا معزالدین احمد قاسمی گونڈوی (ناظم امارت شرعیہ ہند) بھی شکریہ کے قابل ہیں جنہوں نے مواد کی فراہمی، دہلی میں کتابت و تصحیح اور ترتیب میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ ہمارے رسالہ کے مستقل کاتب مولانا صدرالدین اعظمی استاد جامعہ نے بھی پوری تندہی کے ساتھ کتابت کا کام سرانجام دیا اس پر وہ بھی شکریہ کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر جزیل عطاء فرمائے۔ اور اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے۔۔ آمین۔

فقط۔

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

[illegible] جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

مبارکباد

امیرالہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ ادارے جو ابتداء ہی سے جمعیتہ علماء ہند کی تحریک اور اس کے مکتب فکر سے ہم آہنگ رہے ہیں۔ ان میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ تعلیمی اور تعمیری خدمات کے علاوہ اس ادارے نے تحریک آزادی ہند کے زمانہ میں اکابر جمعیتہ علماء کے دوش بدوش قومی وملی قربانیوں کی تاریخ میں ایک روشن مثال قائم کی ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب سیوہارویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحبؒ وزیر اعلی صوبہ سرحد پاکستان اس ادارہ کے وہ قابل فخر فرزند ہیں جن کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے نقش ہیں۔

مدرسہ شاہی سے وابستہ حضرات اساتذہ اور ذمہ داران نے قومی خدمات انجام دینے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ سابق صدر جمعیتہ علماء ہند، سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ مدنی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ نے اسی مرکزی ادارہ میں رہ کر ملک وملت کے لئے مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ مدرسہ شاہی کا ترجمان "ماہنامہ ندائے شاہی" اپنا خاص شمارہ "تاریخ شاہی نمبر" کے عنوان سے شائع کررہا ہے۔ اس کی اشاعت سے مدرسہ شاہی کی زریں خدمات سامنے آئیں گی۔ اور اس سے وابستہ عبقری شخصیتوں کا تعارف منظر عام پر آئیگا۔

میں اس اشاعت پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اسعد غفر لہٗ

صدر جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی

اظہارِ مسرّت

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری مہتمم دار العلوم دیوبند

دار العلوم دیوبند

DARUL-ULOOM, DEOBAND. (U.P.) INDIA.

Ref. No..............

باسمہٖ تعالیٰ

Date: ۲۳ اکتوبر ۱۹۹۲ء

یہ خبر بڑی مسرت [illegible] سے [illegible] کہ [illegible] اور تحریر سے شاہی نمبر شائع ہو رہا ہے

[illegible] تحقیق [illegible] ایک تاریخی [illegible] ہے —

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد علماء و طلباء [illegible] کے تیز و تند طوفانوں اور الحاد و دہریت [illegible]

[illegible] دار العلوم [illegible] سلسلہ [illegible]

[illegible]

[illegible] محمد قاسم [illegible]

[illegible]

[illegible]

پتہ چلتا ہے کہ دار العلوم دیوبند کی ایک شاخ [illegible] میں [illegible] آیا تھا —

علوم نبوت [illegible] جیسا کہ [illegible] اسی درسگاہ [illegible]

اسکے فارغین [illegible] مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب

مہتمم دار العلوم دیوبند، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، مولانا حافظ عبد الرحمٰن

[illegible] مولانا مفتی محمود احمد [illegible] جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں

[illegible]

[illegible] اور اس علم بیداری و دینی [illegible]

کے دور میں ملت اسلامیہ [illegible] کا کام [illegible] —

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ
خادم دار العلوم دیوبند

پیغام

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی زید مجدہم مہتمم جامعہ

مدارس اسلامیہ کی عظمت و اہمیت ارباب دانش سے مخفی نہیں ہے۔ انہی مدارس کا ثمرہ ہے کہ آج برصغیر میں اسلام کی نہریں جاری ہیں اور دین کی روشنی سے چپہ چپہ نورانی بنا ہوا ہے۔ در حقیقت یہ مدارس دینی علوم کے مضبوط قلعے اور حفاظت اسلام کی مستحکم چھاؤنیوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ رب العزت نے اپنے آخری دین کی بقا کا انہیں ذریعہ اور سبب بنادیا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس عظیم سلسلہ کی خدمات سامنے لائی جائیں اور ان اداروں نے ملت اسلامیہ کو جو عظیم المرتبت اور مخلص افراد عطا کئے ہیں ان کے تذکرہ سے مجلسیں گرم کی جائیں تاکہ عوام اپنے تاریخی سرمایہ سے آگاہ ہوسکیں اور اس سنہرے سلسلہ کو جاری رکھنے میں دلچسپی لے سکیں۔

ماہنامہ ندائے شاہی کا "تاریخ شاہی نمبر" بھی اسی جذبہ کو سامنے رکھ کر شائع کیا جارہا ہے۔ میں اس کی اشاعت پر جو مسرت محسوس کررہا ہوں اس کے اظہار کے لئے اپنے پاس الفاظ نہیں پاتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین۔

رشید الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات

اللہ بلند کریگا ان کیلئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم ان کے درجے

اہل مراد آباد پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث رات دن تقسیم ہو رہی ہے اس کا شکرادا کرو۔ اس نعمت کی قدر کرو ان بچوں کو جنھوں نے قرآن پاک حفظ کیا ہے یا قرآن تجوید سے پڑھا ہے حقارت کی نظر سے نہ دیکھو یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی ایک تقریر سے اقتباس (دستور)

ابتدائیہ

- نورِ ہدایت
- نقوشِ راہ
- نظر و فکر
- بنیادی تخیل
- اجمالی تعارف

نورِ ہدایت

تعلیمِ دین

ارشادِ ربانی

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ـــــ (سورہ توبہ)

"سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے ۔ تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جبکہ وہ انکے پاس واپس آویں ڈراویں ۔ تاکہ احتیاط رکھیں"۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ) ـــــ یہ آیت جہاں علم دین کی اہمیت بتاتی ہے وہیں ان مراکزِ علم اور دینی مدارس کی عظمت کا بھی پتہ دیتی ہے جہاں تعلیمِ دین کا فرض کفایہ باحسن وجوہ انجام دیا جاتا ہے۔ یہ مدارس روشنی کے مینار اور دین کے قلعے ہیں۔ لہذا انکی بقاء و ترقی میں حصہ لینا بھی مسلمانوں پر ضروری ہونا چاہئے۔

صدقہ جاریہ

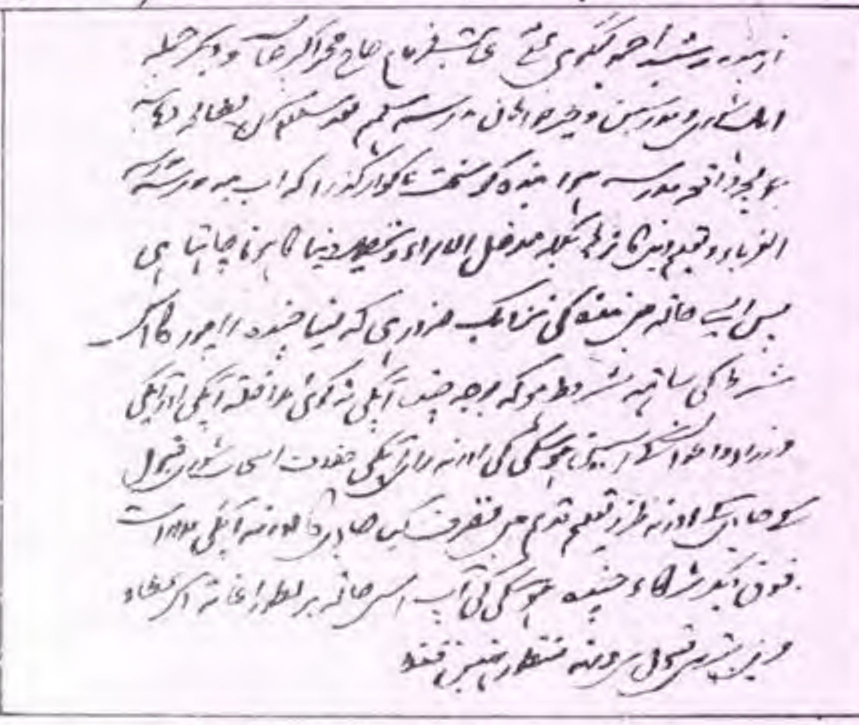
ارشادِ نبویؐ

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلثة صدقة جارية اوعلم ينتفع به اوولد صالح يدعوله (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اسکا عمل موقوف ہوجاتا ہے مگر تین کاموں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ نمبر۱: صدقہ جاریہ (جیسے کوئی زمین وغیرہ وقف کردی، مسجد یا مدرسہ بنوا دیا یا کوئی اور رفاہی تعمیر کرادی) نمبر۲: علم نافع، (یعنی کوئی مفید کتاب لکھدی یا کسی کو پڑھا دیا۔ نمبر۳: اولاد صالح جو اس کیلئے دعا کرے (یعنی ایسی نیک صالح اولاد جو برابر اپنے والدین کو ایصال ثواب کرتی رہے)

مشعلِ راہ

ریاست رامپور کی طرف سے مدرسہ شاہی کی کچھ سالانہ امداد مقرر تھی ۱۳۰۵ھ ہجری میں ریاست کی طرف سے ایک تحریر ارباب شوریٰ کو موصول ہوئی جس میں مدرسہ کی امداد جاری رکھنے کیلئے یہ شرط لگائی گئی تھی کہ مدرسہ میں دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جائے اور اسکا الحاق مدرسہ عالیہ رامپور سے کردیا جائے۔ شوریٰ نے یہ دونوں شرطیں نامنظور کردیں۔ اور اس واقعہ کی خبر اپنے سرپرست امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو دی، حضرتؒ نے جواب میں جو گرامی نامہ تحریر فرمایا اسکا عکس درج ذیل ہے۔ یہ مکتوب تازندگی مدرسہ شاہی کو مشعلِ راہ کا کام دیتا رہیگا۔ (مرتب)



از بندہ رشید احمد عفی عنہ : عنایت فرمایم حاجی محمد اکبر صاحب و دیگر جملہ اہل شوریٰ و مدرسین و خیر خواہانِ مدرسہ سلمہم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند جو کچھ واقعہ مدرسہ ہوا۔ بندہ کو سخت ناگوار گذرا کہ اب یہ مدرسہ مدرسۃ الغرباء و تعلیم دین کا نہ رہا بلکہ مدخل الامراء و تحصیل دنیا کا ہونا چاہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں بندہ کے نزدیک ضرور ہے کہ لینا چندہ رامپور کا اس شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بوجہ چندہ آپ کے نہ کوئی مداخلت آپ کی اور آپ کے وزراء و اعوان کی ایس میں ہو سکے گی اور نہ طرزِ تعلیم قدیم میں تصرف کیا جاوے گا۔ اور نہ آپ کی مدارات فوق دیگر منتظر کا چندہ ہو سکے گی۔ آپ اس حالت پر بطور اعانت اگر عطاء کریں بہتر ہے، قبول ہے ورنہ منظور نہیں۔ فقط۔

اساسی اصول ہشتگانہ

از حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ بانی مدرسہ شاہی مراد آباد

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تامقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیرِ چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں، خیر اندیشان مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے۔

(۲) ابقاءِ طعامِ طلباء بلکہ افزائشِ طعامِ طلباء میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائیگا ـــــ القصہ تہہ دل سے ہر وقت مشورہ اور اس کے پس و پیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اہلِ مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے۔ نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے مشورہ کی نوبت نہ آوے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں

اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں ۔ خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو مدرسہ کی خیر نہیں ۔

۵ خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ۔ ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا ۔

٦ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی ۔ اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا ۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سرو سامانی رہے ۔

۷ سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے ۔

۸ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو ۔ بالجملہ حسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے ۔



انتظامی اصول ہشتگانہ

از حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ مہتمم دوم دارالعلوم دیوبند

(۱) ہر کارخانہ کے امور جزئیہ کی بنا ایک شخص کی رائے پر رہنی چاہئے۔ اسی قاعدہ پر اس کارخانہ کے امور جزئیہ میں کسی صاحب کو اہل مشورہ میں سے دخل نہ ہوا لا مشورہ اور رائے کہ وہ اپنے موقع پر اظہار فرما دیں۔ جیسا کہ اہل شوریٰ مل کر پسند کریں۔

(۲) امور جزئیہ میں جو کوئی صاحب بندہ کے مددگار ہوں گے یا اچھا مشورہ دیں گے بندہ انکا مشکور ہوگا۔ مگر انجام ان کا موقوف بندہ ہی کی رائے پر رہنا چاہئے۔

(۳) جس کسی صاحب کو خواہ اہل شوریٰ خواہ اور عام مخلوق، کوئی امر قابل اعتراض معلوم ہو تو مہتمم سے مزاحمت نہیں، جلسۂ شوریٰ میں پیش کر کے اسکو طے کرالیں اور جیسا قرار پائے اس کے انجام پر مہتمم کو عذر نہ ہوگا۔

(۴) مشورہ کے جلسے جب کبھی ہوں، بے حاضری مہتمم نہ ہوں گے، اگرچہ اس کی ہی کسی بات پر خوردہ ہو اور یوں اہل شوریٰ کو اختیار اعتراض کا ہر وقت ہے اور مہتمم کو موقع جواب کا۔

(۵) مہتمم اگر اہل شوریٰ کے اجتماع تلک کسی امر ضروری کے انجام پر انتظار نہ کر سکے، تو بذریعہ خط سب صاحبوں کو اطلاع دیگا اور اس ضروری امر کو سب صاحبوں کو قبول کرنا ہوگا۔

(۶) آمدنی مدرسہ کی مہتمم کے ہاتھ میں رہےگی کیونکہ صرف ضروریہ کے لئے کسی قدر روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے۔ حاجت ضروری سے زیادہ روپیہ جمع ہو جایا کرے گا تو خزانچی کے پاس جمع کر دیا جائے گا۔

(۷) ہر روز وقت مقررۂ مدرسہ پر مہتمم مدرسہ میں جایا کرے گا۔ اور اسی وقت میں امور متعلقہ مدرسہ کو انجام دیا کرے گا۔

(۸) مناسب ہے کہ سب اہل شوریٰ مل کر اپنے دستخط اس معروضہ پر فرما دیں، کہ مہتمم کو جائے سند رہے۔

دستخط	دستخط	دستخط
العبد محمد قاسم	العبد ذو الفقار علی	محمد عابد

(تحریر ۳ر ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ)

قوتِ حاکمہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی دستاویزی تحریر

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی درج ذیل تحریر مدرسہ شاہی مراد آباد میں پیش آمدہ ایک خلفشار کے متعلق ہے۔ جس میں شرعی اور دستوری طور پر مجلس شوریٰ کی اصل حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔

ہر جمہوری ادارے کی قوت حاکمہ مجلس ممبران ہے۔ یہی مجلس عوام کی نمائندہ ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام امور عزل و نصب، ترقی و تنزل وغیرہ متعلقہ ادارہ ہیں۔ تمام ملازمین ادارہ خواہ مدرس ہوں یا غیر مدرس اوپر سے نیچے تک اسی مجلس کے سامنے جوابدہ اور حسب قوانین ادارہ مکلف اور پابند ہیں۔ کسی ملازم یا مدرس کو جائز نہیں ہے کہ جب تک وہ اس ادارہ کی ملازمت میں ہیں مجلس کے احکام سے روگردانی کرے۔ یہی حال تمام مدارس دینیہ جمہوریہ کا ہے۔ ممبران شوریٰ چندہ دہندگان کے نمائندہ اور ملازمان مدرسہ کے حاکم ہیں۔ کسی مدرس ----- کو احکام مجلس شوریٰ سے سرتابی کرنا درست نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی حرکت جائز ہے جس سے ادارہ کو نقصان اور اس کے نظم و نسق میں ابتری پیدا ہو۔ مجلس عاملہ اسی مجلس شوریٰ کی مقرر کردہ مجلس ہے۔ اس کی سرتابی کرنا مجلس شوریٰ حاکمہ کی سرتابی ہے۔ اس لئے ان حضرات کے مذکورہ بالا اعمال و اقوال سراسر ناجائز ہیں۔ اگر وہ پابندی عاملہ کے احکام کی نہیں کرتے ہیں تو ان کو ادارہ سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ ادارہ میں رہتے ہوئے ایسے اعمال کا یا ایسے اقوال کا ارتکاب سراسر بغاوت اور عنداللہ و عندالناس گرفت کا موجب ہے۔ ان حضرات کو غور کرنا اور اپنے ان مہمل اور ناجائز امور سے تائب ہونا از حد ضروری ہے۔ ان کو جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد کو نقصان پہنچانا انتہائی شرمناک اور نمک حرامی ہے۔ والی اللہ المشتکی

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ذو دارالعلوم دیوبند ۸ شعبان ۱۳۷۰ھ

علمِ دیں کے چاہنے والوں کا جو شیدا نہیں

دینی مدارس کے بارے میں ایک حقیقت آگیں تخیل

علامہ انور صابری

شعبان ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ شاہی کے اجلاس دستار بندی کے موقع پر علامہ انور صابری نے درج ذیل نظم پڑھ کر سماں باندھ دیا۔

سن رہا ہوں کوئی مرد دیندار و حق نواز
اتفاقاً سو گئے پڑھ کر تہجد کی نماز

طالع قسمت جو چمکا زندگی کے باب میں
سبز گنبد کے قریں پہونچے جہانِ خواب میں

دیکھتے کیا ہیں کہ خود سردارِ یومِ اولیں
خاتمِ دورِ رسالت، رحمۃ للعالمیں

مسجدِ نبوی میں ہیں آرام فرمائے ہوئے
چند مخلص خادموں کو پاس بٹھلائے ہوئے

بزم میں اسلامیانِ ہند کا کچھ ذکر ہے
مضطرب سرکارِ یثرب کی نگاہِ فکر ہے

ایک بوڑھا بندۂ محکوم ہے ماتم کناں
دل پریشاں، آہ برلب، اشک آنکھوں سے رواں

جھریاں چہرے کی دردِ قوم کی آئینہ دار
دیدۂ کم نور میں عہدِ گذشتہ کا خمار

علم مولا مرکز نغمات سازِ زندگی
زندگی کا گوشہ گوشہ بے نیازِ زندگی

عرض کی سرکار ہیں پُرسوز میرے دل کے داغ
جب سے اسلامی حکومت کا ہوا ہے گُل چراغ

ذرہ ذرہ ہند کا بیگانۂ ملت ہوا
بادۂ دیں سے تہی پیمانۂ ملت ہوا

وضعِ مغرب مشرقیت کی ادائیں کھا گئی
کیا بتاؤں دورِ ماضی کی کلی مرجھا گئی

قلبِ مومن اب خدا کے خوف کا مسکن نہیں
دستبردِ غیر سے محفوظ اب گلشن نہیں

تخت کے جاتے ہی دنیائے عمل بھی مٹ گئی
گردنِ اسلام پھندوں سے عدو کے گھٹ گئی

آپ کی صورت سے صورت کو ملاتا کون ہے؟
آپ کی سیرت کو زیبِ دل بناتا کون ہے؟

بندہ و آقا میں اب ہونے لگا ہے امتیاز
درد ہمسایہ سے کرتا ہے مسلماں احتراز

خواہ درد انگیز ہو کتنے یتیموں کی پکار
صاحبِ دولت کو ہر ایسی صدا ہے ناگوار

دشمنانِ دین کی تعلیم ہر سو عام ہے
گویا انگریزی تمدّن کا یہی ایمان ہے

دستِ سرسیّد نے جو پودا لگایا تھا کبھی
فتنۂ تہذیبِ عہدِ نو جگایا تھا کبھی

آبیاری کے لئے اس کی ہمارا خون ہے
کالجوں میں حکمتِ تعلیمِ دیں مدفون ہے

بھیک بھی دیتا نہیں اس شخص کو کوئی حضور
جزوِ ہستی بن گیا جس کا نصاریٰ سے نفور

مذہبِ ملّا بتایا جا رہا ہے دین کو
کفر سمجھا جا رہا ہے دین کی تزئین کو

نیک و بد میں فرق کرنا آجکل دشوار ہے
موت کو بھی زندگی سے اہلِ حق کی عار ہے

درسِ قرآں کا علی الاعلان اڑتا ہے مذاق
مٹ گئی پہلی محبت، ہے یہ دورِ افتراق

مدرسے باقی ہیں لیکن بند ہونے کے قریب
جاں بلب بیمار ملت ہے پریشاں ہے طبیب

سورۂ انفال کی تفسیر ہو سکتی نہیں
بے نیام اسلام کی شمشیر ہو سکتی نہیں،

روٹیاں دو، طالبانِ علم کو ملتی بھی ہیں
خود بخود کلیاں دلِ مغموم کی کھلتی بھی ہیں،

گرم بازاری ہے لیکن اس قدر افلاس کی
ہوش کس کو ہے نبی کی آبرو کے پاس کی

سن کے درد انگیز یہ روداد مرد پیر سال
آگیا پیشانیٔ سلطانِ بطحا پر جلال

یوں ہوئے گویا مرے عاشق یہ میری بات سن
ہے مری تعلیم کا نو قاسم الخیرات[1] سن

جو مددگار و معیں اس دور میں تیرا نہیں
صدقِ دل سے کر یقیں، واللہ وہ میرا نہیں

سن کے یہ ارشاد خوابیدہ معبّر جاگ اٹھا
کان میں آنے لگی اللہ اکبر کی صدا

جس کو ہو عقبیٰ میں اپنی سرخروئی کا خیال
خادم طلّابِ دیں بن جائے تا حدِّ کمال

جس جگہ ہو درس قال اللہ او رقال الرسول
ہے وہ جنت سے زیادہ نزدِ ارباب عقول

علمِ دیں کے چاہنے والوں کا جو شیدا نہیں
وہ شفاعت کا نبیؐ کی مستحق اصلاً نہیں

---

[1] حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بانی دار العلوم دیوبند و بانی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد۔

نظر و فکر

اور ---- اسپین جواب دیتا

محمد سلمان منصور پوری

اندلس اور غرناطہ کی تاریخ کے اوراق میرے سامنے کھلے ہوئے تھے' نہ جانے کتنی دیر سے میں اسپین کی کربناک اسلامی تاریخ کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ پے درپے ناکامی' بزدلی اور ذلت و نکبت کے واقعات پڑھ کر میری آنکھوں سے نیند اچاٹ ہو چکی تھی ---- یہ وہی اسپین ہے جس نے یورپ کو انگلی پکڑ کر ترقی کی راہ پر چلنا سکھایا' یہ وہی اندلس کی بدنصیب سرزمین ہے جہاں روشن ہونے والی تہذیب کی شمعوں نے مغرب کے ظلمت کدہ کو بقعۂ زار بنادیا۔ جہاں کی وادیوں میں سالہا سال غازیان اسلام نے نغمہ سرائی کی۔ جہاں کی آبادیاں صدیوں تک علمی مباحثوں اور مذاکروں سے گونجتی رہیں۔ اور جہاں اسلامی پرچم آٹھ سو سال تک بلاشرکت غیرے پوری آب و تاب کے ساتھ لہراتا رہا۔ میرے سامنے غازی اسلام طارق ابن زیاد کی بارہ ہزار فوج کا کارنامہ بھی تھا' جس نے اپنے مثالی عزم سے ایک لاکھ سے زیادہ ٹڈی دل دشمن کی فوج کو سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ میری نگاہوں میں اندلس کے اسلامی دماغوں کی وہ نئی نئی ایجادات اور اختراعات بھی تھیں جنھوں نے دنیا کو نئے دور میں داخل کردیا تھا اور اندلس کے وہ کتب خانے بھی کم دلچسپی کے حامل نہ تھے جن میں ہمہ وقت ہزارہا ہزار نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ موجود رہتا تھا اسی کے ساتھ ساتھ مجھے ان خانہ جنگیوں اور اقتدار کی رسہ کشیوں کا بھی علم تھا جنھوں نے اندلس میں اسلامی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کردیں تھیں اور بغض و عداوت کی آگ میں جلنے والے ان عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کو بھی جانتا تھا جنھوں نے اسپین سے اسلام کا نام و نشان مٹادینے . . . کا عزم کرر کھا تھا۔ اخیر میں تاریخ کے حوالے سے میرے سامنے وہ حالات بھی آئے جب اندلس سے اسلام کا نام و نشان مٹ گیا۔ عالی شان مسجدیں اور دینی مراکز کھنڈر میں تبدیل ہوگئے۔ خون مسلم کی ارزانی سے اندلس کی سرزمین رنگین ہوگئی۔ اور عیسائی ظالموں نے آٹھ سو سالہ پرانی اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجادی

پڑھتے پڑھتے یکایک مجھے محسوس ہوا کہ اندلس کے اسلامی کھنڈرات' ٹوٹے پھوٹے آثار' کتب خانوں کی جلی ہوئی کتابیں اور خاک و خون میں تڑپتے ہوئے

مسلمانوں کی لاشیں میرے سامنے ہیں اور میں ان کے درمیان غم وافسردگی کے عالم میں کھڑا ہوں۔ کچھ ہی لمحات گذرے تھے کہ میرا جی چاہا کہ میں ان سے خطاب کرکے اپنے دلی جذبات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھال دوں، زبان نے اجازت لی، دل نے اجازت دی اور پھر قوت گویائی اپنے جوہر اس طرح دکھانے لگی۔

اے اسپین کے لالہ زارو ! اندلس کی وادیو ! اور غرناطہ کے صحراؤ ! دنیا نے تم سے تہذیب وتمدن کا درس لیا، ترقی کی راہوں میں تمہارے نقوش قدم مشعل راہ ثابت ہوئے، تم نے اسلامی علوم ہی نہیں بلکہ دنیا کے مروجہ علوم کو بھی بام عروج پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ قرطبہ کی جامع مسجد، اندلس کا قصر الحمراء، اور اسلامی دور حکومت کے پرشکوہ آثار تمہارے کارناموں کے عینی گواہ ہیں۔

۸۰۰ سال میں پیڑھیاں بدل جاتی ہیں۔ دنیا کی رفتار اور طور طریقے تبدیل ہو جاتے ہیں، تم اس طویل مدت میں غازیان اسلام کے قدم چومتے اور ان کی راہوں میں پھول نچھاور کرتے رہے بارہا ان کے استقبال کے لئے تم فرش راہ بن گئے۔ لیکن مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دو۔ کہ جب اسلامی حکومت کا جنازہ تمہاری شاہراہوں سے گذرا تو تمہارے رگ وریشہ میں بس جانے والے اسلامی جذبے نے مزاحمت کیوں نہیں کی؟ یہاں کے اسلامی ذروں نے اتنی جلدی کفر کی غلامی کیسے قبول کرلی تمہاری مسجدوں نے کفر کے پیغامبر عیسائیوں کے سامنے سر ڈالنا کیسے گوارہ کیا۔؟ تم نے اپنے جاں باز سپوت موسیٰ بن ابیل غسانی کے جرات مندانہ حوصلے کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔؟ اگر تم نے ذرا عزم وحوصلہ سے کام لیا ہوتا تو تاریخ اسلامی اسپین کی سیاہ تاریخ سے داغدار نہ ہوتی اور دشمنان اسلام دنیا کے دیگر علاقوں میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی جسارت نہ کرپاتے۔

اے اسپین ! وقت کے مورخ آئیں گے اور تجھ سے پوچھتے رہیں گے کہ آخر مسلمانوں کا قصور کیا تھا کہ تو نے ان کے ہزار احسانات کے باوجود اپنے یہاں سے ان کے آثار تک کو مٹادیا۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی احسان فراموشی اور بے وفائی کی مثال ہو سکتی ہے۔؟

اے قرطبہ، اندلس، غرناطہ اور اشبیلیہ کی سرزمین ! تیری شہرت کو اوج ثریا پر پہونچانے والے مسلمان تیری بے وفائی کے شاکی ہیں تو ہی بتا ! کیا احسان کا بدلہ اسی طوطہ چشمی سے دیا جاتا ہے؟ جس کا تو نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مظاہرہ کیا ہے۔ کاش! تو نے بھی ہندوستان کی سرزمین کی طرح اسلام دوستی کا نمونہ پیش کیا ہوتا۔ جہاں صدیوں انگریزی حکومت اور غیروں کی اکثریت رہنے کے باوجود آج بھی اسلامی تہذیب

کی نشانیاں صفحۂ گیتی پر روشن ہیں۔ مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ مدرسوں میں قال اللہ اور قال الرسول کے زمزمے گونجتے ہیں اور چپہ چپہ پر اسلامی آثار کے نقوش نمایاں ہیں۔"

یہ الفاظ سن کر اسپین کے کھنڈرات اور مظلوم مسلمانوں کے بے جان لاشے انگڑائی لینے لگے۔ وہ جذبات کے طوفان کا جواب دینا چاہتے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اگر رب ایزدی انہیں گویائی عطا کرتا تو وہ رندھی ہوئی آواز میں یوں گویا ہوتے۔

"اسلام ہماری عزت، مسلمان ہمارے محافظ اور دین محمدی ہماری زندگی ہے۔ ہم نے اپنی زندگی کے کسی لمحے میں بھی اسلام اور اس کے پیروکاروں سے بے اعتنائی نہیں برتی، ہم ان کے لئے آج بھی دیدۂ ودل نچھاور کرنے کے متمنی ہیں۔ مگر اسے ہماری بدبختی کہئے یا قوم مسلم کی محرومی کہ یہاں اسلامی اقدار کی حفاظت اور مسلمانوں کی مذہبی شناخت برقرار رکھنے کے لئے حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ جیسا کوئی دردمند پیدا نہ ہو سکا۔ جس کی وجہ سے ہم دیوبند کے دارالعلوم، سہارنپور کے مظاہر علوم، اور مراد آباد کے مدرسہ الغرباء قاسم العلوم مدرسہ شاہی جیسے مدارس سے محروم رہے۔ ہماری وہ علمی مجلسیں جو حکومت کے بل بوتے پر چلتی تھیں حکومت ختم ہوتے ہی ویرانی کی داستان سنانے لگیں۔ اگر ہمارے یہاں کے مدبر بھی اس راہ پر گامزن ہوتے جو نازک وقت میں ہندوستان کے مخلص علماء نے اپنائی تھی تو ہمارے ماتھے پر اسلام سے بے اعتنائی اور بے وفائی کا داغ نہ لگتا اور ہمارے علمی سوتے مخلص رجال کار کی تیاری سے خشک نہ ہوتے۔ ہمیں ہندوستان کی سرزمین پر رشک آتا ہے جس کی کوکھ سے ایسے عباقرامت نے جنم لیا۔ جنھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم میں دین کی شمعیں روشن کردیں۔ اور ہندوستان کو توانہوں نے رشک عالم بنادیا اگر ان کی جدوجہد شامل حال نہ ہوتی تو ہندوستان کا حال بھی ہم سے مختلف نہ ہوتا۔ ہم تاریخ کے واسطے سے ہندوستان کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتے ہیں اور اپنی اوپر گذری ہوئی داستان عبرت کی بناپر یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ جب تک یہ سرزمین دینی مدارس کے ثمرات سے مستفیض ہوتی رہے گی یہاں اسلام کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر رہیں گی۔ "انشاءاللہ تعالیٰ" اور دنیا کی کوئی طاقت ان مدارس سے نکلنے والے ٹھوس عقیدے اور عزم وحوصلے کے پیکر خادمان اسلام کا سامنا کرنے کی جرات نہ کرسکے گی۔"

"اسپین" کا یہ جواب کسی بھی منصف مزاج شخص کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مراد آباد اور اسی فکر سے تعلق رکھنے والے دیگر مدارس کی عظمت و اہمیت میرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی اور میرے ہاتھ بے اختیار بارگاہ ایزدی میں اٹھ گئے۔ اے پروردگار عالم ! یہ دین کے قلعے دینی مدارس اپنی بقا کے لئے تیری رحمت اور توجہ کے محتاج ہیں، تو انہیں اپنے فضل سے آباد رکھ اور اس سلسلہ کے بانیوں کی قبروں کو نور سے منور کر، اور جو اس تحریک کی بقا میں کسی طرح بھی شریک ہیں یا شریک رہے ہیں ان کو جزائے خیر مرحمت فرما۔ آمین۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

از:۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۳ھ میں مدرسہ شاہی کے عظیم الشان اجلاس دستار بندی اور ختم درس قرآن کی تقریب کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر مدرسہ شاہی کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے مدرسہ کی کارگزاری رپورٹ پیش کی جس میں صحافت وادبیت کی پوری چاشنی کے ساتھ جامعہ کی تاریخ، اس کی علمی عظمت اور اس کی قابل قدر خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس رپورٹ کا یہ اقتباس ناظرین کرام کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ (مرتب)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد: حضرات! یہ جامعہ قاسمیہ جس کو آپ مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم کہتے ہیں۔ جس کا مختصر نام مدرسہ شاہی ہے یہ وہی پودا ہے جس کو پون صدی پہلے حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے لالہ زار مراد آباد میں لگایا تھا چھتر سال کی گردشوں میں لیل ونہار کے ہزاروں انقلاب اور آفات وحوادثات کی سینکڑوں تلخیاں اور ترشیاں برداشت کرتے ہوئے آج نہ صرف مراد آباد بلکہ پورے ہندوستان کا ایک گلشن شاداب ہے جس کی مہک سے دنیائے اسلام معطر ہو رہی ہے ہندوستان بھر کے چیدہ علماء ہمیشہ اس کی آبیاری کرتے رہے اور آج بھی اس گلشن کو بنانے اور سنوارنے کے لئے وہ علماء ہیں جن پر طبقۂ اہل علم بجا طور پر

نازکرتا ہے۔

مدرسہ شاہی کے فیض یافتگان

وہ ابوحنیفۂ وقت جس کو آپ مفتیٔ اعظم ہند کے خطاب سے پہچانتے ہیں جن کی وفات کے سانحۂ عظیم نے "موت العالِم موت العالَم" کی تصویر کچھ اس طرح کھینچی کہ آج پورا ایک ماہ ہو رہا ہے مگر دنیائے اسلام وقفِ اضطراب سے سکون چاہتی ہے مگر سکون میسر نہیں۔

یہ ابوحنیفۂ وقت یہ مفتیٔ اعظم ہند یہ بلند پایہ مدبّر یہ علم و عمل کا ماہتاب درخشاں کس گلشن کا پودا تھا۔ مدرسہ شاہی کی درسگاہیں اپنی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور مرادآباد کے گلی کوچے شہادت دے رہے ہیں کہ ذکاوت و ذہانت کا وہ پیکر جس کو محمد کفایت اللہ کہا جاتا تھا، یہیں پروان چڑھا تھا اور اسی گلشن قاسمی کا نونہال تھا جو شجرۂ طوبیٰ بن کر اس طرح پھیلا کہ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ پر اس کی شعاعیں سایہ فگن ہیں۔

آج جس پر نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پورے ہندیونین کو ناز ہے جس کو آپ "مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن" کہہ کر خوش ہوتے ہیں جن کی تقریر سننے کے لئے آپ ہمہ تن گوش بنے ہوئے ہیں آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ یہ بھی اسی قندیل سے روشن ہونے والی شمع ہے جو بزم علم وسیاست کو روشن کئے ہوئے ہے۔

ان آفتابوں اور ماہتابوں کے علاوہ سینکڑوں سہیل اور ثریا ہیں جو آسمانِ علم کے کناروں پر چمک رہے ہیں جن سے ہند اور پاکستان اور افغانستان کی درسگاہیں ضیاء اندوز ہو رہی ہیں۔

خصوصیات

اس درسگاہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی علمی اور عملی دونوں کمالات کا تابداں بن کر روشن ہوئی۔

یہ جامعہ جس طرح علمی خدمات میں پیش پیش رہا اس نے اپنے فیض یافتگان

میں علوم الٰہیہ اور فنون حکمیہ کی صلاحیتیں پیدا کیں۔ ایسے ہی وہ ان کو روحِ عمل اور عملی سیاست سے بھی آشنا کرتا رہا۔

یہ مدرسہ اپنے دائرہ میں صرف علم و فکر اور خاص مکتب خیال کا مرکز ہی نہیں رہا بلکہ قومی اور وطنی تحریکات بھی اس کے دامن سے وابستہ رہیں اور اس کے اعضاء اور ارکان ہر موقع پر مرجعِ انام اور پشت پناہ بنے رہے۔ اس طرح یہ دارالعلوم صرف درس گاہ ہی نہیں بلکہ بہت بڑی تربیت گاہ بنا رہا اور آج بھی یہ دونوں جوہر اس کی پیشانی سے تاباں ہیں۔

جامعہ قاسمیہ اور مختلف دور

انھیں دو قوتوں کی بنا پر جس طرح یہ جامعہ قدر دانوں کی آنکھ کا تارا بنا رہا وہ دوسروں کی نگاہوں میں ہمیشہ کھٹکتا رہا۔ انگریزی سامراج کے دور میں حکومت کی نگاہیں اسکی طرف ہمیشہ گرم رہیں۔ انگریزوں کے بعد وہ سماج دشمن عناصر جو ترقی ملک کے راستہ میں سنگ گراں ہیں۔ یہ جامعہ ان کو خار نظر آرہا ہے لیکن جامعہ کا کردار ایک ہی اصول پر قائم ہے یہ اصول اپنے بانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصیت نامے سے حاصل کیا۔ "اعتماد علی اللہ" ۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور "اخلاصِ نیت"۔ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ،

۴۷ء کے بعد

ہند یونین کی آزادی کے بعد جامعہ کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہوگئی ہیں پہلے اس کا کام اپنے فیض پانیوالوں میں ایسی روح پیدا کرنا تھا جو جہاد آزادی میں قوتِ مقاومت پیدا کر سکے اور اب اس کا نصب العین یہ ہے کہ آزاد ملک کے ایسے بہترین شہری تیار کرے جو خود بھی بڑھیں اور ترقی کریں اور اپنے ملک کو بھی رزم گاہ عالم میں دیدبان امن اور تہذیب و شرافت کا قطب مینار بنا دیں۔

تقسیم کا اثر

اس بلند نصب العین کی روحانی مسرتوں کے ساتھ یہ دماغی کوفت یقیناً باعثِ اذیت ہے کہ پرمٹ اور پاسپورٹ

کے خاردار تاروں نے خدمت کے دائرہ کو صرف ہندیونین تک محدود کر دیا ہے، سرحدی قبائل افغانستان، بلوچستان اور برما وغیرہ کے وہ طلبا جو پہلے آسانی سے آسکتے تھے۔ آج ہندیونین تک ان کا پہونچنا بہت مشکل ہوگیا ہے اور حال میں مشرقی اور مغربی بنگال کے درمیان پاسپورٹ سسٹم کی دیوار نے بہت سے تشنگانِ علم کو علم کے چشموں سے اور علم کے سرچشموں کو اپنے قدرداں تشنہ کاموں سے جدا کر دیا ہے۔ اس داہیۂ عظمٰی نے بہت سی درسگاہوں کو سونا کر دیا ہے۔ لیکن خدا کا فضل و کرم ہے کہ گلشن قاسمی اس خزاں کے اثر سے بڑی حد تک محفوظ رہا ہے۔ تاہم تقریباً ۲۰ فیصد طلباء کا خسارہ اس کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ پہلے طلبہ کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہوتی تھی۔ مگر اب چار سو سے آگے نہیں بڑھتی۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ وہ خسارہ کو دن بہ دن پورا کر رہا ہے جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کی تعداد سنہ ۴۸ء میں پندرہ (۱۵) رہی اور سنہ ۵۰ء میں سترہ اور گذشتہ سال ۲۲ طلبہ تھے۔ جنھوں نے دورۂ حدیث میں شرکت کر کے کامیابی اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

خدا کرے ہندیونین کی علمی زرخیزیوں میں اضافہ ہو اور یہ علمی گلشن پہلے سے زیادہ سرسبز و شاداب ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ،

نظم تعلیم علوم و فنون

حدیث، تفسیر، فقہ اور علوم عربیہ کے علاوہ ریاضی جغرافیہ اور حساب وغیرہ کی تعلیم درجات فارسی میں دی جاتی ہے، حفظ قرآن، تجوید کا مستقل سلسلہ قائم ہے۔ تعلیم و تدریس کے علاوہ افتاء اور تبلیغ کا سلسلہ بھی قائم ہے۔ اس سال درجہ نستعلیق کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے جس میں اردو، ہندی، انگریزی اور عربی رسم الخط اور ڈرائنگ کی تعلیم دی جاتی ہے منشا یہ ہے کہ خط و کتابت کے فن شریف کے ساتھ ایسا سلیقہ پیدا کر دیا جائے کہ یہ ذریعہ معاش بھی بن سکے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

شمالی ہند کا ایک عظیم الشان دینی تعلیمی ادارہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم جامعہ قاسمیہ

۵۷ء کی تحریک آزادی کے فیل ہونے کے بعد جبکہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں پر اور خصوصاً جماعت علماء پر بے پناہ مظالم توڑے اور منتقمانہ جذبات میں ان بیچاروں کو بالکل مُردہ کر دیا۔ تو اس وقت۔ وقت کے سب سے بڑے نباض نے پوری ژرف نگاہی کے بعد حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ہوا کا رُخ پلٹ چکا ہے۔ اس وقت آزادی کی سابق تدبیریں نہ بروئے کار آسکتی ہیں اور نہ ہی مفید ہو سکتی ہیں، اس وقت وقت کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زندہ رہنے اور ان کے دلوں سے خوف وہراس اور احساس کمتری دور کرنے کی صورتیں اختیار کی جائیں، اور ان کے دلوں کو از سرِ نو اسلامی روایات کا حامل اور شیدائی بنایا جائے۔ اور اس کے لئے جگہ جگہ مراکزِ اسلامی قائم کئے جائیں، اور اس راستہ سے ان کو اصل مقصد کی رہنمائی کی جائے، چنانچہ بتائید غیبی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نور اللہ مرقدہٗ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، اور سہارنپور میں مولانا محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر مظاہر العلوم کی بنیاد پڑی اس کے کچھ عرصہ بعد مرادآباد کا مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم جو آجکل جامعہ قاسمیہ کے نام سے ملک میں روشناس ہے معرضِ وجود میں آیا۔ اس کی بنیاد بھی انہیں سراپا اخلاص برگزیدہ حق حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں رکھی گئی ہے جنہوں نے ۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ غیبی اشارات پر مراکزِ اسلامی کا نقشِ اولیں دیوبند میں قائم فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد وہی ہو سکتے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے ہیں۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا عالم علی محدث مرادآباد کے انتقال کے بعد مرادآباد کے باخبر حساس قلوب میں اس ضرورت کا احساس پیدا ہوا، حضرت نانوتوی قدس سرہٗ مرادآباد تشریف لائے ہوئے تھے سب نے مل کر حضرت مولانا کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ مرادآباد کی

سرزمین دولتِ علمی سے خالی ہوچکی ہے، اگر چندے یہی حالت رہی تو دینی جذبات ختم ہوجائیں گے، حضرت دُعا فرمادیں کہ خداوند کریم اہلِ مرادآباد کو دوبارہ علمی فیوض وبرکات سے متمتع فرمائے، حضرت نے فوراً دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، ہاتھ اٹھانے کی دیر تھی کہ اجابت درِحق کے سامنے آئی اور کام بن گیا۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ بطرز دیوبند غریبوں سے تھوڑا تھوڑا چندہ مقرر کرالیا جائے اور اصحابِ ثروت بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہیں تو ان کو بھی شامل رکھا جائے، چنانچہ چندہ کی اپیل کی گئی، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے چندہ پیش کیا وہ ایک بھشتی تھا جس نے ایک پیسہ دیا جو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ چند ہی روز میں تیس پینتیس روپیہ ماہوار کا انتظام ہوگیا اور حسب ہدایت حضرت اقدس کہ فوراً کسی جامع منقول ومعقول مدرس کا تقرر کرلیا جائے۔

حضرت کے تلمیذ رشید جامع محاسن صوری ومعنوی حضرت مولانا سید احمد حسن قدس سرہٗ امروہوی کا بمشاہرہ ۳۵ روپیہ تقرر عمل میں آیا۔ یہ اس جامعہ کی ابتدائی روئیداد ہے۔

آج ۱۳۷۷ھ[1] ہے یعنی اس جامعہ کو قائم ہوئے ۸۰ سال ہوگئے، اس کے تعلیمی نظام کی خوبی تو اسی سے ظاہر ہے۔ کہ اس پر بہت سے تاریخی انقلابی دور آئے مگر اس کی شان کو گھٹا نہ سکے، ہر زمانہ میں ہند اور بیرون ہند کے کثیر التعداد طلبہ جو مختلف علوم اور فنون کے خواہش مند ہوتے ہیں یہاں آکر اپنی مراد کو حاصل کرتے رہے۔ جن کی تفصیل کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ مدرسہ کی روئیدادیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ ہم آخر میں چند مقتدر اور مشاہیر اصحاب کے نام پیش کریں گے جن سے جامعہ کی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہوسکے گا، اس جامعہ کی خصوصیات میں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اس کا اہتمام اہلِ علم اور مخلصین کے ہاتھوں میں رہا ہے، جنہوں نے بلامعاوضہ حسبۃً للہ اس خدمت کو انجام دیا ہے، البتہ درمیانی دور میں تین مہتمم تنخواہ دار بھی رہے ہیں۔ اس کی صدارت ہمیشہ سے ملک کے ممتاز اور مسلّم علماء کے ہاتھوں میں رہی ہے، چند نام ذکر کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ امروہوی حضرت مولانا عبد العلی صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی، حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ مرادآبادی قاضی بھوپال، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ امروہوی صدر مدرس امروہہ، حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سہسوانی، حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مدظلہٗ جو طویل عرصہ سے اس کی صدارت

[1] یہ مضمون ۱۳۷۷ھ میں لکھا گیا تھا (مرتب)

و تدریس پر فائز ہیں۔ اسی جامعہ کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ مذہبی تحفظات کے ساتھ وقت کے اہم ملی اور وطنی تقاضوں کے پورا کرنے میں کبھی بھی اس کے وابستگان کا قدم پیچھے نہیں رہا، بلکہ یہ دعویٰ بیجا نہ ہوگا کہ اس کے مدرسین اور طلبا نے جس بے جگری کے ساتھ دور خلافت سے لیکر تا حصول آزادی جس قسم کی مالی اور جانی قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر کسی دوسری درسگاہ میں نہیں مل سکتی، مدرسین میں بعض دو دو مرتبہ اور بعض تین اور چار اور اس سے زائد مرتبہ حکومت کے مہمان رہے ہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب و مولانا محمد میاں صاحب و مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، قاری محمد عبداللہ صاحب مرحوم، مولانا اختر الاسلام صاحبؒ، حافظ حکمت اللہ خانصاحب، قاری محمد کامل صاحبؒ، طلبہ میں ولایتی، بنگالی، ہندوستانی غرض ہر مقام کے طلبہ نے پوری مستعدی اور گرم جوشی کے ساتھ خود کو قید و بند کے لئے پیش کیا، ۱۳۵۱ھ میں احقر کو اہتمام کی خدمت سپرد کی گئی ہے، اس دور کی ترقیات کا ذکر خود ستائی کے مرادف سمجھا جائیگا لہٰذا اس کو چھوڑ کر صرف اتنی گذارش ہے کہ جامعہ کا اصل سرمایہ تو توکل علی اللہ ہے، عالم اسباب میں اس کا انحصار غربار کے چندوں اور اصحاب خیر کی وقف کی امداد پر ہے۔ اس کے پاس نہ کوئی محفوظ فنڈ ہے اور نہ کوئی ایسی جائیداد جس کی آمدنی قابل اعتماد ہو، اخراجات ماہانہ تقریباً دو ہزار ہوتے ہیں، اور مقررہ آمدنی بمشکل سو ڈیڑھ سو روپے ماہانہ ہوگی، اسی بنا پر نہ اس کا کوئی دار الاقامہ بن سکا اور نہ مستقل مطبخ ہی قائم ہو سکا۔ اب میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایک مختصر سی فہرست بطور مشتے نمونہ از خروارے۔ ان حضرات کی پیش کر دوں جو اس جامعہ سے منتسب ہیں اور اس کو تین ادوار پر تقسیم کر رہا ہوں۔

دور اوّل میں ۱۲۹۶ھ لغایت ۱۳۲۹ھ تک کے بعض مشاہیر فضلار کا تذکرہ ہوگا، اور دور ثانی ۱۳۲۹ھ لغایت ۱۳۵۱ھ اور دور ثالث ۱۳۵۱ھ سے شروع ہو کر ۱۳۷۰ھ تک۔

دور اوّل

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی، حضرت مولانا خادم حسین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہسوانی، حضرت مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا بشیر احمد شاہ صاحب رکن مجلس علمار بھوپال حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سیوہاروی، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب شاہجہانپوری، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب شاہجہانپوری، حضرت مولانا حافظ احمد حسن صاحب مہتمم مدرسہ فیض عام سیوہارہ، حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب کلکتہ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھلاودی میرٹھی، حضرت مولانا یوسف علی صاحب میرٹھی، حضرت مولانا علی احمد صاحب عمروی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب بریلوی، حضرت مولانا منصور علی صاحب مرادآبادی ثم حیدرآبادی، حضرت مولانا مرزا فرخ بیگ صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا مرزا حمید اللہ بیگ صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب پنجابی مرادآبادی، حضرت مولانا احمد علی صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب عمروی، حضرت مولانا انظار احمد صاحب مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سنبھلی، حضرت مولانا محمد ریاض الدین صاحب افضل گڈھی مفتی ومدرس دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب افضل گڈھی سابق مفتی ریاست حیدرآباد دکن، حضرت مولانا عبدالباری صاحب گڈھ مکٹیشری، حضرت مولانا قاضی فصیح الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا اللہ رکھا صاحب انبیٹھوی، حضرت مولانا حافظ محمد یحییٰ صاحب شاہجہانپوری، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رئیس بچھرایونی، حضرت مولانا شاہ حسن صاحب رئیس بچھرایوں، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سنبھلی۔

دور متوسط

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا فیض الحق صاحب ولایتی، حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا حکیم انظار احمد صاحب نیندڑوی حضرت مولانا حکیم محمد آفاق صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا بشیر الدین صاحب باگوی سلہٹی خلیفہ خاص حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا سعید الدین صاحب سہسپوری رنگونی مرحوم، حضرت مولانا شمس الدین صاحب باپوڑی، حضرت مولانا امام الدین صاحب اتھائیں، حضرت مولانا محمود احمد صاحب عمروی، حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب خلیفہ خاص حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا حکیم عبدالحمید صاحب سہسپوری، حضرت مولانا محمد شعیب صاحب پشاوری، مدرس مدرسہ اسلامیہ سہسپور، حضرت مولانا شمس الدین صاحب پشاوری، حضرت مولانا حکیم باقر علی صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا حافظ نعیم الدین صاحب مونگیری، حضرت مولانا عبداللہ صاحب قندھاری، حضرت مولانا عبدالحق صاحب سنبھلی، حضرت مولانا امجد علی صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد، حضرت

مولانا غلام یحییٰ خاں صاحب پشاوری، حضرت مولانا حافظ سعید احمد صاحب مرحوم سلیم پوری۔
حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب افضل گڈھی ناظم جمعیۃ علماء صوبہ مدراس، حضرت مولانا محمد حلیم صاحب بنوی مدرس معراج العلوم بنوں، حضرت مولانا محمد اطہر صاحب کٹکی، حضرت مولانا مظہر علی صاحب سلہٹی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب کدوری۔

دورِ ثالث

حضرت مولانا سید واحد رضا صاحب مرادآبادی مدرس جامعہ قاسمیہ۔ حضرت مولانا سید اختر الاسلام صاحب مدرس جامعہ قاسمیہ مرادآباد
مرادآباد۔
" " نذیر احمد صاحب " " " " " خلیل الرحمٰن صاحب " "
" " عبدالحکیم صاحب افضل گڑھی " " " " قاری محمد کامل صاحب " "
" " محمد شاہ صاحب رامپوری " " " " مستحسن الدین صاحب بجنوری " "
" " محمد اکبر صاحب ہزاروی ۔ حضرت مولانا قاری مولوی غلام حسین صاحب کامٹی پوری
" " مرغوب احمد صاحب مونڈھوی۔ حضرت مولانا گل فراز صاحب ولایتی۔
" " عبدالحکیم صاحب کوہاٹی۔ حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب سہپوری خطیب نینی تال۔
" " نذیر احمد صاحب سہپوری مدرس مدراس۔ حضرت مولانا قاری امیر علی صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد۔ حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب مرادآبادی۔
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سڈھروی۔ حضرت مولانا صدیق حسن صاحب سہپوری۔
" " حکیم اللہ صاحب ہلدوانی ناظم جمعیۃ ضلع نینی تال۔ حضرت مولانا رحمٰن صاحب بنوی۔
" " جمال الدین صاحب غازیپوری۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحیم صاحب بجنوری مدرس مدرسہ دھامپور۔

ہزاروں فارغین میں ہر دور کے چند چند اسماء جو اس وقت مستحضر ہوئے پیش کر دیئے ہیں۔ جن میں دورِ اوّل کے اکثر حضرات علمی خدمات انجام دیتے ہوئے خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔ دورِ ثانی و ثالث کے اکثر حضرات بقید حیات ہیں اور بفضل خدا مختلف مدارس میں دینی علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ طبقہ ثانیہ و ثالثہ کے سیکڑوں حضرات ایسے ہیں جو مختلف طریقوں سے دینِ متین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جن کی خدمات کا احقر کو علم ہے۔ مگر تنگیٔ وقت کی بناء پر ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے جو نام بے تکلف سامنے آگئے وہ لکھدئے گئے، خداوند کریم اس باغ قاسمی کو باین فیض رسانی ہمیشہ قائم و سرسبز رکھے۔ والسّلام

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

اساس فکر — توکّل علی اللہ — نصابِ تعلیم — اور — موجودہ ترقیاں

از: حضرت مولانا رشیدالدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ

جامعہ قاسمیہ "مدرسہ شاہی"، مرادآباد قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا لگایا ہوا وہ گلشن ہے جس کی سرسبزی اور شادابی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، ماضی میں تیز و تند مخالف ہواؤں، منصوبہ بند اور منظم سازشوں اور بنیادوں کو ہلا دینے والی رقابتوں کے باوجود یہ ادارہ پورے عزم و ہمت اور استقلال کے ساتھ شاہ راہ ترقی پر رواں دواں رہا ہے۔ اور بحمداللہ آج بھی روشن مستقبل کی طرف گامزن ہے۔ یہ درحقیقت ان اکابر اولیاء اللہ کی جسمانی و روحانی توجہات سامیہ کا ثمرہ ہے جو روزِ اول ہی سے مدرسہ شاہی کی طرف خاص طور پر متوجہ رہی ہیں۔ اور جن کے جلو میں رہ کر یہ مدرسہ پروان چڑھا ہے۔ چنانچہ اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت بزرگ عارف باللہ حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری رح کا مشہور مقولہ حضرت مولانا سید غالب علی صاحب رکن شوریٰ مدرسہ شاہی و خلیفہ حضرت منگلوری رح نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ:

"دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد، مظاہر علوم سہارنپور کو آپ آج کل کے مدارس کی طرح نہ سمجھیں، حضرت پیرومرشد (مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحبؒ) نے فرمایا تھا کہ یہ مدارس خاص الہامات کے بموجب قائم کئے گئے ہیں"[1]

---

[1] راوی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ (علماء حق ص۱ ج۱ و ص۲ ج۱)

اسی بناپر ہر دور کے اقطابِ وقت اور اکابر اولیاء اللہ نے مدرسہ شاہی کو اپنی سرپرستی سے نوازا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونیؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ اور اخیر زمانہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ برابر اس ادارہ کی ترقی اور حفاظت و بقا میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چمن کو یونہی آباد رکھے اور اکابر وقت کی عنایتوں اور نوازشوں سے یہ ادارہ برابر مستفید ہوتا رہے۔ آمین ثم آمین

اساس فکر

مدرسہ شاہی دراصل ازہرِ ہند دار العلوم دیوبند کی تحریک ہی کا ایک جز ہے اور اپنے انتظامی اور تعلیمی معاملات میں دار العلوم دیوبند کا مثیل ہے۔ ماحول، فکر، اور مزاج میں شاید ہی کوئی دو ادارے اس طرح یکسانیت رکھتے ہوں جو دار العلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی کے مابین پائی جاتی ہے اس ہم آہنگی اور یک مزاجی کی بناپر مدرسہ شاہی بھی انہی خطوط اور نقوش پر گامزن رہا ہے جو دار العلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اور جن کی بدولت برصغیر میں واقعۃً اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور حفاظت دین کا فریضہ انجام دیا گیا ہے۔

توکل علی اللہ

ان خطوط میں سب سے اہم اور بنیادی چیز توکل علی اللہ ہے۔ جو الحمدللہ ہمیشہ سے مدرسہ شاہی کا قیمتی سرمایہ رہا ہے جس کی برکت سے یہ گلشنِ علمی ترقی کے منازل طے کرتا رہا جو بقول حضرت بانی محترمؒ ترقی کی بنیاد اور اساس ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

"اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ

انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی، جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا، جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔"

(اصول ہشتگانہ حضرت نانوتوی رح)

مدرسہ شاہی آج بھی اس ہدایت پر سختی سے عمل پیرا ہے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہو رہا ہے۔

حکومت اور اُمرا سے بے نیازی

دیوبندی فکر کے حامل مدارس کا دوسرا اہم امتیاز چندہ میں غرباء کی طرف توجہ اور امراء و حکام سے کامل بے نیازی ہے۔ جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رح نے ہدایت فرمائی ہے۔

"سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے"

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف زبانی ہدایت نہیں بلکہ الہامی رہنمائی ہے۔ اگر اس اصول پر عمل نہ کیا جاتا تو نہ جانے کب کے یہ مدارس ختم ہو کر تاریخ کی وادیوں میں گم ہو گئے ہوتے۔ اور حفاظتِ دین کا جو عظیم تصور ان مدارس کے قیام سے قائم کیا گیا تھا وہ کب کا خواب و خیال بن گیا ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت نانوتوی رح سے اہلِ مرادآباد نے شہر میں علمی فضا باقی رکھنے کی درخواست کی تو آپ نے جوابی خطاب فرمایا اس کے الفاظ یہ تھے:

"اگر تم چند آدمی متفق ہو کر غرباء سے چندہ لینا شروع کر دو اور امراء میں سے جو صاحب بہ نظر ثواب شریک ہوں ان کو شریک کرو تو خدا کے فضل سے امید ہے کہ ایک رقم معقول جمع ہو جاوے۔ پھر اللہ پر بھروسہ کر کے یوں فرمایا — جاؤ اس کام میں جلدی کرو۔ اول ایک مدرس عربی جو جملہ کتب درسیہ پڑھا سکے اس کو بہ تنخواہ

مقرر کر کے مدرسہ جاری کر دو اور انتظام اس کا غربا ہی کی رائے پر چھوڑ دو"۔

غربار سے ربط کی تاکید کی دراصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دئے ہوئے چندہ میں جو اخلاص اور نیک نیتی رچی اور بسی رہتی ہے۔ وہ امرا و حکام کے عطیات میں نہیں پائی جاتی۔ اور غربار کی رقم سے جو برکتیں ظاہر و باطن میں محسوس ہوتی ہیں وہ عموماً امرار کی رقومات میں دکھائی نہیں پڑتیں۔

پھر حکومت سے عدم تعاون کی بنا پر مدرسہ اپنے نصاب، طرزِ تعلیم اور تربیت کے طور طریقوں سے جس طرح غیر ضروری مداخلت سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ وہ حکومت سے تعاون لینے کی شکل میں کسی طرح متصور نہیں ہو سکتا۔ آج جو عربی مدارس حکومت کے تعاون سے چل رہے ہیں وہ اپنی روح کھو چکے ہیں۔ اور اپنے مقاصد حقیقیہ سے کوسوں دور جا پڑے ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر انھیں قائم کیا گیا تھا۔

نصاب اور طریق تعلیم

نصاب اور تعلیم کے منہج کے اعتبار سے بھی دیوبند کی تحریک سے وابستہ مدارس اپنا الگ امتیاز اور تفوق رکھتے ہیں۔ یہ وہ نصاب اور منہج تعلیم ہے جس نے گذشتہ سوا صدی میں صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے عالم کو ایسے بلند پایہ علمار، محدثین، مفسرین، خطیب و مناظر اور دعاۃ و مبلغین عطا کئے ہیں جن کی مثال اس منہج تعلیم کے علاوہ دوسرے کسی تعلیمی طریقہ میں نہیں ملتی دینی خدمت کا کون سا ایسا میدان ہے جس میں اس نصاب کے حامل علمار نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر نہ دکھائے ہوں۔ یہ نصاب اور تعلیم کا طریقہ دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے کافی غور و خوض اور پوری دوراندیشی کے بعد مقرر فرمایا تھا۔ اور جزوی ترمیمات کے علاوہ اس میں فنی اعتبار سے تبدیلی مضر اور نقصان دہ قرار دی گئی تھی۔ اس بنا پر ان مدارس نے بار بار دباؤ پڑنے کے باوجود اپنے امتیاز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور قدیم طرز تعلیم اور درسی مضامین کو ترک نہیں کیا۔ بعض مرتبہ ایسے مواقع بھی آئے کہ بڑی بڑی ریاستوں کے امرار اور حکام نے مالی امداد و تعاون کا یقین دلا کر اس طرح مدارس کو ان کی ڈگر سے ہٹانا چاہا۔

مگر قربان جائیے ان دور اندیش بہی خواہان ملت پر کہ انھوں نے ایک لمحہ کے لئے ذہنی غلامی برداشت نہیں کی اور اپنے امتیاز کے مقابلہ میں مالی امداد کو چھوڑ دیا۔

مدرسۂ شاہی مراد آباد بھی انہی پرعزم اداروں میں سے ایک ہے جو اپنی تاریخ کے کسی لمحہ میں بھی اپنے روایتی امتیاز اور طور طریقوں کو چھوڑنے پر کبھی آمادہ نہ ہوا۔

ایک واقعہ اس سلسلہ میں، میں صرف ایک واقعہ آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدرسۂ شاہی اپنے بانی کے مقرر کردہ اصولوں پر کس قدر سختی سے کاربند ہے۔

والئ ریاست رام پور کی جانب سے مدرسۂ شاہی کو معتد بہ مقدار میں عطیہ دیا جاتا تھا ۱۳۰۵ھ میں نواب صاحب رام پور مدرسۂ شاہی میں تشریف لائے۔ اور اپنے مدارالمہام خاں بہادر جنرل اعظم الدین خاں صاحب کے توسط سے اہلِ شوریٰ مدرسۂ شاہی سے یہ درخواست کی کہ

(الف) مدرسۃ الغرباء اور مدرسۂ عالیہ رامپور کے درمیان ایک قسم کا تعلق وسلسلہ مناسب ہے۔

(ب) نواب صاحب کی طرف سے جو امداد مدرسہ کو دی جاتی ہے وہ صرف دینی علوم کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیوی علوم کے پڑھانے کے لئے بھی ہے۔ لہذا مدرسۃ الغربا کو بھی اپنے نظام تعلیمی میں غیر دینی علوم کو بھی شامل کرنا چاہئے۔

ان دونوں درخواستوں پر اہلِ شوریٰ نے غور وخوض کیا۔ اور امر اول یعنی مدرسہ رام پور سے تعلق سے متعلق جو جواب لکھا وہ یہ تھا:

"یہ تجویز قرار پائی کہ مدرسۃ الغرباء ایک شاخ مدرسہ دیوبند کی ہے۔ اور یہاں کی کارروائی اور طرز تعلیم میں مدرسۂ دیوبند کا اتباع اور وہاں کے اہلِ شوریٰ کی رائے کی پابندی کی جاتی ہے اس لئے اس مدرسۃ الغرباء کا کوئی تعلق یا سلسلہ مدرسہ رام پور سے قائم نہیں ہو سکتا" (تحریر نوشتہ)

اور امر ثانی یعنی علوم دینیہ کے علاوہ دیگر علوم داخل درس کرنے کے بارے میں یہ

رائے طے پائی کہ :

"اہل شوریٰ ان اصول کو جو قرار پاچکے ہیں تبدیل نہیں کریں گے۔ اور اس مدرسۃ الغربا میں سوائے تعلیم علوم دین کے اور کسی علم کی تعلیم جاری نہیں ہوسکتی"

نیز لکھا گیا۔ کہ

بحضور جناب نواب صاحب بہادر والئی رامپور کے نہایت ادب سے عرض کیا جاوے کہ ہم حضور کے زرامدادی کو نہایت دلی شکریہ کے ساتھ صرف ایسی صورت خاص میں جائز اور صحیح طور سے حاصل کرسکتے ہیں جبکہ وہ صرف بغرض تعلیم علم دین کے ہو نہ کسی اور علم کے۔ (تحریر نوشتہ)

اور اس واقعہ سے متعلق مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۰۵ھ میں تجویز اس طرح لکھی گئی :

"چونکہ سرکار کی توجہ اور عنایت سے علوم دنیوی کے مدارس اور کالج بکثرت ہیں اور عمدہ طور سے تعلیم ہوتی ہے لیکن علوم دینیہ کی تعلیم کے وسائل اس زمانہ میں کم ہوگئے ہیں۔ اسی لئے یہ مدرسہ اسلامیہ جاری کیا گیا ہے۔ اور اس مدرسہ اسلامیہ کا مقصود اصلی اور اصل الاصول تعلیم علوم دینیہ ٹھہرا۔ اور اسی مقصد سے ارباب ہمت سے چندہ لیا جاتا ہے۔ اور اہل شوریٰ نے بہت اور تامل سے یہ رائے قرار دی ہے کہ۔ درصورت ادخال ان علوم کے جو نئی روشنی سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ من کل الوجوہ یا بعض الوجوہ مطلب اصلی اور غرض خاص جو اس مدرسہ سے ہے وہ فوت ہوجاوے گی۔ بنائً علیہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مدرسہ میں ان علوم کی تعلیم داخل کی جائے۔ اور جو چندہ اس مدرسے میں خاص اس واسطہ دیا جائے کہ اس سے تعلیم علوم جدیدہ کی ہووے اس کو قبول نہیں کیا جاسکتا"

(رجسٹر کارروائی شوریٰ ۱۳۰۵ھ)

اہل شوریٰ نے یہ تجویز منظور کرکے مدرسہ کے سرپرست امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں بھیجی آپ نے جواب میں جو ہدایات

دی ہیں۔ وہ رہتے دم تک مدرسہ شاہی کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی۔ آپ نے فرمایا:

"جو کچھ واقعہ مدرسہ میں ہوا۔ بندہ کو سخت ناگوار گذرا کہ اب یہ مدرسہ مدرسۃ الغربا وتعلیم دین کا نہ رہا بلکہ مدخل الامراء وتحصیل دنیا کا ہونا چاہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں بندہ کے نزدیک ضروری ہے کہ لینا چندہ رام پور کا اس شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ بوجہ چندہ آپ کے نہ کوئی مداخلت آپ کی اور آپ کے وزرار واعوان کی اس میں ہو سکے گی اور نہ رائے آپ کی خلافِ اصحابِ شوریٰ قبول کی جاوے گی اور نہ طرز تعلیم قدیم میں تصرف کیا جاوے گا اور نہ آپ کی مدارات فوق ایک شرکار چندہ ہو سکے گی۔ آپ اس حالت پر بطور اعانت اسے عطا کریں بہتر ہے قبول ہے ورنہ منظور نہیں فقط"

یہ ہے وہ بنیادی فکر جس پر مدرسہ شاہی کی بنیادیں کھڑی کی گئی ہیں۔ یہی مدرسہ کا سرمایہ ہے اور یہی ادارہ کی کامیابی کا راز ہے۔

نصاب میں تبدیلی کا نعرہ

اسی مناسبت سے میں قارئین کی توجہ اس نعرہ کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں جو وقفہ وقفہ سے لگایا جاتا ہے کہ مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بناتے ہوئے اس میں جدید علوم داخل کرنے چاہئیں۔ میں صرف ایک نکتہ کی طرف توجہ دلاؤں گا جس سے حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ وہ یہ ہے کہ

نئے علوم کی تعلیم کے لئے مدارس میں ایسے اساتذہ رکھنے ہوں گے جو نہ صرف علمی مہارت اور کامل قابلیت رکھتے ہوں بلکہ وضع قطع بھی ان کی ایسی ہو جو دینی مدارس کے ماحول کے مطابق ہو۔ اور پھر یہ کہ مدارس کی قلیل تنخواہوں پر وہ قناعت کر سکیں۔ اس لئے کہ مدارس کسی پروفیسر کو اتنا مشاہرہ نہیں دے سکتے جو اسے مروجہ کالج اور یونیورسٹیوں میں دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک مشکل ترین کام ہے۔ اب اگر مدارس میں جدید علوم باقاعدہ داخل کئے جائیں۔ تو تینوں مرحلوں (مہارت تعلیم، وضع قطع،

اور مشاہرہ) پر انھیں مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ جس کے نتیجے میں دینی مدارس سے نکلنے والا طالب علم ایک ایسے پراگندہ خیالات واستعداد کا حامل بن کر نکلے گا جسے نہ تو جدید تعلیم یافتہ ہی کہا جاسکے گا اور نہ عالم دین۔ اس طرح مدارس کی اہمیت ختم ہو کر ان کے مقاصد اصلیہ فوت ہو جائیں گے۔ اس لئے تبدیلیٔ نصاب کا نعرہ بادی النظر میں کتنا خوب صورت کیوں نہ ہو لیکن اپنے اندر مدارس اسلامیہ کی افادیت ختم کرنے کی سازش اور داعیہ کو پنہاں رکھتا ہے۔ اگر یہ نعرہ لگانے والے واقعۃً دین اور دنیا دونوں کے بارے میں مخلص ہوتے تو دنیوی مسلم اسکولوں میں دینی تعلیم لازمی قرار دے جانے پر زور دیتے اس لئے کہ ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لئے دینی تعلیم کا نظم کوئی مشکل نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مفید نتائج برآمد ہونے کی امید ہے۔ اس لئے بحث کو طول نہ دیتے ہوئے میں ایسے لوگوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ہمارے معاملات میں خلل اندازی کرکے اپنی رائے ہم پر تھوپنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اپنے مقاصد اور اغراض کو سامنے رکھ کر اپنی عملی زندگی کے خطوط خود متعین کر سکتے ہیں۔

کچھ مدرسہ کے بارے میں

میرے جسم کا رواں رواں شکر خداوندی سے سرشار اور منت ایزدی سے گراں بار ہے کہ مدرسہ شاہی آج بھی اپنی سابقہ روایات پر پوری طرح کاربند رہتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ یہ صرف اللہ کا فضل ہے کہ مدرسہ نے کارکنان مدرسہ، اہل شوریٰ و عاملہ کی توجہ اور بہی خواہان مدرسہ کی غیر معمولی عنایتوں کی بدولت گذشتہ ۱۸ سالوں میں بے مثال ترقی کی ہے۔ تعلیمی، تعمیری، اور مالیاتی اعتبار سے مدرسہ اپنی تاریخ کے بہترین وقفہ سے گذر رہا ہے۔ درجات عربیہ میں معیار تعلیم بلند کرنے کے ساتھ ساتھ شعبۂ تکمیل ادب اور تکمیل افتاء کی سرگرمیوں نے مدرسہ کو ہر چہار جانب خاصا شہرہ عطا کیا ہے۔ اسی طرح ضروری تعمیرات (مسجد شاہی، دارالطلبہ لال باغ، اور مدنی مسجد لال باغ) کے اضافہ نے مدرسہ کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

ان تعمیرات پر گذشتہ ۱۸ سالوں میں کم وبیش تہتر لاکھ ۲۹ ہزار روپے خرچ ہو چکے ہیں اور مدرسہ کا مالیہ بجٹ جو ۱۳۹۶ھ میں کل ڈھائی لاکھ روپے تھا وہ ۱۴۱۳ھ میں پچاس لاکھ روپے تک پہنچ گیا ہے علاوہ ازیں رسالہ ندائے شاہی کے اجراء نے معاونین مدرسہ کے درمیان بہترین رابطہ اور کڑی بننے کا کام ہی نہیں دیا بلکہ مدرسہ کے فکر کو عام کرنے اور فرق باطلہ کا مقابلہ کرنے کا ذریعہ بھی بنا ہے۔

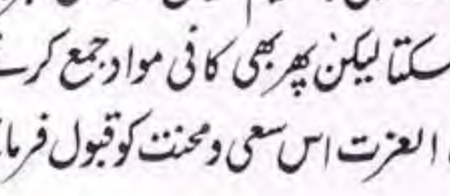
آئندہ کے منصوبے

الحمدللہ تعمیر کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ دارالطلبہ لال باغ میں درس گاہوں کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے اسی طرح فیملی کوارٹروں کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا تخمینہ لگایا گیا ہے ان شاء اللہ جلد ہی اس کی تعمیر بھی شروع ہوجائے گی۔

تاریخ شاہی نمبر

ضرورت تھی کہ اس قدیم مرکز علمی کی مبسوط تاریخ مرتب کی جائے تاکہ اس کی خدمات اور شخصیات سے متعلق معلومات سامنے آسکیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس طرف بھی خاصی پیش رفت ہوئی اور ابتدائی مرحلہ میں ماہنامہ ندائے شاہی کا ضخیم تاریخ شاہی نمبر پیش خدمت ہے اس کو گرچہ حرف آخر نہیں کہا سکتا لیکن پھر بھی کافی مواد جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اللہ رب العزت اس سعی ومحنت کو قبول فرمائے آمین



جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مولانا محمد عثمان احمد قاسمی جونپوری

جامعہ شاہی مرادآباد ہے فضلِ الٰہ — اس کی خدمات جلیلہ خود ہیں شاہد اور گواہ
جامعہ کا ذرہ ذرہ ہے درخشاں رات دن — اسکے طلبہ ہیں نجوم اور اسکے علماء مہر و ماہ
کیا سماں ہے روح پرور اور منظر جانفزا — نغمۂ قال النبی ﷺ سے گونجتی ہے درسگاہ
ہے ضیا افگن منارِ حق کی صورت جامعہ — راستہ بھولے ہوئے آکر یہیں پاتے ہیں راہ
ہیں رشید الدین شیخ وقت اسکے مہتمم — جن کی صورت اور سیرت میں کشش ہے بے پناہ
جامعہ کو فخر ہے حضرت رشید الدین پر — اسکی خدمت کیلئے ہیں وقف انکے سال و ماہ
ہیں شریعت اور طریقت دونوں کے رمز آشنا — مدرسہ ان سے مزین اور روشن خانقاہ
ننگ مے خانہ بھی بن جاتا ہے پیر میکدہ — جن پہ کر دیتے ہیں ایمان و یقیں کی اک نگاہ
فقر و استغناء رشید الدین کا ہے وصف خاص — سر جھکا دیتے ہیں انکے آستاں پر کج کلاہ
اللہ اللہ مرتبہ حضرت رشید الدین کا — انکی مجلس ہو بہو جیسے ہو مدنی بارگاہ
جامعہ کی ہوتی ہے تحسین بزم قدس میں — آسمانوں پر فرشتے کہہ رہے ہیں واہ واہ

ہے ندائے شاہی بیشک جامعہ کا ترجمان
سالم و سلمان و اخلد ہیں اسی کے سر براہ

شاہی چمن

شاہی ہے جسکا نام خدمت ہے اسکا کام
جاری ہے جس کی نہر سے قاسم کا فیض عام
جنت خدا نے پاک کی شامل ہے جسکے ساتھ
دنیا اسی کو زیب ہے شاہی چمن کا نام

مدرسہ شاہی مشاہیر کی نظر میں

- تبرکات
- نادر و نایاب تحریریں
- معائنے اور اپیلیں

سوادِ تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ احقر بست ودوم شعبان سنہ ۱۳۰۰ھ وارد مراد آباد ہوا اور مدرسہ [illegible]
واقع مسجد بادشاہی کا امتحان تقریری اور تحریری چند دن تک متواتر لیا۔ احقر کو مدرسین [illegible]
طلبہ بحمد اللہ بہت اچھے استعداد والے اور محنتی معلوم ہوئے۔ مدرسہ دیوبند کی وضع پر سب کو پایا
اس سعی عرق ریزی اور جفاکشی اور توجہ دلی مدرسین کی معلوم ہوتی ہے۔ اب بندہ تمام طلبہ مدرسہ کو
اور جملہ مدرسین اور تمام مہتممین اور معاونین کو مبارکباد اور شاباش دیتا ہے۔ اگر چند سال ایسی ہی
صورت رہے گی امید ہے کہ یہ مدرسہ تمام سوالات میں مثل مدرسہ دیوبند نہایت نامور اور خوش [illegible]
یا اللہ یا کریم اپنے فضل تمام سے بچا کر [illegible] اور ترقیات روز افزوں [illegible]
نصیب فرما اور اپنے سلسلہ رحمت میں [illegible] اہل حق [illegible] مقبول [illegible] آمین فقط

حررہٗ محمد یعقوب النانوتوی خادم مدرسہ دیوبند ۲۷ شعبان سنہ ۱۳۰۰ھ روز سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین۔ بعد حمد وصلوٰۃ واضح رائے عالی اہل شوریٰ مدرسہ مراد آباد و دیگر ناظرین [illegible]
و جملہ [illegible] ہو کہ احقر حسب الاشارہ دیوبند سے روانہ ہوکر وارد [illegible] ہوا اور ایک عشرہ کے امتحان
[illegible] تقریری اور تحریری لیا جو طلبہ کہ احقر کے سامنے امتحان تقریری میں موجود تھے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق لائق
اور عمدہ نظر آئی [illegible] اور امتحان تحریری [illegible] نہایت صحیح اور درست اور عمدہ جواب
[illegible] جس قدر [illegible] ایسے حالات [illegible]
[illegible] مصنف کی بات [illegible]
[illegible] زیادہ ہے اور [illegible] طلبہ و کوشش مدرسین
[illegible] صورت رہے امید ہے [illegible] فقط
والحمد للہ رب العلمین [illegible]
اگر [illegible] متوجہ ہوں اور [illegible] امداد [illegible]
[illegible] سامنے احقر [illegible]
[illegible] فقط

احقر محمد [illegible] مدرس مدرسہ دیوبند ۵ شعبان ۱۲۹۷

امید ہے کہ یہ مدرسہ بہت عمدہ حالت پر پہنچے اور دور دور تک نام آور ہو

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ متوفی ۱۳۰۲ھ صدر مدرس اول دار العلوم دیوبند کے ارشادات مبارکہ

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس اور حلقۂ دیوبند میں ممتاز اہمیت کے حامل تھے، آپ کا سنہ ولادت ۱۲۴۹ھ اور سنہ وفات ۱۳۰۲ھ ہے۔ مدرسہ شاہی کے قیام کے بعد آپ کی اس ادارہ پر خاص توجہ تھی، امتحان سالانہ کے لیے بنفسِ نفیس تشریف لاتے، اجلاس ہائے انعام و دستار بندی میں شرکت فرماتے، اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے، ذیل میں آپکے اپنے قلم سے تحریر فرمودہ دو تاثراتی تحریریں پیش کی جاتی ہیں۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

بعد حمد وصلوٰۃ واضح رائے عالی اہل شوریٰ مدرسہ مرادآباد و دیگر شرکا رچندہ و اہل ہمت بلدہ وجملہ سَاکنانِ بلدہ یہ ہوئی کہ احقر حسب الاشارہ دیوبند سے روانہ ہو کر وارد بلدہ ہٰذا ہوا۔ اور ایک ہفتہ رہ کر امتحان جماعات عربی خواں تحریری وتقریری لیا۔ جو طلبہ کہ احقر کے سامنے امتحان تقریری میں موجود تھے، اپنے اپنے مرتبہ کے موافق لائق اور عمدہ نظر آئے، لائق انعام اکثروں نے نمبر پائے، اور امتحان تحریری میں اکثروں نے نہایت صحیح اور درست اور عمدہ جواب لکھے۔ اور ہر مجمع کو ایسا ضرور ہے کہ اس میں کسی قدر کمتر درجہ کے لوگ پائے جائیں، ایسے ہی اس مجمع میں بعض ایسے آدمی نظر آئے، مگر نہ ایسے کہ بالکل علم سے مناسبت نہ رکھتے ہوں، کاغذ نمبروں کا جُدا مرتب ہے۔ وہ مصدق اس بات کا ہے کہ نمبر انعامی بہ نسبت غیر انعامی سے زیادہ ہے۔ اور نمبر غیر انعامی بھی بہت گرا ہوا نہیں ہے۔ الاماشاء اللہ۔ اس سے حسن سعی طلبہ و کوشش مدرسین بخوبی واضح ہوتی ہے۔ اگر یہی صورت رہی امید ہے کہ یہ مدرسہ بہت عمدہ حالت تک پہنچے اور دور دور تک نام آور ہو۔ اللّٰھم زد فزد۔

احقر محمد یعقوب نانوتوی مدرس مدرسہ عربی دیوبند

۵ شعبان ۱۲۹۸ھ

مدرسہ دیوبند کی وضع پر سب کو پایا

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن۔

احقر بست ویکم شعبان سنہ ۱۳۰۰ھ وارد مرادآباد ہوا، اور مدرسۃ الغربار واقع مسجد شاہی کا امتحان تقریری وتحریری ۶ دن تلک متواتر لیا۔ احقر کے گمان میں یہاں کے طلبہ بحمداللہ بہت اچھی استعداد والے اور محنتی معلوم ہوتے ہیں۔ مدرسہ دیوبند کی وضع پر سب کو پایا، اس سے عرق ریزی اور جفاکشی۔ اور توجہ دلی مدرسین کی معلوم ہوتی ہے۔ اب بندہ تمام طلبہ مدرسہ کو اور جملہ مدرسین اور تمام مہتمموں اور معاونین کو مبارکباد اور شاباش دیتا ہے، اگرچند سال ایسے ہی صورت رہے گی، امید ہے کہ یہ مدرسہ تمام مدارس میں مثل مدرسہ دیوبند نہایت نام آور اور مشہور ہوگا۔

یا اللہ یا کریم اپنے فضل عمیم سے ہماری آرزوئیں برلا۔ اور ترقیات روز افزوں ظاہری وباطنی ان مدارس واہلِ مدارس کو نصیب فرما۔ اور اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے، اور جماعتِ اہلِ حق میں داخل فرما۔ اور مقبول دارین کر۔ آمین۔ فقط حررہ: محمد یعقوب النانوتوی خادم مدرسہ دیوبند ۲۷ شعبان سنہ ۱۳۰۰ھ روز سہ شنبہ

معائنہ اور اپیل ۱۳۱۱ھ
حضرت مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوری متوفیٰ

حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رامپوریؒ اپنے عہد کے مشہور علمار احناف میں سے تھے ... مجدد الف ثانی سے نسبی تعلق تھا۔ رامپور میں ولادت ہوئی۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ تاعمر درس و ... ارشاد و تلقین میں مشغول رہے۔ آپکے تلامذہ میں علامہ شبلی نعمانی (متوفی ۱۳۳۲ھ) جیسے یگانۂ روزگار حضرات شامل ہیں۔ مدرسہ شاہی سے خاصا ربط تھا۔ اوّلاً سنہ ۱۳۰۰ھ میں امتحان سالانہ میں تشریف لائے۔ آپکا معائنہ ذیل میں پیش ہے، آپکا سنہ وفات ۱۳۱۱ھ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

حقیر نے احوال مدرسہ اسلامیہ غربا مرادآباد دیکھا، اور ایک جماعت طلبہ حدیث کا امتحان بھی لیا۔ اور سنن ابن ماجہ میں سوالات چند مناسب احوال طلبہ کے کیے گئے، اکثر نے جوابات صحیح اور موافق فہم کے دئے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ احوال طلبہ بہت اچھا ہے، اور مدرسین اور مہتممین نے طلبہ سے محنت اچھے طور پر کرائی ہے۔ اور استعداد طلبہ بفضلہ تعالیٰ بہت درست ہے الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ مساعی مدرسین اور مہتممین مقبول فرمائے، اور نتیجہ عمدہ اسپر مرتب فرمائے، لیکن بسبب کثرت طلبہ اور قلت مکان نشست گاہ کے بہت تکلیف معلوم ہوئیں، اور نیز آمدنی چندہ جو معلوم کی گئی وہ بھی بہت قلیل معلوم ہوئی اور مصارف کی حاجت اس سے بہت زیادہ، لہٰذا اہل ہمت وسخا اور خیر خواہان اسلام کو صرف ہمت اس میں ضرور ہے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے، اور یہ طریق عمدہ تعلیم کا مفید عام ہو۔ اور اشاعت طرق اتباع سنت ہووے۔

واللہ سبحانہ یوفق من یشاء۔ فقط العبد

محمد ارشاد حسین عفی عنہ

۳۰ شوال ۱۳۰۰ھ

طلبۂ علوم کا حال علی العموم قابل تحسین ہے

شمس العلماء حضرت مولانا سید امیر احمد صاحب سہسوانی متوفی ۱۳۰۶ھ کے تاثرات

شمس العلماء حضرت مولانا سید امیر احمد صاحب سہسوانیؒ بدایوں کے مردم خیز قصبہ "سہسوان" کے ممتاز علماء میں تھے۔ آپ سنہ ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے، اور معائنہ فرماکر درج ذیل تاثرات ارقام فرمائے۔

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ۔

احقر نے مدرسہ اسلامیہ غربا مرادآباد اچھی طرح دیکھا اور سبق ہدایہ اور سنن ابن ماجہ اور

توضیح وتلویح کا سُننا، میری رائے میں طلبۂ علوم کا حال علی العموم قابلِ تحسین ہے، اور مساعی جمیلہ مدرسین ومہتممین لائقِ آفریں، جیسی محنت یہاں کے مدرس کرتے ہیں غالبًا اور مدارسِ اسلامیہ کے مدرس نہ کرتے ہوں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ حسبۃً للّٰہ محض ترویج دین واشاعت شرعِ مبین کے لئے کوشش بلیغ اور سعی وافر بجالاتے ہیں اور منشاء اس کا یہ ہے کہ مدرس اوّل یہاں کے جو مولوی احمد حسن امروہوی ہیں بارک اللّٰہ فی علمہٖ وعمرہٖ ونہیۂ امرہٖ، وہ جناب مولانا مولوی محمد قاسم تغمدہ اللّٰہ برحمتہ واسکنہ فی فیح جنتہٖ کی ایک عمدہ نشانی ہیں، اور ماشاء اللّٰہ علوم عقلیہ ونقلیہ اور ورع وتدیّن کے جامع ہیں، لہٰذا خیرخواہان اسلام پر عمومًا اور اہل تموّل وجُود پر خصوصًا اس کی اعانت لازم ہے، فقط لہٰذا ماعلینا ان نقول ومن اللّٰہ نرجو حسن القبول۔ فقط

العبد
السید امیر احمد کان اللّٰہ لہٗ
۳۰ شوال سنہ ۱۳۰۰ھ ہجری قدسی

نعمت غیر مترقبہ

حضرت مولانا سیّد احمد دہلویؒ صدر المدرسین (ثانی) دار العلوم دیوبند کا تأثر

حضرت مولانا سیّد احمد دہلویؒ سنہ ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی وفات کے بعد دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے، اور سنہ ۱۳۰۷ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ اسی درمیان سنہ ۱۳۰۴ھ میں مدرسہ شاہی کے سالانہ امتحان کے موقع پر مرادآباد فروکش ہوئے، اور درج ذیل تحریر بطور معائنہ رقم فرمائی۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ حذاء الالاء والصلوٰۃ علی سید الانبیاء وصحبہ الاتقیاء واٰلہ النجباء۔ امابعد خاکسار سیّد احمد دہلوی غفر ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ گذارش کرتا ہے کہ میں نے یہاں آکر اس مدرسہ کے طلباء علوم عربیہ کا امتحان مفصل طور پر تحریری وتقریری لیا، روز شنبہ بستم شعبان سنہ ۱۳۰۴ھ ہجری سے چار شنبہ بست وچہارم ماہ مذکور تک پانچ یوم کامل اسی کام میں صرف ہوئے۔

تحریری امتحان ۱۹ طلبہ کا ۲۰ کتابوں میں۔ تقریری امتحان ۲۸ طلبہ کا ۲۱ کتابوں میں۔ عموماً اکثر طلبہ نے امتحان اچھا دیا۔ اور نمبر عمدہ قابلِ انعام حاصل کیئے۔ جن کا ملاحظہ تفصیلی نقشہ مرتبہ علیٰحدہ سے ہوسکتا ہے، بالجملہ حالت موجودہ اس مدرسہ کی ایسی پائی جس کو دیکھ کر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ اور سنکر کچھ صورت حال جو قوت مخیلہ میں متمثل ہوتی تھی اس پر اس حالتِ مشاہدہ کو عمدہ اور بہتر پایا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ مدرسین کی عرق ریزی اور صاحبانِ اہتمام کی سعی وکوشش اور اہلِ چندہ اربابِ ہمم کی علو ہمّت قابلِ تحسین وآفریں ہے۔ حق تعالیٰ اس نہالِ علم کو بہ آبیاری حمایت ورعایت شاداب رکھ کر خیر وبرکت دارین سے بار آور کرے آمین۔ اب اہلِ شہر صاحبانِ ہمّت سے التماس ہے کہ اس مدرسہ کو اس زمانہ میں کہ علمائے کامل مثل خزینۂ مدفون خاک ہوگئے، اور دفاترِ علم اکثر مثل پشمینہ کیڑوں کے خوراک بن گئے، ترقی حالات کے لئے غنیمت جانیں۔ اور نعمت غیر مترقبہ سمجھیں۔ اور اس کے غور وپرداخت میں ہاتھ وزبان اور دل سے بہ بذل ہمّت زیادہ پیش آئیں۔ تعجب نہیں کہ جس طرح شہر شاہجہاں آباد کسی وقت دار العلم تھا آپ صاحبوں کی توجہ تام سے اب یہ شہر مرادآباد بفضلہ تعالےٰ دار العلم بن جائے۔ واللہ علیٰ کل شئ قدیر وھو میسر لکل عسیر ھو المستعان وعلیہ التکلان۔

تحریر پنجشنبہ ۲۵ شعبان ۱۳۰۴ھ

ابو الخیرات سیّد احمد عفی عنہ

مدرسہ قابلِ اطمینان ہے

استاذ العلماء حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۲۲ھ) کا تبصرہ

حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کے تعارف اور عظمت شان بیان کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے والد ماجد تھے، دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں آپ کا شمار ہے، عربی زبان وادب اور معانی پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، ۱۳۲۲ھ میں وصال ہوا، دیوبند میں مدفون ہیں۔ ۱۳۰۵ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد تشریف لائے اور درج ذیل تبصرہ تحریر فرمایا۔

بتاریخ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ معائنہ مدرسہ اسلامیہ مرادآباد کیا۔ منجملہ ۱۸۷ طلبہ کے ۱۵۹ حاضر پایا، درجات عربی وفارسی وقراءت کا کسی کسی قدر امتحان لیا، بالعموم یہ مدرسہ قابل اطمینان ہے، حساب آمد وصرف صاف، قواعد انتظام اچھے طور تعلیم عمدہ ہے۔ مہتمم صاحب وارباب مشورہ درستیٔ امور مدرسہ میں مصروف ہیں، مدرسین بالعموم تدریس میں ہمہ تن مشغول، امید ہے کہ اس مدرسہ میں ترقی روز بروز ظہور میں آوے۔

ذوالفقار علی دیوبندی

۶ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ

معائنہ (۱۳۰۷ھ)

حضرت مولانا سید احمد دہلوی صدر مدرس دار العلوم دیوبند
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی مدرس دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا منفعت علی دیوبندی مدرس دار العلوم دیوبند

مدرسہ شاہی میں شروع ہی سے دار العلوم دیوبند سے امتحان سالانہ کے موقع پر اکابر اساتذہ کی تشریف آوری کا معمول رہا ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں مذکورۃ الصدر تین حضرات تشریف لائے۔ اور امتحان لے کر جو تاثر پیش کیا وہ ذیل میں پیش ہے۔

۱۶ شعبان ۱۳۰۷ھ سے ۱۹ شعبان تک ہم مدرسین مدرسہ عربیہ دیوبند نے امتحان طلبہ مدرسۃ الغربا مرادآباد کا سالانہ تحریری، تقریری، عربی، فارسی، ریاضی کا لیا، الحمد للہ اس زمانہ کے اعتبار سے استعداد طلبہ اچھی پائی، اکثر طلبہ کامیاب ہوئے، اور بہت ہی کم ناکامیاب، باوجودیکہ طلبہ یہاں کے اکثر بیمار تھے، اسی وجہ سے کچھ طلبہ امتحان سے غیر حاضر بھی رہے، اور کتاب کے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی پھر بھی ایسا امتحان دیا جس کی ایسی حالت میں توقع نہیں تھی یہ نتیجہ حسن تعلیم مدرسین اور عرق ریزی معاونین مدرسہ کا ہے، مگر البتہ طرز تحریر اور املاء میں جیسا کہ چاہئے طلبہ مہارت تام نہیں رکھتے ہیں، اور یہ خامی اکثر جگہ کے طلبہ میں ہے،

صرف اسی مدرسہ میں منحصر نہیں ہے، مدرسین اور معاونین مدرسہ اس کی طرف زیادہ خیال کریں، خداوندِ کریم اس کارِ خیر کی ترقی اور معاونین کے زیادہ توجہ کا سامان پردۂ غیب سے کرے آمین

ابوالخیر سعید احمد عفی عنہ	محمود دیوبندی	محمد منفعت علی
مدرس اول مدرسہ عربیہ دیوبند	مدرس دوم مدرسہ دیوبند	مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

۲۰ شعبان ۱۳۰۷ھ

معائنہ حضرت مولانا محمد ظہور الحسین صاحب رامپوری (متوفی ۱۳۰۷ھ)

مدرس دوم مدرسہ عالیہ رامپور

مولانا ظہور الحسین صاحب مدرسہ عالیہ رامپور کے مدرس دوم اور بڑی شان وعظمت کے مالک تھے، خاص کر فارسی زبان پر ید طولیٰ حاصل تھا ۱۳۰۷ھ میں مدرسہ شاہی میں تشریف لائے اور طلبہ کا امتحان لیکر درج ذیل معائنہ تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ تعالیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فقیر نے احوال مدرسہ اسلامیہ غربار مرادآباد دیکھا، اور ایک جماعت طلبۂ حدیث وفقہ کا امتحان بھی لیا، اور کُل نقشۂ امتحان کو معائنہ کیا، استعداد طلبہ مناسب اور عمدہ پائی، اور اکثر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ یہ مذکور مساعیٔ جمیلہ مدرسین و مہتممین کے واسطے برہانِ شافی ہے، اہلِ اسلام کو لازم کہ بہمہ وجوہ صرفِ ہمت اس مدرسہ کی ترویج واستحکام میں فرماتے رہیں۔ کہ بنا اس کی توکلاً علی اللہ ہے۔ فقط

العبد
محمد ظہور الحسین مدرس دوم مدرسہ عالیہ رامپور
۲۰ شعبان ۱۳۰۷ھ

تأثرات حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری (متوفی ۱۳۳۸ھ)

موصوف ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا سید حسن شاہ محدث رامپوری اور مولانا معظم شاہ ولایتی سے درسیات کی تکمیل کی، اور بعد میں مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، نہایت خوددار اور بردبار شخص تھے۔ شعبان ۱۳۳۸ھ میں وفات پائی، مزار پر یہ شعر کندہ ہے۔

ثبت بر لوحِ مزارش کن جلیل
وارثِ دین رسولِ دوسرا
۱۳۳۸ھ

شعبان ۱۳۰۷ھ میں مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور درج ذیل تأثرات ارقام فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی۔ یہ عاجز اس مدرسہ اسلامیہ مرادآباد میں حاضر ہوا۔ اور بعض طلبہ کا خود بھی امتحان لیا، اور میرے سامنے بہتوں کا امتحان ہوا۔ بہت سے طلبہ امتحان میں اچھے پائے، اور قراء کی قراءت سُن کے نہایت مسرت ہوئی، یہاں کے مدرسین کی سعی قابلِ شکریہ ہے، عام مؤمنین کو لازم ہے کہ اس کی تائید میں سعی وکوشش کرتے رہیں، اور رؤساء اور امراء اور متمولین اہل اسلام پر تو کمال سے توجہ اس کے اجراء کی طرف رکھنا چاہیئے۔ فقط والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

العبد
سید محمد شاہ بن سید حسن شاہ محدث رامپوری
۲۰ شعبان ۱۳۰۷ھ

تحسین حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب رامپوری متوفی ۱۳۲۱ھ

حضرت مفتی صاحب رامپور کے مشہور بزرگ اور عالم مولانا مفتی سعد اللہ صاحب فتاویٰ سعدیہ کے فرزند ارجمند تھے ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے، والد ماجد کے وصال کے بعد ان کے مقام پر ریاست رامپور کے قاضی ومفتی مقرر ہوئے۔ شعبان میں ۱۳۰۷ھ میں آپ بھی مولانا سید محمد شاہ رامپوری کے ہمراہ مدرسہ شاہی کے امتحان کے لئے تشریف لائے اور درج ذیل تحریر رقم فرمائی۔

الحمدللہ کہ مدرسۂ اسلامیہ مرادآباد کی ترقی ہر طور سے قابل تحسین و توصیف ہے۔

محمد لطف اللہ عفی عنہ مفتی رامپور

۲۰ شعبان ۱۳۰۷ھ

اظہارِ اطمینان اور دعائیں

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی المتوفی ۱۳۳۹ھ کی گرانقدر آراء

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی سے کون متعارف نہیں! دارالعلوم کے سب سے پہلے فیض یافتہ ہزاروں علماء کے مربی اور استاذ، تحریک انقلاب کے روح رواں اور قائد، اور اس سے بڑھ کر اپنے استاذ محترم حضرت نانوتوی کے مشن کے پکے مبلغ، مدرسہ شاہی آپ کی توجہات سامیہ کا خصوصی محور رہا یہاں طلبہ سے لیکر اساتذہ اور ذمہ داران سبھی آپ کی فکر کے حامل اور آپکے مشن پر جان نچھاور کرنے والے تھے، آپ کو اپنے استاذ کے لگائے ہوئے اس گلشن سے خاص تعلق تھا، عموماً امتحانات سالانہ کے موقع پر تشریف لاتے، ہفتہ ہفتہ بھر قیام فرماتے، اور معائنہ فرماکر اپیلیں کرتے اور مشوروں سے نوازتے تھے، ذیل میں آپکے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے تین معائنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(تحریر ۱۳۱۴ھ)

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ بعد حمد و صلوٰۃ معلوم ہو، ہم مدرسین مدرسہ عربیہ دیوبند حسبِ دستور بتاریخ ۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ بتقریب امتحان سالانہ مرادآباد مدرسۃ الغرباء میں آئے، امتحان تحریری و تقریری جملہ طلبائے عربی چار روز تلک لیا، الحمدللہ کہ استعداد طلبہ اچھی پائی، اکثر طلبہ کامیاب اور بہت کم ناکامیاب رہے، تعداد کتب انعامی خیال سے زیادہ نکلیں جس سے حضرات مدرسین کی جانفشانی اور جناب مہتمم صاحب و اراکین مدرسہ کی سعی بوجہ احسن ظاہر ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان حضرات کی سعی مشکور فرماوے، اور اس کارِ خیر کو کہ جس کی نظائر اس وقت میں نہایت کم یاب ہیں بخیر و خوبی

ترقی عطا فرما کر مسلمانوں کے لئے موجب فلاحِ دارین فرمائے، اور حامیانِ اسلام کو اس مدرسہ دینی کی اعانت کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔ فقط

العبد
محمود حسن عفی عنہ دیوبندی

(تحریر ۱۳۱۷ھ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بتاریخ ۱۹ شعبان ہم خدام مدرسہ عربیہ دیوبند حسب دستور بغرض امتحان سالانہ مدرسۃ الغرباء مرادآباد میں حاضر ہوئے، اور کچھ جوابات تحریری اوپر کی جماعت کے دیکھے جو بالعموم قابلِ انعام نکلے۔ مگر بوجہ قلت فرصت وتنگی وقت جملہ جوابات کو نہیں دیکھ سکے، الحمدللہ کہ مقدار خواندگی وتعداد کتب وشمار طلبہ بہت اچھی ہے، جو اس تنزل کے زمانہ اور قلتِ توجہ اہلِ اسلام کے وقت اور کمی آمدنی مدرسہ کی حالت میں نعمتِ غیر مترقبہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ ثمرہ حسنِ تعلیم مدرسین اور حسنِ انتظام منتظمین اور سعی مشکور معاونین کا ہے۔ حق جلّ وعلا شانہ اہلِ اسلام کو توفیقِ امداد مدرسہ اور مدرسہ کو ترقی روز افزوں عنایت فرماوے۔ آمین فقط

العبد حافظ احمد عفی عنہ (مہتمم مدرسہ دیوبند)	العبد محمود حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند	۲۱ شعبان ۱۳۱۷ھ

(تحریر ۱۳۳۰ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم میں بندہ کو حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ یہاں انتظامات وتعلیم کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوئے، اور کاغذات حساب وجملہ انتظامات کے متعلق بھی دیکھے جس سے مدرسہ کے جملہ انتظامات کی عمدگی اور خوبی معلوم ہوئی۔ والحمدللہ۔ تعلیم طلبہ بالخصوص ابتدائی تعلیم کی طرف جو توجہ کی گئی وہ قابلِ تحسین ہے، علیٰ ہٰذا القیاس دیگر انتظامات جو حسنِ توجہ اور پابندی قواعد کے ساتھ انجام دئے جا رہے ہیں بہت قابلِ قدر اور لائق شکر ہیں، چندہ میں جو اس وقت میں کوشش کی گئی

جس کی وجہ ایک معتدبہا حد تلک چندہ میں ترقی ہوئی نہایت مفید امر ہے، مگر اخراجات مدرسہ اس کو متقاضی ہیں کہ چندہ میں سعی بلیغ کی جائے کہ آمدنی چندہ جملہ اخراجات کو کافی ہوسکے۔ جس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ جملہ اراکین مدرسہ مہتمم صاحب کی ہر طرح سے شرکت اور اعانت فرماویں۔

العبد

محمود حسن عفی عنہ دیوبندی

معائنہ
حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوریؒ

حضرت مولانا رحم الٰہی منگلوریؒ اپنے زمانہ کے زبردست مناظر اسلام تھے، ردّ آریہ اور ردِّ عیسائیت میں یدِطولیٰ حاصل تھا، غالباً ۱۳۱۵ھ میں مدرسہ شاہی کو تشریف آوری سے رونق بخشی اور معائنہ ذیل ارقام فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد یہ نیازمند حسب اتفاق ...... مراد آباد وارد ہوا۔ اور مدرسۃ الغرباء میں حاضر ہوا۔ اور حسب استدعاء طلبہ جماعت اولیٰ سے ترمذی شریف کو سُنا، الحمد للہ طلبہ کی استعداد عمدہ پائی اور اکثر مضامین محفوظ پائے، غلطی عبارت بھی نہیں پائی، الا شاذ، غرض اس وقت کے طلبہ میں میں نے قریب اوّل درجہ کے پایا، اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ حضرت مدرس سلمہ اللہ تعالیٰ اور مہتمم صاحب کو مشکور فرماویں اور مقبول فرماویں۔ آمین ثم آمین۔

رحم الٰہی عفی عنہ منگلوری

(مدرسہ کا قیامِ اہلِ اسلام کیلئے موجب فخر و مسرت ہے)

صاحبزادۂ امام ربانی حضرت مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہیؒ کے ارشاداتِ عالیہ

امام ربانی قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صلبی اور روحانی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہیؒ اپنے زمانہ میں مرجع علماء تھے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے سلسلہ کے سبھی متوسلین آپ کو عظمت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور آپ کی رائے کو حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ آپ ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ شاہی تشریف لائے اور درج ذیل رائے کا اظہار فرمایا۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ حُسنِ اتفاق سے مجھے مرادآباد آنا ہوا، میں نے چار روز کے قیام میں تفصیلی نظر سے مدرسہ عالیہ مدرسۃُ الغرباء کو دیکھا، طلبہ کا شوقِ علم اور ان کی استعداد اور حالت بساغنیمت ہے۔ اس زمانہ میں کہ علومِ دینیہ کی حالت فقدانی انداز پر پہنچی ہوئی ہے، اس مدرسہ کا اس خوبی اور ترقی کے ساتھ قائم ہونا اہلِ مرادآباد ہی کے واسطے نہیں بلکہ عام اہلِ اسلام کے لئے موجب مسرت و فخر ہے، درحقیقت اہلِ شوریٰ اور مہتمم و منتظمین کی للّٰہیت اور سچی ہمدردی اسلام کی ترقی حسبِ دلخواہ کا سبب ہے۔ طلبہ کا جمِ غفیر موجود ہے۔ عربی خواں طالب علم ۶۰ سے زائد ہیں۔ جو ہندوستان کے ہر گوشہ کے ہیں، جزائرِ ہند کے طلبہ کی بھی معقول تعداد ہے۔ بہت سے طلبہ کو وظیفہ مدرسہ سے ملتا ہے۔ مگر افسوس مالی حالت زیادہ اطمینان کے قابل نہیں ہے۔ جس سے اہلِ اسلام مرادآباد کی عدم توجہ کی شہادت ملتی ہے، جو علاوہ قابلِ حسرت ناک امر ہونے کے شرم کی بھی بات ہے، صفائی مدرسہ کے مکانات کی عمدہ ہے۔ مکان بھی دلچسپ ہے۔ مگر تنگ مکانات ہونے کے باعث خصوصاً ہر مکان کا اکہرا ہونا اور اکثر مکانات کا جنوب رُخ واقع ہونا گرم موسم میں سخت ایذار کا باعث ہوتا ہوگا۔ مگر مالی حالت کا عمدہ حالت میں نہ ہونا گرم موسم کی ایذار کو دائماً قائماً

ہلکا معلوم ہوتا ہے، گویا مرض لاعلاج ہے، جو بہت افسوس کے قابل ہے۔ خدا تعالیٰ اس مدرسے کے عام منتظمین کی عمر میں برکت فرمائے۔ کہ ان کی مساعی مشکور سے یومًا فیومًا بہت کچھ امید ہے۔ اللّٰھم زدفزد۔

محمد مسعود احمد
۲۷ شعبان ۱۳۱۴ھ

سعی و جانفشانی قابلِ تحسین ہے

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا عبد العلی صاحب قاسمی میرٹھی، حضرت مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کی رائے گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ۔ اما بعد!

ہم خدام مدرسہ عربیہ دیوبند حسب دستور سنینِ ماضیہ امتحان سالانہ مدرسہ اسلامیہ مراد آباد کے لئے ۱۶ شعبان ۱۳۱۶ھ کو مدرسۃ الغربا مراد آباد میں آئے اور جوابات تحریری طلبہ کے دیکھے، اور حسب لیاقت واستعداد نمبر تجویز کیے، اکثر طلبہ نے عمدہ نمبر پائے، مدرسین مدرسہ اور جناب مہتمم صاحب کی سعی و جانفشانی ہر طرح قابلِ تحسین ہے، اللہ تعالیٰ جمیع اہلِ اسلام کو توفیق اس مدرسہ کی اعانت کی عطا فرماوے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد
عبد العلی الحنفی القاسمی عفی عنہ

العبد
محمد حسن عفا اللہ عنہ

العبد
احمد مہتمم
مدرسہ عربیہ دیوبند

العبد
عزیز الرحمٰن عفی عنہ

مدرسہ شاہی کیلئے حضرات اکابر دیوبند کی پُرزور اپیل

از
- امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند
- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند
- حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند

> مذکورۃ الصدر اکابر علماء دارالعلوم دیوبند نے ایک طویل تحریر مرتب فرما کر اس پر دستخط فرمائے تھے جس میں مدرسہ کی مختصر رُوداد اور احوال ذکر کرکے عام مسلمانوں سے اعانت کی اپیل کی گئی تھی، اس تاریخی تحریر کا آخری صفحہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

چونکہ مدرسہ ہٰذا کے متعلق کوئی جائیداد موقوفہ یا کوئی معتدبہ معینہ آمدنی نہیں ہے صرف ریاست رامپور (ادامہا اللہ وابقاہا) سے مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ ماہوار اور ریاست بھوپال (حفظہا اللہ عن الآفات وحماہا) سے مبلغ پینتالیس ۴۵ روپیہ ماہوار مقرر ہیں، نیز دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے تھوڑی تھوڑی امداد ملتی ہے، جس کا کل مجموعہ دو سو روپیہ ماہواری کے قریب ہوتا ہے، اسلئے ماہواری مصارف کے پورا کرنے میں جو قریب پانچسو روپیہ کے ہوتا ہے ہمیشہ بیحد دشواریاں پیش آتی رہتی ہیں اور اکثر مدرسہ مقروض رہتا ہے۔ بیحد ضرورت ہے کہ ارباب کرم توجہ فرما کر معینہ چندے مقرر فرمائیں، تاکہ ماہواری مصارف کی دشواریوں سے نجات ملجائے، ظاہر ہے کہ اطلاع واظہار ضرورت پر اہلِ ہمم کی امداد موقوف ہے، بقول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے

ع تانگرید طفل کے جوشد لبن

جمیع حضرات اہلِ اسلام کی خدمت میں حوائج ضروری مدرسہ کا اظہار کرکے متوقع ہیں کہ حتی المقدور اس اہم مقاصد مذہبی کی اعانت میں خود بھی شرکت فرماویں گے ، اور دوسرے مخلصانِ قوم وملّت کو بھی شرکت کی ترغیب دیں گے ، تاکہ عند اللہ ماجور و عند النّاس مشکور ہوں۔

محمد انور عفی اللہ عنہ
مدرس دار العلوم دیوبند

بندہ عزیز الرحمن عفی عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند

احقر حبیب الرحمن
مدرسہ ...

محمود حسن
مدرس اول دار العلوم دیوبند

خاکسار محمد اغاث اللہ غفرلہ

معائنہ سید العلماء حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہوی متوفی ۱۳۳۰ھ

حضرت امروہویؒ مدرسہ شاہی کے ۱۳۰۳ھ تک صدر مدرس رہے، ۱۳۲۹ھ میں مرادآباد تشریف لائے اور یہ تفصیلی معائنہ رقم فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آج بتاریخ ۲۲ شوال میں بندہ نحیف خادم الطلبہ احمد حسن امروہی اتفاق وقت سے مرادآباد آیا اور آٹھ بجے صبح سے شام کے چار بجے تک بمقام مسجد شاہی مقیم رہا ، مہتمم صاحب نے ہر ہر درسگاہ میں بندہ کو ہمراہ لیکر معائنہ کرایا ، اور رجسٹرہائے حاضری طلبہ وحاضری مدرسین ورجسٹر داخلہ وغیرہ کا نیز معائنہ کرایا ، ماشاء اللہ بہ نسبت سابق طلبہ کی کثرت ہے۔ طلبہ ومدرسین کو درس وتدریس میں کمال توجہ وکمال تہذیب کے ساتھ متوجہ پایا ، رجسٹر ہر قسم کے نہایت عمدہ دیکھے ، انتظامی حالت مدرسہ کی ہر طرح بہت اچھی معلوم ہوتی ہے ۔ یہ جملہ نتیجہ جناب مولوی رحمت علی صاحب مہتمم کے مدبرانہ تجاویز وعاقلانہ تدابیر کا ہے ، میں مہتمم صاحب کے مساعی جمیلہ سے کامل امید رکھتا ہوں کہ بہت قریب مدرسہ کی ہر حالت

اصلاح پذیر ہوگی، اور انشاء اللہ طلبہ ذی استعداد اس مدرسہ سے برآمد ہوں گے۔
مالی حالت مدرسہ کی جو عرصہ سے بہت نازک ہے مہتمم صاحب اس کی طرف توجہ فرمائیں۔
مگر ظاہر ہے کہ تنہا مہتمم صاحب کیا کر سکتے ہیں، تاوقتیکہ حضرات چندہ اور شہر کے اربابِ ہمت خود اپنی اپنی ہمت کے موافق اعانت و امداد مدرسہ میں کافی توجہ فرمائیں، مجھ کو اربابِ ہمت سے ضرور امید ہے کہ وہ اس مفید درسگاہ کی اعانت میں واقع توجہ فرمائیں گے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

نہایت مسرّت ہوئی

حضرت مولانا محمد ناظر حسن عثمانی المتوفی ۱۳۴۱ھ کی تائید

مولانا محمد ناظر حسن عثمانیؒ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور کے طلبہ میں ہوتا ہے ۱۲۹۶ھ میں آپنے سند فراغت حاصل کی، آپ جمعیۃ الانصار کے ارکین اساسیہ میں تھے ۱۳۲۹ھ میں مرادآباد رونق افروز ہوئے اور مدرسہ شاہی کا معائنہ فرماکر یہ الفاظ ثبت فرمائے۔

حامدًا و مسلمًا۔

آج بتاریخ ۸ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ اتفاقاً حاضر مدرسہ ہٰذا ہوا۔
مہتمم صاحب نے اکثر درسگاہوں کا اور جملہ کاغذاتِ انتظامیہ کا معائنہ کرایا۔ بحمد اللہ خوبی انتظام سے نہایت مسرور ہوئی، میں بجز اس کے کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی کی تحریر سے پورا اتفاق کروں مزید لکھنا لاطائل سمجھتا ہوں۔ فقط

محمد ناظر حسن

جی خوش ہوا

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا تاثر

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنے دور کے زبردست انقلابی لیڈر اور تحریک شیخ الہندؒ کے رکن رکین تھے، مولانا سندھیؒ نے ۱۲۸۹ھ میں ایک سکھ خاندان میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم کے لئے مروجہ مڈل اسکول میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم قدرتی سلامت روی نے طبیعت اسلام کی طرف متوجہ کردی، جو جلدہی مشرف بہ اسلام ہونے پر منتج ہوئی، اس پرطرہ یہ کہ ایک عارف باللہ مولانا محمد صدیق بھرچونڈی کی باطنی توجہ اور ۱۳۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچکر حضرت شیخ الہندؒ کی روحانی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اور آپ قلب وجگر سے بڑھکر جسم وخون کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے، ۲۵ سال ہندوستان سے باہر رہ کر جلاوطنی کی زندگی گذاری، ۱۳۵۸ھ میں واپس وطن لوٹے، اور آزادی سے ۴ سال قبل ۱۳۶۳ھ میں وفات پائی، آپکا یہ معائنہ ۱۳۳۰ھ کا ہے جب آپ جمعیۃ الانصار کے ناظم اور روح رواں تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔ آج غرہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم مرادآباد کا معائنہ کیا، ابتدائی تعلیم کی اصلاح کی طرف توجہ قابلِ تعریف ہے، انتظامات میں عموماً شستگی اور ضابطہ کی پابندی نظر آتی ہے، آمدنی بڑھانے اور تعلیم کے ساتھ تربیت کی کوشش دیکھ کر جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

عبید اللہ
ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند

نتیجۂ امتحان بہت اچھا رہا

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند اور امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی طرف سے طلبہ و مدرسین و منتظمین مدرسہ شاہی کی حوصلہ افزائی

دستور کے مطابق مذکورہ دونوں اکابر ۱۳۲۹ھ کا امتحان سالانہ لینے کے لئے مدرسہ شاہی میں فروکش ہوئے، اور امتحان سے فراغت کے بعد درج ذیل رپورٹ تحریر فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مدرسۂ ہٰذا کے قدیم دستور کے موافق امسال بھی امتحان سالانہ کے متعلق مہتمم مدرسہ ہٰذا کی درخواست دیوبند پہونچی، اور وہاں سے ہم دونوں تقریری امتحان لینے اور تحریری امتحان کے پرچہائے جوابات دیکھنے کے لئے مرادآباد بھیجے گئے، ہم نے یہاں آکر اکثر کتابوں کا تقریری امتحان لیا، اور تحریری امتحان کے لئے جو سوالات مدرسہ عالیہ دیوبند سے روانہ کئے گئے تھے ان کے جوابات کو بھی دیکھا۔

ہم کو اس امر میں نہایت مسرت ہے کہ نتیجۂ امتحان بحیثیت مجموعی بہت اچھا رہا۔ اور مختلف طلبہ نے متفرق کتابوں میں جو نمبر حاصل کئے وہ مدرسین مدرسہ کی لیاقت وجانفشانی اور منتظمین کی سعی و نیک دلی ظاہر کرنے کی کافی سند ہیں۔

ہماری مسلمانوں کی خدمت میں التجا ہے کہ اس قسم کے مفید اور نہایت کارآمد مدرسہ کی اعانت کی طرف بدل وجان متوجہ ہوجائیں اور کوشش کریں کہ یہ نہال بارآور مرجھانے نہ پائے۔ ——— ۲۶ شعبان ۱۳۲۹ھ

العبد	العبد
محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس	عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مدرسہ عربیہ دیوبند۔	مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

اکابر ملت کی پرزور اپیل

۱۳۷۸ھ میں امروہہ گیٹ مراد آباد میں ایک قطعہ اراضی مدرسہ شاہی کیلئے وقف کیا گیا تھا جس کی تعمیر کے لئے اکابر ملت نے یہ اپیل جاری کی۔

حضرات ارباب خیر واہل ہمت ! السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ہندوستان کی چند معروف و مشہور دینی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ جس کو ۱۲۹۶ھ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی مقدس ہاتھوں سے قائم فرمایا۔ مدرسہ شاہی کی عظیم علمی و دینی خدمات اظہر من الشمس ہیں جو زمانہ کا ہر قسم کے انقلابات سے دوچار ہونے کے باوجود علوم دینیہ وعربیہ کی خدمات نہایت کامیابی سے انجام دے رہا ہے۔

مدرسہ میں تیس مدرسین کرام وملازمین خدمات مفوضہ انجام دے رہے ہیں۔ تعداد طلبہ چار سو اور پانچ سو کے درمیان ہے جملہ علوم عربیہ و تجوید و حفظ القرآن و فارسی کے علاوہ بچوں کو اردو و دینیات کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ مصارف سالانہ کا بجٹ مبلغ پچاس ہزار روپیہ ہے علاوہ تعمیرات۔ یہ تمام مصارف اہل خیر کی امداد سے پورے ہوتے ہیں۔ مدرسہ کے پاس کوئی مستقل سرمایہ بجز توکل علی اللہ نہیں ہے۔

آپ کو اس کا اندازہ ہوگا۔ کہ موجودہ کساد بازاری اور اقتصادی بحران کی بنا پر آزاد دینی اداروں کا زندہ رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ مدرسہ شاہی بھی انھیں حالات سے دوچار ہے۔

ان حالات کے پیش نظر جناب شیخ عنایت اللہ صاحب قریشی مراد آبادی نے مدرسہ شاہی کے نام ایک قطعہ آراضی وقف فرمایا ہے۔ جو شہر کے وسط اور مشہور بازار امروہہ گیٹ میں واقع ہے۔ اس قطعہ آراضی پر مجوزہ تعمیر کا نقشہ منظور کرایا جاچکا ہے۔ جس میں نیچے کی منزل میں پندرہ دوکانیں اور بالائی منزل میں پانچ مکانات ہیں۔ اس عمارت میں نیچے پانچ دوکانیں اور اوپر ایک مکان تعمیر ہوچکا ہے۔ جسکی وجہ سے تقریباً دو ہزار روپیہ کی مدرسہ کے ذمہ فوری ادائیگی واجب ہے۔ اور آئندہ کی تعمیر روک دی گئی ہے۔ بقیہ تعمیری مصارف کا اندازہ تقریباً ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) روپیہ ہے۔ یہ رقم بتوفیق الٰہی ارباب ہمت کے لئے معمولی رقم ہے۔ اس عمارت کی تکمیل کے بعد مدرسہ کے لئے انشاء اللہ اچھی خاصی آمدنی کی صورت پیدا ہو جائیگی۔

لہٰذا اہل کرم اور باہمت حضرات سے پرزور اپیل ہے کہ اس جانب فوری توجہ فرماکر فراخ حوصلگی اور ہمت کے ساتھ بیش از بیش مالی امداد فرمائیں۔ اور اپنے لئے صدقہ جاریہ کا سامان فراہم فرمالیں۔ وعلی اللہ التکلان

الداعیان الی الخیر۔

(۱) فخرالدین احمد غفرلہ۔(شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) فخرالدین احمد غفرلہ
(۲) احمد سعید کان اللہ لہ۔(صدر جمیتہ علماء ہند۔)
(۳) محمد طیب۔(مدیر دارالعلوم دیوبند۔)
(۴) محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ۔(ناظم اعلیٰ جمعیتہ علماء ہند)
(۵) سید مہدی حسن۔(مفتی دارالعلوم دیوبند۔) سید مہدی حسن
(۶) محمد ابراھیم غفرلہ۔(صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند)۔
(۷) عبدالحلیم۔(رکن مجلس عاملہ جمیعتہ علماء ھند دہلی۔)
(۸) عتیق الرحمان عثمانی۔(ناظم اعلی ندوۃ المصنفین دھلی۔رکن مجلس عاملہ۔)
(۹) محمد میاں۔(ناظم جمیعتہ علماءہند)
(۱۰) اسعد غفرلہ۔(صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلامؒ) اسعد غفرلہ

بہت خوشی ہوئی

ساؤتھ افریقہ کے باا ثرافراد کا اظہار مسرت اور دعائیں

۱۳۱۲ھ میں ساؤتھ افریقہ کی تبلیغی جماعت کے امیر حاجی غلام پاڑیا اور دیگر حضرات جناب انور علی موسیٰ' جناب بشیر داؤد اور جناب یونس بسم اللہ وغیرہ نے مراد آباد آکر مدرسہ شاہی کا معائنہ فرمایا اور سطور ذیل قلمبند کیں۔

الحمدللہ ہم دارالعلوم مدرسہ شاہی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' درالعلوم شاہی نے امت کی بہت خدمت کی ہے اور بڑے بڑے علماء فارغ کئے۔امت کو صحیح رخ پر اٹھانے کے لئے ذریعہ بنے۔اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔جو امت کے لئے خیر کا ذریعہ بنے۔آمین۔

بشیر داوؤد یونس بسم اللہ انور علی موسیٰ حاجی غلام پاڑیا (ساؤتھ افریقہ)

اپنی مسرّت کا اندازہ نہیں لگا سکتا

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مفسّر امروہوی کا اظہارِ مسرّت

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ مدرسہ شاہی کے اوّلین خوشہ چینوں میں ہیں، کافی عرصہ تک یہاں مسندِ صدارت پر بھی فائز رہے، اخیر میں مدرسہ جامع مسجد امروہہ تشریف لے گئے۔۔۔۔۔۔ وہیں وصال ہوا، مدرسہ شاہی سے آپ کو مادر علمی ہونے کے ناطے قلبی تعلق تھا جس کا کچھ اندازہ آپکے درج ذیل دو معائنوں سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے ۱۳۳۰ھ اور ۱۳۵۲ھ میں تحریر فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (تحریر ۱۳۳۰ھ)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔ اَمَّا بَعۡدُ!

بندہ عبدالرحمٰن کان اللّٰہ لہٗ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین آج بتاریخ ۲۵؍جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ چہارشنبہ مدرسہ قاسم العلوم میں حاضر ہوا، الحمدللہ کہ مدرسہ کی انتظامی حالت تحریری اور واقعتی ایسی اچھی پائی کہ اور مدارس میں بھی اگر اس نمونہ کی کارروائی جاری ہوجائے تو نہایت آسانی سے مدارس کے سالانہ حالات (تعلیمی ومالی وحاضری طلبہ غرض جملہ ضروریات بلکہ اس سے زائد حالات) معلوم ہوجائیں۔ البتہ اس کو جی چاہتا ہے کہ مدارس کے اساتذہ نیز اور جملہ متعلقین جو بوجہ ہمدردی زائد از وقت مدرسہ بھی خدمتِ مدرسہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کی اطلاع باقاعدہ ہو تو دنیا کو معلوم ہوجائے کہ مدارسِ اسلامیہ کے متعلقین کس جانفشانی سے دینی کام انجام فرماتے رہتے ہیں، جو مسرّت مجھے یہاں کی تحریرات واضحہ اور کارگذاری سے ہوئی اس کا اندازہ بیان نہیں ہوسکتا۔ جو صاحب معائنہ فرمائیں گے وہ اپنی دلی مسرّت پر شاید اس کا اندازہ فرماسکیں۔ فجزاہ اللّٰہ عنّا وعن جمیع المسلمین خیرًا۔ خداوندپاک اس کارِخیر کے ممد ومعاون رہیں۔

آمین۔

تحریر ۱۳۵۲ھ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

امّا بعد! بندہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ شاہی مسجد میں حاضر ہوا، اور تقریری امتحان طلبہ کا لیا، طلبہ کے بڑے حصہ نے بہترین کامیابی کے نمبر حاصل کئے، عبارت صحیح پڑھی، ترجمہ درست کیا، مطلب کو خوبی سے ادا فرمایا۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک۔ حق تعالیٰ سبھوں کی سعی کو قبول فرمائے اور ترقی روز افزوں مرحمت فرمائے۔

عبدالرحمٰن کان اللہ لہٗ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین

۱۱ شعبان المبارک پنجشنبہ ۱۳۵۲ھ

امتحانی رپورٹ

حضرت مولانا محمد رسول خانصاحب ہزاروی متوفی ۱۳۹۱ھ

○ استاد دار العلوم دیوبند ○

مدرسہ شاہی کا امتحان سالانہ عموماً دار العلوم دیوبند کے اساتذہ ہی لیتے آئے ہیں۔ رجسٹر معائنہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالوں تک دار العلوم دیوبند کے مؤقر استاذ حضرت مولانا محمد رسول خانصاحبؒ مدرسہ شاہی میں بغرض امتحان تشریف لاتے رہے۔ آپ ضلع ہزارہ پاکستان کے باشندے تھے، ۱۳۰۸ھ آپ کا سنہ پیدائش ہے دار العلوم دیوبند سے ۱۳۲۳ھ میں فارغ ہوئے، پھر ۱۳۳۳ھ میں دار العلوم کی مسند تدریس پر فائز ہوئے، اور ۳۰ سال تک اس خدمت پر مامور رہے۔ ذیل میں آپ کا تحریر فرمودہ ایک تبصرہ پیش کیا جارہا ہے۔ ______

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

امّا بعد! بندہ بغرض امتحان طلبہ مدرسہ ہذا بحکم جناب مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند سلمہ اللہ تعالیٰ بدستور سابق حاضر ہوا، ۱۹ اور ۲۰ شعبان سنہ ۱۳۴۷ھ کو قیام کر کے کچھ امتحان تقریری لیا اور باقی تحریری کے پرچے دیکھ کر نمبر دیئے، طلبہ نے اعلیٰ ومتوسط وادنیٰ ہر قسم کے نمبر حاصل کیے۔

جیساکہ نقشۂ امتحان سے ظاہر ہے، الحمدللہ نتیجہ وثمرۂ امتحان زمانہ کے رفتار کے موافق قابلِ تحسین وقدر ہے کیونکر قابلِ شکر نہو، ایسے پرآشوب زمانے میں دین اور علوم دینیۃ کی طرف متوجہ ہونا کوئی آسان امر نہیں۔ نہایت اشکل ہے، پس ایسے وقت عالی ہمتی سے کام لینا قابل قدر نہو گا تو کب ہوگا، غرض یہ سب کارکنانِ مدرسہ کے خلوصِ نیت کا اثر ہے۔ حق تعالیٰ ایسے نفوس کی تائید وتقویت ہر وقت از غیب فرمادیں، اور اس مدرسہ کو تایوم الدین دائم اور قائم رکھیں۔ اور ثمراتِ دینیہ کا منبع ومصدر بنائیں، اور ہر مسلم ومؤمن کو حق تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ بس

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

محمد رسول خاں عفا اللہ عنہ
مدرس دارالعلوم دیوبند
۲۰ شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ

معائنہ
حضرت مولانا فضل حق صاحب رامپوری
پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور
(متوفی ۱۳۵۸ھ)

مولانا فضل حق رامپوری اپنے دور کے زبردست اور جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ۱۲۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ رامپور ہی کے مشہور علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ کے اجلہ تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کا شمار ہوتا ہے، ۱۹۲۴ء م ۱۳۴۳ھ میں آپ مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور درج ذیل تحریر ثبت فرمائی۔

آج بتاریخ ۱۵ ستمبر ۲۴ء کو حسن اتفاق سے مدرسہ اسلامیہ مسجد شاہی حاضر ہونے کا

اتفاق ہوا، جناب مہتمم صاحب مدرسہ نے خاص توجہ فرماکر ہر درجہ کا معائنہ کرایا۔ اور اساتذہ کی تعلیم کو میں نے دیکھا، ہر مدرس صاحب نے نہایت خوبی سے طلبہ کو پڑھایا جس سے مدرسین صاحبان کی علمی لیاقت اور حسن تعلیم بخوبی ظاہر ہوئی، البتہ مکان کی تنگی اور آمدنی کی قلت معلوم ہونے سے افسوس ہوا، اہل اسلام کو ایسے مفید مدرسہ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

محمد فضل حق

پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور



۱۳۴۵ھ میں مدرسہ شاہی کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام مدینہ منورہ کے امام شیخ محمد حمزہ پاشا مدنی مدرسہ میں رونق افروز ہوئے، معائنہ فرمایا، اور اپنے تأثرات عالیہ قلمبند فرمائے۔ آپ محدث کبیر شیخ ابو طاہر مدنی استاذ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، کے نواسوں میں سے تھے۔ آپ کے دستِ مبارکہ سے لکھے ہوئے معائنہ کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

الحمدُ للہِ وحدہٗ والصّلوٰۃ والسّلامُ علیٰ من لا نبیَّ بعدہٗ وعلیٰ آلہٖ واصحابہِ الکرامِ ماتعاقبتِ اللّیالِی والایّامُ۔ امّابعد خدائے تعالیٰ کی نیک توفیق سے میں شاہی مدرسہ کی زیارت سے مشرف ہوا، وہاں کے طلبہ کی کوشش اور حسن تعلیم کو دیکھ کر قلب میں بحد خوشی اور تازگی پیدا ہوئی۔ تقریباً تین سو طلبہ تھے، مدرسہ میں کافی جگہ درسگاہوں کی نہ ہونے کے باعث بعض مدرسین اندرون مسجد تعلیم دے رہے تھے، مدرسہ موصوفہ طلبہ کی اکثر ضروریات

کا متکفل ہے لیکن یہ معلوم ہوکر افسوس ہوا کہ مدرسہ کی کل معینہ آمدنی دو سو روپیہ ماہوار کے قریب ہے۔ اور خرچ چار سو روپیہ ماہوار سے زائد ہے۔ یہ کمی ارباب ہمت کے عطیہ سے پوری ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا ہم اہل خیر کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مرضیات کے طالب ہوتے ہوئے مدرسہ کے لئے ایک وسیع کتب خانہ اور ایک دارالطلبہ اور اس قدر مستقل آمدنی کہ جو طلبہ و مدرسین اور دیگر ضروریات مدرسہ کے لئے کافی ہوسکے تا امکان انتظام کردیں۔ خدا تعالیٰ اس کا اجر دینے والا ہے۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ وسلم۔

۱۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

محمد حمزہ پاشا
ابن مصطفےٰ پاشا مدنی
یکے از خدام علوم نبوت مدینہ منورہ

معائنہ

عالی جناب آنریبل لفٹنٹ نواب حافظ محمد احمد سعید خانصاحب بہادر سی آئی ای ایم بی ای آف چھتاری وزیر صنعت و حرفت و تعلیمات ممالک متحدہ آگرہ و اودھ۔

میں نے ۱۹۲۴ء میں شہر مرادآباد کے دورہ کے درمیان میں مدرسہ شاہی مرادآباد کا معائنہ کیا، اس کی حسن کارکردگی سے میں بہت خوش ہوا۔ طلبہ کی تعداد مدرسہ موصوفہ میں قریب تین سو کے ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ جو غریب طلبہ مدرسہ میں داخل کیے جاتے ہیں (حتی الوسع) مدرسہ ان کا ہر طرح سے کفیل ہوتا ہے، مدرسہ کی مستقل آمدنی صرف ماہ عسہ ماہوار ہے اور خرچ صمار ماہوار سے بھی زائد ہے، اور یہ کمی (ارباب ہمم کی) عطیات و امداد سے پوری ہوتی ہے۔ (اگر بہی خواہان قوم و ہمدردان اسلام) مدرسہ کی حسن کارکردگی (دیکھتے ہوئے) اس کا قیام ضروری سمجھتے ہیں تو نہایت ضرورت ہے کہ مدرسہ کی آمدنی میں بہت جلد اضافہ ہونا چاہئے مدرسہ کی عمارت کی حالت بہت خراب ہے، نیز کتبخانہ کے واسطے توسیع عمارت

کی ضرورت ہے، اور دار الطلبہ نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اسلئے طلبہ کے لئے دار الاقامہ کی بھی ضرورت ہے، مجھے ملک کے روشن خیال حضرات سے قوی امید ہے کہ وہ اس مدرسہ کی امداد فرماکر مستقل آمدنی میں معقول اضافہ فرمائیں گے، اور نیز تعمیر کی مد میں جلد از جلد (توجہ فرماکر) امداد فرماویں گے۔ اراکین مدرسہ قابل تحسین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میں مدرسہ کی ہر طرح کامیابی اور بہتری کا خواہشمند ہوں۔

دستخط بخط انگریزی

اپیل
حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ
(المتوفی ۱۳۷۳ھ)

دُنیائے علم وتصنیف میں خورشید بنکر چمکنے والے اور تھانوی آفتابِ رشد وہدایت سے روشنی لے کر ایک عالم کو منور کرنے والے برِصغیر کے عظیم مصنف، ممتاز عالم، اور رہنما مولانا سید سلیمان ندوی ۱۳۵۲ھ میں جب مدرسہ شاہی تشریف لائے تو مدرسہ کے بارے میں آپ کے جذبات صفحۂ قرطاس پر اس طرح بکھر گئے۔۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج مجھے اپنی عمر میں پہلی دفعہ مدرسۃ الغرباء واقع مسجد شاہی مرادآباد کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ بحمد اللہ اس مدرسہ نے اپنے مخلص بانیوں اور کارکنوں کی کوششوں سے اپنی زندگی کے اٹھاون مرحلے طے کئے۔ میں نے مختلف درجوں میں تھوڑی تھوڑی دیر بیٹھ کر حضرات مدرسین کے طریقۂ درس کو دیکھا، مدرسہ کے حسابات آمد وصرف کی رپورٹ بھی پڑھی، بالفعل اس میں ۲۳ مدرسین وملازمین کام کر رہے ہیں، اور کل طلبہ زیرِ تعلیم چار سو سے زیادہ ہیں، جن میں ڈیڑھ سو کے قریب عربی کے طالب علم ہیں۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی مہتمم اور

حضرت مولانا فخر الدین صاحب مدرس اعلیٰ اور دیگر حضرات مدرسین اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیراً۔

ضرورت ہے کہ مرادآباد کے اہلِ خیر مسلمان اور تمام مسلمانانِ ذی احساس اس مدرسہ کی امداد فرمائیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ کی ترقی کے ساتھ اس کے مصارف بھی بڑھ رہے ہیں بنا بریں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے اس دینی مدرسہ کی مالی امداد فرماکر اس کے قیام وبقاء و حسنِ انتظام کو استحکام بخشیں۔

والسّلام

سیّد سلیمان ندوی

۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ



جناب حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ وزیر اوقاف حکومت یو۔پی

جناب حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ سابق وزیر (یو۔پی) کا شمار اُن قومی رہنماؤں میں ہوتا ہے جنہوں نے آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد حکومت کے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہکر ملک وقوم کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ مدرسہ شاہی سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، خاص کر اس لئے بھی کہ اس مدرسہ نے آزادی کی تحریکات کے زمانہ میں کھل کر قومی دھارے کا ساتھ دیا تھا، ذیل میں آپ کی دو تحریریں پیش کی جارہی ہیں جن میں آپنے شاندار الفاظ میں مدرسہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْد!

آج بتاریخ ۱۸ اپریل ۱۹۳۸ء بوقت ۵ بجے شام میں مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد مرادآباد میں حاضر ہوا، اور حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب مدنی حضرت، مولانا

فخرالدین احمد صاحب کی معیّت میں مدرسہ کی درسگاہوں کا معائنہ کیا۔ بڑی مسرّت کا مقام ہے کہ مرادآباد میں دینی اور مذہبی درسگاہ اس شان وشوکت سے قائم ہے جو مسلمان کیلئے ہر طرح قابلِ فخر ہے۔ مجھے اس درسگاہ کو دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی۔ علمار کرام ومشاہیر اساتذہ جس قلیل مشاہرہ پر دینی خدمات میں مصروف ہیں وہ ان کے ایثار وخلوص کا بیّن ثبوت ہے۔

مجھے پوری توقع ہے کہ ایسے زمانہ میں جبکہ علومِ قرآن وحدیث کی قدیم درسگاہیں مالی اعتبار سے سخت کشمکش کی حالت میں ہیں مسلمان اہلِ خیر خصوصیت کے ساتھ اس کی ہر قسم کی اعانت فرماکر اجر دارین حاصل کریں گے۔

محمد ابراہیم عفی عنہ

وزیر رسل ورسائل واخبار واوقاف

۱۸ اپریل ۱۹۳۸ء گورنمنٹ صوبجات متحدہ

۴- مولانا آزاد روڈ نئی دہلی

۱۲- جنوری ۱۹۶۳ء

جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد تقریباً ایک سو سال سے مذہبی تعلیم کی عظیم الشان خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مذہبی تعلیم کے ساتھ یہ بھی کوشش کرتا رہتا ہے کہ طلبہ میں حبِّ وطن اور اس کی خدمات کے جذبات پیدا ہوں۔ چنانچہ جنگِ آزادی کے زمانہ میں ۱۹۲۰ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک اس کی بڑی خدمات رہی ہیں، مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ جو اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے، مولانا سید محمد میاں صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، مولانا قاری عبداللہ صاحب، مولانا قاری محمد کامل صاحب، جو اس مدرسہ کے مدرسین تھے بار بار جیل میں گئے ہیں، ۱۹۴۲ء میں میرے ساتھ بھی اس مدرسہ کے چند مدرسین اور بہت سے طلبہ جیل میں تھے۔

اس مدرسہ کا تعلیمی معیار بھی اتنا بلند ہے کہ ہندوستان کے مشہور علمار مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ مفتی اعظم ہند اور مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ اس مدرسہ کے طلبہ قدیم میں سے تھے۔

یہ مدرسہ حکومت سے کوئی امداد نہیں لیتا، عام مسلمانوں کے چندوں پر اس کا مدار ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی امداد زیادہ سے زیادہ کرکے ترقی کا موقع دیا جائے۔ میں اس مدرسے کے لئے جذبات خیر سگالی پیش کرتا ہوں۔

محمد ابراہیم

اپیل

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام پاکستان
متوفی ۱۳۶۹ھ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے چہیتے شاگرد شیخ الاسلام پاکستان حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ) رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کون واقف نہیں! شرح مسلم شریف فتح الملہم اور حواشی ترجمہ شیخ الہند آپکی لازوال یادگار ہیں، آپنے مدرسہ شاہی کی انتظامیہ پر شاندار اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ وہ مدرسے کے لئے نہایت اہم سرمایہ ہے ملاحظہ ہو:

باسمہٖ تعالیٰ

مدرسۃ الغربا رجامعہ شاہی مراد آباد جو کچھ مدت سے جامعہ قاسمیہ سے موسوم ہے ایک قدیم درسگاہ ہے، مجھ کو بھی بارہا وہاں حاضری کا موقع ملا ہے۔ میں بحمد اللہ پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ برادرانِ اسلام کو مشورہ دے سکتا ہوں کہ وہ جس قدر ممکن ہو اس کی اعانت میں حصہ لیں۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی اس کے مہتمم اور جناب مولانا فخرالدین صاحب اس کے مدرس اعلیٰ ہیں۔ ایسی دو ہستیوں کا وجود اہتمام اور تدریس دونوں کے حسن و خوبی کی ضمانت ہے، اور بھی بعض نوجوان مدرسین ایسے ہیں جن سے قوم اپنی اچھی امیدیں وابستہ کر سکتی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی کی امانت و صیانت میرے نزدیک ہر قسم کے شک و ریب سے پاک ہے۔ ولا ازکی علیٰ احد احدًا۔ بہرحال جو کچھ مدرسہ مذکور کے نظم و نسق کا حال مجھ کو معلوم ہے اس کی بنا پر میں نہایت قوۃ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو امداد

کی جائے گی ضائع نہیں جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

شبیر احمد عثمانی دیوبندی ۱۱ شعبان ۶۰ھ

مدرسہ کا ہر اگلا دن پہلے دن سے زیادہ ترقی یافتہ اور بہترین حالت میں ہے

تحریر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و رکن شوریٰ مدرسہ شاہی (المتوفی ۱۴۰۳ھ) کا نام جب آتا ہے تو آپ کی رس بھری اور مٹھاس سے بھرپور تقریریں بے اختیار کانوں میں گونجنے لگتی ہیں، ایشیا ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے اس عظیم خطیب نے بارہا اپنی خوش نوائیوں سے اپنے جد امجد حضرت اقدس نانوتوی کے لگائے ہوئے اس چمن (مدرسہ شاہی) کو زعفران زار بنایا، عموماً سالانہ جلسوں میں آپ کی تشریف آوری ہوتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے آپ کی ایک جامع اور مؤثر اپیل جو آپ نے ۶۰ھ مطابق ۴۱ء میں تحریر فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ قاسمیہ مدرسۃ الغرباء شاہی مسجد مراد آباد

۵۷ء کے انقلاب کے بعد جبکہ عالم اسلامی پر ہر طرف سے کس مپرسی اور بیکسی مسلط ہو چکی تھی اور لادینی کی تخم ریزی ہو رہی تھی۔ اہل اللہ کی دور بین نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اب دنیا کہاں سے کہاں پہنچنے والی ہے، اور وہ دیکھ رہے تھے کہ اب قوت و شوکت جن ہاتھوں کی طرف منتقل ہو رہی ہے انہی کے ہاتھ میں اقوام کی قسمتوں کے فیصلے بھی جا رہے ہیں، اور وہی ان کے لئے اب زندگی کے خاکے بھی تیار کریں گے، وہ دیکھ رہے تھے کہ ان حالات میں اسلامی آئین وقوانین کی بقاء و تحفظ کے لئے اس کی تعلیمات کی تحفظ و بقار کی فکر کی۔ جس کی صورت سوائے بنام مدارس دوسری نہ تھی۔

نفوس قدسیہ کی اس برگزیدہ جماعت میں اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ پیش پیش

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرّہ العزیز کی ذاتِ اقدس تھی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم کر کے اپنی تمامتر ہمت اس طرف مبذول فرمائی کہ جہاں تک ممکن ہو مدارسِ اسلامیہ کا سلسلہ ہندوستان کے تمام گوشوں تک پھیلا دیا جائے، اس سلسلہ کی ایک اہم اور شاندار کڑی جامعہ قاسمیہ مدرسۃ الغرباء شاہی مسجد مرادآباد بھی ہے۔

حضرتِ اقدس قدس سرّہٗ نے اس مدرسہ کی بنیاد ۱۲۹۶ھ میں مرادآباد میں قائم فرماکر علومِ دینیہ کا ایک سرچشمہ کھولا جس سے طلبۂ علوم فیضیاب ہونے لگے۔ اس پون صدی کے عرصہ میں اس مدرسہ نے اپنی پرخلوص بنیادوں پر ترقی شروع کی، اور آج بحمد اللہ اس نے ایک بڑے دارالعلوم کی صورت اختیار کرلی، آج اس کے احاطہ میں تقریباً پونے چار سو طلبہ درجاتِ عربیہ میں اور سوا سو کے قریب ابتدائی درجات میں مصروفِ تعلیم ہیں۔

اس مدرسہ کا نظم ونسق ہمیشہ متدین اور اہلِ علم حضرات کے ہاتھوں میں رہا ہے، اس کا سب سے زیادہ شاندار دور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی دام مجدہٗ کا دورِ اہتمام ہے۔ مولانا ممدوح کی شخصیت اپنے علم وفضل اور تدین وتقویٰ کے لحاظ سے محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ مولانا موصوف کی تمامتر ہمت وتوجہ اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں مصروف ہے، پہلی عمارت معمولی اور تنگ تھی آج بحمد اللہ نہایت وسیع اور شاندار تیار ہوچکی ہے، مسجد مدرسہ پہلے بہت تنگ وتاریک تھی اور آج نہایت فراخ وسیع اور ہوادار بن گئی ہے، بندہ کو اس مدرسہ میں وقتاً فوقتاً حاضری کا شرف نصیب ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کی تدریجی ترقی کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مدرسہ کا ہر اگلا دن پچھلے دن سے زیادہ ترقی یافتہ اور بہترین حالت میں ہے۔

مسلمانانِ ہندوستان ان اداروں کو غنیمت سمجھیں اور ان کی امداد واعانت میں حصہ لے کر صدقۂ جاریہ میں اپنا حصہ قائم فرمائیں۔ اس مدرسۃ الغرباء کے سالانہ مصارف کا اندازہ بارہ ہزار روپیہ کے قریب ہوتا ہے۔ ماہانہ مصارف سات آٹھ سو کے قریب ہے۔ جو محض باخیر مسلمانانِ ہندوستان کی گاڑھی کمائی اور عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

مدرسہ اپنی ضروریات کا اعلان اپنی رُودادوں کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا، اور

گاہ گاہ تحصیل چندہ کے لئے سفیر بھی روانہ کئے جاتے ہیں، دین دوست مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مدرسہ کی خدمت کر کے اپنی آخرت کی تعمیر فرمائیں، اور دامے، درمے، قدمے، قلمے جو صورت بھی ممکن ہو اس سے دریغ نہ فرماویں۔ ان اللہ لایضیع اجر المحسنین۔

احقر محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۱ شعبان سنہ ۶۰ھ

مدرسہ شاہی کی بقاء و ترقی میں حصہ لینا میری زندگی کے مقاصد میں داخل ہے

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد قدس سرہ کا ارشاد گرامی

مدرسہ شاہی کو بجا طور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر فخر ہے جن کی تدریسی، انتظامی اور روحانی خدمات و توجہات سے مدرسہ شاہی ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۷۷ھ تک یعنی مسلسل ۴۸ سال تک براہِ راست مستفید ہوتا رہا۔ ۷۷ھ میں جب حضرت دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تو اگرچہ جسمانی انقطاع مدرسہ سے ہو گیا تھا لیکن قلبی و روحانی رشتہ حسب سابق استوار رہا جس کا اظہار خود حضرت فخر المحدثینؒ نے درج ذیل تحریر میں فرمایا ہے۔

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۹۶ھ میں دار العلوم کے نہج پر قائم فرمایا اور مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی سب سے پہلے مدرس مقرر ہوئے، الحمد للہ کہ اس وقت سے آج تک اس کے صدر مدرس اور مہتمم نہایت بلند پایہ حضرات رہے ہیں۔ جماعت کے جملہ اکابر و مشائخ ظاہری و باطنی طور پر اس علمی مرکز سے وابستہ رہے ہیں، اور اس کی یہی شان آج تک قائم ہے۔

الحمدللہ میری عمر کا بیشتر اور قیمتی حصہ اس مدرسہ کی تعلیم اور انتظامی خدمات میں گذرا ہے۔ اور آج بھی دارالعلوم میں ہونے کے باوجود میرا تعلق بدستور اس سے قائم ہے۔ اس کی بقاء و ترقی میں ہر ہر قسم کی مساعی صرف کرنا میری زندگی کے مقاصد میں داخل ہے۔ بحمد اللہ مدرسہ کے منتظمین اور جملہ کارکنان پورے اخلاص و جانفشانی سے خدماتِ مدرسہ انجام دے رہے ہیں۔ اہلِ خیر اور مخلصین سے میری پُرزور درخواست ہے کہ اس مرکزی مدرسہ شاہی کی پورے حوصلہ سے مالی و اخلاقی امداد فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی جملہ خدمات صدقہ جاریہ ہوں گی۔

فقط والسلام

فخر الدین احمد غفرلہٗ

۲۵ / ۷ / ۸۶ھ

اکابر کی یادگار

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے ارشاداتِ عالیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات ستودہ صفات سے کون واقف نہیں، مدرسہ شاہی کو یہ سعادت حاصل رہی کہ وہ برابر آپ کی ظاہری و باطنی توجہاتِ عالیہ سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ آپ کو مدرسہ شاہی کے سرپرست کی حیثیت حاصل تھی۔ اہم اہم معاملات میں آپ کی رائے پر عمل کیا جاتا رہا، خود آپ کو بھی مدرسہ اور اربابِ مدرسہ سے حد درجہ ربط و تعلق تھا جس کا کچھ اندازہ آپ کے درج ذیل ارشاداتِ عالیہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

تحریر ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد ان مشہور مراکز علمیہ میں سے ہے جو نہایت جانفشانی کے ساتھ عرصہ دراز سے علمی خدمات انجام دے رہے ہیں تقریباً نوّے سال ہوئے کہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے اور اس لحاظ سے یہ اکابر کی یادگار بھی ہے۔ فقط

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی
مظاہر علوم سہارنپور
۱۴ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ

(تحریر ۱۳۹۶ھ)

نحمدہٗ ونصلی۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ہندوستان کے ان مدارس میں سے ایک ہے جو عرصہ دراز سے مسلمانوں کی تعلیمی وتبلیغی خدمات کامیاب طور پر انجام دے رہا ہے، مدرسہ مرادآباد کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند نے ۱۲۹۶ھ میں قائم فرمایا۔ یوم تاسیس سے لیکر آج تک موافق ومخالف ہر قسم کے دور سے گذرتے ہوئے اپنے اعلیٰ اصول ومقاصد کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے اور اکابر ومشائخ کی زیر سرپرستی نہ صرف زندہ وباقی ہے بلکہ ماشاء اللہ مسلسل ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے آج اس کو ملک میں ایک عظیم اور مرکزی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔

الحمد للہ! مدرسہ شاہی کو اچھے اور قابل اساتذہ کے ساتھ ساتھ نہایت مخلص اور مدبّر منتظمین بھی ملتے رہے ہیں۔ چنانچہ بحمد اللہ آج بھی اس کی زمام اہتمام جماعت کے معروف ومشہور صاحب علم وتقویٰ حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب شہید مرحوم (سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند وشیخ الحدیث ندوۃ العلماء ومدرسہ عالیہ کلکتہ) کے خلف الرشید گرامی قدر مولانا رشید الدین صاحب جیسے باعمل اور تجربہ کار صاحب تدبّر عالم کے ہاتھوں میں ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دور اہتمام میں مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔ آمین

یہ ناکارہ اہل خیر حضرات سے پُرزور سفارش کرتا ہے کہ مدرسہ کی تعلیمی اور تعمیری مدّات میں دل کھول کر زیادہ سے زیادہ امداد فرماکر صدقۂ جاریہ کا ثواب حاصل کریں۔ حق جلّ شانہ اپنے فضل وکرم سے امداد کرنے والے حضرات کو بہترین جزائے خیر عطاء فرمائے اور دارین کی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد زکریا

بقلم محمد شاہد غفرلہٗ۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ

مرکزی درسگاہ

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علماء ہند کا ارشاد گرامی

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی امیر الہند و صدر جمعیۃ علماء ہند دور حاضر میں اپنے اسلاف کے صحیح جانشین، صائب الرائے اور بے مثال استقلال اور عزم و ہمت کی مالک شخصیت ہیں۔ اس پُر آشوب دور میں آپ جس طرح ملت کی قیادت کا فرض انجام دے رہے ہیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ آپ کی قیادت نے جمعیۃ علماء ہند کو جو استحکام اور قوت بخشی ہے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مسلمانان ہند کی امیدوں کا آسرا، دینی مدارس اور اداروں کا سہارا، اور کتنے ہی خانقاہِ مدنی سے وابستہ فرزندانِ توحید کا ملجا و ماوی آپ ہی کی ذات ہے۔ مدرسہ شاہی کو آپ کی سرپرستی پر فخر ہے، اور آپ مدرسہ کی بہبودی و ترقی کے سلسلہ میں جس قدر گرانقدر تعاون سے نوازتے رہتے ہیں اس پر مدرسہ کے ذرے ذرے احسان یار ہیں۔ ذیل میں مدرسہ کے بارے میں آپکی ایک تحریر کی نقل پیش کی جارہی ہے۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ہندوستان کی مرکزی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ یہ علمی مرکز اپنے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کی وصیت کے مطابق توکل علی اللہ پر عمل پیرا ہے۔ کہ مدرسہ کا سرمایہ صرف اللہ کے بھروسہ کو سمجھا جائے۔ بڑے لوگوں یا حکومت سے اعانت طلب نہ کی جائے، مدرسہ روز افزوں ترقی اور اعلیٰ معیار کے ساتھ دینی تعلیمی فرائض انجام دے رہاہے، اور اس کے فضلاء میں برصغیر ہند و پاک کی جلیل القدر شخصیتیں رہی ہیں۔ اور اس وقت بھی مدرسہ کے فارغ التحصیل ملک کے مختلف حصوں میں دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

والسلام

اسعد غفرلہٗ

۱۳۸۴ھ

معائنہ اور اپیل

جناب مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل الٰہ آباد

مولانا سید محمد شاہد فاخری جنگ آزادی کے عظیم مجاہد اور جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں میں سے تھے۔ اتر پردیش جمعیۃ کے صدر بھی رہے۔ مدرسہ شاہی سے خاص ربط اور تعلق تھا۔ اور بار بار تشریف آوری ہوتی تھی جس کا اندازہ درج ذیل معائنہ اور اپیل سے لگایا جاسکتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ

میں نے آج کچھ عرصہ کے بعد پھر مدرسہ شاہی واقع مسجد شاہی کو دیکھا، اس مدرسہ میں متعدد بار حاضری دے چکا ہوں۔ حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کے اہتمام کے زمانہ میں تفصیلی طور پر معائنہ کرچکا ہوں، اس کے بعد بھی کئی مرتبہ معائنہ کا شرف حاصل ہوا، ہر سال یا ہر معائنہ کے وقت اس مدرسہ کو احقر نے ترقی کرتا ہوا دیکھا۔

اکابر علمائے کرام نے اس مدرسہ سے دلچسپی اپنے اپنے زمانہ میں رکھی۔ اب بھی ایک بڑی تعداد اس مدرسہ سے متعلق اس کی خدمت گذار اور اس کی معاون ہے۔ تعلیم کا اچھا خاصا انتظام ہے۔ ایک لائبریری بھی ہے جس میں کتب نادرہ کا بھی ذخیرہ ہے، اس کا بھی انتظام ہے کہ لوگ آج کی ملکی جد وجہد سے آشنا رہیں۔ لائبریری میں ۵ سالہ منصوبہ جات کی کتابیں بھی ہیں ـــــ اس مدرسہ کو نازک ترین حالات میں بھی محض مسلمانان مخلصین اسلام کے امداد واعانت کے بھروسہ پر اللہ تعالیٰ کے کرم اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں بھی پوری شان وشوکت کے ساتھ جاری رکھا گیا ہے۔ خدا کرے یہ مدرسہ ترقی کرے اور ترقی کرے، نیز اس کے فیوض سے مسلمانانِ ہند زیادہ سے زیادہ فائدے اٹھائیں۔

میں عاجزانہ اور مخلصانہ درخواست کرتا ہوں (مسلمانوں سے عموماً اہلِ ثروت اہلِ خیر سے خصوصاً کہ وہ دامے، درمے، قدمے اس مدرسہ کی اعانت کریں، ترقی دیں۔

اور خدا کرے یہ مدرسہ تعلیمات نبوّت کا سچا مرکز بنا رہے اور ہمیشہ قائم رہے، اسکی مرکزیت بفضلہٖ تعالیٰ تسلیم شدہ ہے، لیکن اربابِ خیر اس کو اور ترقی دے سکتے ہیں جس کی زیادہ سے زیادہ امید ہے۔ فقط

فقیر سید محمد شاہد فاخری
سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ محمد اجمل الٰہ آباد
پارلیمنٹری سکریٹری حکومت یوپی
۷ جنوری ۱۹۶۳ء

نقل معائنہ
مسٹر ترلوکی سنگھ مجاہد آزادی ولیڈر انڈین نیشنل کانگریس

مجھے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں جانے کی خوش قسمتی حاصل ہوئی، ملک کے پرانے دینی اداروں میں اس کا شمار ہے۔ ہر صوبہ سے طلبہ اس میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں جن میں سے زیادہ تر کے کھانے پینے کے مصارف بھی مدرسہ برداشت کرتا ہے۔

مدرسہ کے پاس کوئی ایسی جائداد نہیں ہے جس سے اس کے مصارف پورے ہو سکیں۔ زیادہ تر خرچ ماہ بماہ چندہ سے چلایا جاتا ہے۔ اتنا بڑا کام لگاتار پچھلے پچاسی ۸۵ سال سے اس طور پر خوبی سے انجام دینا معمولی بات نہیں ہے۔ اراکین مدرسہ اس کامیابی کے لئے مستحق مبارکباد ہیں۔ اس مدرسہ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی سب پر روشن ہے کہ جنگ آزادی کی تحریک میں بھی یہاں کے معلم ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ حکومت سے ٹکر لینے میں کن خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آج کل حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب جو جنگ آزادی کے پرانے سپاہی ہیں موجودہ مہتمم ہیں۔ اور جتنے بھی اساتذہ ہیں وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے عالم ہیں۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ موجودہ میونسپل بورڈ صرف مبلغ سو روپے ماہوار کی امداد دیتا ہے۔ جبکہ خرچ اس سے کئی گنا ہے میں امید کرتا ہوں کہ میونسپل بورڈ اپنی موجودہ امداد کو بڑھا دیگا۔ ترلوکی سنگھ

مدرسہ کی خصوصیتیں معلوم ہو کر مسرت ہوئی

ڈاکٹر گوپال سنگھ سابق ایم۔پی
معائنہ
محترمہ سبھدرا جوشی سابق ایم پی وصدر فرقہ پرست مخالف کمیٹی

ہم کو آج مدرسہ قاسم العلوم واقع مسجد شاہی مراد آباد میں حاضری کا موقع ملا، مدرسہ کا انتظام اور اس کی خصوصیتیں معلوم ہو کر بہت خوشی ہوئی کہ یہ مدرسہ صرف عوام کی امداد اور ان کے کوآپریشن سے چلتا ہے، اور برابر ترقی کرتا جارہا ہے۔

یہ مدرسہ اس لحاظ سے اور بھی قابل تعریف اور باعثِ فخر ہے کہ یہ مدرسہ جنگ آزادی کا مرکز اور اس کے طلباء اور استاد آزادی کی تحریک کے سرگرم رہنما اور سپاہی رہے ہیں۔

یہ اور زیادہ خوشی کی بات ہے کہ یہاں پر طلبہ کو تعلیم بغیر کسی فیس کے دی جاتی ہے۔ کتابیں اور ٹھہرنے و کھانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

مدرسے نے بورڈنگ اور مولانا حفظ الرحمٰن اسکول قائم کرکے اس شہر اور ملک کی سب سے بڑی خدمت کی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہمارے پرانے ساتھی رہے ہیں، ان کی یادگار جو اسکول کی شکل میں قائم کی گئی ہے ہمارے لئے بہت ہی خوشی کا باعث ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مدرسہ شاہی اور مولانا حفظ الرحمٰن اسکول میں اور زیادہ ترقی کرکے نہایت با اخلاق، مہذب محبِ وطن اور اعلیٰ نظم کے طلبہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

(ڈاکٹر) گوپال سنگھ
ایم۔پی۔ نئی دھلی
سودھرا جوشی
۱۳/۱۱/۶۴ء

تأثرات

مولانا محمد سعید خاں شبلی اسکول اعظم گڈھ

الحمد للہ آج مدرسہ میں حاضری کا موقع ملا۔ استفادۃً حاضر ہوا، لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی، مدرسین کا ذوق شوق اور طلبہ کی محنت دیکھ کر پرانی یاد تازہ ہوئی۔ اللہ جل شانہ، مزید استقامت نصیب فرمائے۔ گو ذوقِ عمل کے مطابق ظاہری سامان کی کمی محسوس ہوئی۔ مگر اسکے باوجود عملی سرگرمی مستقبل کے شاندار ہونے کا یقین دلاتی ہے۔ اللہ جل شانہ، اس مدرسہ کو اس کی ابتدائی روح کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ چلائے اور کامیابی نصیب ہو۔ آمین

محمد سعید خاں
شبلی اسکول اعظم گڈھ
۲۰ مئی ۱۹۶۵ء

نیک تمنائیں

جناب جگناتھ بخش داس چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ بارہ بنکی

آج مجھے شاہی مدرسہ اپنے پرانے ساتھی مولانا اختر الاسلام صاحب کی وجہ سے جانے کا اتفاق ہوا۔ اس مدرسہ کی ایک شاندار تاریخ ہے، ہمیشہ جنگ آزادی میں یہاں کے مدرسین اور طلبہ کا ایک خاص مقام رہا ہے۔

آج بھی دینی اور عربی تعلیم کے ساتھ ساتھ قومی خیالات کوٹ کوٹ کر بچوں میں بھرے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے بچے باہر نکل کر اچھے شہری ہوتے ہیں، میں اس مدرسہ کے مدرسین کے جذبات کی دل سے قدر کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ خیالات پھیلیں، جس سے دیش کا بھلا ہو۔ فقط

جگناتھ بخش داس
چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ بارہ بنکی ۲۸ اپریل ۶۵ء

مدرسہ شاہی حضرت نانوتوی کی باطنی توجہات کا مرکز ہے

حضرت مولانا منت اللہ رحمانی (متوفی ۱۴۱۱ھ) جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اظہار خیال

> ملک کے قابل قدر اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائد اور امارت شرعیہ بہار کے روح رواں تھے، متعدد بار آپ مدرسہ شاہی تشریف لائے۔ ذیل میں آپ کی دو تحریریں شائع کی جارہی ہیں۔ جن سے مدرسہ شاہی کے بارے میں موصوف کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(تحریر ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امابعد!

نام تو بہت سنا تھا، اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے فضلاء سے ملنے کا اتفاق بھی کثرت سے ہوچکا تھا، لیکن مدرسہ میں حاضری کا آج پہلا موقع ملا۔ الحمد للہ کام نام سے اچھا اور سیرت صورت سے بہتر پائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کی باطنی توجہات کا مدرسہ اب تک مرکز بنا ہوا ہے، حضرات مدرسین، اسٹاف اور طلبہ وارکان سے مل کر طبیعت پر ایک خاص اثر ہوا۔ میں نے ان میں خلوص ومحبت اور دیانت ویکسوئی کی کیفیت محسوس کی۔ جس میں ادارہ کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ حق تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس مدرسہ کو بیش از بیش ترقی دے، مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے قیمتی اور مفید ادارہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہوں، اور اپنی امداد سے مالامال کردیں۔ اور حق تعالیٰ کے حضور میں اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْز

منت اللہ

۵ جمادی الاخریٰ ۸۰ھ

(تحریر ۱۹۸۵ء)

حامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا۔ اَمَّا بَعْد۔ آج جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد دیکھ حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مولانا رشید الدین صاحب کے اہتمام میں جامعہ نے خاصی ترقی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ جاری رکھے۔ اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا قائم کیا ہوا یہ مدرسہ علمی و روحانی خدمت انجام دیتا رہے، اور مسلمان اس کے فیوض سے مستفید ہوتے رہیں۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

منت اللہ عفرلہٗ
۲۵ ستمبر ۸۵ء

مدرسہ شاہی علوم نبوت کا گلشن سدا بہار ہے

حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (متوفی ۱۴۱۱ھ) کا تاثر

حضرت قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھیؒ صاحب طرز ادیب، بلند پایہ مؤرخ اور معروف مصنف تھے۔ ۱۳۲۸ھ میں میرٹھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، کافی عرصہ تک جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے استاذ دینیات رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی اور بہت سے دینی مدارس اور اداروں کے رکن تھے۔ ۱۴۰۰ھ کا آپ کا تحریر فرمودہ مدرسہ شاہی پر تبصرہ درج ذیل ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد!

آج حسن اتفاق سے مجھے ایک سفر کے دوران مدرسہ شاہی مرادآباد میں حاضر ہونے کا موقع میسر آیا۔ یہ مدرسہ بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے دست مبارک کا لگایا ہوا شجرۂ طیبہ ہے۔ جو ان بزرگوں کی برکات کے صدقہ میں آج علوم نبوت کا ایک گلشن سدا بہار بنا ہوا ہے۔ مدرسہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء کرام مسند درس پر فائز رہ چکے ہیں، جن میں حضرت فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد مدظلہٗ جیسی ہستیاں بھی شامل ہیں، آج بھی یہاں کے شیخ الحدیث مشہور عالم دین اور ممتاز مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الجبار مدظلہٗ

ہیں۔ ان ہی بزرگوں کے دینی شغف اور جذبۂ خدمتِ دینی کے صدقہ میں مدرسہ کیفیت اور کمّیت دونوں اعتبار سے ترقی کی اعلیٰ منزل پر گامزن ہے۔ تعداد طلبہ تقریباً پانچ صد ہے۔ جن میں عربی و دینیات کے طلبہ دو سو کی تعداد میں ہیں۔ اگرچہ مجھے تفصیلی معائنہ کا موقع نہیں ملا۔ تاہم اس تھوڑے سے وقت میں میں نے محسوس کیا کہ طلبہ دینی و تبلیغی جذبات سے سرشار ہیں۔ اور تحصیل علم کی تڑپ دل میں رکھتے ہیں۔ عمارات کے لحاظ سے بھی مدرسہ شاندار حیثیت کا مالک ہے۔ میں مدرسہ کے اساتذۂ کرام اور طلبۂ عزیز سے مل کر بحد متأثر ہوا۔ میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یہ ترقی کے بلندترین درجات پر فائز ہوں، اور اپنی سابقہ شاندار تاریخ میں زرّیں ابواب کا اضافہ کریں۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند کے اصحابِ خیر اس مدرسہ کی امداد کے لئے فراخدلی سے کام لیں تو انشاء اللہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے۔

نیازمند زین العابدین
استاذ تفسیر و تاریخ اسلام
جامعہ کالج جامعہ ملّیہ اسلامیہ و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند
۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ ۱۲ جون ۱۹۶۸ء یوم چہار شنبہ

دُعائے مستجاب

حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب رائے پوری (متوفی ۱۴۱۲ھ) شعبان ۱۳۹۰ھ میں مدرسہ شاہی تشریف لائے اور بطور دعا یہ الفاظ املاء فرمائے جو تبرّکاً پیشِ خدمت ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں بتاریخ ۱۱ شعبان ۱۳۹۰ھ مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد میں حاضر ہوا۔ مدرسہ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ترقیات سے نوازے اور اربابِ مدرسہ میں خلوص پیدا فرمائے۔ اور ان کی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔ عبد العزیز عفی عنہ بقلم خود

جانشین حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوریؒ
۱۱ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۰ء یوم سہ شنبہ

کاش ایسے عظیم علمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہوتا

ملک کے عظیم صحافیوں، عغفران زاہدی (ایڈیٹر روزنامہ پرتاپ دہلی) بہار برنی ایڈیٹر روزنامہ الجمعیۃ دہلی، عشرت علی صدیقی سابق چیف ایڈیٹر روزنامہ قومی آواز لکھنؤ۔ فوق کریمی ایڈیٹر ترجمان کلکتہ اور ہاشم رضا عابدی الٰہ آبادی کے تأثرات۔

آج ۸ ِ نومبر ۱۹۷۴ء کو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ شاہی کو دیکھنے اور یہاں کے اساتذۂ کرام سے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آج یہ محسوس کرتا ہوں کہ کاش ایسے علمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہوتا۔ شاہی مدرسہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ معلوم کرکے اور بھی مسرت ہوئی کہ اس عظیم مدرسہ کو چلانے کے لئے سرکار سے کوئی مدد نہیں لی جاتی، اور صرف عام مسلمانوں سے حاصل شدہ چندوں سے مدرسہ چلایا جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ شاہی نہیں بلکہ عوامی اسلامی مدرسہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ مدرسہ دن دونی رات چوگنی ترقی کے منازل حاصل کرے۔

۱۔ غفران زاہدی
۲۔ بہار برنی
۳۔ ہاشم رضا عابدی الٰہ آبادی
۴۔ عشرت علی صدیقی
۵۔ فوق کریمی ایڈیٹر ترجمان کلکتہ

جامعہ قاسمیہ ایک خوبصورت گلشن علم ہے

زعیم ملت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سرحدی پاکستانی متوفی ۱۴۰۰ھ کا اپنی مادرِ علمی کو خراج عقیدت

مجاہدِ قوم حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نور اللہ مرقدہٗ ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اپنے وقت کے بلند پایہ دینی وسیاسی رہنما اور صاحب نظر متبحر علماء میں سے تھے، ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں ایک چھوٹے سے گاؤں پنیالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے

والد ماجد خلیفہ محمد صدیق صاحب (المتوفی سنہ ۱۳۷۰ھ) کی نگرانی میں رہ کر حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔ اور سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق سنہ ۱۹۳۴ء سے سنہ ۱۳۶۰ھ مطابق سنہ ۱۹۴۰ء تک یہاں مقیم رہے۔ فراغت کے بعد مختلف میدانوں میں دینی و سیاسی خدمات انجام دیں، کچھ عرصہ کے لئے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہے۔ اجلاس صد سالہ دیوبند کے موقع پر دار العلوم تشریف لائے۔ اسی موقع پر آپ کو عالمی مؤتمر فضلاء و ابناء قدیم دار العلوم دیوبند کا سرپرست منتخب کیا گیا۔ اسی سفر میں آپنے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں بھی تشریف لاکر پرانی یادیں تازہ کیں، اور درج ذیل معائنہ اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ افسوس کہ یہاں سے واپسی کے چند ماہ بعد آپ رحلت فرما گئے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

آپکے ہمراہ مدرسہ شاہی تشریف لانے والوں میں آپکے صاحبزادہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور میاں اجمل قادری صاحبزادہ حضرت مولانا عبید اللہ انور بھی تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حَامِدًا مُصَلِّيًا مُسَلِّمًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَعْدَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً لِزِيَارَةِ الْجَامِعَةِ الْقَاسِمِيَّةِ فِيْ مُرَادَابَادَ وَقَدْ كُنْتُ تَدَرَّسْتُ فِيْهَا مُدَّةَ سِتِّ سِنِيْنَ وَتَرَبَّيْتُ فِيْ حِجْرِهَا وَاَخَذْتُ الْفُيُوْضَ مِنْ اَسَاتِذَتِهَا فَسُرِرْتُ بِهٰذِهِ الزِّيَارَةِ وَهٰذَا الْيَوْمُ يَوْمُ عِيْدٍ۔ وَرَاَيْتُ فِي الْمَدْرَسَةِ عَدَدًا كَبِيْرًا مِنْ طَلَبَةِ الْعُلُوْمِ يَتَعَلَّمُوْنَ. فَلِلّٰهِ دَرُّ بَانِيْهَا حَيْثُ بَنَاهَا بِاِخْلَاصٍ تَامٍّ ـــ وَقَابَلْتُ اَسَاتِذَةَ الْمَدْرَسَةِ فَرَاَيْتُهُمْ مَشَائِخَ عَارِفِيْنَ وَعُلَمَاءَ عَامِلِيْنَ وَالْمَدْرَسَةُ الْاٰنَ تَحْتَ اِشْرَافِ الشَّيْخِ الْحَافِظِ رَشِيْدُ الدِّيْنِ وَالشَّيْخِ مَنْظُوْر حُسَيْن۔ فَالْجَامِعَةُ رَوْضَةٌ رَائِقَةٌ يَتَمَتَّعُ مِنْ اَنْهَارِهَا الصَّافِيَةِ كُلُّ ضَلِيْعٍ وَّرَضِيْعٍ۔ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يُّوَفِّقَ اَرْبَابَ الْمَدْرَسَةِ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ ـ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ خَيْرُ مُعِيْنٍ

وَاَنَا الْاَحْقَرُ الْاَفْقَرُ

اَمِيْنُ الْمَدْرَسَةِ مَحْمُوْدُ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ

مُدِيْرُ الْمَدْرَسَةِ قَاسِمِ الْعُلُوْمِ فِيْ مُلْتَان (بَاكِسْتَان

وَرَئِيْسُ وِفَاقِ الْمَدَارِسِ الْعَرَبِيَّةِ فِيْ بَاكِسْتَان

۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ م ۲۹ مارلیس سنہ ۱۹۸۰ء

ترجمہ:۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مُرادآباد کی زیارت کی توفیق مرحمت فرمائی، میں نے یہاں چھ سال رہ کر تربیت حاصل کی ہے۔ اور اپنے اساتذہ سے فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں۔ میں آج اس زیارت سے عید کے دن کی طرح خوشی محسوس کرتا ہوں، میں نے مدرسہ میں طالبانِ علومِ نبوت کی ایک بڑی تعداد کو پڑھتے ہوئے دیکھا، اللہ تعالیٰ مدرسہ کے بانی کو جزائے خیر عطاء فرمائے جنہوں نے کامل اخلاص سے اس کی بنیاد رکھی، نیز میں نے مدرسہ کے اساتذہ سے بھی ملاقات کی، میں نے انہیں عارف باللہ اور عالم باعمل پایا۔

آج کل مدرسہ حضرت مولانا رشید الدین حمیدی و مولانا منظور حسین قاسمی کے زیرِ نگرانی چل رہا ہے۔ یہ مدرسہ دراصل ایک خوبصورت گلشنِ علم ہے، جس کی صاف شفاف نہروں سے ہر چھوٹا بڑا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اربابِ مدرسہ کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے۔ وہی توفیق بخشنے والا اور بہترین مددگار ہے۔

احقر محمود عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان

رونقِ علمی میں اضافہ

تحریر مولانا سُبحان محمود صاحب استاذ حدیث دارالعلوم کراچی پاکستان

حضرت مولانا سبحان محمود صاحب کا وطن اصلی مرادآباد ہے۔ ۱۳۶۵ھ تک آپنے مدرسہ شاہی کے ماہر اور مشہور اساتذۂ عظام سے کسب فیض کیا، اس وقت کافی عرصہ سے پاکستان کے مشہور مدرسہ دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ اجلاس صد سالہ کے موقع پر دیوبند تشریف لائے تو اپنی مادرِ علمی میں بھی رونق افروز ہوئے اور حسب ذیل تاثرات قلمبند فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۳۵ سال کے بعد احقر کو اپنی قدیم مادرِ علمی کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

درجۂ حفظ سے لیکر عربی کے درجات وسطائی تک اسی مرکز علم سے احقر فیضیاب ہوا ہے۔

اس وقت اگرچہ اکثر وہ اکابر واساتذہ جو احقر کے دورِ طالب علمی میں اس مرکز میں فیض رسانی فرمارہے تھے موجود نہیں ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ اس وقت بھی اس مرکزِ علم کی وہی رونق ہے جو ۳۵ سال پہلے تھی، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مدرسہ کو ظاہری و باطنی ترقیات سے مالامال فرمائے، اور عالم میں اس کے فیض کو زیادہ سے زیادہ پہنچائے۔

سبحان محمود مراد آبادی
حال خادم دار العلوم کراچی ۱۴
پاکستان۔ ۱۱ رج ۱۴۰۰ھ م ۲۹ مارچ ۱۹۸۰ء

عظمت کا اعتراف

حضرت مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی باوقعت تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امیر شریعت مدظلہٗ کے حکم سے انجمن تہذیب البیان کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے بہانے زندگی میں پہلی بار جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ یہ مدرسہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندہ و تابندہ یادگار ہے۔ اور تقریبًا ایک صدی سے علومِ دینیہ کی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔ آج بھی اس مدرسہ کے روح پرور ماحول سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات ظاہر ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ اس مدرسہ نے جہاں تعلیم وتربیت کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا ہے اور جید علماء وممتاز اساتذہ پیدا کئے ہیں، وہاں ملکی وملی تحریکات میں بھی یہاں کے اکابر کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اور آج بھی اس حیثیت سے اس مدرسہ کو مرکزیت حاصل ہے۔

یہاں پہنچنے کے بعد حضرات اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ سے مل کر طبیعت بیحد مسرور اور متأثر ہوئی۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس قحط الرجال کے دور میں بھی اس مدرسہ کو نہایت جید علماء کی خدمات حاصل ہیں۔ جن کی علمی صلاحیت، ایمانی فراست، صلاح وتقویٰ اور اخلاص وایثار کے جذبہ کو دیکھ کر اکابرین سلف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ طلبہ میں تحصیلِ علم، کسبِ کمالات اور تہذیبِ اخلاق کی ایک لگن موجود ہے۔ مدرسہ کی عمارت، اس کی درسگاہیں، کتب خانہ دفتر اہتمام سب ہی شاندار اور پرعظمت ہیں۔ مدرسہ سے تھوڑے فاصلہ پر لالباغ میں جدید دارالاقامہ تعمیر ہوا ہے، یہاں بھی حاضر ہونے کا موقع ملا۔ یہاں طلبہ کی رہائش اور ان کی خوراک کے لئے مطبخ کا باقاعدہ نظم ہے۔ دارالاقامہ کے لئے شہر کا یہ حصہ نہایت مناسب ہے۔ عمارت کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ اور ابھی بڑا حصہ زیر تعمیر ہے۔ اسی عمارت میں ..... "حفظ الرحمٰن ادارۂ تعلیم وتربیت" قائم ہے۔ جو چھوٹے بچوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی دینی تربیت کے لئے قائم کیا گیا ہے اور حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین یادگار ہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ جو قیمتی اور اہم کام شروع کیا ہے ان شاء اللہ اس سے آئندہ آنے والی نسل کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اور یہ ادارہ دینی تعلیم کے میدان میں ایک مثالی خدمت انجام دے گا۔ یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ جامعہ کے تمام شعبہ جات کے نظم واہتمام کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے مناسب نہایت مستعد اور مخلص افراد مہیا کردیتے ہیں۔ جن کی مخلصانہ جدوجہد سے یہ مدرسہ شب وروز ترقی کی راہ پر آگے بڑھ رہا ہے، میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ قاسمیہ کو آفات وفتن سے محفوظ رکھ کر ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچائے۔ اور اس دینی ادارہ کو امتِ مسلمہ کی فلاح وبہبود کا ذریعہ بنائے۔

نظام الدین
ناظم امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ
پھلواری شریف پٹنہ (بہار)
۲۰ رجب ۱۳۸۹ھ

سرمایۂ سعادت

معائنہ جناب سید حامد صاحب سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

مدرسہ شاہی مرادآباد میں آج رات اپنی حاضری کو میں سرمایۂ سعادت تصوّر کرتا ہوں۔ اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان خدمات کو جو یہ مدرسہ ایک صدی سے زیادہ سے انجام دے رہا ہے شرفِ قبولیت سے نوازے۔

میں ارادہ کر رہا ہوں (اللہ تعالیٰ اس میں میری مدد فرمائے) کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا رابطہ دینی مدارس سے استوار کروں۔ اس مدرسہ کی اسناد کو یونیورسٹی انشاء اللہ داخلوں کے لئے تسلیم کرے گی۔ اس فراخ دلانہ پذیرائی کے لئے جو اس دینی ادارہ میں اس کم سواد کی کی گئی وہ سراپا سپاس ہے۔

سید حامد

۸ر دسمبر ۸۴ء

ادارہ کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی اُستاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے تأثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج جامعہ قاسمیہ معروف بمدرسہ شاہی مرادآباد کے دارالاقامہ میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ادارہ کی نسبت اور اس کے ماضی اور کارکردگی کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، جس ادارہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی علیہ الرحمۃ جیسے ممتاز افراد بنے ہوں اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغۂ روزگار

درس دیتے رہے ہوں اس کے بارے میں کچھ کہنا یقیناً حد سے تجاوز کرنا ہوگا۔ ان حضرات کے بعد بھی یہ ادارہ برابر راہِ ترقی پر گامزن رہا۔ اور تعمیراتی نیز درسی و دیگر شعبوں میں نمایاں ترقیاں حاصل کی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کے فیض کو تادیر جاری رکھے اور اس کے ماضی کا مستقبل سے گہرا رابطہ اور نسبت قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کے کارکنوں اور ہر طرح کے معاونین کو اجرِ جزیل عطاء فرمائے۔ والسلام

احقر محمد برُھان الدین
خادم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
ابوالحسن علی ندوی ۔ مجاہد الاسلام قاسمی ۲۵ ۹/۸۵ء

عقابوں کا نشیمن

جنابِ سلیمان سکندر صاحب ناظمِ کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدرآباد کا تأثر

آج بتاریخ ۲۵ ستمبر مدرسہ قاسمیہ مرادآباد میں حاضر ہوا تو بےساختہ زبان پر یہ الفاظ آگئے۔ اللہ پاک عقابوں کے اس نشیمن کو زاغوں کے حملوں اور تصرّف سے محفوظ رکھے۔ آمین

سلیمان سکندر
کل ہند مجلس تعمیر ملت حیدرآباد
۸۵/۹/۲۵ء

خدا اس چمن کو آباد رکھے

مدرسہ کے ایک قدیم فاضل مولانا قاضی محمد امیر حمزہ بھدرکی (اڑیسہ) کی تمنا

۷۸۶ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

۴۴ برس کے بعد خدا کے فضل وکرم سے میں نے اپنے مادرِ علمی کو دیکھا اور یہاں کے

اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات کی، اپنی مادرِ علمی کی ترقیات کو دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ خدائے تعالیٰ اس چمن کو ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔ آمین ثم آمین۔ فقط

حکیم قاضی محمد امیر حمزہ بھدرکی
بھدرک ضلع بلاسپور (اڑیسہ)
مقیم حال۔ نام پلی نزدیک منارہ مسجد حیدرآباد

مدرسہ کی خدمات قابلِ فخر ہیں
جناب محمد عثمان عارف صاحب گورنر اتر پردیش کا معائنہ

۸۶ء

آج مجھ کو مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد مراد آباد میں حاضر ہوکر وہاں کے اساتذہ، طلبہ اور معززین شہر سے خطاب کرنے کا موقع ملا، مجھ کو مدرسہ کی تاریخ بتائی کہ یہ مدرسہ ۱۸۷۸ء میں قائم ہوا۔ اور اس وقت سے آج تک زمانہ کے نشیب و فراز کا مقابلہ کرتے ہوئے دینی تعلیم دینے میں سرگرم ہے، خاص بات یہ بتائی گئی کہ اس کے اخراجات کسی گورنمنٹ کی امداد بغیر اللہ کے توکل پر پورے ہو رہے ہیں۔ اس مدرسہ کے مدرسین اور فارغ طلبہ نے جنگِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قید و بند کے مصائب برداشت کئے۔ شہر میں میل ملاپ اور بھائی چارہ کو فروغ دیا۔ ایک سو دس برس کے قدیم مدرسہ کی خدمات دینی و ملّی و سیاسی پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مدرسہ اپنے فرائض کو روایاتِ دیرینہ کے مطابق انجام دیتا رہے آمین مجھکو انتہائی مسرّت ہے کہ میں یہاں حاضر ہو سکا۔

خاکسار
محمد عثمان عارف گورنر اتر پردیش
حال مقیم مراد آباد۔ ۳۱ اگست ۱۹۸۶ء

یہ جامعہ اکابر کی یادگار ہے

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب مدظلہ العالی
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کا ارشاد

آپ دار العلوم دیوبند ہی نہیں بلکہ پورے دیوبندی مکتب فکر کے سب سے اونچے منصب پر فائز اور مجمع الخیرات ہیں۔ وجاہت اور حسن اخلاق کے ساتھ بے مثال حلم و تدبر کے مالک ہیں۔ سنہ ولادت ۱۳۴۵ھ ہے۔ وطن اصلی بسی بلند شہر اور والد ماجد کا نام عبد الشکور خاں ہے۔ ۱۳۶۴ھ میں حضرت مدنی سے بخاری و ترمذی شریف پڑھ کر دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دار العلوم ہی میں مدرس ہو گئے اور میزان سے لے کر بخاری شریف تک درس نظامی کی سبھی کتابیں پڑھائیں۔ گذشتہ سولہ سال سے بخاری شریف آپ ہی پڑھا رہے ہیں۔ ۱۴۱۱ھ میں ختم بخاری شریف کی تقریب میں مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور درج ذیل معائنہ تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی والصلوٰۃ والسلام علی النبی المصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا فضل وانعام ہے کہ احقر کو جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں حاضری کا سعادت حاصل ہوئی۔ یہ جامعہ اپنے اکابر کی یادگار ہے۔ عالم میں مشہور و معروف ہے اس ادارہ کا فیض بھی پورے عالم میں ہے۔ اس حاضری کے موقع پر جامعہ کی قدیم عمارت اور جدید عمارت ہردو کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی زید مجدہ کے زمانہ اہتمام میں جامعہ کو بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ یہ حضرت موصوف کی مساعی کا نتیجہ ہے تعلیمی معیار ماشاء اللہ بہت عمدہ ہے۔

قابل اساتذہ مصروف درس ہیں غرضیکہ تعلیمی اور تعمیری اور تربیتی ہر اعتبار سے جامعہ قابل رشک ہے اور تعمیری کام بدستور جاری ہے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ جامعہ قاسمیہ کو روز افزوں ترقیات سے نوازے اور جملہ معاونین حضرات کی خدمات کو قبول فرماکر اجر جزیل عطا فرمائیں، آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نصیر احمد عفی عنہ خادم دار العلوم دیوبند

(معائنہ)

حضرت مولانا عبد العزیز صاحب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش و رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

ناظم مجلس علمیہ حیدرآباد اور رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا عبد العزیز صاحب جنوبی ہند میں تحریک دیوبند اور فکر قاسمی کے مؤثر اور بہترین ترجمان ہیں۔ ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں آپ ایک موقر وفد کے ساتھ مدرسہ شاہی میں تشریف لائے اور ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا۔

بحمدہ تعالیٰ آج وہ ساعت آئی کہ میری دیرینہ تمنا اور آرزو پوری ہو۔ برسہا برس سے مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس وقت دہلی تحفظ حرمین کانفرنس منعقدہ ۸ نومبر ۱۹۸۷ء منجانب جمعیۃ علماء ہند میں شرکت کی، اور دیوبند و سہارنپور ہوتے ہوئے ہم تین ساتھی محترم مولانا سید اکبر الدین قاسمی صاحب نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش اور مولانا عبد الصمد صاحب ناظم دار العلوم بھبینہ بتاریخ ۱۲ نومبر ۸۷ء مدرسہ شاہی پہنچے، مدرسہ دیکھا بڑی مسرت ہوئی۔ یہاں اساتذہ کرام بڑے قابل اور باعمل ہیں طلبہ بھی ماشاء اللہ بڑے شائستہ اور حقیقی معنی میں طالب دین ہیں۔ عمارت بھی بڑی بہتر ہے۔ آئندہ کے پروگرام بھی بڑے شاندار ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مہتمم مدرسہ ہٰذا کو درازی عمر عطا فرمائے وہ بڑی محنت کرتے ہیں، اور ان کے دور میں بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ اور مدرسہ کا نظام تعلیم و تربیت بھی بڑا عمدہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو خوب ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط

سید اکبر الدین قاسمی
نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش
و ناظم معہد جامعہ ریاض الاسلام حیدرآباد

عبد العزیز عفی عنہ
ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش و ناظم مدرسہ بیت العلوم ساکن بھبنہ
و رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند

مفتی عبد الغنی صاحب فاضل دار العلوم ساکن بھبنہ
مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

تأثرات معائنہ

◎ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

◎ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مظاہری شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

◎ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری استاذ حدیث " "

◎ حضرت مولانا محمد شاہد صاحب رکن مجلس شوریٰ " "

۱۴۰۵ھ میں ختم بخاری شریف کی سالانہ تقریب کے موقع پر حضرات علماء مظاہر علوم بطور مہمانان خصوصی تشریف لائے، اور درج ذیل معائنہ رقم فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سرزمین ہندوستان پر جب انگریزوں کا سیاسی اقتدار غالب آگیا۔ اور وہ ہندوستان کے تخت وتاج کے بادشاہ بنکر یہاں کی مجبور ومقہور قوم پر حکمرانی کرنے لگے تو انہوں نے ایک بنے بنائے منصوبے اور سازش کے تحت مذہب عیسائیت اور نظریۂ تثلیث کو پھیلانے کے لئے مختلف تحریکیں اور مختلف طریقے اختیار کئے۔ اس وقت ہندوستان میں جتنے ادیان وملل اور جتنے مذاہب وفرق تھے وہ اپنی اندرونی طاقت اور روحانی قوت کے فقدان کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک مذہب عیسائیت اور انگریزی دسیسہ کاریوں کا مقابلہ نہ کرسکے، اور یا تو اس میں ضم ہوگئے یا پھر ختم ہوگئے۔ لیکن اسی وقت تن تنہا ایک ایسا باوقار اور وقیع مذہب (یعنی دین قیم اور مذہب اسلام) میدان میں جمارہا جس نے دلیری اور پامردی کے ساتھ باطل کا مقابلہ کیا، اور اپنی افادیت، نافعیت اور استحکام وپختگی کا لوہا اپنے اعداء سے منوالیا۔ اس وقت کے اصحاب خیر، اہل قلوب اور مشائخ صدق وصفا نے اسلام کی خدمت اور اسکے بقاء وتحفظ کے لئے مختلف طریقے اور انداز واسلوب اختیار کئے۔ ایک جماعت علم حقیقی کا جھنڈا لیکر میدان میں اتری، جابجا مدارس قائم کئے، قرآن وسنت کی ترویج کی اور علوم نبویہ قرآنیہ

کی اشاعت پر اپنی قوتیں اور دل ودماغ کی تمامتر توانائیاں صرف کردیں۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور انہیں مردان حق کی جدوجہد اور قربانیوں کی زندہ وتابندہ مثال ہے۔ اور جن کو آج بجا طور پر اسلام کا قلعہ کہا جاتا ہے۔

انہی اسلامی قلعوں میں ایک وقیع اور مضبوط قلعہ "جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی" بھی ہے، جہاں سو سال سے زائد عرصے سے دینِ حق کی اشاعت، توحید وسنت کی ترویج اور علوم نبویہ کی اشاعت ہو رہی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتویؒ اس کے موسس اور بانی ہیں، اپنی ابتدائی تاسیس سے لیکر آج تک یہ ادارہ دینِ حق کے مخلص خادموں اور جاں نثاروں کی سرپرستی میں رہا۔ اور آج بھی اخیارِ امّت اس کے نگراں ومحافظ ہیں۔

اللہ جلّ شانہٗ کے لطف وانعام سے بندہ سیہ کارہ کی آمد مولانا محمد طلحہ صاحب مولانا محمد یونس صاحب اور مولانا محمد سلمان صاحب زادمجدہم کی معیت میں آج ۱۷ شعبان ۱۴۰۵ھ میں یہاں ہوئی، ختم بخاری شریف کے جلسہ میں حاضری اور دعا میں شرکت کی سعادت ملی۔

حضرت مولانا رشید الدین صاحب زادمجدہٗ کے زیر اہتمام یہ ادارہ اس وقت چل رہا ہے۔ اور الحمدللہ دینی، روحانی اور اخلاقی اعتبار سے اس کا ہر قدم آگے کی طرف ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ اس ادارہ کی ہر طرح حفاظت فرمائے۔ نظرِ بد سے حفاظت فرمائے۔

حضرت مہتمم صاحب موصوف کا تعلق جس طرح شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے ہے ایسے ہی قطب الاقطاب حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ سے بھی ہے کہ آپ ان کے مجاز بیعت اور خلیفہ بھی ہیں۔ اس طور پر آپ حضرت اقدس مہاجر مدنی سے نسبت خصوصیہ روحانیہ بھی رکھتے ہیں۔ دلی تمنّا، دعا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رشید الدین صاحب موصوف کے ذریعہ اس ادارہ کو ان تمام نسبتوں کا جامع بنادے، جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ودیعت فرمائی تھیں۔ والسلام

سید محمد شاہد غفرلہٗ سہارنپوری۔ نزیل مدرسہ شاہی مرادآباد

محمد طلحہ کاندھلوی   محمد یونس عفا اللہ عنہ   محمد سلمان عفا اللہ عنہ ۱۷/۱۰/۱۴۰۵

مدرسے کو دیکھکر خوشی ہوئی

محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ، ناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کا تاثر

مشہور بزرگ اور عالم دین محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ، خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت تھانویؒ مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ کو مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔ اور مدرسے کے احوال بذات خود دیکھ کر ان الفاظ میں مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے۔

باسمہٖ تعالیٰ۔ ــــــــ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْد!

حضرت مولانا رشید الدین صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر ۹ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ م ۹ فروری ۱۹۸۷ء کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں حاضری ہوئی اور ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ کی صبح تک دارالاقامہ لالباغ مدرسہ شاہی میں قیام رہا۔ حضرت مولانا رشید الدین صاحب دامت برکاتہم کی تجویز کے موافق مصروفیت رہی، مدرسہ کو دیکھ کر بہت دل خوش ہوا۔ بالخصوص صفائی ستھرائی کا جیسا اہتمام مدارس دینیہ میں ہونا چاہئے وہ مکان دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ نیز طلبۂ کرام میں دینی ذوق وشوق دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ ارکان منتظمین کرام واساتذۂ کرام بالخصوص حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے کافی محنت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مساعی کو قبول فرمائیں، اور مدرسہ ہٰذا اور مدرسے کے خدام کرام کو مزید ترقیات دینی ودنیوی اور ظاہری وباطنی سے نوازیں۔ اور ہر قسم کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں۔

والسلام

ناکارہ ابرار الحق

ناظم اشرف المدارس ومجلس دعوۃ الحق

ہردوئی (یو۔ پی)

مدرسہ کا بڑا فیض ہے

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ کی شہادت

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی دورِ حاضر کی ان بلند پایہ شخصیتوں میں سے ہیں جن کے فیض سے ایک عالم سیراب ہو رہا ہے، آپ نے ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اس اعتبار سے آپ کا شمار مدرسہ شاہی کے وابستگان اور فیض یافتگان میں ہوتا ہے۔ ذیل میں مدرسہ شاہی کے بارے میں آپکے جذبات پیش کیے جا رہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہٗ

جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مراد آباد ایک صدی سے زائد مدت ہوئی دینی خدمات انجام دیرہا ہے، ہزاروں طلبہ وہاں سے فارغ ہو کر ملک اور بیرونِ ملک دین کی خدمت کر رہے ہیں، اس مدرسہ کا بڑا فیض ہے۔ تمام حضرات سے گذارش ہے کہ خود بھی تعاون فرمائیں اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کے لئے کوشش فرمائیں۔ اللہ پاک بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

محمد صدیق احمد

خادم جامعہ عربیہ ہتورا۔ ۵ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی

حضرت مولانا محمد حسن بڈھانوی صدر جمعیۃ علماء برطانیہ کا تأثر

مولانا محمد حسن بڈھانوی مدظلہ برطانیہ کے ان معروف اور بلند پایہ علماء میں سے ہیں جنہوں نے کفرستان فرنگ میں دین کی شمعیں روشن رکھنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ آپ صورت وسیرت ظاہر و باطن ہر اعتبار سے زہد و اتقاء کا نمونہ ہیں، توکل علی اللہ اور عزم واستقلال چہرہ مہرہ سے نمایاں ہے، مدرسہ شاہی کے مخلص بہی خواہوں میں ہیں۔ اکثر ہندوستان تشریف آوری

کے وقت مدرسہ شاہی کو بھی شرف میزبانی بخشتے ہیں۔ ۸۹ء میں جب تشریف لائے تو اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

حَامِداً وَّمُصَلِّیاً وَّمُسَلِّماً۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے آج مؤرخہ ۲۶ مارچ ۸۹ء کو اس مدرسہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ دیکھکر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی زید مجدہم کے زیر اہتمام یہ جامعہ خوب ترقی کر رہا ہے۔ موصوف کا اس جامعہ کا مہتمم ہونا درحقیقت یہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء اور توجہ کا ثمرہ ہے۔ بارگاہ ایزدی میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زیادہ سے زیادہ ترقیات سے نوازے، اخلاص سے نوازے، اور قبول فرمائے اور باعثِ فلاحِ دارین فرمائے۔ آمین۔

محمد حسن غفرلہٗ

صدر مرکزی جمعیۃ علماء برطانیہ

ترقی کے بامِ عروج پر

حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف پٹنہ کا اظہارِ خیال

مولانا شاہ عون احمد قادری جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر اور محکمۂ شرعیہ ہند کے صدر ہونے کی حیثیت سے ملک کے مقتدر علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ میں محکمۂ شرعیہ کے ایک تربیتی کیمپ میں شرکت کے لئے (جو مدرسہ شاہی کے زیر انتظام منعقد ہوا تھا)، تشریف لائے، اور مدرسہ شاہی کے حالات کا مشاہدہ فرما کر درج ذیل خیالات کا اظہار فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَصَلِّ وَسَلِّمْ۔

عاجز محکمۂ شرعیہ ہند کی طرف سے منعقد ہونے والے مرادآباد میں چہار روزہ تربیتی کیمپ میں شرکت کے لئے مرادآباد آیا۔ اس تربیتی کیمپ کے انتظام و انصرام کی ساری ذمہ داری

حضرت مولانا رشید الدین صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد نے اپنے ذمہ لی تھی اس کے لئے ان کے مدرسہ شاہی میں مجھے قیام کا شرف حاصل ہوا۔ تربیتی کیمپ کے مشاغل اور مصروفیتوں کے ساتھ مدرسہ کا بھی سرسری جائزہ لیتا رہا۔ چوتھے روز جب ان کاموں سے فرصت ملی تو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کو سکون و اطمینان کے ساتھ دیکھنے اور معائنہ کرنے کی عزت حاصل ہوئی، میرا قیام مدرسہ کے دار الطلبہ میں رہا۔ جہاں مدرسہ کے مختلف درجات قائم ہیں، اور تعلیم و تدریس جاری ہے، اس کے چند فرلانگ کے فاصلہ پر اصل مدرسہ شاہی واقع ہے۔ وہاں بھی آخر روز حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ملت کے اکابر علماء کے ہاتھوں بنیاد پڑا ہوا یہ مدرسہ جس کو ایک سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے آج بحمد اللہ پورے علمی شان و شوکت کے ساتھ مصروف تعلیم و تدریس ہے۔ بطور اظہار حقیقت کے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس مدرسہ شاہی میں حضرت مہتمم صاحب عمت فیوضہ کی سعی و محنت اور جذبۂ اخلاص سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی ترقی کے بام عروج پر پہنچ گیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس مدرسہ کے مفتی حضرات اور مدرسین کرام بھی بڑی علمی صلاحیتوں کے مالک ہیں، اور اپنا علمی فیض طلباء مدرسہ تک پہنچا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کو قبول عام عطاء فرمائے اور علمی فیض کے ازدیاد کا ذریعہ بنائے۔ والسلام

عبد عاجز: عون احمد قادری

پھلواری شریف۔ ۲۴ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

قابل اعتماد اور معیاری ادارہ

مشہور عالم حضرت مولانا محمد اصلح الحسینی (پاکستان) کا تاثر

دارالعلوم دیوبند کے معروف فاضل، مجاہد آزادی اور حضرت شیخ الاسلام کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ اصل وطن دیوبند ہے، تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور اس وقت کراچی میں مقیم ہیں۔ اکابر کی زندہ یادگار ہیں۔ جنوری ۱۹۹۲ء میں اپنے دورۂ ہند کے دوران آپ مدرسہ شاہی میں بھی رونق افروز ہوئے اور درج ذیل معائنہ رقم فرمایا۔

بسم اللہ والحمدللہ۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مسجد میرے لئے کوئی نیا علمی ادارہ نہیں ہے۔ یہ ادارہ ہمیشہ سے دینی علوم کی تعلیم و تدریس اور نشر و تبلیغ کا ایک قابل اعتماد اور معیاری ادارہ رہا ہے۔ مستند ترین اور مشہور اساتذہ اور اساطین علم اس کی مختلف النوع تبلیغی و تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوتا ہے کہ علمی زوال اور تعلیم و تعلم سے بے رغبتی کے اس دور میں یہ ادارہ اپنی روایات اور معیار کو برقرار رکھنے کے ساتھ دوسرے ممالک میں بھی متعارف اور مقبول بنانے میں اس کے مہتمم، منتظمین اور مدرسین نے بڑی کامیابی اس کی ظاہری و تعمیری ترقی میں بھی حاصل کی ہے۔ اور اس خدمت میں حضرت مولانا رشید الدین کی رہنمائی، سربراہی اور سرگرم جدوجہد نے اور نائب مہتمم مولانا محمد عمر اور ان کے مخلص رفقاء کی انتظامی صلاحیتوں کا بڑا دخل ہے۔

دعا ہے کہ دین کی تحفیظ و تبلیغ کے یہ چراغ اسی طرح روشن رہیں اور عام مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہیں۔

محمد اصلح الحسینی

ویسٹ جہانگیر روڈ ۵۲/۵۱ کراچی، پاکستان

بے پناہ خوشی ہوئی

جناب احسن مفتاحی صاحب نائب مدیر روزنامہ اخبار مشرق کلکتہ کا تأثر

جناب احسن مفتاحی صاحب ملک کے اردو صحافیوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، روزنامہ اخبار مشرق کلکتہ کے نائب مدیر ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند اور دیگر ملی جماعتوں سے گہرا تعلق ہے۔ ملی سرگرمیوں کے بارے میں آپکے تبصرے اور رپورٹیں وقیع سمجھی جاتی ہیں جولائی ۱۹۹۰ء میں ذمہ داران مدرسہ کی دعوت پر مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔ اور درج ذیل معائنہ رقم فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد سے صرف واقف ہی نہیں ہوں، بلکہ ذہنی اور فکری طور پر اس سے وابستہ بھی ہوں، اس لئے ظاہر ہے کہ ۲۵ جولائی ۱۹۹۰ء کو یہاں حاضری کی سعادت حاصل ہونے کے بعد مجھے بے پناہ خوشی ہوئی ہوگی۔ میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کو دیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیۃ علماء ہند کے حوالے سے اس جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا الحاج رشید الدین حمیدی مدظلہٗ سے میرے دیرینہ مراسم ہیں اس لئے یہاں آنے کے بعد مجھے اجنبیت کا مطلق احساس نہیں ہوا۔ مہتمم صاحب کی غیر موجودگی میں نائبین مہتمم حضرات اور مدرسین کرام جس خوش خلقی سے پیش آئے اس سے میں بیحد متاثر ہوا۔ یہ دیکھ کر بھی خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا الحاج رشید الدین حمیدی مدظلہٗ کے دور اہتمام میں مدرسہ نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اور مدرسہ کے تمام لوگوں میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے اس قلعہ کو مزید مستحکم کرے۔ آمین۔

احسن مفتاحی
نائب مدیر ”اخبار مشرق“ کلکتہ

تاریخ کے دریچے سے

- قیام اور پس منظر
- فکر ولی اللہی کا مرکز
- ایک سو سترہ (۱۱۷) سالہ اجمالی تاریخ
- دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی

تاریخی قصیدہ

از حافظ حشمت علی صاحبؒ مرادآبادی

سنہ ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ شاہی کا عظیم الشان اجلاس دستار بندی منعقد ہوا جس میں حافظ حشمت علی صاحبؒ نے درج ذیل نظم پیش کی جو مدرسہ شاہی کی ابتدائی تاریخ پر مشتمل ہے (مرتب)

بعد از حمد خداوند مجید — آنکہ ذات اوست بے مثل وندید
نعت امی کہ کلک فطنتش — خط روبر حکمت یوناں کشید
تا درخشیدہ آفتاب عالم او — ظلمت جہل از جہاں شد ناپدید
میر ایم چند بیتے حسب حال — استماعش نیست از شفقت بعید
عالم اکمل رئیس الاذکیاء — حافظ تفسیر و قرآن مجید
مولوی قاسم نانوتوی — آنکہ بوداند زماں خود وحید
در حذاقت از فلاطوں بیشتر — در سخن رانی زسحبان و لبید
چوں شرف بخش مرادآباد شد — دید علم و فضل را قحط شدید
مدرسہ از چندہ جاری ساختہ — تا شوند از وے ہمہ کس مستفید
داشت ہرکس ہمتے از خاص و عام — چندۂ اورا بجان و دل گزید
اولا غربا کفیل او شدند — پسترش امر رؤسائے عدید
بار نظمش پنج کس برداشتند — ہریکے درخیر اندیشی فرید
اول اقدم رئیس دین پناہ — حق منش مقبول درگاہ مجید
آنکہ کارش کار یزداں ست بس — ہمتش مقصود اوصاف حمید
تا بجولانگاہ بحث آورد برو — دشمن دین در گریباں سرکشید
از تلاقی محمد با علیؓ — اسم والا یش ہمی گردد پدید
ثانیا سرخیل ارباب سخن — در طریق نکتہ پردازی فرید
حامی دین خیر خواہ مسلمین — مقتدانا مولوی عبدالرشید
ثالث شان اوستادے مرشدی — آنکہ شد خلقے زعلمش مستفید
سینہ اش بحر محیط علم دین — گنج معنی راز بان اوکلید
مولوی احمد حسن کندر کمال — دیدۂ عالم ندید او ندید
رابع ایشان کرم فرمائے من — آنکہ در اقران خود باشد وحید

حاجی اکبر کہ از فرط سخا — کرد خودرا وقف این کار سعید
میرزا صاحب کہ حسن سیر تش — عالمے را زیر دام خود کشید
گر محمد بانی منضم کنی — نام نامیش شود برنوید پدید
آں چناں دادند واو اہتمام — کافرین خوان شد برایشان ہر کہ دید
از عرق افشانی ایں ناظماں — وزگہر ریزے اعوان سعید
آن ترقی یافتہ کار مدرسہ — صیت او تاکابل و ایران رسید
پوربی بنگالی ہندی کابلے — کیست کز فیضش نگشتہ مستفید
شدز لطف نخلبند باغ کن — خرم و سرسبز این نخل امید
پنج زیشان عالم و فاضل شدند — ہر یکے زانہا بکام دل رسید
گر ہمین ست التفات خاص و عام — بین کہ کارش تا کجا خواہد کشید
بادرو یا ایہا الناس الیہ — کے تعیبو فضل ربکم المجید
حشمت. این ہرزہ درائی تا بکے — التجا کن از خداوند مجید

رَبِّ اَحْرُسْهَا بِعَيْنِ لُطْفِكَ
مِنْ شُرُورِ كُلِّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ

مراد آباد اور مدرسہ شاہی کی تاریخ پر اجمالی نظر

املا فرمودہ :- جناب افتخار احمد صاحب فریدی، مراد آباد

شہر مراد آباد مراد آباد ایک تاریخ اور قدیم شہر ہے اور ایک عرصہ سے بزرگوں اور اکابر امت کی آماجگاہ رہا ہے۔ ابتدا میں یہ ایک چھوٹی سی آبادی تھی جو رام گنگا کے کنارے آباد تھی۔ اس آبادی کا اکثر حصہ تہذیب و تمدن سے نا آشنا جنگلی آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے ایک شاگرد شاہ علاؤالدین صاحب کو خاص طور پر تبلیغ دین کے لئے یہاں بھیجا انہوں نے یہاں آکر حکمت و تدبر کے ساتھ اپنا فرض منصبی ادا کرنا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس آبادی کے جنگلی لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ شروع میں یہ آبادی ۴ گاؤں ڈیری، بھدورا، دین دار پورا، اور مان پور پر مشتمل تھی جن کو چوپالہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ گاؤں دریا کے کنارے اور جنگل میں ہونے کی وجہ سے عموماً ڈاکوؤں اور لٹیروں کا نشانہ بنتے رہتے تھے ایک مرتبہ اس علاقے سے مغل بادشاہ شاہجہاں کی فوج گذری۔ ڈاکوؤں نے حسب عادت اس پر حملہ اور مزاحمت کی۔ شاہجہاں کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے ایک سپہ سالار رستم خاں دکنی کو ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے بھیجا اس نے یہاں آکر جائے وقوع کا معائنہ کیا اور بادشاہ کو لکھا کہ اس جگہ ایک بڑا شہر آباد کئے بغیر ڈاکوؤں سے حفاظت ممکن نہیں ہے۔ شاہجہاں نے شہر آباد کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ رستم خان نے یہاں ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا۔ رام گنگا کے کنارے ایک خوبصورت جامع مسجد بنوائی اور شہر کے متعدد حصوں میں مسجدیں تعمیر کرائیں اس طرح یہ چار گاؤں ایک شہر میں تبدیل ہو گئے جس کا نام ابتدا میں رستم نگر رکھا اس سلسلے میں یہ شعر مشہور ہے۔

ادھر رام گنگا ادھر رام گاگن
دو آبے میں بستا ہے رستم نگر

شہر آباد کرکے جب رستم خاں شاہجہاں کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا؟ تو رستم خاں نے باشاہ کے عتاب کے خوف سے یا ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بجائے رستم نگر شہزادہ مراد کے نام پر مراد آباد کہہ دیا چنانچہ اسی نام سے یہ شہر مشہور ہو گیا۔

سید احمد شہیدؒ کی آمد حضرت سید احمد شہیدؒ بھی یہاں تشریف لائے ہیں وہ یہاں ایک سرائے میں ٹھہرے، جو اس زمانہ میں کھپریل کی بنی ہوئی تھی۔ (بعد میں انگریزوں نے اسے پختہ تعمیر کروایا ہے) اس وقت مراد آباد کے خاندانی قاضی محمد بخش صاحب تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ سید صاحب سرائے میں ٹھہرے ہیں تو وہ تشریف لائے اور سید صاحب سے عرض کیا کہ

آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں اور وہیں قیام فرمائیں۔ سید صاحب نے جواب دیا میں تمہارے یہاں نہیں جاؤں گا اس لئے کہ تمہارے خاندان میں بہت زیادہ افتراق اور اختلاف ہے اور تم لوگ آپسی نزاع وجدال میں مشغول رہتے ہو۔ یہ سنکر قاضی محمد بخش صاحب اپنے خاندان کے ہر فرد کے پاس گئے اور سب سے معافی تلافی کرائی۔ پھر خاندان کے چند سربر آوردہ لوگوں کو لے کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے یہاں لے جانے پر اصرار کیا بالاخر سید صاحب نے قاضیوں کے یہاں ایک وقت کھانے کی دعوت قبول کرلی اور وقت مقررہ پر وہاں تشریف لے گئے۔ سید صاحب نے انہیں کچھ نصیحتیں کیں جن کا قاضیوں پر بڑا اثر ہوا۔ ان میں تحصیل علم اور دین کی نشر اشاعت کا جذبہ بیدار ہوا۔

مولانا عالم علیؒ کی تشریف آوری اس زمانے میں ریاست رام پور میں نواب کلب علی ولی عہد تھے۔ قاضی صاحبان نے ان سے درخواست کی کہ مراد آباد کے لئے وہ کسی باوقار اور بزرگ عالم دین کو بھیج دیں۔ چنانچہ ولی عہد موصوف نے حضرت مولانا عالم علی صاحب کو مراد آباد تشریف بری پر راضی کیا۔ حضرت مولانا عالم علی صاحب نگینہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ فیض یافتہ تھے اور اس وقت رام پور میں پڑھاتے تھے۔ مولانا عالم علی صاحبؒ جب مراد آباد تشریف لائے تو یہاں بدعات و تشیع کا زور تھا۔ جامع مسجد میں تعزیہ رکھ کر اس کے دروازے پر تالہ ڈال دیا گیا تھا۔ مولانا نے دینی جرأت وحمیت سے کام لے کر جامع مسجد کے تالے کو کھلوایا اور وعظ ودرس کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ رفتہ رفتہ اس مخلصانہ وعظ کا اثر شہر میں پھیلنے لگا۔ اور پورا شہر دینی ومذہبی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرنے لگا۔ گھر گھر دین کا دور دورہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت مولانا عالم علی صاحبؒ باشندگان شہر کی محبوب ترین شخصیت بن گئے۔ چنانچہ جب مولانا کا انتقال ہوا تو سارا شہر غم واندوہ میں ڈوب گیا نیز ان کے انتقال کی وجہ سے شہر میں علم کا چرچا بہت کم ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ برائے تعزیت مراد آباد تشریف لائے تو اہل مراد آباد نے حضرت مولانا سے شہر میں دینی خلا ہو جانے کا ذکر کیا اور دوبارہ کسی ذریعہ سے اس سلسلے کو جاری کرنے کی درخواست کی۔ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ مولانا عالم علی صاحب کا بدل اب کوئی ایک شخص نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے کام کو جاری رکھنے کے لئے ایک جماعت علماء کی ضرورت ہے۔

مدرسہ شاہی کا قیام چنانچہ حضرت نانوتوی کے حکم کے مطابق ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں شاہی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس نام ابتداء میں مدرستہ الغرباء قاسم العلوم تجویز کیا گیا۔ حضرت مولانا سید احمد حسین امروہویؒ پہلے باتنخواہ مدرس مقرر ہوئے اور دس اراکین پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی حضرت مولانا عبدالرشید صاحبؒ جو اصل میں عظیم

آبادی تھے اس مدرسہ کے پہلے مہتمم بنائے گئے۔ یہ انتہائی صوفی منش بزرگ تھے۔ بھٹی محلّہ کی ایک مسجد میں امام ہوئے تو اپنے وطن اہلیہ کو یہ خط لکھا کہ میں بھٹی محلّہ کی ایک مسجد میں جاروب کشی پر لگ گیا ہوں! اس سے ان کی کمال تواضع کا علم ہوتا ہے۔ مدرسہ شاہی اپنے روز قیام سے آج تک اکابر امت اور علماء اسلام کا مرکز رہا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ بارہا یہاں تشریف لائے۔ شروع میں مدرسہ شاہی کی عمارت انتہائی خستہ تھی۔ میں حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ سے کہا کرتا تھا کہ تعمیر کی طرف توجہ دیں ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی حادثہ رونما ہو جائے۔ لیکن مدرسہ میں وسعت نہ ہونے کی بنا پر اس طرف کافی عرصہ تک توجہ نہ دی جا سکی۔ ۱۳۵۱ھ میں جب مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ مدرسہ کے مہتمم بنے تو انہوں نے شاہی مسجد اور اس کے اردگرد نئی تعمیرات کرائیں۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ مدرسہ سے کبھی تنخواہ نہ لی۔ شاہی مسجد میں فجر کے بعد ترجمہ فرماتے تھے۔ میں نے آج تک اس سے زیادہ دلاویز ترجمہ نہیں سنا اس زمانہ میں مدرسہ کے سفیر وغیرہ نہیں تھے۔ خود مولانا عبدالحق صاحب مدنی سال میں ایک مرتبہ کلکتہ وغیرہ چندہ کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور سال بھر کا صرفہ عموماً اسی سے پورا ہوتا تھا۔ مدرسہ شاہی میں بڑے بڑے علماء، محدثین اور مفتیان قیام پذیر رہے جن میں مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ، مولانا عجب نور صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ وغیرہ حضرات قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کو شہر مراد آباد سے بہت انس تھا وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتے تھے مگر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے اصرار پر یہاں سے تشریف لے گئے۔ الغرض مراد آباد کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس میں مدرسہ شاہی جیسا علمی مرکز موجود ہے۔ خدا کرے یہ مرکز دین دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے اور اپنا علمی و روحانی فیض چاردانگ عالم میں پھیلاتا رہے۔



جامعہ قاسمیہ شاہی

نتیجۂ فکر: مولانا محمد فاروق مجاہد القاسمی

بزمِ نور و مجلسِ عرفاں سجاتا جائے گا
نغمۂ حق، مدرسہ شاہی سناتا جائے گا

کفر سے کہدو، اندھیروں سے نہیں ڈرتے ہیں ہم
قاسمی سورج ہمارا جگمگاتا جائے گا

مردِ حق حضرت رشید احمد کی نسبت ہے اِسے
نعرۂ حق شورِ باطل میں لگاتا جائے گا

سینۂ شاہی ہے روشن جذبۂ محمود سے
یہ حسین احمد کا گلشن لہلہاتا جائے گا

فخرِ فخر الدین ہے یہ نازشِ جبار ہے
تا قیامت فیض اُنکے کا کام آتا جائے گا

کاوشِ احمد حسن ہے عبدِ رحمان کا خلوص
جامعہ شاہی جہالت کو مٹاتا جائے گا

سینکڑوں ہیں نام جو بنیاد بن کر دفن ہیں
ان کا جذبہ لاکھوں کو انسان بناتا جائے گا

میکدہ ہے شیخ کا^ھ، ساقی رشید الدین ہیں
آؤ پیاسو! پیاس یہ شاہی بجھاتا جائے گا

مردِ مومن، مردِ حق، مردِ مجاہد ہیں یہاں
یہ ادارہ اپنے ہمت آزماتا جائے گا

ھ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ مراد ہیں۔

وفی اموالهم حق للسائل والمحروم

اور ان کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا۔

تاریخ شاہی نمبر

کے لئے خلوص دل سے

ہدیہ تہنیت

پیش کرتے ہیں۔

حاجی محمد اقبال، حاجی محمد اکرم، حاجی محمد اختر،
پیراماؤنٹ ٹریڈنگ کارپوریشن

محلہ طویلہ
مراد آباد

AHSAN GROUP

H. O. & Works
Tavela Street, P.O. Box No. 157
Moradabad-244001
Phones : (0591) 23586 312796
Telex : 591 - 215 ASAD IN
Cable : "Paramount" Moradabad
Fax : 591 312792

NATIONAL AWARDS WINNERS

PARAMOUNT
TRADING CORPORATION

مدرسہ شاہی مرادآباد

فکرِ ولی اللّٰہی کا ایک نمائندہ علمی مرکز

محترم جناب عبدالحئ صاحب فاروقی جامعہ ہمدرد دہلی

مغل دورِ حکومت نے ہندوستان کو بہت کچھ دیا۔ عدل وانصاف، خوشحالی اور رعایا پروری کی تابندہ روایات اور بہ کثرت عالیشان و پر رونق مساجد اس کی یادگار کے طور پر آج بھی خراج تحسین لے رہی ہیں۔ اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی شاہانِ وقت نے امراء و رؤساء کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی قدر دانیوں سے تعلیم گاہوں کی فیاضانہ سرپرستیوں کی شکل میں بلیغ علم و فن کی مشاطگی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ انہی اسباب کی بنا پر ملک کے گوشے گوشے میں خانقاہوں اور مساجد کا ایک جال پھیلا ہوا تھا۔ جو درس و تدریس کیلئے مدارس و مکاتیب کے طور پر بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ چنانچہ انہی مقامات سے وہ سدہا علماء و مشائخ، مورخ، مدبر، سیاستداں اور صاحبِ تصنیف و تالیف افراد پیدا ہوئے جو ہندوستان کی ملی تاریخ میں ہمیشہ یاد کیئے جاتے رہیں گے۔ ان تمام باتوں کے باوجود چاہے اسے حالات کی ستم ظریفی کہا جائے، یا مشیت الٰہی، مغل دور کے ابتدائی ایام سے ہی یعنی ہمایوں کے عہد حکومت سے ہندوستان میں ایرانی اثرات پہلے دبے دبے پاؤں پھر بعد میں آندھی اور طوفان کی شکل میں نفوذ

کرنے لگے۔ یہ وہ اثرات تھے جنھیں اب تک محمد غوری سے لے کر لودھی خاندان کی حکومت تک ہندوستان میں پیر جمانے کا موقع نہیں مل سکا تھا اور اگر کبھی چھپتے چھپاتے کوئی گروہ تاجروں اور فقیروں کے بھیس میں یہاں آجاتا اور وہ اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ کرنے لگتا تو حکومت کی عقابی نظریں اسے اپنی گرفت میں لے کر ٹھکانے لگا دیا کرتی تھیں ؎۱

غرضکہ ہمایوں کے دور سے بعض سیاسی اسباب کی بنا پر ایران سے وقتاً فوقتاً علماء، ادباء، شعراء، اور سیاستدانوں کی کھیپ در کھیپ یہاں آنے لگی اور ان کے ساتھ ساتھ اعلیٰ منصب دار، فوجی امور کے ماہرین اور انتظامی صلاحیتوں کے حاملین کی نمایاں تعداد بھی وارد ہونے لگی، جنھیں یہاں کے وسیع النظر اور فیاض شاہانِ مغلیہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور صاحبِ اختیار و اقتدار بنا دیا۔ یہ افراد اپنے علوم و فنون اور افکار و خیالات کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کا تعلیمی نظام بھی لائے جن میں معقولات کی بھرمار اور منقولات سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی گئی تھی۔ یہ نظام صرف یہاں لایا ہی نہیں گیا بلکہ اس کی ترویج و اشاعت کی ایک منصوبہ بند جدوجہد بھی کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں ایک ایسا تعلیمی نظام اور ایسا علمی لٹریچر رائج ہو گیا جس میں فلسفہ، منطق، ہیئت، طب اور فقہ و کلام کے وافر ذخیرے کے ساتھ ساتھ سب کچھ تھا۔ مگر کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ کا مقام نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ صورتِ حال اُس دور میں لوگوں کو اپیل بھی کرنے لگی تھی کیونکہ حکومت

؎۱ تاریخِ ہندوستان، ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ص ۱۳۳ (انگریزی)

تھی تو بہر حال اسلامی، اسے اپنے انتظامی امور کو چلانے کے لئے محتسب، قاضی، مفتی اور صدر الصدور جیسے عہدوں کے لئے افراد چاہیئے تھے اور کچہری عدالتوں میں پیشکار، فرمان نویس اور اعلیٰ صلاحیت کے منصفوں کی ضرورت بھی تھی جو مذکورہ بالا تعلیمی نظام سے بہر حال دستیاب ہو رہے تھے۔

اس نظامِ تعلیم سے لوگوں کے دماغ تو روشن ہوئے مگر قلب و روح کی غذا کا سامان کماحقہٗ مہیا نہ ہو سکا۔ عہدے اور منصب تو ملتے رہے مگر اخلاق و کردار اور دینی شعور کی تعمیر نہ ہو سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواص کے معاشرے میں اخلاقی کمزوریاں اور بے عملی ہی نہیں بلکہ بدعملی کا چلن پانی میں زہر کی طرح پھیل گیا چنانچہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (م ۱۶۰۵ء) کے دور کے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری (م ۱۵۸۲ء) کا شوق کسبِ زر اور علماء و مشائخ کی ایذاء رسانی کی داستانیں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں، جمعِ اموال کی حرص کا یہ عالم تھا کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو تین کروڑ روپئے نقد ان کے گھر سے نکلے۔ ان کے گور خانے میں چند ایسے صندوق بھی ملے جن میں سونے چاندی کی اینٹیں چُنی ہوئی تھیں جو مُردوں کے بہانے سے دفن تھیں اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے فریضۂ زکوٰۃ سے وہ "حیلۂ شرعی" نکال کر نجات حاصل کر لیتے تھے[۱] اسی طرح سلطان اورنگ زیبؒ عالمگیر غازیؒ (م ۱۷۰۶ء) جیسے متدین اور محتاط بادشاہ کے دور میں انکے قاضی القضاۃ گجرات کے قاضی عبدالوہاب (م ۱۶۷۵ء) تھے جنھوں نے مرنیکے بعد ایک لاکھ اشرفیاں اور پانچ لاکھ روپئے نقد علاوہ جواہرات اور اثاث البیت کے

---

[۱] رود کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۹۵-۹۴

چھوڑا تھا، جمعِ اموال اور بددیانتی کی بہت سی شکایتیں ان سے منسوب تھیں [۱] صدرالصدور شیخ عبدالنبی (م ۱۵۸۴ء) علامہ ابوالفضل (م ۱۶۰۲ء) شیخ فیضی (م ۱۵۹۵ء) اور قاضی خاں بدخشی (م ۱۵۸۴ء) وغیرہ کی حب جاہ اور دنیاطلبی کے بارے میں متعدد روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اخلاق کی یہ گراوٹ اور دین کے راستے سے نفس پروری کی یہ وبا اخص الخواص لوگوں میں تھی جن کے ہاتھوں میں اسلام کی تبلیغ اور شریعت کے نفاذ کا کام تھا اس لئے عوام کا کیا حال رہا ہوگا اس کے خیال سے بھی اذیت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمانوں کی عظمت و سربلندی کا راز جس میں پوشیدہ ہے یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا تمسک اور اس کے ذریعہ روحانی اور اخلاقی قوت کا حصول یک لخت فراموش کر دیا گیا تھا۔ اور ساری ذہنی صلاحیتیں تفقہ، تفلسف، اور تمنطق کے بحر ناپیدا کنار میں غرق ہو چکی تھیں۔ ان حالات کی ترجمانی مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے بڑے دردناک انداز سے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"نام نہاد فقراء اور صوفیاء فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے دل اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری ہے۔ شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث رسولؐ کی کانوں میں بھنک پڑ جائے تو خیر حرج نہیں لیکن ان کی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کئے جائیں یہ ناممکن۔ بڑے بڑے علماء کے

---

[۱] رود کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۶۰-۶۱

خانوادے مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار کا پڑھنا کافی خیال کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالحق کی ترغیب و تحریص سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی ہے تو ان ہی اہل مدرسہ کی۔ اہل فتویٰ کا حال نہ پوچھو۔ ان کے ہاں بس متاخرین کے تدوین کردہ فقہ اور فتاویٰ کی گویا پرستش ہونے لگی تھی، کیا مجال کہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے کسی فتوے یا قول سے آپ اختلاف رائے کا اظہار کرسکیں اور اگر کسی سرپھرے نے کبھی ایسی جرأت کی تو وہ وہابی، بدعتی، غیر مقلد اور دوسری شرعی گالیوں کا مستحق ٹھہرا۔

آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات تو یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ ان اہل مدرسہ کے یہاں کتاب عزیز (بھی) کبھی بار پاتی تھی، ان بیچاروں کو علوم آلیہ سے اتنی فرصت کہاں ملتی تھی کہ وہ کلام الٰہی کی طرف توجہ کرتے۔ پورے درس نظامی میں اگر کوئی کتاب واقعی درس سے خارج تھی تو یہی کتاب ربانی تھی جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے جس پر ہم اور آپ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں [۱]

ان حالات کا وبال اس طرح پڑا کہ ہندوستان میں علمی و دینی زوال کے ساتھ ساتھ سیاسی تنزل بھی شروع ہوگیا اور اورنگ زیب

---

[۱] امام ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء، مولانا مسعود عالم ندوی مشمولہ الفرقان بریلی ۳۹ شاہ ولی اللہ نمبر

کے بعد سے تو سلطنت مغلیہ پر جو گذری ہے اُس سے ہر صاحب مطالعہ اچھی طرح واقف ہے۔ اس طرح رہی سہی جو کسر تھی وہ بھی پوری ہوگئی لہٰذا حالات کا تقاضہ تھا کہ ایک ایسا انقلاب آئے جو فکری جمود و تعطل کو توڑ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ملت کو پھر سے فعال بنائے تاکہ ترویج اسلام اور تنفیذِ شریعت کے فرائض پھر سے انجام دیئے جاسکیں، چنانچہ دہلی کی سرزمین سے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح (م ۱۷۶۲ء) پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی رح (م ۱۷۱۸ء) نے آپ کی تعلیم و تربیت عام روش سے ہٹ کر ایک خاص نہج پر کی اور پھر اپنے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ دہلی میں آپ کو مسند درس پر فائز کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب رح نے کامل بارہ سال تک وہاں درسی فرائض انجام دیئے اور اس وقت کے مروجہ تعلیمی نظام کا بغور مطالعہ کیا اور اس کے حسن و قبح کا گہرائی سے جائزہ لیا۔ اسی درمیان میں ۱۷۳۰ء میں آپ سفرِ حج پر تشریف لے گئے۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال وہاں قیام رہا۔ اس قیام کے دوران متعدد کبار علمار حجاز سے آپ نے استفادہ کیا اور خاص طور سے علم حدیث اور تصوف میں شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ (م ۱۷۳۲ء) سے ایک جامع سند حاصل کی۔ ۱۷۳۲ء میں ہندوستان واپسی کے بعد آپ نے مدرسہ رحیمیہ کے مسند درس سے اسلامی ہند کی تعلیمی اور دینی اصلاحات کی تحریک شروع کی۔ آپ نے سماج کے ہر طبقہ کو للکارا اور اس کی کمزوریوں کو اجاگر کیا چنانچہ آپ نے طبقۂ علمار کو آواز دی اور کہا:

"۔۔۔ میں ان طالبانِ علم سے، کہتا ہوں جو اپنے کو علمار میں شمار کرتے ہیں کہ اے نا سمجھو! تم یونانیوں کے علوم صرف و نحو

اور معانی میں منہمک ہوا اور سمجھ بیٹھے ہو کہ بس یہی
علم ہے حالانکہ علم تو قرآن کی محکم آیت کا نام ہے ـــــ یا
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ ثابتہ قائمہ کا ـــ
اِن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے، یہ کوئی
مستقل علوم نہیں ہیں لہٰذا اِن سے اشتغال مت رکھو۔
اللہ تعالیٰ نے تم پر واجب کیا ہے کہ تم علوم (نبویہ) اور شعائرِ
اسلامی کو مسلم آبادیوں میں پھیلاؤ۔ لیکن تم نے اِن شعائر
کی تبلیغ و توسیع نہیں کی بلکہ لوگوں کو دوسرے غیر ضروری
علوم میں الجھائے رکھا ہے۔[۱] ترجمہ

فکری انقلاب لانے کے لئے ایک مکمل ضابطے،
اور ایک سوچے سمجھے منصوبے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ حضرت شاہ
صاحبؒ نے سفرِ حجاز کی واپسی پر ایک لائحہ عمل تیار کیا اور اس کو
بروئے کار لانے کے لئے عملی جدوجہد کے طور پر آپ نے اپنی
تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا جس میں اپنے پورے نصب العین کی
وضاحت کی۔ آپ نے ایک نیا نظامِ تعلیم مرتب کیا جسمیں معقولات
کے بجائے منقولات کو فوقیت اور اولیت بخشی گئی۔ اور باقی علوم کو
صرف ایک آلہ اور ذریعہ قرار دیا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ تقریباً
اُسی زمانہ میں لکھنؤ میں ملا نظام الدین سہالوی[۲] (م ۱۷۴۷ء) اپنے
مسندِ درس آراستہ کئے ہوئے تھے اور اپنے مشہور زمانہ نصاب

---

[۱] تفہیماتِ الٰہیہ، جلد اول ص ۲۱۴

[۲] ملا نظام الدین سہالوی کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھیں "تذکرہ علماء ہند"، مرتبہ: مولوی رحمان علی رحمہ ۲۴۱-۴۲

درس نظامی کو مرتب کر رہے تھے۔ اس طرح ایک طرف ایسا درسی نظام مروج ہو رہا تھا جہاں علم برائے علم تھا اور دوسری طرف ایک ایسے طرزِ تعلیم کی بنیاد پڑنے جا رہی تھی جہاں علم برائے دین ہونے کا شرف حاصل کرنے جا رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے اس فکری نظام کو خود اپنے مدرسہ رحیمیہ دہلی میں نافذ کر کے دکھلا دیا اور زبانِ حال سے یہ ثابت کر دیا کہ اب ہندوستان میں مستقبل پر حکمرانی اسی نظام اور اسی فکر کی ہوگی۔ شاہ صاحبؒ کے فکری عناصر میں جو بنیادی باتیں نظر آتی ہیں ان میں کم و بیش یہ ہیں :-

(الف) قرآن و حدیث کے متون کی اس طرح تعلیم جس میں دوسرے علوم کی مدد ضرورت سے زیادہ نہ لینا پڑے۔

(ب) اختلافی مسائل میں تطبیقیت اور جامعیت۔

(ج) شریعت اور طریقت کا ایک صالح اور حسین امتزاج۔

(د) حکمت عملی اور دانشمندی کی تعلیم۔

(س) قرآن و حدیث کو دوسرے علوم پر فوقیت۔

(ص) علماء کے فرائض میں تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات میں بھی ملت اسلامیہ کی صحیح راہ نمائی جس سے اقتدار و اختیار میں اس کی بالادستی قائم ہو سکے۔

اِن عناصر ترکیبی کے ذریعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی اور پھر اُن کے چاروں عظیم المرتبت صاحبزادوں کی تربیت بھی اِسی طور پر ہوئی جن میں سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۸۲۳ء) تھے جو اپنے والد محترم کے علوم و معارف کے ایک مثالی پیکر تھے۔ آپ کے بعد آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق صاحبؒ (م ۱۸۴۶ء) جانشین ہوئے،

لیکن ۱۸۴۱ء میں آپ کے حجاز چلے جانے کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی محدث دہلوی رح (م ۱۸۷۸ء) نے مدرسہ رحیمیہ کی علمی وراثت کا فیض جاری کیا اور دہلی میں اپنی مسند درس آراستہ کی ان ہی شاہ عبدالغنی صاحب رح کی درسگاہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح (م ۱۸۸۰ء) اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح (م ۱۹۰۵ء) اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی رح (م ۱۸۸۴ء) نے زانوئے ادب تہہ کیا[1] ان بزرگوں نے اُس دور کے ایک اور مشہور بزرگ اور عالم مولانا مملوک علی نانوتوی رح (م ۱۸۵۰ء) سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی جو سلسلۂ ولی اللہی کے ایک فیض یافتہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کے شاگرد خاص مولانا رشید الدین خاں دہلوی رح (م ۱۸۲۵ء) کے شاگرد تھے۔ اس طرح اِن دو واسطوں سے حضرت نانوتوی رح اور حضرت گنگوہی رح نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے علمی سلسلہ سے اپنا تعلق استوار کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب شاہ عبدالغنی مجددی رح بھی حجاز ہجرت کر گئے اور مدرسہ رحیمیہ بھی جاری نہ رہ سکا تو ہمارے ان ہی اکابر نے دیوبند کی سرزمین پر ایک الہامی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جسے آج دارالعلوم دیوبند کے نام سے دنیا جانتی اور پہچانتی ہے شاہ ولی اللہ رح نے جس فکری نظام اور ملّی تحریک کی بنیاد مدرسہ رحیمیہ کے ذریعہ ڈالی تھی دارالعلوم دیوبند آج اُسی نہج پر گامزن ہے اور ہندوستان کے چپہ چپہ پر اُس کے فرزندانِ علم نے مدارس کا ایک جال بُن دیا ہے جہاں سے دن رات قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔

---

[1] سوانح مولانا محمد قاسم، مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد اُسی طرز پر متعدد مدارس کی داغ بیل ڈالی چنانچہ بہت سے مدارس آپ کی حیات ہیں آپ کے ایماء پر قائم کئے گئے تاکہ دارالعلوم دیوبند کا فیض اُن کے واسطے سے دور دور تک پہونچ سکے۔ اس طرح سے حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور آپ کے دوسرے رفقاء نے شمالی ہند ہیں متعدد دینی قلعے اور چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی بدولت آج ہندوستانی مسلمان اس گئی گذری حالت میں بھی دینی اعتبار سے تہی دست نہیں ہے۔

جن شہروں اور جن علاقوں ہیں یہ دینی سرچشمے رواں کئے گئے ان میں یوپی کا مشہور شہر مراد آباد بھی ایک خوش نصیب شہر ہے۔ جہاں آج جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی اپنی پوری آب وتاب سے علوم دینیہ کے ایک مرکزی ادارے کی حیثیت سے ضیاء پاشی کر رہا ہے مراد آباد شہر کی بنیاد سترہویں صدی عیسوی کے وسط ہیں مغلوں نے ڈالی تھی اس کا بانی ایک شخص رستم خاں تھا جس نے جامع مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ لیکن اس کا نام شاہجہاں کے بیٹے شہزادہ مراد بخش کے نام پر رکھا گیا۔ ابتداءً سنبھل اس ضلع کا سب سے بڑا شہر تھا لیکن بہت جلد مراد آباد نے اس کی جگہ لے لی۔ یہاں کی پارچہ بافی اور برتن سازی کی صنعتوں نے بہت مقبولیت حاصل کی ہے آج اس بارونق شہر میں پیتل کے برتن اور اُن پر خوبصورت نقش ونگار اور چمکدار پالش کے کام نے ایسی شہرت حاصل کی ہے کہ بیرونی ممالک میں بھی یہاں کی مصنوعات کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔ اس کے علاوہ مراد آباد علم وادب کا بھی مرکز رہا ہے جہاں متعدد اچھے شاعر اور ادیب برابر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جز ۲۰ ص ۲۸۲،۸۳)

اِسی شہر مراد آباد میں ۱۸۷۸ء میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ایما پر ایک اسلامی مدرسے کا قیام عمل میں آیا جس کا ابتدائی نام — مدرسۃ الغربار قاسم العلوم — تھا جو بعد میں جامعہ قاسمیہ مراد آباد کے نام سے مشہور ہوا[1] غالبًا شاہی مسجد مراد آباد میں اس کے قیام کی نسبت سے اس کے نام کے ساتھ "مدرسہ شاہی" کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ مدرسہ اسلامی امداد الغربار کے قیام کے چند سال کے بعد دارالعلوم دیوبند کی جو روداد شائع ہوئی تھی اس میں اس مدرسہ کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا تھا:

"— مراد آباد ایک مشہور و معروف شہر ہے۔ وہاں کے غریب مسلمانوں نے حسبِ ایمار حضرت نانوتوی عرصہ دو تین سال سے ایک مدرسہ اسلامی جاری کیا ہے۔ اگرچہ اوائل میں یہ کارخانہ بہت مختصر تھا۔ مگر ماشار اللہ آج یہ مدرسہ اچھے عروج پر ہے اور یومًا فیومًا امید ترقی ہے۔ واقعی اس مدرسہ کے جملہ کارپردازان نہایت زیرک اور امانتدار و دیانتدار ہیں۔ خداوند تعالیٰ اُنکی سعی میں برکت عطا فرمائے اور اس کارخانے کو قائم رکھے اور زیادہ ترقی بخشے۔ آمین۔ اس کارخانے کی زیادہ ترقی و رونق کے سبب مولوی میر احمد حسن شاگرد رشید حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب ہیں۔ جو مدرس اول اس مدرسہ کے ہیں۔ اُن کے اخلاق حمیدہ سے وہاں کے جملہ مسلمانان کمال درجہ خوش ہیں۔ بارک اللہ

---

[1] مطبوعہ کتابچہ ابتدا، اغراض و مقاصد مدرسہ ص ۳

مہتمم اس مدرسہ کے مرزا محمد نبی بیگ ؒ ہیں اور نیز چند وجوہ
سے اس مدرسہ کو ہم اپنا ہی مدرسہ سمجھتے ہیں اور اس کے
حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد ۔[۱]

مندرجہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد مولانا محبوب رضوی مرحوم مرتب تاریخ دارالعلوم دیوبند نے اپنا ایک مختصر نوٹ تحریر کیا ہے کہ :

"مرادآباد کا یہ مدرسہ جامعہ قاسمیہ کے نام سے موسوم ہے یہ مرادآباد کی شاہی مسجد میں قائم ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں جو دینی مدارس جاری ہوئے ان میں مظاہر علوم سہارنپور کو چھوڑ کر جامعہ قاسمیہ نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ اس مدرسہ کو اپنی تعلیم کی عمدگی کے باعث دینی مدارس میں بڑی شہرت حاصل رہی ہے[۲]"

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۲۹۶ھ میں ہندوستان میں (مدرسہ شاہی) کا قیام عمل میں آیا ہے اور دوسری طرف مدینہ منورہ میں (اسی سن) میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی ؒ کی وفات ہوئی ہے۔ گویا ہندوستانی مسلمانوں کا ایک عظیم محدث مدینہ منورہ میں ابدی نیند سونے والا ہے تو دوسری طرف ٹھیک اسی زمانہ میں ہندوستان میں ایک نیا دینی سرچشمہ جاری ہونے جارہا ہے۔ جس سے آئندہ ہزاروں طالبانِ

---

[۱] روداد دارالعلوم دیوبند بابت ۱۲۹۷ھ بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول ص ۲۳-۲۷۴

[۲] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول ص ۲۷۳، ۲۷۴

علوم نبویہ اپنی تشنگی بجھائیں گے اِن دونوں واقعات کا ایک ہی زمانہ میں ظہور میں آنا اہل نظر کے لئے بڑا معنی خیز ہے۔

مدرسہ شاہی اپنی تاسیس کے وقت سے ہی دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر اپنی ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ دارالعلوم کا نصاب تعلیم، اس کی فکری خصوصیات اور جنگ آزادی میں اس کی نمایاں حصہ داری وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو آج بھی مدرسہ شاہی کے لئے ایک نصب العین کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دارالعلوم کے کلیدی عہدوں پر فائز رہنے والے اکثر حضرات جن میں ہندوستان کے نامور محدث مفسر، مفتی، مشائخ طریقت اور انتظامی امور کے ماہرین شامل ہیں اس مدرسہ کے معاملات سے دلچسپی رکھتے رہے ہیں اور اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازتے رہے ہیں۔ یہاں کے اساتذہ کی اکثریت اور ممتحنین کی بیشتر تعداد دارالعلوم دیوبند ہی سے اپنا علمی اور فکری رشتہ رکھتی ہے۔

راقم الحروف یوں تو اپنے بچپن سے ہی مدرسہ شاہی کا نام سنتا آرہا تھا مگر اس کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ ۱۹۵۳ء میں اُس وقت حاصل ہوا جب کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ (م ۱۹۵۵ء) اس کے مہتمم تھے۔ اس زمانہ میں میرے والد ماجد مولانا عبدالمومن صاحب فاروقیؒ (م ۱۹۶۶ء) مدرسہ عالیہ رامپور کے پرنسپل تھے۔ حضرت والدی الماجدؒ کے تعلقات مولانا عبدالحق مدنیؒ سے بہت قریبی تھے اس لئے ان کے ہمراہ کئی بار مدرسہ شاہی جانا ہوا تھا اور ہر بار مولاناؒ ہی کے یہاں قیام ہوتا تھا۔ اہل مرادآباد کو مولانا مرحوم سے بڑا تعلق تھا۔ شاہی مسجد میں غالباً وہ ترجمہ اور تفسیر قرآن مجید بیان فرماتے تھے جس میں مدرسہ کے علاوہ شہر کے معززین

اور اہل علم کا بھی بڑا مجمع ہوتا تھا۔ وہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا اس لئے ان مجالس کی زیادہ تفصیلات یاد نہیں ہیں۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنی میرے جدامجد امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی (م ۱۹۶۲ء) کی دعوت پر ہر سال محرم کے مہینے میں تحفظ ملت کے پندرہ روزہ جلسوں میں شرکت کے لئے لکھنؤ جایا کرتے تھے اور جس دن ان کی وہاں تقریر ہوتی تھی۔ سامعین کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوجایا کرتا تھا۔ مولانا مرحوم اپنی ذات سے ایک انجمن تھے اور عوام و خواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی۔

۱۹۵۳،۵۴ء کے بعد پھر ایک عرصہ تک مرادآباد جانا نہیں ہوا اگر اب تین چار برس کے اندر پھر کئی بار وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ان سفروں میں مدرسہ کو بہت تفصیل سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی چنانچہ ۱۹۵۳ء کے مدرسہ میں اور اب ۱۹۹۱ء کے مدرسہ شاہی میں بہت نمایاں فرق محسوس ہوا۔ طلبہ اور اساتذہ کی تعداد میں خاطر خواہ اضافے کے ساتھ ساتھ مدرسہ کی عمارات کی تجدید و توسیع اور اضافہ پر اگر کچھ لکھا جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ لاالباغ میں مدرسہ کی درسگاہیں، اساتذہ کی قیام گاہیں، عظیم الشان مسجد اور جدید سہولتوں سے آراستہ مدرسہ کا مہمان خانہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ سب اس لئے ممکن ہوسکا کہ اس کا اہتمام اور نظم و نسق اِس وقت جس ذات کے ہاتھوں میں ہے اسے اللہ تعالی نے انتظامی صلاحیت، سوجھ بوجھ اور ایک منصوبے کے مطابق کاموں کو چلانے کی لیاقت اپنے فضلِ خاص سے عنایت کی ہے۔ یقین ہے کہ اللہ تعالی اُن کی ذات سے مستقبل میں مدرسہ کو مزید ترقیوں سے نوازیگا۔ ...

مدرسہ شاہی نے دینی تعلیم اور تربیت کے میدان میں

جو خدمات انجام دی ہیں آج ان سے دینی و علمی حلقے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کی مزید تفصیلات مدرسہ کے اساتذہ حضرات، طلبہ اور بہت سے دوسرے فضلاء ندائے شاہی کے اِس خصوصی نمبر میں تحریر کریں گے جو لائق مطالعہ ہوں گے۔ سر دست اس تاریخی مدرسہ نے اردو نثر و نظم میں اپنے جو اثرات چھوڑے ہیں ان پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہاں کے تربیت یافتہ مشاہیر میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی (م ۱۹۴۷ء) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (م ۱۹۵۲ء) مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (م ۱۹۶۲ء)، مولانا مفتی محمود احمد صاحب پاکستانی (م ۱۴۰۲ھ) اور موجودہ حضرات میں مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری جیسے کچھ حضرات ایسے ہیں جن کے علمی اور تصنیفی و تالیفی کارنامے علمی دنیا میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تالیفات میں قرآن، حدیث فقہ، سیر و سوانح اور تاریخی موضوعات پر گراں قدر تحقیقی کام شامل ہیں، حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی (م ۱۹۷۵ء) بھی ایک عرصہ تک مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے ہیں اگر ان کی تصانیف کو بھی ہم اس ذیل میں شمار کرلیں تو اس فہرست میں اور بھی عظیم الشان اضافہ ہوگا۔ یہ تمام نثری خدمات اس مدرسہ کے فضلاء اور وابستگان کے ذریعہ انجام دی گئی ہیں۔

ماخذ: ۔ ۱ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ۔ ۲ انفاس العارفین، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۔ ۳ : ۔ تذکرہ علماء ہند مولوی رحمٰن علی ۴ : ۔ سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ۔ ۵ : اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۰ طبع اول لاہور ۱۹۸۴ء ۔ ۶ : ۔ رود کوثر، شیخ محمد اکرام ۔ ۷ : ۔ الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ۔ ۸ : ۔ روداد دارالعلوم دیوبند بابت ۱۲۹۷ھ، بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند۔

تحریک دیوبند

اور

اس کا پس منظر

جناب عادل صاحب صدیقی دارالعلوم دیوبند

ہندوستان کی تاریخِ آزادی کا صحیح صحیح مطالعہ آنے والی نسل کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر ہندوستان کی یک جہتی کا فروغ مشکل ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے دانشوروں اور ذمہ دارانِ ذرائع ابلاغ پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ صحیح تاریخ عوام الناس کے روبرو پیش کریں۔ اس سلسلے میں تحریک دیوبند اور حصولِ آزادی میں اس کے مؤثر کردار کو اجاگر کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آج اخبارات اور ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے پروگرام دیکھنے والے یہ تأثر رکھتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی میں دیوبند کے مدرسہ کا کوئی کردار ہی نہیں، حالانکہ جنگِ آزادی کے اولین معماروں میں دیوبند کے قائدین کا شمار ہوتا ہے۔

تحریکِ دیوبند محض مذہبی تعلیم کو عام کرنے تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ اسمیں وقتاً فوقتاً نئی روح پھونکی۔ بظاہر یہ مسلک حنفیہ کی علمبردار رہی ہے۔ لیکن ۱۹۴۷ء تک اس نے برطانوی اقتدار کے خلاف نمایاں کردار ادا کیا اور قوم پرورانہ جذبات کو ابھارا۔ بظاہر اس تحریک کا مقصد اسلام اور

مسلمانوں کی عظمت کے لئے کام کرنا تھا۔ تاہم اس نے استخلاصِ وطن کے لئے بھی سر اور دھڑ کی بازی لگائی۔ کیونکہ حب الوطنی ایمان کا جز ہے تحریکِ دیوبند کے زیر اثر نہ صرف برطانوی اقتدار کے خلاف جنگ لڑی گئی بلکہ ان تمام فرقوں کی سرکوبی کے لئے بھی کوششیں کی گئیں جو برطانوی اقتدار کو ہٹانے کے راستے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

انیسویں صدی کے آغاز میں ایسٹ انڈیا کمپنی ایک بڑی سیاسی قوت کی صورت میں ابھری۔ اس عرصہ میں نہ صرف مغلیہ سلطنت پارہ پارہ ہوگئی بلکہ اور بہت سے راجہ مہاراجہ اور نوابین جو سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے کی صورت میں وجود میں آگئے تھے۔ انگریزی اقتدار کے تابع رہے۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو شکست اٹھانی پڑی۔ اور اسے جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس کے بعد اس کا علاقہ بھی انگریزوں کی عملداری میں آگیا بہار، بنگال، اڑیسہ اور صوبجات متحدہ "جو اب یوپی کے نام سے مشہور ہے" کا بڑا حصہ غیر ملکی اقتدار میں پہونچ چکا تھا۔ اودھ کی سلطنت برطانیہ کی معاون بن چکی تھی اور حیدر آباد پر تو برطانوی تسلط پوری طرح جم گیا تھا۔

ان حالات میں شاہ عبدالعزیزؒ نے جو کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مفتخر صاحبزادے تھے، ۱۸۰۳ء میں ایک فتویٰ جاری کیا جس کی آج بھی تاریخی حیثیت ہے۔ اس کی رو سے ہندوستان کو دارالحرب کہا گیا۔ مذہبی و سیاسی نقطۂ نظر سے ہندوستان کی تاریخ آزادی کا یہ ایک اہم سنگ میل تھا۔ اس کی رُو سے مذہبی شغف رکھنے والے اور صاحبِ ضمیر مسلمانوں کو خود کو منظم کرنا اور متحرک بنانا ضروری ہوگیا تھا۔ خاص کر ان حالات میں جب کہ مسلمانوں کا کوئی دوسرا سربراہ نہ رہا ہو۔ ان مسلمانوں کو غیر ملکی اقتدار سے نبرد آزما ہونا تھا۔ یہ فتویٰ زبان فارسی میں تھا جس کا مفہوم یہ تھا۔

"اس شہر دلی میں امام المسلمین کے پاس کچھ اختیارات نہیں ہیں

بلکہ اصل حکمراں عیسائی افسر ہیں، ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ گویا کہ کفر کا حکم چلتا ہے، یعنی انصاف، قانون، نظم وضبط، تجارت مالیات، لگان کی وصولی غرضیکہ ہر مقام پر کفار کا غلبہ ہے۔ البتہ چند اسلامی معمولات ہیں جن پر پابندی نہیں مثلاً جمعہ وعیدین کی نماز کی ادائگی اور قربانی، نیز اذان۔ لیکن ان تمام معمولات کی کوئی اہمیت نہیں۔ کفار مسجد شہید کر دیتے ہیں اور کوئی بھی مسلمان ان کی اجازت کے بغیر شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر مسلمانوں کو شہر میں آنے بھی دیتے ہیں تو صرف ان کو جن سے ان کا مفاد وابستہ ہے لیکن معزز ہستیاں مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر شہر میں داخل نہیں ہو سکتی۔ دلی سے کلکتہ تک عیسائیوں کی عملداری ہے۔ ہاں حیدرآباد، رامپور، لکھنؤ وغیرہ میں انگریزوں نے انتظام مقامی حکام کو سونپ رکھا ہے اور وہ بھی اسلئے کہ ان حکام نے انگریزوں کو اپنا آقا تسلیم کرلیا ہے اور خود کو ان کا مطیع وفرمانبردار بنا رکھا ہے"

اس صورت حال کا پوری طرح تجزیہ کرنے کے بعد شاہ صاحب نے یہ رائے دی کہ ہندوستان اب دارالامن نہیں رہا۔ شاہ صاحب نے محض فتویٰ دینے تک ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک جمعیت کی تنظیم کی۔ چونکہ وہ خود ضعیف العمر تھے۔ لہذا وہ خود اس کی کمان نہ کر سکے۔ البتہ ہر کام انھوں نے اپنے شاگرد سید احمد بریلوی کو سونپا۔ انھوں نے سید احمد بریلوی کو راجپوتانہ میں امیر علی خاں کے خیمہ میں بھیجا تاکہ ان کی مدد کریں امیر علی خاں اس دور میں مراٹھوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کی عملداری کے خلاف خیمہ زن تھے۔ سید احمد میں نہ صرف سیرت اور اخلاقی قدروں کی بلندی تھی بلکہ وہ ایک فعال اور متحرک ہستی تھے اور ان میں تمام قائدانہ صلاحیتیں

موجود تھیں۔ ولی اللّٰہی روایتوں سے فیض اٹھانے والے علماء میں وہ ایک نمایاں شخصیت تھے۔ سید احمد بریلویؒ نے سات سال تک راجپوتانہ میں امیر علی خاں کے سپاہیوں کی تربیت کی اور برطانوی حکمرانوں کے خلاف جنگ میں بھی شرکت کی۔

لیکن ۱۸۱۷ء میں امیر علی خاں نے برطانوی افسروں سے صلح کرلی۔ لہٰذا سید احمد بریلویؒ مجبوراً دلّی واپس آگئے اور شاہ صاحبؒ نے ان کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ انگریزوں کے خلاف لڑائی کا یہ آخری مورچہ تھا۔ جو انھیں ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ مگر اس صلح نامہ سے انگریزوں کے اقتدار کے خاتمے کی یہ آخری امید بھی جاتی رہی اسلئے اب ایسے جہاد کی تلقین و تنظیم ضروری ہوگئی جو عوام الناس کی امداد پر ہو چنانچہ سید احمد بریلویؒ نے ملک کا دورہ کیا۔ انہیں اس دورہ میں بیحد کامیابی ملی۔ دلی سے کلکتہ تک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ ۱۸۲۲ء میں وہ مکہ گئے۔ اور ۱۸۲۴ء میں وہ پشاور میں جنگلی پہاڑوں کے درمیان انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے پائے گئے۔

اس عرصہ میں مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی حالت اور بھی گر گئی مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو انگریزوں نے خاص طور پر نشانہ بنایا۔ مشہور مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر لکھتا ہے:-

> "مسلمانوں کا تعلیمی نظام عطیات پر تھا جو انگریزوں کے لگانداری نظام سے تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ انگریزوں نے جس طرز کے اسکولوں کی بنیاد ڈالی اس سے بھی مسلمانوں کو سخت مایوسی ہوئی اور ان میں بددلی پھیلتی رہی۔ مسلمانوں کو تمام اعلیٰ مناصب سے برطرف کر دیا گیا ان کو سرکاری ملازمتوں سے دور رکھا گیا اور اس سے ..... ال کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر ہی ڈال دی گئی۔

اس طرح مسلمان اقتصادی زبوں حالی کا شکار بنے۔ بنگال، بہار، اڑیسہ اور صوبجات متحدہ میں ہر جگہ جان بوجھ کر مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا۔"

اس طرح انیسویں صدی کے پہلے پچاس برس ایسے تھے کہ مسلمانوں میں بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے اپنی عملداری قائم کرنے اور لوٹ مار مچانے کے اندھا دھند طریقے اپنائے تھے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی محض ایسی جنگ نہ تھی جو کسی وقتی وجہ کے تحت ظہور میں آئی ہو بلکہ یہ گذشتہ پچاس برسوں کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات کا نتیجہ تھی، برطانوی اقتدار جمانے کی کوشش نے ہندوستانیت کے جذبہ کو اور ابھارا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس غیر ملکی اقتدار کے خاتمے کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔

اس طرح اہل ہند انگریزوں کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی، ہزاروں مسلمان جو نہتے تھے، انگریزوں کے جور و ستم کا شکار تھے اور تیرہ ہزار سے زائد علماء کرام کو تختہ دار کا بوسہ لینا پڑا۔ ہر درخت پر مسلمانوں کی لاشیں لٹکی ہوئی ملتی تھیں۔ اسی دور میں حاجی امداد اللہؒ کی زیر نگرانی تھانہ بھون سے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر شاملی کی طرف روانہ ہوا۔ کیونکہ شاملی میں انگریزوں کی فوج کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس لشکر میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ شامل تھے۔ جب انگریزوں کو یہ پتہ چلا کہ یہ حضرات ہمارے خلاف جہاد کر رہے ہیں تو ان کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور گرفتار کرنے والوں کو انعام کی پیشکش کی گئی تھی۔ اس

پُرفتن دور میں ہندوستان کی سرزمین پر زبوں حالی اور پریشانیوں کا ایک گھپ اندھیرا تھا۔ جس میں یہ سوچا جانے لگا کہ اسلام اب ہندوستان میں چند دنوں کا ہی مہمان ہے۔ اس نازک اور نامساعد حالات کے درمیان دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ تاکہ دین کی بقا اور شریعت کا تحفظ ہو سکے۔ نیز اس تعلیمی مرکز کے نگیگ دیگر مدارس قائم کر کے ایک ایسا تعلیمی نظام مروج کیا جائے جس سے اسلام کی سربلندی اور اس کے تحفظ و بقا کے لئے ٹھوس کام کیا جا سکے۔ چنانچہ ۱۸۶۶ء میں دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد پڑی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحؒ نے لکھا ہے کہ ۱۸۷۵ء میں ہی دیوبند مدرسہ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، اور اس میں دو سو طلبہ زیر تعلیم تھے، جن میں سے ایک برما کا، ایک تبت کا اور تین جاوا، سماترہ وغیرہ کے تھے۔ اس مدرسہ کی شہرت قسطنطنیہ وغیرہ تک پہونچ چکی تھی۔ اس ادارہ نے ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی مذہبی وسیاسی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ان مقاصد کے لئے کام کیا جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جہاد شاملی کے لئے متعین فرمائے تھے۔ اس طرح تحریک دیوبند اور جہاد شاملی ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ لڑائی اب تلوار کے بجائے قلم سے لڑی گئی۔ اور تقریر و تحریر کے ذریعہ عوام الناس کو انگریزوں کی عملداری کے نقصانات سے آگاہ کرایا گیا اور ان میں آزادی کا جذبہ بیدار کیا گیا۔ اس ادارے نے پُرامن ذرائع سے ملک کی آزادی کے لئے جد وجہد کی، اور دین کا پیغام مسلمانوں کے گھروں تک پہونچایا۔ اس ادارے نے ایسی ہستیاں پیدا کیں جنھوں نے مادر وطن کی خدمت کے لئے اپنا تن من دھن سبھی کچھ قربان کیا۔ لیکن اس جد وجہد کو عام کرنے کے لئے محض دیوبند کا مدرسہ ہی کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ ملک کے مختلف حصوں میں اس طرح کے مدارس کا

جال بچھایا گیا۔ چنانچہ سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم، مراد آباد کا مدرسہ شاہی، نگینہ کا عربی مدرسہ اور مغربی اتر پردیش میں جگہ جگہ ایسے ہی مدارس قائم کر دیئے گئے جو آج بھی اسلام کی بقا اور تحفظ کے لئے دن و رات مصروف ہیں۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں اکابر و مشائخ کی مقدس یادگار کے طور پر علمی، تبلیغی و تصنیفی خدمات انجام دے رہا ہے۔ چنانچہ اس طرح کے مدارس کی جگہ جگہ داغ بیل ڈالی گئی اور دیوبند مرکز ٹھہرا۔ ان کے علاوہ دینی مکاتیب بڑی تعداد میں قائم کئے گئے۔ یہ سب مکاتیب بھی دیوبند کو ہی اپنا مرکز سمجھتے ہیں اور اس سے اپنا رابطہ بنائے ہوئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کے نامساعد حالات میں مسلمانوں نے جس طرح سے علمِ دین کی بقا کے لئے ان مدارس کی بنیاد رکھی وہ نہ صرف جرأتمندی اور دانشمندی کی ایک روشن دلیل ہے بلکہ آج اگر اسلام کے نام لیوا ہندوستان میں موجود ہیں تو وہ ان ہی دینی مکاتیب کا فیضان ہے۔

ان اداروں کے ذریعہ وسعت مطالعہ کو عام کیا گیا۔ اور علم و فضل کیساتھ تواضع و انکساری کے جوہر اپنائے گئے۔ ارواح ثلاثہ میں مذکور ہے کہ "حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔ یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر چلیں لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ کر رہ گئے۔"

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے علم و فضل کے قصے چہار دانگِ عالم میں زبان زدِ عوام ہیں۔ حضرت تھانوی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

"ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لے گئے، تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار کرنے پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے اور یہ حدیث پڑھی۔ فقیه واحد اشد علی الشیطن مِن الفِ عَابِدٍ۔ اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ "ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔" مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو صحیح ترجمہ کرنا بھی نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔

اس پر حضرت شیخ الہندؒ کو غصہ نہیں آیا بلکہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے۔ مگر ان لوگوں نے نہیں مانا خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہو گئی ہے یعنی آپ کی شہادت۔"

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی مرحلہ پر ختم فرما دیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تا کہ آئندہ نہ کروں۔ فرمایا کہ اشدّ کا ترجمہ اثقلُ (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضرُّ (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے مولانا نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے "یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشد علیّ (کبھی مجھ پر وحی گھنٹوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی اضرُّ (زیادہ نقصان دہ کے معنیٰ ہیں) ہے اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

دارالعلوم دیوبند نے گذشتہ سوا سو برسوں میں ایسی، ایسی نادرالوجود ہستیاں پیدا کیں جو اپنی جگہ ایک عنوان ہیں۔ ان کی فہرست

نہ تو گنوائی جا سکتی ہے اور نہ ان کے محاسن احاطۂ تحریر میں آ سکتے ہیں
اس ادارے کو مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت
حاجی امداد اللہ کی دعائے صبح گاہی، مولانا محمد قاسم رح کی تڑپ اور شیخ الہند رح
کے جذبہ جہاد نے ایسی معنویت عطا کر دی جس کے فیض سے ہزارہا مشاہیر
دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پرچم بلند کئے ہوئے ہیں۔

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

۱ جو تم سے جُدائی اختیار کرے تم اُس سے قریب تر ہونے کی کوشش کرو۔

۲ جو تم پر ظُلم کرے تم اُس کو خوشی کے ساتھ معاف کر دو۔

۳ مظلوموں کی بد دعا سے بچو کیونکہ اُن کی پکار اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

۴ رحم کرنیوالوں پر ہی خدا کا رحم ہوتا ہے۔ تم اہلِ زمین پر رحم کرو خدا تم پر رحم کریگا۔

۵ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی امن میں نہ ہوں۔

مدرسہ شاہی اور دارالعلوم دیوبند کا تعلق

قدیم دستاویزات کی روشنی میں

ترتیب!
محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد درحقیقت دارالعلوم دیوبند ہی کا ایک حصّہ اور جزء ہے۔ اندازِ فکر، طرزِ تعلیم، نصاب درس، حتی کہ انتظامی معاملات میں بھی دارالعلوم دیوبند سے اس قدر ہم آہنگی اور ربط پایا جاتا ہے جو شاید ہی ملک کے کسی دوسرے مدرسہ میں ہو۔ اور الحمدللہ اپنے روزِ قیام سے لے کر آج تک مدرسۂ شاہی اس روایت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے بھی اس ادارہ کو اپنا ہی ادارہ سمجھا اور مدرسہ شاہی کے خدام نے بھی اپنی تاریخ کے کسی دن میں دیوبند سے اجنبیت کا اظہار روا نہیں رکھا۔ مدرسہ شاہی کے بانی حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو خمیر اس ادارے کی بنیاد میں بھرا تھا وہ برابر پھلتا پھولتا رہا۔ اور حفاظت اسلام کے جس جذبۂ دروں کو لے کر بانیوں نے مدرسۃ الغرباء کی بنیاد رکھی تھی وہ جذبہ صرف چنگاری ہی نہیں بلکہ شعلۂ جوالہ میں تبدیل ہوا اور اپنی گرمی سے مدرسہ سے منسلک ہونے والے ہر فرد کو گرماتا رہا۔ یوں کہیے کہ دارالعلوم اور شاہی ایک ہی جان کے دو قالب، ایک ہی ماں کے دو سپوت بلکہ ایک ہی ادارے کے دو نام ہیں ۔ اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے آئیے آپ کو مدرسہ کے قدیم ریکارڈ کی سیر کرائیں۔ جس سے بآسانی دونوں اداروں کی یکسانیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اکابر دیوبند نے کس طرح ذاتی دلچسپی لے کر اس ادارے کی آبیاری کی ہے اور خدام مدرسہ شاہی نے کس طرح اکابر کی اطاعت کرکے مدرسہ کو پروان چڑھایا ہے۔ صرف کلیات ہی نہیں بلکہ جزئیات اور مخصوص واقعات حتیٰ کہ اساتذہ و ملازمین کے عزل و نصب اور اضافہ مشاہرات میں بھی دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل و عقد کی رائے پر عمل کیا جاتا رہا ہے اس سلسلہ کے بعض واقعات قارئین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں (حضرات اکابر کی تصدیقی تحریرات دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)

دارالعلوم دیوبند کی روئیداد ۱۲۹۷ھ میں مدرسہ شاہی کا ذکر

دارالعلوم دیوبند کی قدیم مطبوعہ روئیداد ۱۲۹۷ھ میں مدرسہ شاہی کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ارباب دیوبند کی نظر میں دونوں مدرسے ایک ہی طرز کے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"مراد آباد ایک مشہور و معروف شہر ہے۔ وہاں کے غریب مسلمانوں نے حسب ایماء حضرت نانوتوی عرصہ دو تین سال سے ایک مدرسہ اسلامی جاری کیا ہے۔ اگرچہ اوائل میں یہ کارخانہ بہت مختصر تھا مگر آج ماشاء اللہ یہ مدرسہ اچھے عروج پر ہے اور یوماً فیوماً امید ترقی ہے واقعی اس مدرسہ کے جملہ کارپردازان نہایت زیرک اور امانتدار و دیانت دار ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کی سعی میں برکت عطا فرمائے اور اس کارخانہ کو قائم رکھے اور زیادہ تر ترقی بخشے آمین اور اس کارخانے کی زیادہ ترقی و رونق کے سبب مولوی میر احمد حسن صاحب شاگرد رشید حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ جو مدرس اول اس مدرسہ کے ہیں ان کے اخلاق حمیدہ سے وہاں کے جملہ مسلمانان کمال درجہ خوش ہیں۔ بارک اللہ۔ مہتمم اس مدرسہ کے مرزا محمد نبی بیگ ہیں اور

نیز چند وجوہ سے اس مدرسہ کو ہم اپنا ہی مدرسہ سمجھتے ہیں اور اس کے حق میں دعاء خیر کرتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔ (تاریخ دار العلوم دیوبند ص۲۷۳ ج۱)

امتحان سالانہ کیلئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند کی تشریف آوری!

ابتداء ہی سے مدرسہ شاہی کے سالانہ امتحان میں اکابر دیوبند کی تشریف آوری کا دستور رہا جو بحمد اللہ آج تک جاری ہے مدرسہ کے قیام کے دوسرے سال یعنی ۱۲۹۸ھ سے ۱۳۰۲ھ تک ہر سال امتحان سالانہ میں دار العلوم دیوبند کے اولین صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تشریف لاتے رہے۔ روئیداد مدرسہ ۱۲۹۶ھ تا ۱۲۹۸ھ میں تحریر ہے۔

"حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحبؒ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند جن کے کمال علمی و عملی کو ہر شخص جانتا ہے، مدرسہ دیوبند جو آج سارے ہندوستان میں سارے مدارس پر شرف رکھتا ہے عرب و عجم تک مشہور ہے جس میں ہر سال طلبہ فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں انھیں کے فیض تعلیم کی بدولت جاری ہے، تشریف لائے اور موافق قواعد مقررہ دیوبند طلبہ کا سالانہ امتحان لیا۔" (روئیداد ص۵،۶)

۱۲۹۸ھ میں آپ نے امتحان سے فارغ ہوکر اہل شہر کے ایک جلسہ میں تقریر فرمائی اور ایک مختصر رپورٹ بھی لکھی جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین۔ بعد حمد و صلوٰۃ واضح رائے عالی اہل شوریٰ مدرسہ مراد آباد اور دیگر شرکاء چندہ و اہل ہمت بلدہ وجملہ ساکنان بلدہ یہ ہوئی کہ احقر حسب الارشاد دیوبند سے روانہ ہوکر وارد بلدہ ہذا ہوا اور ایک ہفتہ رہ کر امتحانات جماعت عربی خواں تقریری اور تحریری لیا جو طلبہ کہ احقر کے سامنے امتحان تقریری میں موجود تھے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق لائق اور عمدہ نظر آئے

لائق انعام اکثروں نے نمبر پائے ۔ اور امتحان تحریری میں اکثروں نے نہایت صحیح اور درست اور عمدہ جواب لکھے" الخ

حررہ محمد یعقوب نانوتویؒ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند ۵ رشعبان ۱۲۹۸ھ

(روئیداد مدرسہ ۱۲۹۸ھ ص ۹)

اسکے بعد جب آپ ۱۳۰۰ھ میں امتحان کے لئے تشریف لائے تو آپ نے نہایت شاندار الفاظ میں مدرسہ شاہی کے ارکان وخدام کو ان کی بیمثال محنت اور طلباء کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی ۔ آپ نے لکھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔

احقر بست ویکم شعبان ۱۳۰۰ھ وارد مراد آباد ہوا ۔ اور مدرسۃ الغرباً واقع مسجد بادشاہی کا امتحان تقریری اور تحریری چھ دن تک متواتر لیا ۔ احقر کے گمان میں یہاں کے طلباً بحمد اللہ بہت اچھی استعداد والے اور محنتی معلوم ہوئے ۔ مدرسہ دیوبند کی وضع پر سب کو پایا ۔ اس سے عرق ریزی اور جفاکشی اور توجہ دلی مدرسین کی معلوم ہوتی ہے ۔ اب بندہ تمام طلبہ مدرسہ کو اور جملہ مدرسین اور تمام مہتمموں اور معاونین کو مبارکباد اور شاباشی دیتا ہے اگر چند سال ایسی ہی صورت رہے گی امید ہے کہ یہ مدرسہ تمام مدارس میں مثل مدرسہ دیوبند نہایت نام آور اور مشہور ہوگا ۔ یا اللہ یا کریم اپنے فضلِ عمیم سے ہماری آرزوئیں برلا ۔ اور ترقیات روز افزوں ۔۔ ظاہری وباطنی ان مدارس واہلِ مدارس کو نصیب فرما ۔ اور اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے اور جماعتِ اہلِ حق میں داخل فرما ، اور مقبولِ دارین کر ۔ آمین ۔ فقط ۔

حررہ محمد یعقوب النانوتوی خادم مدرسہ دیوبند ، ۲۷ شعبان ۱۳۰۰ھ بروز سہ شنبہ

(کتاب المعائنہ جلد ۱ ص ۲)

اکابر دیوبند کے مشورہ سے سیدالعلماء حضرت مولانا

سیّد احمد حسن امروہوی کے استعفاء کی منظوری

مدرسہ کے اولین صدرالمدرسین سیدالعلماء حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی نے انتظامیہ سے بعض اختلافات کی بناپر رمضان المبارک ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ سے استعفاء پیش کر دیا اس وقت مدرسے کے مہتمم مولانا عبدالرشید صاحب تھے۔ حضرت امروہوی کا استعفاء اس نوعمر مدرسہ کے لئے نہایت اہم واقعہ تھا۔ اس لئے ارباب شوریٰ نے حسبِ معمول اس بارے میں حضراتِ اکابر دیوبند سے مراجعت کی۔ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو خطوط لکھے گئے اور پورے واقعات پیش کر کے ان حضرات کی رائے پر عمل کرنا تجویز ہوا۔ اور جب حضرات اکابر نے حضرت امروہوی کے استعفاء کو قبول کرنے کی رائے دی تو آپ کا استعفاء منظور کیا گیا۔ (پوری خط وکتابت اب بھی مدرسہ کے محافظ خانہ میں موجود ہے) اس سلسلہ میں شوریٰ کی تجویز یہ لکھی گئی!

"**تجویز ہشتم** : مولوی احمد حسن صاحب مدرس اول نے ماہ رمضان شریف میں استعفاء تحریری دیا چنانچہ باتفاق رائے ارباب شوریٰ و نیز بمنظوری اہل مدرسہ دیوبند منظور کیا گیا۔" (کارروائی مجلس مشورہ منعقدہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ)

اسی واقعہ کی طرف اشارہ روئیداد مطبوعہ ۱۳۰۳ھ کی اس عبارت میں کیا گیا ہے!

"امسال بتقدیرِ الٰہی بعض سخت حوادث مدرسہ ہذا پر ایسے واقع ہوئے کہ وجودِ مدرسہ کا باقی رہنا ہی تعجبات سے تھا، مگر بفضلِ باری تعالیٰ اور بزرگوں کی دعا سے بالخصوص عالم ربّانی جامع علومِ ظاہری و باطنی حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی محدث ادام اللہ وابقاہ جو اس غریب مدرسہ کے سرپرست اعلیٰ ہیں ان کی ہمت اور توجہ کی برکت سے یہ مدرسہ قائم رہا۔" (روئیداد ۱۳۰۳ھ ص ۲)

اسی روئیداد کے صـ۴ پر تحریر ہے:

"اول سے یہ مدرسہ شاخ مدرسہ عالیہ دیوبند ہے وہیں کے آئین و قوانین کے موافق یہاں بھی آئین و قوانین رکھے گئے ہیں اور حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سرپرست مدرسہ دیوبند اور جناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ دیوبند اس مدرسے کے بہمہ وجوہ سرپرست اعلیٰ ہیں"

مولانا منصور علی خاں مرادآبادیؒ کی تنخواہ میں اضافہ کا مسئلہ

حضرت محدث امروہویؒ کے تشریف لے جانے کے بعد مولانا منصور علی خان صاحب مرادآبادیؒ کو پندرہ روپیہ مشاہرہ پر مدرس رکھا گیا آپ نے مجلس شوریٰ منعقدہ صفر المظفر ۱۳۰۴ھ میں اضافہ تنخواہ سے متعلق درخواست پیش کی جس پر شوریٰ نے یہ تجویز کیا

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر دیوبند کو لکھا جائے اور حسب تجویز وہاں کے عمل درآمد کیا جائے" (رجسٹر کارروائی شوریٰ صـ۹)

اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح ادنیٰ ادنیٰ معاملات میں اکابرِ دیوبند سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

مولانا سیّد احمد دہلویؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی تشریف آوری

حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہو گئے تھے چنانچہ ۱۳۰۴ھ کے امتحان سالانہ کے لئے مدرسہ شاہی میں مولانا موصوف کو تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ حضرت موصوف ۲۰ رشعبان ۱۳۰۴ھ کو مرادآباد تشریف لائے اور پانچ یوم تک یہاں قیام فرما کر طلبہ کا تقریری و تحریری امتحان لیا۔ امتحان کے بعد آپ نے جو رپورٹ لکھی ہے اس کے بعض جملے یہ ہیں۔

"میں نے یہاں آکر اس مدرسے کے طلبۂ علوم عربیہ کا امتحان مفصل طور پر تحریری و تقریری لیا اور شنبہ بستم شعبان ۱۳۰۴ھ سے چہارشنبہ بست و چہارم ماہ مذکور تک پانچ یوم کامل اس کام میں صرف ہوئے تحریری امتحان ۱۹ طلبہ کا بیس کتابوں میں، تقریری امتحان ۲۸ طلبہ کا اکیس کتابوں میں۔ عموماً اکثر طلبہ نے اچھا امتحان دیا اور نمبر عمدہ قابلِ انعام حاصل کئے۔ جن کا ملاحظہ تفصیلی نقشہ مرتبہ علیحدہ سے ہوسکتا ہے۔ بالجملہ حالت موجودہ اس مدرسہ کی ایسی پائی جس کو دیکھ کر طبیعت نہایت خوش ہوئی اور سنکر جو کچھ صورت حال جو قوت مخیلہ میں متمثل ہوتی تھی اس پر اس حالت مشاہدہ کو عمدہ اور بہتر پایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ مدرسین کی عرق ریزی اور صاحبانِ اہتمام کی سعی وکوشش اور اہل چندہ و ارباب ہمم کی علو ہمت قابل تحسین و آفریں ہے۔ حق تعالیٰ اس نہالِ علم کو بآبیاری حمایت و رعایت شاداب رکھ کر خیر وبرکت دارین سے بارآور کرے۔ آمین۔ الخ

حررہ ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ ۲۵ شعبان ۱۳۰۴ھ"

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ کی تشریف آوری

۱۳۰۵ھ میں امتحان سالانہ لینے کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کے والد محترم مولانا ذوالفقار علیؒ تشریف لائے آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے اولین بانیوں میں ہوتا ہے آپ نے تقریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا اور نہ صرف امتحان بلکہ مدرسہ کی انتظامی تربیتی اور مالی حالت کا بھی بغور معائنہ کیا اور مفید مشورے دیئے امتحان کے متعلق آپ نے جو تحریر ثبت فرمائی ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے:

"حسب ایماء ارباب شوریٰ مدرستہ الغرباء کمترین حاضر مدرسہ مذکورہ ہوا اور تخمیناً ایک ہفتہ تک امتحان سالانہ طلبہ عربی وفارسی قرآن مجید

باعانت مولوی عبد الحق صاحب مدرس اول لیا، نتیجہ امتحان طلبہ قرآن مجید و اقلیدس و حساب بہت عمدہ ہے، قریب تمام طلبہ کے پاس ہوئے، اور قابل انعام نکلے، طلبہ عربی و فارسی کے اکثر طلبہ نصف سے زیادہ ناپاس ہوئے۔ نصف سے کم پاس ہوئے یہ امر قابلِ لحاظ صاحبان مہتمم و مدرسین ہے۔ الخ

فقط ذوالفقار علی دیوبندی ۵ ار شعبان ۱۳۰۵ھ (رجسٹر معائنہ جات قدیم)

مدرسین دیوبند کی آمد ۱۳۰۷ھ

۱۳۰۷ھ کے امتحان سالانہ میں دارالعلوم دیوبند سے تین اکابر مدرسین تشریف لائے جن میں صدر مدرس حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (جو اس وقت مدرس دوم تھے) اور حضرت مولانا منفعت علی صاحبؒ شامل تھے۔ ان حضرات نے ۱۶ ار شعبان ۱۳۰۷ھ سے ۱۹ ار شعبان ۱۳۰۷ھ تک مدرسہ میں تقریری و تحریری امتحانات لیئے اور بعد میں جو رپورٹ تحریر کی اس کے الفاظ یہ ہیں :

"۱۶ ار شعبان ۱۳۰۷ھ سے ۱۹ ار شعبان تک ہم مدرسین مدرسہ عربیہ دیوبند نے امتحان طلبہ مدرسۃ الغربا مراد آباد کا سالانہ تحریری تقریری عربی فارسی ریاضی کا لیا۔ الحمد للہ اس زمانہ کے اعتبار سے استعداد طلبہ اچھی پائی، اکثر طلبہ کامیاب ہوئے اور بہت ہی کم ناکامیاب باوجودیکہ طلبہ یہاں کے اکثر بیمار تھے اسی وجہ سے کچھ طلبہ امتحان سے غیر حاضر بھی رہے اور کتاب کے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔ پھر بھی ایسا امتحان دیا جس کی ایسی حالت میں توقع نہیں تھی۔ یہ نتیجہ حسن تعلیم مدرسین اور عرق ریزی معاونین مدرسہ کا ہے" الخ (اس تحریر پر مذکورۃ الصدر تینوں حضرات کے دستخط ہیں) (رجسٹر معائنہ جات قدیم)

حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی کی مدرسہ شاہی سے دارالعلوم دیوبند منتقلی

مولانا عبد الحق صاحب پور قاضوی مدرس اول مدرسہ شاہی کے ۱۳۰۶ھ میں استعفاء

دینے کے بعد اکابر کے مشورہ سے مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی کو مدرس اول مقرر کیا گیا تھا۔ آپ بحسن و خوبی شعبان ۱۳۱۰ھ تک اس منصب پر فائز رہ کر اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے پھر بعض وجوہات کی بنا پر مدرسہ عبدالرب دہلی چلے گئے۔ لیکن پھر ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ میں ارکان شوریٰ نے آپ کو دوبارہ مدرسہ شاہی میں بلالیا تھا۔ (ان تجاویز کی تفصیلات رجسٹر کارروائی شوریٰ ص۳۱ و ص۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

۱۳۱۴ھ میں حضرات اکابر دیوبند نے مولانا عبدالعلی صاحب رح کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم کے منصب پر لے جانے کی تحریک کی۔ اس سلسلہ میں سرپرست دارالعلوم حضرت اقدس قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح نے مدرسہ شاہی کے ارباب شوریٰ کو ایک والانامہ تحریر فرمایا، جسے ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ کو شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رح مدرس اول مدرسہ دیوبند اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند لے کر مرادآباد تشریف لائے۔ والانامہ حسب ذیل ہے۔

"از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعنایت فرمایم مولوی محی الدین خان صاحب زادعنایتکم۔ بعد از سلام مسنون آنکہ: اس وقت ایک امر مخصوص کی ضرورت سے آپ کو خط لکھتا ہوں جس کی جانب آپ کی توجہ خاص کی ضرورت ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو اس کی تعمیل میں تامل نہ ہوگا۔ مدرسہ عربیہ دیوبند اور مدرسہ عربیہ سہارنپور میری سرپرستی میں آگئے اور مجھے بہر نوع ان کی ہر طور بہبودی کی فکر ہے، جس کے مفصل اظہار کی ضرورت نہیں۔ مدرسہ سہارنپور میں چونکہ ایک قابل شخص کی ضرورت تھی۔ مولوی خلیل احمد صاحب رح کو سہارنپور مامور کر دیا گیا۔ مدرسہ دیوبند میں مدرسی دوم خالی ہے۔ اس کے واسطے ایک اعلیٰ لائق کی حاجت ہے۔ میری رائے میں مولوی عبدالعلی صاحب اس

منصب کے واسطے نہایت موزوں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کی آپ بطیب خاطر ان کو دیوبند کیلئے اجازت دیدیں کہ یہ مدرسہ دیوبند مولانا مرحوم کا ہی ہے مگر درحقیقت بمنزلۂ اصل ہے اور مرادآباد کا بمنزلۂ فرع۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ اصل کی رعایت ملحوظ رکھیں گے اور مولوی عبدالعلی صاحب کو مدرسہ دیوبند کے واسطے مسرت کے ساتھ اجازت دیں گے آپ کے مدرسہ مرادآباد کے واسطے بھی جس کسی شخص کی جانب آپکا گوشۂ خاطر ہوگا میں بطور خود سعی کروں گا اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مدرسہ میں بھی اول مدرس کی جگہ خالی نہیں رہے گی۔ قابل اور موزوں شخص ہی آجائیں گے: از گنگوہ ۵ رجب ۱۳۱۴ھ۔

بقلم محمد مسعود احمد

مہر

رشید احمد

اس وقت مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انھوں نے حضرت والا کی یہ تحریر سبھی ارکان شوریٰ کی خدمت میں پیش کی اور سب کی رائے پر مطلع ہوکر درج ذیل جواب دیا:

"کمینہ خدام محی الدین عفی عنہ بحضور سیدی وسندی ملاذی وملجائی ابقاہم اللہ تعالیٰ علی رؤوسنا۔

بعد سلام مسنون عرض پرداز مدعا ہے۔ سامی نامہ دربارہ تجویز تقرری مولوی عبدالعلی صاحب مدرسی دوم مدرسہ عالیہ دیوبند پہونچ کر سرمایۂ عزت خدام ہوا۔ بندہ کو تعمیل ارشاد عالی میں کچھ توقف نہیں۔ بسر وچشم اور یہاں کے اکثر ارباب مشورہ کی رائے بھی یہی ہے کہ تعمیل ارشاد کی جائے۔ ہرچند کہ بظاہر تردد ات ہوں یہ خود ظاہر ہے کہ تشیید ارکان مدرسہ دیوبند بہ نسبت مدرسہ مرادآباد ضرورتر ہے مگر جیسا کہ

مدرسہ دیوبند اور سہارنپور سرپرستی حضرت میں ہیں ایسے ہی یہ مدرسہ بھی ہے۔ گو بظاہر لفظ سرپرستی نہ ہو اس کا قیام بھی حضرت ہی کی توجہ پر موقوف ہے اور اس مدرسہ کو اگر کوئی پریشانی پیش ہوگی تو اس کی فکر بھی جناب والا ہی کو کرنا ہوگی۔ یہاں کے مدرسین کی نسبت عریضہ آئندہ میں انشاء اللہ عرض کرونگا۔ ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ"۔

(رجسٹر کارروائی شوریٰ ص ۲۴)

یہ خط وکتابت بعینہٖ آج مدرسہ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس میں حضرت اقدس گنگوہیؒ کے گرامی نامہ کا یہ جملہ "کہ یہ مدرسہ دیوبند مولانا مرحوم (حضرت نانوتویؒ) کا ہی ہے مگر درحقیقت بمنزلۂ اصل ہے اور مرادآباد بمنزلۂ فرع" نہایت اہمیت کا حامل ہے اور حقیقت کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔

اکابر دیوبند کی تشریف آوری

امتحانات سالانہ کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ حضرات اکابر دیوبندؒ کی تشریف آوری مدرسہ شاہی میں ہوتی رہی۔ قدیم رجسٹر معائنہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ تشریف لائے اور معائنہ میں شاندار الفاظ تحریر فرمائے۔ ۱۳۱۶ھ میں تشریف لانے والوں میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ (برادر حضرت شیخ الہندؒ) اور حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی مدرس دوم دارالعلوم دیوبند کے اسمار گرامی ہیں۔ ۱۳۱۷ھ میں بھی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے تشریف لاکر امتحان لیا ہے۔

۱۳۱۹ھ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے قدم رنجہ فرمایا اور تقریری وتحریری امتحانات لے کر تفصیلی معائنہ ارقام فرمایا ہے اسی سنہ میں حضرت مولانا محمد ناظر حسن صاحبؒ عثمانی دیوبندیؒ

تشریف لائے اور اپنے تأثرات قلمبند فرمائے ۔

۱۳۳۰ھ میں مدرسہ شاہی کا معائنہ کرنے والوں میں حضرت شیخ الہند رح کے علاوہ مولانا عبید اللہ سندھی رح کا بھی نام ہے جو اس وقت جمعیۃ الانصار کے ناظم تھے اور آپ ہی کی نظامت میں ۱۳۲۹ھ میں جمعیۃ الانصار کا شاندار اور تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بعد کے سالوں میں بھی امتحان سالانہ میں تشریف آوری کے وقت حضرات مدرسین دارالعلوم دیوبند کے معائنہ جات قدیم ریکارڈ کی زینت ہیں جن میں خاص کر حضرت مولانا غلام رسول حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب رح اور حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی رح وغیرہ قابلِ ذکر ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ الحاق

مدرسہ شاہی کی پرانی دستاویزات سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ ایک موقع پر باقاعدہ باتفاق اہل شوریٰ مدرسہ کو دارالعلوم دیوبند سے ملحق اور اس کے ماتحت ایک ادارہ کی شکل دیدی گئی ہے پوری کارروائی ملاحظہ فرمائیں ۔

(روداد کارروائی جلسہ شوریٰ منعقدہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ)

" کارروائی جلسہ شروع ہوئی اور مولوی حکیم محمد اظہر الدین صاحب نے یہ بیان فرمایا کہ ۴ر جمادی الاول ۱۳۲۹ھ کے جلسہ میں بموجودگی حضرات دیوبند باتفاقِ رائے کل اہل شوریٰ یہ امر طے ہوگیا تھا کہ مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم زیر ماتحتی مدرسہ عالیہ دیوبند باقاعدہ کر دیا جائے اور مدرسۃ الغرباء کے واسطے کوئی مہتمم مولانا مولوی حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند تجویز فرمادیں اب آج یہ جلسہ ثانیاً اس غرض سے منعقد کیا گیا ہے کہ اہل شوریٰ مدرسہ ہذا عدم موجودگی حضرات دیوبند میں کافی غور و تامل اس امر پر کریں کہ تجویز گذشتہ کچھ ترمیم کے قابل تو نہیں ہے ۔"

اس تفصیل کے آنے کے بعد ارباب شوریٰ کا جو ردعمل رہا اس کا اظہار کارروائی رجسٹر میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے :

"چنانچہ جلسہ منعقدہ ہذا نے باتفاق رائے منظور فرمالیا کہ تجویز گذشتہ بالکل صحیح اور درست ہے ۔"

اسی جلسہ میں یہ بھی تجویز کیا گیا کہ اس مضمون پر مشتمل ایک درخواست اربابِ دیوبند کی خدمت میں پیش کی جائے ۔ درخواست کی نقل درجِ ذیل ہے :

" درخواست بعالی خدمت جناب مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند، منجانب اراکین مجلس انتظامیہ واہل شوریٰ مدرسۃ الغرباء مراد آباد ۔

۱۵ر جمادی الاول ۱۳۲۹ھ

مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم مراد آباد کے اراکین مجلس انتظامیہ و جمیع اہلِ شوریٰ اپنے مدرسہ کو مالی تعلیمی انتظامی حالات کے اصلاح و ترقی کے لئے سرپرستان جمعیۃ الانصار یعنی اہلِ شوریٰ مدرسہ عالیہ دیوبند کے سپرد کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔ سرپرستان جمعیۃ الانصار سے ہمارا تعلق بواسطہ مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند ہوگا اور مضمون مذکورہ ذیل قوانین مدرسہ ہذا میں اضافہ کرتے ہیں ۔ یعنی

امورات متعلقہ مدرسہ میں جس امر کا فیصلہ ہماری جماعت قابلِ اطمینان نہ کرسکے گی اس میں سرپرستان جمعیۃ الانصار کا اتباع ضروری ہوگا ۔

(دستخط اراکین شوریٰ) محمد ہدایت العلی عُفی عنہ، محمد اظہر الدین عفی عنہ، شوکت حسین، محمد امداد حسین، سید مرتضیٰ علی عُفی عنہ، محمد ابراہیم، محمد ابراہیم سنبھلی عفی عنہ محمد عبدالرحمٰن، محمد صدیق بقلم عبدالرحمٰن ۔

درخواست بالا کے سلسلہ میں مذکورہ اجلاس کی کارروائی ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے ۔

" صدر انجمن جلسہ اور کل اہل شوریٰ اور دیگر مسلمانان حاضرین جلسہ نے

باتفاق رائے یہ منظور کرلیا کہ درخواست ہذا بجنسہ بلا ترمیم کسی لفظ کے ارسال کی جاوے۔ اور مہتمم صاحب مدرسۃ العالیہ کو جلد متوجہ کیا جاوے کہ یہاں کے واسطے کوئی مہتمم تجویز فرمادیں اور نیز دیگر امداد سے مدرسہ ہٰذا کو مستفیض بنادیں۔"

حسب تجویز یہ درخواست دیوبند روانہ کی گئی وہاں اسے منظوری حاصل ہوئی اور نئے مہتمم حضرت مولانا مولوی رحمت علی صاحب کا تقرر تجویز کیا گیا۔ چنانچہ ۹ رشعبان ۱۳۲۹ھ مطابق ۵ راگست ۱۹۱۱ء کو جو شوریٰ کا اجلاس ہوا اس کا ایجنڈا درج ذیل جاری کیا گیا۔

"بخدمت شریف جمیع حضرات اہل شوریٰ مدرسۃ الغرباء شاہی مسجد بعد سلام مسنون الاسلام التماس اینکہ چونکہ کار اہتمام مدرسہ ہذا حسب دلخواہ نہ تھا۔ نیز مولوی محمد حسن صاحب مہتمم اس خدمت سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے اسلئے باتفاق رائے آپ حضرات ایک درخواست دربارہ تجویز وتقرر مہتمم جدید مہتمم صاحب مدرسۃ العالیہ دیوبند روانہ کی گئی تھی۔ چنانچہ مہتمم صاحب موصوف نے جناب مولوی رحمت علی صاحب کو بکار اہتمام مقرر فرماکر بھیج دیا ہے لہذا جمیع حضرات اہل شوریٰ بتاریخ ۵ راگست ۱۹۱۱ء بوقت ۷ بجے صبح کے مدرسہ مذکورہ میں تشریف لاویں تاکہ آپ حضرات کی موجودگی میں مولوی رحمت علی صاحب اپنا کار متعلقہ شروع کردیں۔ والسلام۔

از مدرسۃ الغرباء واقع مسجد شاہی مرادآباد۔ ۴ راگست ۱۹۱۱ء
مطابق ۸ رشعبان ۱۳۲۹ھ "

یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ جن سے بخوبی یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ شاہی اور دارالعلوم دیوبند ایک دوسرے سے برابر مربوط رہے ہیں اگر شاہی کی تاریخ میں دارالعلوم دیوبند نے

بڑے بھائی کا کردار ادا کیا ہے تو مدرسہ شاہی نے بھی اپنے چھوٹے بھائی ہونے کا ثبوت دینے میں کبھی کوتاہی نہیں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج فکری ہم آہنگی میں دارالعلوم دیوبند کے بعد جس نام کی طرف نظریں اٹھتی ہیں وہ مدرسہ شاہی ہے۔ طلبہ و مدرسین دارالعلوم میں جانے کے لئے مدرسہ شاہی کو سیڑھی قرار دیتے ہیں دارالعلوم کے سرد و گرم کا اثر شاہی پر بھی پڑتا ہے۔ اور انتظامی، تعلیمی، تدریسی حتیٰ کہ ماحول کے اعتبار سے بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا مدرسہ شاہی الگ ادارہ نہیں بلکہ دارالعلوم ہی کی اپنی ایک درسگاہ ہے۔ یہ یکسانیت بانیوں کے اخلاص کی دین ہے اور ان کی ادعیۂ سحر گاہی کا ہی ثمرہ ہے کہ یہ گلشن پھول اور پھل رہا ہے اور اس کے فیض کے واسطہ سے دارالعلوم کا فیض تمام عالم میں جاری ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید شاہراہ ترقی پر گامزن فرمائے اور کارکنان و معاونین کو اخلاص کی دولت سے نوازے

(آمین یارب العالمین)

ایک یادگار تحریر

۴۲ء کی تحریک آزادی کے دوران شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ دو سال کیلئے نظربند کر دیے گئے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث خالی تھی، اس خلا کو پُر کرنے کیلئے حضرت شیخ الاسلامؒ نے ذیل کا مکتوب مدرسہ شاہی کے ارباب شوریٰ کے نام ارسال فرمایا جو آج بھی مدرسہ کیلئے ایک تاریخی دستاویز ہے، واضح رہے کہ اس مکتوب کو ارباب شوریٰ نے قبول فرمایا اور حسب الحکم شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ مدرسہ شاہی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی رہائی تک وہیں مقیم رہے۔ پھر ۴۵ھ میں بھی آپ چند ماہ کے لئے دارالعلوم رونق افروز ہوئے اور حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد تو باقاعدہ دیوبند کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

بعالی خدمت حضرات ممبران مجلس شوری مدرسہ شاہی مسجد قاسم العلوم مراد آباد زید مجدہم

محترم حضرات ! زید مجدکم آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! امید قوی ہے کہ آپ حضرات بخیر و عافیت ہونگے۔ میں اس وقت ایک ضروری التجا لیکر حاضر ہو رہا ہوں مجھکو قوی امید ہے کہ آپ حضرات مجھکو فائز المرام فرمائیں گے۔ دارالعلوم دیوبند کی مشکلات کا آپکو علم ہو چکا ہوگا۔ اس وقت میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات عارضی طور پر مولانا فخرالدین صاحب زید مجدہم کو دیوبند بھیجدیں۔ مولانا موصوف اوس وقت تک کام سنبھالیں جبتک کہ میں اپنے فرائض انجام دینے کے قابل ہوسکوں۔ اس مدت میں مدرسہ شاہی پر مولانا موصوف کی تنخواہ کا مالی بار دارالعلوم ہی اوٹھائیگا۔ مدرسہ شاہی کے اسباق جناب مولانا سید نجی صاحب اور دیگر مدرسین کرام انجام دیا کریں۔ ان مدرسین کو اس زیادتی تدریس پر اگر کچھ الاونس دینا پڑے تو چاہیے کہ مدرسہ شاہی اوسکا تحمل کرے اور اگر خدانخواستہ مدرسہ مذکورہ متحمل نہو تو اسکا بھی بار دارالعلوم انشاء اللہ اوٹھائیگا مجھکو یقین واثق ہے کہ میری اس عرض کو آپ حضرات ردی کی ٹوکری میں نہ ڈالیں گے والسلام

مورخہ ۸ ذی الحجہ ۶۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

محمد سلمان منصور پوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

شاندار ماضی ـــــ سے ـــــ روشن مستقبل کی طرف

(ایک سو اٹھارہ سالہ تاریخ پر ایک نظر)

مبارک گھڑی شہر مرادآباد کے لئے عطیۂ خداوندی عارف باللہ محدث عالم حضرت مولانا سید عالم علی حسینی نوراللہ مرقدہٗ کی ۱۲۹۵ھ میں وفات سے پورے شہر پر رنج والم کے بادل چھائے ہوئے تھے، بہی خواہان قوم وملت کے دل بے چین اور غم واندوہ سے بے قرار تھے، غم صرف حضرت محدث مرادآبادیؒ کے فراق کا نہیں بلکہ اس شہر میں شمعِ نبوت کے بجھ جانے کا تھا ـــ مرادآبادیوں کی آس ٹوٹ چکی تھی، ان کی امیدوں کا محور رخصت ہوچکا تھا، ان کے دردوں کا درماں اُن سے روپوش ہوگیا تھا۔

یکایک شہر کی قسمت کے ستارے نے انگڑائی لی، رحمتِ خداوندی ٹوٹے ہوئے دلوں کی طرف متوجہ ہوئی کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے استاد بھائی کی تعزیت کے لئے مرادآباد فروکش ہوئے، علومِ نبوت کے پیاسے "قاسم مئے خانۂ نبوت" سے ملتجی ہوئے، اور دلی تمنائیں الفاظ کے پیکر محسوس میں تبدیل ہوکر فضا میں اس طرح بکھر گئیں۔

"کہ مرادآباد وجود علماء سے خالی ہوگیا ہے، اگر چندے یہی صورت رہی تو اس شہر کے لوگ آئندہ علمِ دین سے محروم ہوجائیں گے۔ آپ حسبۃً للہ صرف ہمت فرمائیے تاکہ آپ کی دعا کی برکت سے یہ شہر وجود طلبہ اور علماء سے آباد رہے۔"

نہ جانے کیا اخلاص تھا کہنے والوں کے دل میں، اور نہ معلوم وہ کونسی مبارک گھڑی تھی کہ "قاسم العلوم والخیرات" کے مبارک ہاتھ بلا تاخیر بارگاہِ ایزدی میں اٹھ گئے، رحمتِ حق طلب کی گئی، علم کی روشنی کی بھیک مانگی گئی، مخلصوں کی تمنا پوری ہونے کی درخواست کی گئی، بارگاہِ ایزدی سے بھی قبولیت کا پروانہ فوراً کے فوراً مل گیا، اور نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا

کہ قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دعا کرنے کے بعد اہلِ مرادآباد سے خطاب فرمایا، جس کے الفاظ یہ تھے۔

حضرت نانوتوی کا خطاب "اگر تم چند آدمی متفق ہو کر غرباء سے چندہ لینا شروع کر دو اور امراء میں جو صاحب بنظرِ ثواب شریک ہوں ان کو شریک کر لو تو خدا کے فضل سے امید ہے کہ ایک رقم معقول جمع ہو جاوے، اور پھر اللہ کے فضل پر بھروسہ کر کے فرمایا: کہ جاؤ اس کام میں جلدی کرو، اوّل ایک مدرس عربی جو جملہ کتب درسیہ پڑھا سکے اس کو تنخواہ معقول مقرر کر کے مدرسہ جاری کر دو، اور انتظام اس کا غرباء ہی کی رائے پر چھوڑ دو۔"

یہ الفاظ کیا تھے! ایک عارف باللہ کی دل کی آواز تھی جس نے حاضرین کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ کیا امیر کیا غریب، ہر ایک دل وجان سے اس حکم کی تعمیل باعثِ سعادت سمجھنے لگا، رُوداد میں لکھا ہے:

"ہزار آفریں غرباء کی ہمّتِ عالیہ پر کہ ہر ایک نے اپنی استطاعت کے موافق چندہ دینے میں دریغ نہ کیا، بلکہ جس غریب کے سامنے اس کا ذکر کیا جاتا تھا یہی جواب تھا کہ بنامِ خدا اس کے اہتمام میں کوشش کیجئے۔ ہم لوگ ہر طرح سے شریکِ حال ہیں، آخر غرباء کی ہمّت سے اس کام نے وہ انجام پایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ روپیہ ماہوار کا چندہ جمع ہو گیا۔"

مدرسہ کا اجراء صفر ۱۲۹۶ھ کا مبارک مہینہ تھا اور ۱۹ تاریخ، کہ مدرسہ کا باقاعدہ اجراء عمل میں آیا اور اس کا نام "مدرسۃ الغرباء قاسم العلومؒ" رکھا گیا۔

اوّلین صدر مدرس حضرت بانی قدس سرہٗ کے ارشاد کے موافق سیّد العلماء حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہویؒ جیسا باکمال اور پورے درسِ نظامی پر مہارتِ تامہ رکھنے والا استاد تشنگانِ علومِ نبوت کی پیاس بجھانے کے لئے بمشاہرہ ۲۵ روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا۔

اوّلین طلبہ سب سے پہلے جو طلبہ مدرسہ کی زینت بنے وہ اکثر اونچی جماعتوں کے تھے، جن میں حضرت مولانا عبدالباری گڈھ مکٹیشریؒ، حضرت مولانا خادم حسین مرادآبادیؒ،

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ، حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہکویؒ، مولانا کفایت حسین مرادآبادیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم سنبھلیؒ، حضرت مولانا حشمت علی خاں رامپوریؒ، حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب امروہویؒ قابلِ ذکر ہیں جو آگے چل کر آسمانِ علم وعمل کے درخشاں آفتاب و ماہتاب بنے۔

اولین مہتممین وارا کین شوریٰ

مدرسہ کے وہ مخلص اراکین شوریٰ جنہوں نے اپنے حسنِ عمل اور خوش انتظامی سے مدرسہ کو پروان چڑھایا، ان کے اسمار حسب ذیل ہیں، حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونی (صدر مجلس شوریٰ) حضرت مولانا مظفر شاہ خاں صاحب مرادآبادیؒ (نائب صدر مجلس) حضرت مولانا سیّد عبدالرشید صاحب (مہتمم مدرسہ) حضرت مولانا محی الدین خاں صاحب، حاجی محمد اکبر صاحب (مہتمم مدرسہ) جناب مرزا محمد نبی بیگ صاحب (مہتمم مدرسہ) جناب حاجی محمد حیات صاحب، جناب مولانا ابوالحسن صاحب وکیل، جناب حاجی گوہر علی صاحب (نائب میر مجلس) جناب مولانا عبدالرب صاحب۔

یہ ہے مدرسہ شاہی کی ابتدائی سرگذشت! اس کے بعد یہ گلشنِ قاسمی اس تیزی سے بارآور ہوا کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں، فیضِ قاسمی پورے زور و شور کے ساتھ اس منبعِ علم وحکمت سے جاری ہوا۔ اور ہندوستان ہی نہیں بلکہ افغانستان، روس، ایران، کشمیر، برما، رنگون مدراس، حتیٰ کہ افریقہ اور ریگزار عرب میں بھی اس نے علم کے دیئے جلادئے —— ذیل میں پیش کیجارہی ہے، اس کی لمحہ لمحہ کی مختصر رُوداد ملاحظہ کیجئے، اور اندازہ لگائیے!

مدرسہ شاہی کے ایک سو سترہ سال

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	تعداد کارکنان	تعداد طلبہ	تعداد فضلاء	کیفیت / اہم واقعات
۱۲۹۶ھ	۱۸۷۸ء	(۱) حضرت مولانا سید محمد عبدالرشید صاحبؒ (۲) مولانا مرزا محمد نبی بیگ صاحبؒ (۳) حاجی محمد اکبر صاحبؒ	حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہویؒ	۱۴	۴۵		صفر ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تحریک پر مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔
۱۲۹۷ھ	۱۸۷۹ء	〃	〃	۱۴	۶۲		
۱۲۹۸ھ	۱۸۸۰ء	〃	〃	۱۴	۴۲	۹	فارغ ہونے والے طلبہ میں حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھلاؤدویؒ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب دکوئیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ انہیں میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ بعد میں مدرسہ کے صدر مدرس بھی ہوئے۔ اس سال امتحان سالانہ کے موقع پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اور معاینہ بدستِ خود تحریر فرمایا۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	تعداد کارکنان	تعداد طلبہ	تعداد فضلاء	کیفیت / اہم واقعات
۱۲۹۹ھ	۱۸۸۱ء	"	"				
۱۳۰۰ھ	۱۸۸۲ء	"	"				امتحان سالانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دیوبند سے تشریف لائے۔
۱۳۰۱ھ	۱۸۸۳ء	"	"	۱۵		۵	سال رواں میں مؤرخہ ۱۴ر جمادی الاول مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، اکابر علماء دیوبند و رامپور وغیرہ نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھلاودی، حضرت مولانا خادم حسین مرادآبادیؒ، مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ شاہجہانپوریؒ اور مولانا عبدالباری صاحب گڈھ مکتیشری کی دستار بندی ہوئی۔
۱۳۰۲ھ	۱۸۸۴ء	"	"	۱۵	۲۰۲	۵	حضرت مولانا محمود حسن سہسوانی فارغ ہونے والوں میں شامل تھے۔ آپ بعد میں صدر مدرس بنے۔
۱۳۰۳ھ	۱۸۸۵ء	"	"	۱۶	۱۵۱	۵	ممتاز طلبہ میں مولانا مفتی ریاض الدین صاحبؒ افضل گڑھی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (از ۱۳۴۴ھ) مولانا محمد حسن مرادآبادی، مولانا محمد ابراہیم صاحب شاہجہانپوری اور مولانا عاشق علی سنبھلی کا نام ملتا ہے۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	کیفیت / اہم واقعات
۱۳۰۴ھ	۱۸۸۶ء	"	حضرت مولانا منصور علیخاں صاحب مرادآبادیؒ	۱۷	۱۴۹	۲	رمضان ۱۳۰۳ھ میں صدر مدرس اول حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہویؒ نے استعفار دیدیا تھا، آپ کی جگہ پر بمشورہ اکابر دیوبند حضرت مولانا منصور علی خاں مرادآبادیؒ کا تقرر عمل میں آیا آخر سال میں مولانا منصور علی خاں نے بھی استعفار پیش فرمایا۔ اس کے بعد محرم ۱۳۰۵ھ سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب پُرقاضوی منصبِ صدارت پر فائز ہوئے۔
۱۳۰۵ھ	۱۸۸۷ء	"	حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ (موضع پورقاضی مظفر نگر) از محرم ۱۳۰۵ھ	۱۷	۲۳۷	۲	فضلار میں حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب افضل گڑھی اور طلبہ میں مولانا عبداللطیف صاحب افضل گڑھی سابق صدر مفتی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد قابلِ ذکر ہیں۔
۱۳۰۶ھ	۱۸۸۸ء	"	حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ میرٹھی (از ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ)	۱۵	۱۷۵	۳	رجب ۱۳۰۶ھ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مستعفی ہوگئے۔ حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی صدر مدرس مقرر ہوئے۔
۱۳۰۷ھ	۱۸۸۹ء	"	"	۱۴	۱۶۳	۴	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	کیفیت / اہم واقعات
۱۳۰۸ھ	۱۸۹۰ء	〃	〃	۱۶	۱۵۷	۸	فضلاء میں مولانا عبدالحق سیالکوٹی، .... مولانا عبدالجبار بنگالی، مولانا عبدالوہاج مرادآبادی، مولانا عنبر علی سلہٹی اور مولانا نورحسن کرتپوری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، امتحان سالانہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھویؒ تشریف لائے۔
۱۳۰۹ھ	۱۸۹۱ء	(۱) حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحب (۲) جناب حاجی محمد اکبر صاحبؒ (۳) حضرت مولانا مرزا محمد نبی بیگ صاحبؒ		۱۶۰	۲۲۲	۴	
۱۳۱۰ھ	۱۸۹۲ء	(۱) حضرت مولانا سید محمد عبدالرشید صاحبؒ (۲) حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادیؒ	〃	۱۶	—	۲	جناب مرزا محمد نبی بیگ صاحب باقاعدہ اہتمام میں نہیں رہے، آپ کی جگہ حضرت مولینا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادیؒ قاضی ریاست بھوپال کا نام رُوداد میں ملتا ہے۔
۱۳۱۱ھ	۱۸۹۳ء	〃	〃	۱۶	۱۶۹	۱۹	قاضی فصیح الدین مرادآبادی فضلاء میں شامل ہیں۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۱۲ھ	۱۸۹۴ء	"	"	۱۵	۱۶۵	۱۱	اجلاس شوریٰ منعقدہ ۲۸ شعبان ۱۳۱۲ھ میں حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب کو باقاعدہ مہتمم بنایا گیا۔ وسط سنہ میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب استعفاء دیکر تشریف لے گئے تھے۔ لیکن پھر ذلیقعدہ میں ارباب شوریٰ کے اصرار پر واپس اپنے منصب پر آگئے۔
۱۳۱۳ھ	۱۸۹۵ء	"	"	۱۹	۲۱۱	۲	
۱۳۱۴ھ	۱۸۹۶ء	"	"	۱۹	۲۰۸	۲۴	رجب ۱۳۱۴ھ کے بعد حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ حضرت اقدس گنگوہیؒ کے ارشاد پر مدرسہ شاہی سے دارالعلوم دیوبند منتقل ہوگئے اور وہاں مدرس دوم کے عہدہ پر فائز ہوئے۔
۱۳۱۵ھ	۱۸۹۷ء	"	حضرت مولانا قاضی محمد حسن صاحب مرادآبادی (مغلپوری) از ذلیقعدہ ۱۳۱۵ھ	۱۹	۲۴۹	۵	شعبان ۱۳۱۴ھ سے شوال ۱۳۱۵ھ تک کوئی باقاعدہ مدرس اول نہیں رہا۔ ذلیقعدہ میں حضرت مولانا قاضی محمد حسن صاحب گلاؤٹھی سے تشریف لائے اور صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔
۱۳۱۶ھ	۱۸۹۸ء	"	"	۲۰	۱۹۲	۹	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۱۷ھ	۱۸۹۹ء	〃	〃	۲۰	۲۴۵	۸	
۱۳۱۸ھ	۱۹۰۰ء	حضرت مولانا سید محمد عبدالرشید صاحبؒ نواب علی اکبر خانصاحب (از ذی الحجہ ۱۸ھ)	〃	۲۰	۲۴۱	۱۸	ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحبؒ ایک سال کی رخصت لیکر تشریف لے گئے۔ آپ کی جگہ شوریٰ نے نواب علی اکبر خاں صاحب کو عارضی مہتمم بنایا۔
۱۳۱۹ھ	۱۹۰۱ء	〃	〃	۱۱		۷	
۱۳۲۰ھ	۱۹۰۲ء	〃	〃	۱۲		۴	
۱۳۲۱ھ	۱۹۰۳ء	〃	〃	۱۱		۱۱	
۱۳۲۲ھ	۱۹۰۴ء	حضرت مولانا سید محمد عبدالرشید صاحبؒ تا رجب ۱۳۲۲ھ نواب علی اکبر خاں صاحبؒ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب خلیفہ حضرت گنگوہیؒ	حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہسوانیؒ (قائمقام صدر مدرس) از ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ	۱۱		۷	مدرسہ کے اولین مہتمم حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب رجب ۱۳۲۲ھ میں وفات پاگئے۔ آپ کی جگہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرادآبادیؒ خلیفہ حضرت گنگوہیؒ مہتمم مقرر کئے گئے، نیز نواب علی اکبر خانصاحب باضابطہ مہتمم بنائے گئے۔ حضرت مولانا قاضی محمد حسن صاحب مغلپوری ریاست بھوپال چلے گئے، آپ کی جگہ شوریٰ نے مدرس دوم حضرت مولانا محمود حسن سہسوانی کو قائمقام مدرس اول مقرر کیا۔
۱۳۲۳ھ	۱۹۰۵ء	〃	〃	۱۲		۸	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۲۴ھ	۱۹۰۶ء	نواب علی اکبر خاں صاحب حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (تا جمادی الاولی ۱۳۲۴ھ) مولانا عبید اللہ صاحب بھیراونی (معاون از جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ)	حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہسوانی باقاعدہ مدرس اول (جمادی الاولی ۲۴ھ)	۱۲		۱۰	
۱۳۲۵ھ	۱۹۰۷ء	نواب علی اکبر خانصاحب (تا ربیع الاول) مولانا محمد حسن نواب پوری (از ربیع الاول) حاجی گوہر علی صاحب (قائمقام مہتمم از شوال ۱۳۲۵ھ)	حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب (از ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ)	۱۳	۲۱۲	۱۴	ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ سے حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحبؒ صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔
۱۳۲۶ھ	۱۹۰۸ء	حضرت مولانا محمد حسن صاحب نواب پوریؒ	حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب محدث امروہویؒ	۱۵	—	۱۶	
۱۳۲۷ھ	۱۹۰۹ء	〃	〃	۱۱		۱۴	
۱۳۲۸ھ	۱۹۱۰ء	〃	〃	۱۳		۱۱	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۲۹ھ	۱۹۱۱ء	حضرت مولانا رحمت علی صاحب (از شعبان ۱۳۲۹ھ)	مولانا محمود حسن سہسوانیؒ (از ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ)	۱۳		۳	اکابر دیوبند کے مشورہ سے شعبان ۲۹ھ میں مولانا رحمت علی صاحب مہتمم بنکر رونق افروز ہوئے، اسی سال مرادآباد میں جمعیۃ الانصار کا پہلا عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، شوال ۱۳۲۹ھ میں حضرت مولانا فخرالدین صاحب مدرس مقرر ہوئے۔
۱۳۳۰ھ	۱۹۱۲ء	" تا رجب ۳۰ھ مولانا محمد حسن صاحب نواب پوری (مہتمم) مولانا حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب (معاون) از رجب ۳۰ھ	"	۱۶		۱۸	
۱۳۳۱ھ	۱۹۱۳ء	"	"	۱۴		۱۶	
۱۳۳۲ھ	۱۹۱۴ء	"	"	۱۷		۱۶	
۱۳۳۳ھ	۱۹۱۵ء	"	"	۱۶	۱۱۸	۱۰	
۱۳۳۴ھ	۱۹۱۶ء	"	"	۱۴	۱۲۷	۱۷	
۱۳۳۵ھ	۱۹۱۷ء	"	"	۱۴	۱۷۵	۲۲	اس سنہ سے جو طلبہ کی تعداد دی جارہی ہے وہ صرف جدید داخل ہونے والے طلبہ کی ہے، کل تعداد نہیں مل سکی۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۳۶ھ	۱۹۱۸-۱۷ء	〃	〃	۱۴	۶۵	۱۶	〃
۱۳۳۷ھ	۱۹۱۸ء	〃	〃	۱۵	۷۳	۱۱	〃
۱۳۳۸ھ	۱۹۱۹ء	〃	〃	۱۵	۹۲	۱۸	
۱۳۳۹ھ	۱۹۲۰ء	〃	مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلیؒ	۱۸	۵۴	۱۲	رمضان ۱۳۳۹ھ سے محرم ۱۳۴۰ھ تک مولانا عبدالوحید صاحب کا نام بطور صدر مدرس ریکارڈ میں ملتا ہے۔ ان کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین احمدؒ اس مقام پر فائز ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ حضرت مولانا محمود حسن سہسوانی کا وصال ہوگیا۔
۱۳۴۰ھ	۱۹۲۱ء	〃	حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ۔ از صفر ۱۳۴۰ھ	۱۳	۵۶	۱۹	
۱۳۴۱ھ	۱۹۲۲ء	〃		۱۳	۶۸	۵	
۱۳۴۲ھ	۱۹۲۳ء	حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب (از محرم ۱۳۴۲ھ)	〃	۱۶	۵۹	۱۳	اس سال سے مدرسہ میں باقاعدہ دارالافتاء قائم ہوا۔ حضرت مولانا مفتی مصلح الدین صاحب عمروی مدرسہ کے پہلے باضابطہ مفتی مقرر ہوئے۔
۱۳۴۳ھ	۱۹۲۴ء	〃	〃	۱۷	۳۱۸	۱۳	
۱۳۴۴ھ	۱۹۲۵ء	〃	〃	۱۵	۱۲۰	۱۶	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۴۵ھ	۱۹۲۶ء	〃	〃	۱۸	۱۶۹	۱۴	
۱۳۴۶ھ	۱۹۲۷ء	〃	〃	۱۸	۱۶۰	۱۰	
۱۳۴۷ھ	۱۹۲۸ء	〃	〃	۲۴	۱۸۲	۲۱	شوال ۱۳۴۷ھ سے حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند نے بحیثیت ادیب و مدرس مدرسہ شاہی میں کام کا آغاز کیا۔
۱۳۴۸ھ	۱۹۲۹ء	〃	〃	۳۰	۱۸۹	۱۷	
۱۳۴۹ھ	۱۹۳۰ء			۳۰	۲۱۳	۲۲	۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء کی تحریک سول نافرمانی میں وابستگان شاہی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔
۱۳۵۰ھ	۱۹۳۱ء	〃	〃		۳۶۴	۲۲	
۱۳۵۱ھ	۱۹۳۲ء	حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی از ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ	〃	۲۰	۳۲۷	۱۳	رمضان ۱۳۵۱ھ میں جناب حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب مستعفی ہوگئے۔ انکی جگہ جناب منشی عبدالقیوم صاحب اور نواب محمود علی بیگ عارضی مہتمم بنائے گئے۔ پھر ۲۶ شوال کو شوریٰ کا معرکۃ الآراء اجلاس منعقد ہوا جس میں انتخاب اہتمام کا مسئلہ درپیش تھا۔ ایک طرف حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کا نام پیش کیا گیا۔ دوسری طرف حضرت مولانا قاسم علی صاحب امام شہر تھے۔ تجویز پر ووٹنگ ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی ۱۳ کے مقابلہ ۱۴

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
							ووٹوں سے مہتمم منتخب قرار دیئے گئے۔ اور صدر جلسہ جناب مولانا غالب علی صاحب نے آپ کے مہتمم مقرر ہونے کا اعلان فرمایا۔ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدرسے کے باقاعدہ رکن شوریٰ مقرر کیے گئے۔
۱۳۵۲ھ	۱۹۳۳ء	〃	〃	۲۹	۷۷۵	۲۰	نائب مہتمم مولانا سید محمود صاحب رہے۔
۱۳۵۳ھ	۱۹۳۴ء	〃	〃	۲۸	۷۹۸	۱۹	
۱۳۵۴ھ	۱۹۳۵ء	〃	〃	۳۶	۶۸۷	۲۲	
۱۳۵۵ھ	۱۹۳۶ء	〃	〃	۳۳	۶۱۹	۱۸	
۱۳۵۶ھ	۱۹۳۷ء	〃	〃	۲۸	۷۱۱	۲۶	مدنی اہتمام کی ترقی کا اندازہ گذشتہ سالوں کے گوشوارہ سے لگایا جا سکتا ہے۔
۱۳۵۷ھ	۱۹۳۸ء	〃	〃	۲۷	۷۰۹	۳۲	اسی سال اکتوبر ۱۹۳۸ء میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم جامعہ نے جمعیۃ علماء ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے صدر جمعیۃ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے ہمراہ مؤتمر اسلامی قاہرہ (مصر) میں شرکت فرمائی۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۵۸ھ	۱۹۳۹ء	〃	〃	۳۵	۶۵۸	۲۹	
۱۳۵۹ھ	۱۹۴۰ء	〃	〃		۵۷۳	۲۳	
۱۳۶۰ھ	۱۹۴۱ء	〃	〃		۵۸۷	۳۵	
۱۳۶۱ھ	۱۹۴۲ء	〃	〃		۱۹۱	۳۳	حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب سرحدی اسی سنہ میں فارغ ہوئے، ۱۹۴۲ء کی "ہندوستان چھوڑو" تحریک میں اکابر شاہی نے قائدانہ رول ادا کیا۔ اور قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں۔
۱۳۶۲ھ	۱۹۴۳ء	〃	〃	۳۴	۷۴۸	۱۷	
۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء	〃	〃	۳۷	۵۵۵	۱۳	
۱۳۶۴ھ	۱۹۴۵ء	〃	〃			۳۱	
۱۳۶۵ھ	۱۹۴۶ء	〃	〃	۲۹	۶۷۰	۲۱	
۱۳۶۶ھ	۱۹۴۷ء	〃	〃	۳۱	۵۵۰	۳۰	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند اور مولانا مظفر الدین صاحب رکنِ شوریٰ منتخب ہوئے۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۶۷ھ	۱۹۴۷ء	〃	〃	۲۸	۲۶۲	۱۹	
۱۳۶۸ھ	۱۹۴۸ء	〃	〃	۲۸	۴۷۰	۱۵	
۱۳۶۹ھ	۱۹۴۹ء	〃	〃	۲۶	۳۴۲	۱۷	
۱۳۷۰ھ	۱۹۵۰ء			۲۶	۵۲۵	۱۲	
۱۳۷۱ھ	۱۹۵۱ء	〃	〃			۲۲	
۱۳۷۲ھ	۱۹۵۲ء	〃	〃	۲۴	۴۰۰	۱۳	
۱۳۷۳ھ	۱۹۵۳ء	〃	〃	۲۶	۳۲۷	۱۵	ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ میں مولانا سید محمود صاحب نائب مہتمم مدرسے علیحدہ کردیئے گئے۔
۱۳۷۴ھ	۱۹۵۴ء	〃	〃	۲۸	۳۵۰	۱۹	۲۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی مہتمم معین جاں رحلت فرماگئے، آپ کی جگہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخرالدین صاحب ..... مہتمم مقرر ہوئے۔
۱۳۷۵ھ	۱۹۵۵ء	حضرت مولانا سید فخرالدین احمد باقاعدہ مہتمم از صفر ۱۳۷۵ھ نائب مہتمم عارضی: مولانا منظور حسین قاسمی	〃	۳۰	۴۴۲	۱۲	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۷۶ھ	۱۹۵۶ء	"	"	۳۰	۴۶۴	۱۷	
۱۳۷۷ھ	۱۹۵۷ء	حضرت مولانا محمد نقی صاحبؒ از شوال ۱۳۷۷ھ نائب: مولانا منظور حسین قاسمی	حضرت مولانا سید فخرالدین احمد (ربیع الاول ۱۳۷۷ھ سے دارالعلوم دیوبند تشریف لیگئے)	۳۳	۵۱۸	۱۹	۱۲ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو سرپرست اعلیٰ مدرسہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا وصال ہوا۔ اسی دوران مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے بعد وہاں کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اسی سال شعبان میں مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا محمد نقی صاحب دیوبندیؒ کو مہتمم مقرر کیا۔
۱۳۷۸ھ	۱۹۵۸ء	"	حضرت مولانا احمد نور صاحب ہزارویؒ (از ذیقعدہ ۱۳۷۸ھ)			۱۰	
۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء	"	حضرت مولانا احمد نور صاحب ہزارویؒ (تا شعبان ۱۳۷۹ھ) حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ (از شوال ۱۳۷۹ھ)	۲۷	۵۳۰	۱۴	
۱۳۸۰ھ	۱۹۶۰-۶۱ء	"	حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ	۳۵	۴۵۳	۲۳	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۸۱ھ	۱۹۶۱ء	حضرت مولانا محمد نقی صاحبؒ (تا ربیع الثانی ۸۱ھ) حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ (صدر مہتمم) مولانا حکیم انظار احمد (معاون) از ربیع الثانی ۸۱ھ نائب: مولانا منظور حسین قاسمی	//	۳۶	۵۰۰	۲۸	مہتمم مدرسہ حضرت مولانا محمد نقی صاحبؒ ۷ ربیع الثانی ۸۱ھ کو رحلت فرما گئے۔ مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۲ ربیع الثانی ۸۱ھ میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند کو مہتمم مقرر کیا۔ نائب بدستور مولانا منظور حسین صاحبؒ رہے۔ اور مالیات میں تعاون کے لئے حکیم انظار احمد صاحبؒ کو طے کیا گیا۔ پھر رجب ۸۱ھ سے مولانا محمد میاں صاحبؒ کو صدر مہتمم اور حکیم انظار احمد صاحبؒ کو مہتمم بنایا گیا۔
۱۳۸۲ھ	۱۹۶۲ء	//	//	۳۴	۵۰۰	۲۹	
۱۳۸۳ھ	۱۹۶۳ء	//	//	۳۳	۴۴۹	۱۸	
۱۳۸۴ھ	۱۹۶۴-۶۵ء	//	//	۳۴	۵۰۰	۳۸	۱۸ ربیع الثانی ۸۴ھ کو ایک روحانی تقریب میں دار الطلبہ لالباغ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، ۲۵ رجب ۸۴ھ کو اجلاس دستار بندی کا انعقاد ہوا جس میں دیگر علماء کبار کے علاوہ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلویؒ نے بھی وعظ ارشاد فرمایا۔
۱۳۸۵ھ	۱۹۶۵-۶۶ء	//	//	۳۶	۵۱۰	۳۷	حفظ الرحمن ادارۂ تعلیم و تربیت جاری ہوا۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۸۶ھ	۱۹۶۶ء	〃	〃	۳۸	۴۹۳	۳۶	
۱۳۸۷ھ	۱۹۶۷ء	〃	〃	۳۶	۵۱۶	۲۵	
۱۳۸۸ھ	۱۹۶۸ء	حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ (صدر مہتمم) حضرت مولانا مظفر الدینؒ (کارگذار مہتمم) حضرت مولانا منظور حسین صاحب (نائب مہتمم) مولانا حکیم فاضل صاحب (〃)	〃	۳۶	۵۰۶	۲۴	امسال اہتمام کے کام کو مختلف اشخاص میں بانٹ دیا گیا، عملی طور پر مولانا مظفر الدین صاحب (گھڑی والے) مہتمم تھے، کیونکہ رسیدات اور واؤچروں پر دستخط کرنا ان کے ذمہ تھا۔
۱۳۸۹ھ	۱۹۶۹ء	〃		۳۶	۵۲۱	۲۷	
۱۳۹۰ھ	۱۹۷۰ء	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ (صدر مہتمم) حضرت مولانا انصار الحق صاحبؒ (مہتمم)	〃	۴۴	۵۲۵	۲۶	حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہویؒ باقاعدہ مہتمم مقرر ہوئے، نائب مہتمم مولانا منظور حسین قاسمی رہے۔
۱۳۹۱ھ	۱۹۷۱ء	〃	〃	۴۴	۵۵۰	۴۲	

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۳۹۲ھ	۱۹۷۲ء	″	″	۴۷	۶۰۰	۲۷	۱۱ جنوری ۱۹۷۲ء کو مدرسے کے مخلص ترین رکن حضرت مولانا مظفر الدین صاحب کا وصال ہوا۔
۱۳۹۳ھ	۱۹۷۳ء	حضرت مولانا منظور حسین قاسمی قائمقام مہتمم (از شوال ۱۳۹۳ھ)	″	۴۸	۶۵۰	۲۶	شوال ۱۳۹۳ھ سے حضرت مولانا انصار الحق صاحب مہتمم مدرسہ کا تعلق مدرسہ سے منقطع کر دیا گیا۔ پھر اہتمام کمیٹی بنی جس میں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب حاجی غضنفر الدین صاحب اور منشی عبد القیوم صاحب شامل تھے، اور مولانا منظور حسین قاسمی قائمقام مہتمم بنائے گئے۔ جبکہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب بدستور صدر مہتمم تھے۔
۱۳۹۴ھ	۱۹۷۴ء	″	″	۴۹	۶۰۰	۲۶	
۱۳۹۵ھ	۱۹۷۵ء	″	″	۵۲	۷۰۰	۳۶	۱۳۹۵ھ میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کا وصال ہوگیا۔
۱۳۹۶ھ	۱۹۷۶ء	حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ (از شوال ۱۳۹۶ھ)	″	۵۵	۷۰۰	۳۲	اس سال مجلس شوریٰ منعقدہ شعبان ۱۳۹۶ھ میں حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ کو بطور مہتمم مقرر کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔ حضرت موصوف نے اپنی منظوری کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی اجازت پر معلق فرمایا۔ رمضان ۱۳۹۶ھ میں بعض اراکین شوریٰ نے حضرت

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
							شیخ الحدیث سے ملاقات کی اور اجازت دینے کی درخواست کی، حضرت نے اجازت دیدی، جس کے بعد شوال ۱۳۹۶ھ میں حضرت مولانا رشید الدین صاحب نے مرادآباد تشریف لاکر مسند اہتمام کو رونق بخشی، آپکے مسندِ اہتمام پر فائز ہوتے ہی مدرسہ شاہراہ ترقی پر تیزی سے گامزن ہوا، علمی تربیتی، مالی اور تعمیراتی اضافے آپکے دور اہتمام کے زریں کارنامے ہیں، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔
۱۳۹۷ھ	۱۹۷۷ء	〃	〃	۶۱	۷۰۰	۲۴	
۱۳۹۸ھ	۱۹۷۸ء	〃	〃	۵۶	۷۰۰	۳۵	
۱۳۹۹ھ	۱۹۷۹ء	〃	〃	۵۶	۷۰۰	۳۲	
۱۴۰۰ھ	۱۹۸۰ء	〃	〃	۵۶	۷۰۰	۳۲	
۱۴۰۱ھ	۱۹۸۱ء	〃	〃	۵۷	۸۰۰	۳۲	رمضان ۱۴۰۱ھ میں حضرت مہتمم صاحب نے ساؤتھ افریقہ کا سفر فرمایا۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ساتھ ہیسٹنگز میں قیام فرمایا۔
۱۴۰۲ھ	۱۹۸۲ء	〃	〃	۵۷	۸۰۰	۲۴	۸ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ کو مولانا محمد عمر صاحب مدظلہ، کا تقرر بطور نائب مہتمم ہوا موصوف تاحال اس عہدہ پر فائز ہیں۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۴۰۳ھ	۱۹۸۳ء	مولانا سید رشید الدین حمیدی	مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی	۷۰	۷۵۰	۲۴	
۱۴۰۴ھ	۱۹۸۴ء	"	"	۶۷	۷۰۰	۳۸	حضرت مہتمم صاحب نے انگلینڈ، بارباڈوس، پناما اور سعودی عرب وغیرہ کا سفر فرمایا۔ اور بیرون ملک مدرسہ کا تعارف کرایا۔
۱۴۰۵ھ	۱۹۸۵ء	"	"	۷۰	۸۲۵	۶۱	
۱۴۰۶ھ	۱۹۸۶ء	"	"	۷۰	۸۲۵	۵۹	مدرسہ میں محکمہ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ مدرسہ شاہی کی قدیم عمارت واقع مسجد شاہی کی تجدید کی گئی۔
۱۴۰۷ھ	۱۹۸۷ء	"	"	۷۰	۸۲۵	۵۹	حضرت مہتمم صاحب کا سفر افریقہ ۲۳ شعبان ۱۴۰۷ھ تا ۷ محرم ۱۴۰۸ھ
۱۴۰۸ھ	۱۹۸۸ء	"	"	۷۰	۸۲۵	۶۰	
۱۴۰۹ھ	۱۹۸۹ء	"	"	۷۰	۷۰۰	۶۲	۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ کو مدرسہ کا عظیم الشان سہ سالہ اجلاس دستار بندی منعقد ہوا۔ اسی سال نومبر ۸۸ء سے رسالہ ندائے شاہی کا اجراء عمل میں آیا، شعبان ۱۴۰۹ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی کا وصال ہوگیا۔
۱۴۱۰ھ	۱۹۹۰ء	"	(باقاعدہ صدر مدرس کوئی نہیں رہا)	۷۰	۶۰۰	۴۶	مدنی مسجد لالباغ کی تعمیر۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	اہتمام	صدارت تدریس	کارکنان	طلبہ	فضلاء	اہم واقعات / کیفیت
۱۴۱۱ھ	۱۹۹۱ء	حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی	حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی	۷۰	۷۰۰	۲۸	.
۱۴۱۲ھ	۱۹۹۲ء	〃	(باقاعدہ صدر مدرس کوئی نہیں)	۶۲	۸۰۰	۵۱	
۱۴۱۳ھ	۱۹۹۲ء	〃	〃	۶۳	۸۰۰		

یہ ہے مدرسہ شاہی کی تاریخ پر اجمالی نظر، اس درمیان مدرسہ سے ہزاروں علماء، فضلاء، مفتیان، قراء اور حفاظ کرام نے استفادہ اور استفاضہ کی مجلسیں گرم رکھیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ——————

شاہی مدرسہ

از
سید مطلوب احمد ضمیری القادری
نور شادانی بستوی

مذہبِ اسلام کا گلشن ہے شاہی مدرسہ
شرک و بدعت کیلئے قدغن ہے شاہی مدرسہ

ابرِ رحمت کی گھٹا ہے بارشِ انوار ہے
ہر گھڑی بس موسم ساون ہے شاہی مدرسہ

اہلِ ایماں کے لئے ہے باعثِ تسکینِ دل
واسطے ابلیس کے الجھن ہے شاہی مدرسہ

تذکرہ کیوں عرشِ اعظم پہ نہ ہو لوگو بھلا
علم و عقل و فہم کا آنگن ہے شاہی مدرسہ

آسمانِ علم و حکمت پر عجب انداز سے
مثلِ خورشید و قمر روشن ہے شاہی مدرسہ

کیوں نہ لرزے قصرِ باطل خوف و دہشت سے بھلا
کفر و شرک و جہل کا مدفن ہے شاہی مدرسہ

اس لئے بس نور شادانی ترا ذاکر ہوا
ذکر تیرا با خدا احسن ہے شاہی مدرسہ

زریں خدمات
بلند پایہ شخصیات

- علوم نبوّت کی ترویج واشاعت
- مسلک کی حفاظت
- فقہ و فتاوی
- دعوت و تبلیغ
- تحریکات ملّی
- بانی اور سرپرستان
- ارباب اہتمام اور مسند آرائے صدارت
- مشہور فیض یافتگان

ترانۂ شاہی

نتیجۂ فکر:
حضرت مولانا محمد عثمان صاحب
ساحرؔ مبارکپوری
صدر المدرسین مدرسہ عربیہ
منبع العلوم خیرآباد مئو۔

مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارکپوری مدرسۂ شاہی کے ممتاز فاضل اور عربی اردو ادب پر کامل عبور رکھتے ہیں قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کے درسی رفقا میں ہیں، ایک مرتبہ مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ نے آپ کے اشعار دیکھ کر فرمایا "میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس وقت بھی ہندوستان میں عربی ادب کا اتنا ستھرا ذوق رکھنے والے موجود ہیں" ذیل میں آپ کا تحریر فرمودہ "ترانۂ شاہی" پیش ہے۔

یہ مدرسہ مدرسۂ شاہی، اربابِ نظر کا ارماں ہے
ایمان و یقیں کا گنجینہ، آئینۂ جلوۂ عرفاں ہے
یہ قلعۂ دینِ ختمِ رسل، گہوارۂ حکمتِ قرآں ہے

تصدیقِ ابوبکرِ انجب، عدلِ فاروقِ والانسب
عثمانِ غنی کی خوئے حیا جو بیعتِ رضواں کے ہیں سبب،
حیدر کی شجاعت کا جوہر رگ رگ میں اسکی جولاں ہے

دانائے رموزِ قولِ نبیؐ، بینائے حقیقتِ وحیٔ خفی!
جویائے رضائے ربِ علی، قربانِ طریقِ مصطفوی
اوراد سے ہے مسرور زباں اذکار سے دل بھی فرحاں ہے

قریہ قریہ کوچہ کوچہ ہے روشن روشن اس سے ہوا
صحرا صحرا گلپوش چمن ہے مثلِ گلشن اس سے ہوا
ذرہ ذرہ شب تاب گہر کی طرح زمیں پر غلطاں ہے

جگمگ جگمگ ہے راہ گذر ہر سو ہے بچھی زریں چادر
دل گیر چمک جاں سوز دمک خیرہ خیرہ ہے چشمِ قمر
جلووں کی فراوانی اتنی خود کاہ کشاں بھی حیراں ہے

اس مدرسۂ عالیہ کا ہر فرد مجاہد ہوتا ہے،
پابندِ عقائد رہتے ہوئے میدان میں قائد ہوتا ہے،
کرتی ہے قیادت فخر اُس پر تعلیم بھی اُس پر نازاں ہے

فرزند اس مادرِ علمی کے زنجیر و سلاسل سے نہ ڈرے
بندوق کی گولی سے نہ دبے ہنگامۂ قاتل سے نہ ڈرے
شاہدان کی اس جرآت پر اب بھی دروازۂ زنداں ہے

ہیں مفتی کفایت صاحب بھی اس کے نامی فرزندوں میں
مولانا محمد میاں بھی ہیں اس کے جری دل بندوں میں
اٹھے تھے یہیں سے فخر الدین اس ملک پہ جنکا احساں ہے

ہاتھوں میں علم آزادی کا، ہے نغمۂ حریت لب پر
زنجیرِ غلامی ٹوٹے گی، ہم توڑیں گے اس کو بڑھ کر
ثابت ہے قدم ہمت ہے جواں تائید میں نصرتِ یزداں ہے

مولانا محمد قاسم ہیں اس مرکزِ علمی کے بانی
حق گوئی میں حق جوئی میں کوئی بھی نہیں جن کا ثانی
دنیا و دیں کی نعمت سے پُر ان کا گوشۂ داماں ہے

صہبائے ولی اللٰہی سے سرشار ہمیشہ رہتے ہیں
اعلاءِ کلمۂ حق کے لئے تیار ہمیشہ رہتے ہیں
ہر وقت ترقیٔ دیں کے لئے انصار سے عہد و پیماں ہے

کیا اس کو مٹائے گا کوئی ہے ربِّ صمد جس کا حامی
تاریخ میں ثبت رہے گا سدا وہ ریشمی رومال نامی
انگریز کا دل ساحر جس سے لرزیدہ تھا اب بھی لرزاں ہے

مدرسہ شاہی کا شعبۂ افتاء اور مفتیانِ کرام

از: حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد

دینی مدارس کے قیام کا اصل مقصد اسلامی احکامات کی ترویج و اشاعت، علومِ نبوت کی حفاظت اور عوام و خواص میں دینی بیداری پیدا کرنا ہے۔ مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب سے صرف وہی لوگ مستفید ہو پاتے ہیں جو باقاعدہ داخلہ لیکر مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جن کی مجموعی تعداد کا تناسب شاید ایک فیصدی بھی نہیں ہوتا۔ بریں بنا امت کے ۹۹ فیصدی افراد کو شرعی احکامات سے واقف کرانے اور حلال و حرام کی تمیز کرانے کے لئے زبانی و تحریری فتاویٰ کے اجراء کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ مدارس اور دینی اداروں کا نفع چند افراد کے ساتھ خاص نہ رہکر عام ہو جائے۔ اسی وجہ سے ہندوستان میں جب اسلامی اقدار کی حفاظت کیلئے مدارس کے قیام کا بیڑا اٹھایا گیا تو ان میں دیگر شعبوں کی طرح ایک اہم شعبہ "فتاویٰ نویسی" کے لئے بھی تجویز کیا گیا۔ بعض مدارس میں قیام کے ساتھ ساتھ باقاعدہ اس شعبہ کیطرف توجہ دیگئی۔ جبکہ بعض مدارس میں افتاء کا کام تو جاری رہا لیکن اس نے شعبہ کی حیثیت کافی عرصہ کے بعد حاصل کی۔ مدرسہ شاہی کا شمار بھی ایسے ہی مدارس میں ہوتا ہے۔ یہاں اوّلین صدر مدرس حضرت مولانا سیّد احمد حسن امروہویؒ (متوفی ۱۳۳۰ھ) سے لیکر حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ (المتوفی ۱۳۹۲ھ) کے اوائل زمانہ تک باقاعدہ مفتی کے نام سے کوئی عہدہ نہیں رہا۔ بلکہ ہر صدر مدرس اپنے اپنے زمانہ میں آمدہ استفتاءات کا جواب لکھتا تھا، لیکن چونکہ اس زمانہ میں نقلِ فتاویٰ کا اہتمام نہیں تھا، یا اگر رہا ہو تو اس وقت کا کوئی رجسٹر ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس مدت کے فتاویٰ کی تعداد بیان

نہیں کی جاسکتی، تاہم فتاوٰی رشیدیہ (حضرت امام ربّانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاوٰی) میں بعض فتاوٰی کی تائید میں یہاں کے بعض حضرات صدر مدرسین مثلاً حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا محمد حسن صاحب مغلپوری مرادآبادیؒ، حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ اور حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مفسّر امروہویؒ کے اسمار ملتے ہیں۔

باقاعدہ شعبۂ افتار کا قیام

مدرسہ شاہی کی رُودادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۴۲ھ میں جب فتاوٰی کی آمد زیادہ ہوگئی اور کارِ افتار بڑھ جانے کی وجہ سے حضرات صدر مدرسین کو ذمہ داری کی تکمیل میں دشواری پیش آنے لگی تو مدرسہ کے اربابِ حل وعقد نے افتار کے لئے الگ باقاعدہ شعبہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ سب سے پہلے جس ذاتِ گرامی کو اس شعبہ کی ذمّہ داری حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت مولانا مفتی مصلح الدین صاحب عمرویؒ کی ذات تھی۔ رُوداد ۱۳۵۰ھ میں اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حاجی سید مرتضیٰ علی صاحبؒ لکھتے ہیں:

ضرورت تھی کہ اتنی بڑی درسگاہ میں فتاوٰی نویسی کا سلسلہ بھی باقاعدہ قائم کیا جائے چنانچہ جناب مولانا مصلح الدین صاحبؒ کو اس شعبہ کا ذمّہ دار بنایا گیا۔ اور بحمد اللہ ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۰ھ تک جن فتاوٰی کا اندراج باقاعدہ دارالافتار کے رجسٹر میں ہوا، ان کی تعداد ۴۸۹ ہے۔ یہ واضح کر دینا مناسب ہوگا کہ فرائض کے متعلق فتاوٰی کی تعداد ان کے علاوہ ہے، ان کی تعداد بھی بحمد اللہ ۴۰۶ تک پہنچ چکی ہے نیز ان فتاوٰی کی تعداد اس سے خارج ہے جو وقتاً فوقتاً دیگر مدرسین حضرات کے قلم سے صادر ہوئے ہیں، اوران کے اندراج کی طرف توجہ نہیں دیجاتی[۱]

مفتی اوّل حضرت مولانا مفتی مصلح الدین صاحبؒ سے لیکر اب تک تقریباً ۱۲ مفتیانِ کرام نے اس شعبہ کو رونق بخشی ہے۔ اور شروع ہی سے بااعتماد اور لائق وتجربہ کار افراد کے اس عہدہ پر فائز رہنے کی وجہ سے یہ دارالافتار ملک وبیرون ملک میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا

[۱] روداد ۱۳۴۹-۱۳۵۰ھ ص۲۱

رہا ہے۔ خاصکر شہر و اطراف مراد آباد میں اس دار الافتاء کی رائے کو "حرفِ آخر" ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

تمرینِ فتاویٰ

دار الافتاء مدرسہ شاہی کی شہرت وعظمت اس کی متقاضی تھی کہ یہاں فتویٰ نویسی کے ساتھ ساتھ ایسے رجالِ کار کی تیاری کی جانب بھی توجہ مبذول کی جائے جو یہاں سے سندِ افتاء حاصل کرکے ملک کے مختلف علاقوں میں جاکر اس دینی خدمت کو انجام دیں۔ چنانچہ ۱۳۹۲ھ میں حضرت مولانا مفتی عبد الرحمٰن صاحب بچھرایونی کے زمانہ میں شعبۂ افتاء میں تمرینِ فتاویٰ نویسی کے لئے ذی استعداد اور معیاری طلبہ کے داخلہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۳۹۲ھ سے لیکر ۱۴۱۳ھ تک ۲۰ سال میں کل ۱۴۳ افراد نے یہاں سے سندِ افتاء حاصل کی ہے۔ اور یہ حضرات اپنے اپنے علاقوں میں خدمتِ افتاء انجام دے رہے ہیں۔

تعدادِ فتاویٰ

اس وقت جو فتاویٰ نقل شدہ دار الافتاء کے ریکارڈ میں موجود ہیں ان کی تعداد گیارہ ہزار پانچسو اکسٹھ تک پہنچتی ہے۔ واضح رہے کہ درمیان میں بعض حضرات مفتیان کے رجسٹر نقول فتاویٰ دستیاب بھی نہیں ہوسکے، اور ابتداءً ہر فتویٰ کو نقل کا اہتمام بھی بہت زیادہ نہ تھا۔ بلکہ خاص اور اہم فتاویٰ ہی نقل کئے جاتے تھے، وہ اگر نقل شدہ موجود ہوتے تو فتاویٰ کی تعداد اور زیادہ ہوتی۔

عملۂ دار الافتاء میں اضافہ

وقت کے ساتھ ساتھ دار الافتاء کا کام بھی جب کافی بڑھ گیا اور ایک شخص کے لئے تدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داری سنبھالنے میں دشواری پیش آئی تو انتظامیہ خاصکر حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ مہتمم مدرسہ شاہی کی توجہاتِ سامیہ سے اس شعبہ میں نائب مفتی کی حیثیت سے ایک اور مفتی کا اضافہ تجویز کیا گیا۔ چنانچہ شوال ۱۴۱۰ھ میں نائب مفتی کا تقرر عمل میں آیا۔ اسی طرح اس سے پہلے نقل فتاویٰ کیلئے الگ کوئی محرر نہیں تھا، بلکہ خود مفتی یا طلبۂ افتاء فتاویٰ کی نقل کرتے تھے۔ ۱۴۱۰ھ ہی سے اس کام کے لئے ایک محرر کا تقرر کیا گیا۔ اب دار الافتاء کا عملہ تین افراد پر مشتمل ہے۔ راقم الحروف شبیر احمد (مفتی)، محمد سلمان منصور پوری (نائب مفتی) اور مولوی کلیم اللہ سیتاپوری فاضل شاہی (محرر)۔

ترتیبِ فتاویٰ ۱۴۱۱ھ ہی سے ترتیبِ فتاویٰ کا کام بھی باقاعدہ شروع کیا گیا ہے۔ یہ خدمت جناب مولانا کلیم اللہ سیتاپوری کے تعاون سے حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب انجام دے رہے ہیں۔ اب تک حضرت مولانا مفتی محمد میاں صاحب کے فتاویٰ کی ترتیب و تحشیہ کا کام ہوا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ گرانقدر مجموعہ شائع کرنے کا پروگرام ہے ــــ

دار الافتاء مدرسہ شاہی سے متعلق درج بالا اجمالی معلومات کے بعد اب ذیل میں ترتیب وار اُن حضرات مفتیان کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے اس شعبہ کو پروان چڑھایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی مصلح الدین احمد صاحبؒ آپ عمری کلاں ضلع مرادآباد کے باشندہ اور مدرسہ شاہی کے بااثر رکن شوریٰ حضرت مولانا حکیم اظہر الدین صاحبؒ کے ہونہار فرزند تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں مدرسہ شاہی سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کے درس بخاری کے اولین تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۴۲ھ میں جب شعبۂ افتاء کا اجراء ہوا تو آپ کو ۲۰ روپیہ مشاہرہ پر بحیثیت معین المفتی و مدرس مقرر کیا گیا[۱] ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۰ھ تک آپ نے ۹۵۷ فتاویٰ کے جوابات تحریر فرمائے۔ اسکے بعد ۱۳۵۱ھ میں آپ کو معین المفتی کے بجائے باقاعدہ مفتی بنادیا گیا۔ جبکہ آپ ۱۳۵۵ھ تک فائز رہے۔ افسوس ہے کہ اس دور کا رجسٹر نقول فتاویٰ دستیاب نہ ہوسکا، جسکی بنا پر آپ کے فتاویٰ کی قطعی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ۱۳۵۵ھ میں اپنی معاشی ضروریات کی بنا پر مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوکر حیدرآباد تشریف لے گئے۔ مدتوں وہاں تدریس و افتاء کی خدمت انجام دی۔ اخیر عمر میں بینائی کمزور ہوگئی تھی اسلئے وطن واپس تشریف لے آئے۔ اور وہیں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ آپ کا شمار ہندوستان کے مشہور صاحبِ ورع وتقویٰ اور اربابِ فکر ونظر علماء میں ہوتا ہے۔ والد کا نام منظور علی، خاندان سادات، وطن اصلی سرائے پیرزادگان دیوبند اور سنہ پیدائش ۱۳۲۱ھ ہے۔ ۱۳۴۳ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے

---

[۱] رجسٹر تجاویز شوریٰ ۱۳۴۲ھ

تلامذہ میں سے تھے۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ حنفیہ شاہ آباد آرہ بہار میں مدرس رہے۔ پھر ۱۳۴۷ھ میں اپنے اکابر کے مشورہ پر آپ مدرسہ شاہی کے منصب تدریس پر فائز ہوئے۔[1] آپ کے تقرر سے متعلق حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی نے مدرسہ شاہی کے اربابِ انتظام کے نام جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"براہِ راست مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب سرائے پیرزادگان دیوبند کے نام ہے، ان کی تنخواہ کی تصریح تحریر فرمادیں کہ شوال کی فلاں تاریخ کو مراد آباد آجائیں مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ آپ ان کو بہت زیادہ محنتی اور اوصافِ حسنہ سے موصوف پائیں گے۔" "خادمکم محمد اعزاز علی عفی عنہ"[2]

اس خط سے اساتذہ کی نگاہ میں آپ کی وقعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۱۳۵۸ھ میں درسِ نظامی کی اعلیٰ کتابوں، مسلم شریف، ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین، مختصر المعانی، مقامات حریری وغیرہ کے ساتھ ساتھ افتاء کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کردی گئی۔ آپ نے نہایت محنت اور دلجمعی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا۔ اور ۱۳۵۸ھ سے ۱۳۶۶ھ تک ۵۸۴ فتاوی بقلم خود رجسٹر نقول فتاویٰ میں درج فرمائے۔ یہ فتاوی ایک عظیم علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی ترتیب و اشاعت کی تیاری جاری ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئیں گے۔

آپ اعلیٰ درجہ کے ادیب، مصنف اور کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ تحریکِ آزادی ہند کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں سمجھے جاتے تھے۔ اکثر تصنیفی، تالیفی اور ملّی خدمات آپ نے مدرسہ شاہی میں قیام کے دوران ہی انجام دی ہیں۔ متعدد بار دہلی بھی گئے، ۱۳۶۶ھ میں جمعیۃ علماء ہند کی نظامت پر فائز ہونے کے بعد اگرچہ آپ کا مراد آباد میں قیام کا سلسلہ منقطع ہوگیا، لیکن مدرسہ شاہی سے تعلق میں کوئی کمی نہیں آئی۔ مہتمم مدرسہ شاہی حضرت مولانا محمد نقی صاحب دیوبندی کی ۱۳۸۱ھ میں وفات کے بعد سے اخیر عمر تک مدرسہ شاہی کے صدر مہتمم رہے۔ اور برابر مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ مورخہ ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء

[1] رجسٹر تجاویز مجلس شوریٰ [2] مکتوب نوشتہ۔

کو آپ نے دہلی میں وفات پائی۔ اور وہیں آسودۂ خواب ہیں۔[له] رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عجب نور صاحب بنوی آپ کا وطن اصلی بنوں صوبہ سرحد (پاکستان) ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے ریاست ٹونک پہنچے، جو اس وقت علوم کا مرکز تھا، اور وہاں حضرت علامہ عبدالسلام صاحب قندھاری کی خدمت میں رہ کر سندِ تکمیل حاصل کی، فراغت کے بعد آپ کی عمر کل ۲۰ سال اور سنہ ہجری ۱۳۲۵ھ تھا۔

شوال سنہ ۱۳۴۴ھ میں طبقۂ علیا کے استاذ کی حیثیت سے مدرسہ شاہی میں آپکا تقرر ہوا۔ چند ہی سال میں آپ شیخ المنطق والفلسفہ کے طور پر مشہور ہو گئے۔ اور دُور دُور سے طالبانِ علوم آپ سے مستفیض ہونے کے لئے ہجوم کرنے لگے۔ آپ تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ بعض استفتاءات خاصکر فرائض سے متعلق سوالات کے جوابات بھی بالالتزام تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے جو نقل شدہ فتاویٰ دستیاب ہوئے ہیں ان کی تعداد اہم ہے۔ تقسیم ہند کے بعد سنہ ۱۳۷۰ھ میں آپ مدرسہ شاہی سے وطن تشریف لے گئے اور واپس آنے کی سبیل نہ ہو سکی۔ اپنے وطن میں آپنے ایک مدرسہ معراج العلوم کے نام سے قائم فرمایا، اور اخیر عمر تک اسی سے وابستہ رہ کر علم کے دریا بہاتے رہے۔ بالآخر ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ کو طویل علالت کے بعد علم و فضل کا یہ ستارہ عالمِ دنیا سے روپوش ہو گیا۔ اور اپنے پیچھے ایک طویل تاریخ چھوڑ گیا۔

حضرت مولانا مفتی سید حامد میاں صاحب دیوبندی آپ حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندی کے خلف اکبر ہیں۔ ۱۳۴۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۲۶ء میں اپنے آبائی وطن دیوبند میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم زیادہ تر مدرسہ شاہی میں حاصل کی، یہاں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مقیم تھے، ۱۳۶۷ھ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھ کر دار العلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی، شعبان ۱۳۶۷ھ میں حضرت مدنی ہی کے دست

له رسالہ ندائے شاہی اپریل و مئی ۱۹۹۰ء

حق پرست پر سلاسل اربعہ میں بیعت کی، اور شوال ۱۳۶۸ھ میں اپنے مرشد کی جانب اجازت بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ سلوک سے متعلق آپ کے نام حضرت شیخ الاسلامؒ کے گرانقدر مکتوبات، مجموعۂ مکتوبات شیخ الاسلام میں شائع ہوچکے ہیں۔

آپ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک دارالافتاء مدرسہ شاہی میں نائب مفتی کی حیثیت سے مامور رہے۔ لیکن آپ کے دور کا کوئی رجسٹر نقل فتاوٰی دستیاب نہ ہوسکا۔ اسلئے یہاں رہ کر آپ کے فتاوٰی کی تعداد معلوم نہ ہوسکی، تقسیم ہند کے بعد ۱۳۷۰ھ میں آپ لاہور پاکستان منتقل ہوگئے۔ وہاں آپ نے رام گلی لاہور میں پہلے ایک مدرسہ احیاء العلوم کے نام سے قائم فرمایا۔ پھر ۱۳۷۵ھ میں جامعہ مدنیہ (کریم پارک) لاہور کی بنیاد ڈالی، جواس وقت پاکستان کے مشہور اور بڑے مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ آپ جامعہ مدنیہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ اور ملکی سیاسیات میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ تادم حیات جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے مرکزی امیر رہے۔ آپ کے بے مثال تدبّر، اصابت رائے اور دور اندیشی کے مخالف وموافق سب معترف تھے۔ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ میں وفات پائی، لاہور میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سیّد واحد رضا صاحب مرادآبادیؒ

حضرت مولانا مفتی سید واحد رضا ابن سیّد حامد رضا صاحب کی پیدائش قاضی ٹولہ شہر مرادآباد میں ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوئی۔ شروع سے آپ کی پوری تعلیم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں ہوئی، حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھی۔ آپ بچپن ہی سے خداداد اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے، سبق میں جب استاذ کے سامنے کوئی اعتراض پیش کرتے اور استاذ جواب دیتے تو اشکال پر اشکال کی وجہ سے ایک مناظرانہ صورت پیدا ہوجایا کرتی تھی، ۱۳۴۷ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے فراغت حاصل فرمائی[1] اور نمایاں صلاحیت کے حامل ہونے کی وجہ سے اسی سال آپ کو مدرسہ شاہی میں معین المدرس کی حیثیت سے خدمت تدریس پر فائز کیا گیا۔ ۱۳۵۱ھ میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے باتنخواہ آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ حضرت مولانا

[1] روداد ۱۳۴۷ھ

عجیب نور صاحب پشاوریؒ اور مولانا سید حامد میاں صاحب نائب مفتی کے پاکستان چلے جانے کی وجہ سے دار الافتاء مفتی سے خالی ہوچکا تھا۔ اکابر نے اس اہم خدمت کا اہل آپ کو پایا اور ۱۳۷۲ھ میں آپ کو باقاعدہ مدرسہ شاہی کا مفتی بنادیا گیا۔ ۱۳۷۲ھ سے ۱۳۸۲ھ تک دس سال کے دوران آپ نے بڑی تعداد میں فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں۔ جو رجسٹروں میں نقل ہوچکے ہیں، لیکن ایک رجسٹر غائب ہے دستیاب نہ ہوسکا، اور بقیہ رجسٹروں میں ۱۱۱۰ فتاوی آپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ ۱۳۹۲ھ میں آپ افتار کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے، لیکن بدستور مدرسی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے یکم جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ سے منجانب مدرسہ آپ کو بجائے دو وقت حاضری کے صرف ایک وقت حاضری کی سہولت دی گئی [1] پھر بہت زیادہ ضعف ہوجانے کی وجہ سے یکم شوال ۱۴۰۲ھ میں آپ کو نصف تنخواہ پر پنشن دی گئی [2] ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ صبح ۸½ بجے اپنی رہائش گاہ محلہ قاضی ٹولہ مرادآباد میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا مفتی اختر شاہ خاں سنبھلیؒ

حضرت مولانا مفتی اختر شاہ خاں صاحب سرائے ترین تحصیل سنبھل ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۶۹ھ میں دار العلوم دیوبند میں منتہی کتابوں کی تکمیل فرمائی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے بخاری و ترمذی پڑھی، اور حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ کی تربیت و صحبت میں رہ کر محنت و مشقت اٹھانے کے عادی بن گئے۔ فراغت کے بعد قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازی پور میں مدرس ہوئے، اور چند سال کے بعد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے مشورہ سے مدرسہ معہد ملت مالی گاؤں ضلع ناسک مہاراشٹر میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ایک سال کے بعد وہاں دورۂ حدیث کا قیام عمل میں آیا تو مولانا موصوف کو باقاعدہ شیخ الحدیث بنایا گیا، کئی سال تک بخاری و ترمذی شریف پڑھاتے رہے، ۱۳۷۹ھ میں

---

[1] تجاویز مجلس شوریٰ ص ۲۰۹ [2] تجاویز شوریٰ ص ۲۲۱

موصوف کے والد ماجد سخت مرض میں مبتلا ہوئے، اس لیۓ وہاں سے مستعفی ہو کر وطن واپس آگئے۔ ۱۳۸۰ھ میں مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں مدرس دوم مقرر ہوئے۔ اگلے سال آپ کو مدرسہ امدادیہ کا شیخ الحدیث بنایا گیا۔ ۱۳۸۳ھ میں تعلیمی سال مکمل کر کے امدادیہ سے مستعفی ہوگئے یکم رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ میں بمشاہرہ ایک سو بیس روپے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں طبقۂ علیا کے مدرس مقرر ہوئے، دیگر کتابوں کے ساتھ ترمذی شریف بھی آپ سے متعلق تھی۔ ۱۳۸۲ھ میں حضرت مولانا مفتی واحد رضا صاحب مرحوم مغفور مدرسہ شاہی کے دارالافتاء کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر مدرس بن گئے تھے، اور دارالافتاء مفتی سے خالی تھا۔ اس لیۓ مدرسہ شاہی کے شایانِ شان ایک ماہر مفتی کی ضرورت تھی اس کے لیۓ حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا منظفرالدین صاحب مہتمم مدرسہ شاہی کی نظرِ انتخاب صرف آپ ہی کی ذات ستودہ پر پڑ رہی تھی، ان دونوں اکابر کے بار بار اصرار کے بعد آپ دارالافتاء میں مفتی کی حیثیت سے رونق افروز ہوئے۔ ۱۳۸۳ھ سے ۱۳۸۸ھ تک دارالافتاء کی ذمہ داری کے ساتھ مستقل ترمذی شریف بھی پڑھاتے رہے۔ بدقسمتی سے آپ کے فتاوی کی نقل بھی رجسٹروں میں دستیاب نہیں ہوئی۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو پونے سات بجے صبح یہ علم کا پتلا اس عالم ناپائیدار سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گیا۔ جنازہ مرادآباد سے سنبھل پہنچایا گیا، وہاں اپنے آبائی قبرستان میں آسودہ خواب ہیں۔ چھ ماہ کے بعد بارش کی وجہ سے ان کی قبر کھل گئی تھی نعش بالکل صحیح سالم تھی، حضرت مولانا آفتاب علی صاحب کے مشورہ سے لوگوں کو صورت دکھلائے بغیر دوسری جگہ ہٹا کر باقاعدہ دفن کیا گیا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن بچھرایونیؒ آپ کا نام عبدالرحمٰن بن حافظ محمد ادریس ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں اپنے آبائی وطن قصبہ بچھرایوں ضلع مرادآباد میں ہوئی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم بچھرایوں میں حاصل کی، بعدہ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے آغوشِ تربیت

میں رہکر منتہی کتابوں کی تعلیم حاصل فرمائی، ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے مشورہ اور اپنے استاذ مولانا سیّد ظہور علی قدس سرہٗ کی طلب پر مدرسہ عباسیہ بچھرایوں میں مدرس مقرر ہوگئے، طویل عرصہ تک وہاں مختلف علوم وفنون کے ساتھ بخاری کا درس دیتے رہے۔ پھر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم چِلّہ امروہہ کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث مقرر ہوئے، وہاں آپنے تقریباً سات سال تک خدمت تدریس انجام دی، اور ۲ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے مایۂ ناز مدرس ومفتی حضرت مولانا مفتی اختر شاہ صاحب سنبھلی کی وفات کا افسوسناک سانحہ پیش آیا۔ اور مدرسہ شاہی میں ایک مرحوم کی جگہ پر کام کرنے کے لئے اعلیٰ استعداد کے مفتی اور مدرس کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اکابر شاہی کی طلب پر ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ میں دارالعلوم چلّہ امروہہ سے مستعفی ہوکر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے مسندِ افتاء وتدریس پر رونق افروز ہوئے۔ مدرسہ شاہی تشریف لانے کے بعد حضرت مفتی صاحب موصوف نے بہت جلد طلبہ کے درمیان نمایاں قبولیت حاصل کرلی۔ اور پھر اپنے اخلاق حسنہ اور فتاوٰی کے ذریعہ شہر مرادآباد کے عوام مسلمانوں میں بھی اعلیٰ قبولیت حاصل کرلی۔ مدرسہ شاہی میں حضرت مفتی صاحب موصوف کا ترمذی شریف، ہدایہ اخیرین کا درس بہت زیادہ مشہور تھا، چند سال بخاری شریف جلد ثانی اور مسلم شریف کا بھی درس دیا ہے۔ شاہی مسجد میں فجر کے بعد تفسیر بھی بیان فرمایا کرتے تھے، جس کو سننے کیلئے شہر کے اطراف واکناف اور دُور دُور سے لوگ حاضر ہوا کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے تفسیر قرآن کریم، ترمذی شریف، ہدایہ اخیرین، ابوداؤد، الاشباہ والنظائر، سراجی، رسم المفتی، تمرین افتاء وغیرہ کے درس کے ساتھ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ تا ۱ شوال ۱۴۰۳ھ تقریباً ۱۴ سال میں چار ہزار ایک سو بہتر ۴۱۷۲ فتاوٰی تحریر فرمائے ہیں جو نقل شدہ رجسٹروں میں موجود ہیں، اور اس وقت زیر ترتیب ہیں، رجسٹر نقول فتاوٰی میں دستخط وتاریخ نہ ہونے کی وجہ سے سال وار فتاوٰی کی تعداد کا تجزیہ کرکے بتلانا مشکل ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف نے اپنی پوری زندگی اس شان سے گذاری کہ کبھی اپنی کسی نمایاں خدمت

میں ریا کاری کا دھبّہ آنے نہیں دیا۔ ۱۰ شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۸۳ء بروز جمعرات صبح ۱۲ ½ ۱۱ بجے دن میں تقریباً ۷۱ سال کی عمر میں علوم و معرفت کا یہ سمندر دارِ دُنیا سے دارِ آخرت رحلت فرما گیا۔ جنازہ مراد آباد سے بچھرایوں پہنچایا گیا، اور آبائی قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب آپ دربھنگہ صوبہ بہار کے باشندہ ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت مفتی عبدالرحمن صاحبؒ کے وصال کے بعد ۱۴۰۳ھ میں دارالافتاء مدرسہ شاہی سے منسلک ہوئے، اور ایک سال یعنی ۱۴۰۴ھ تک افتاء کی خدمت انجام دی۔ اس دوران آپ نے ۴۵۴ فتاویٰ لکھے جبکہ آپ سے ترمذی شریف وغیرہ کتب درس بھی متعلق تھیں۔ پھر مستعفی ہوکر چلے گئے۔ آجکل دارالعلوم حیدرآباد میں منصبِ افتاء و تدریس پر فائز ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب میرٹھی مرحوم آپ ۴ ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ کو مدرسہ شاہی کی مسندِ افتاء و تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ نے اوّلاً ۱۴۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند اور پھر ۱۴۰۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک سال مظاہر علوم میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں رہ کر افتاء کی مشق کی، مدرسہ شاہی میں افتاء کے علاوہ آپ سے ہدایہ اخیرین کا درس بھی متعلق تھا، اس دوران آپنے ۱۴۴۳ فتاویٰ تحریر کئے۔ ۱۴۰۵ھ کے اواخر میں بعض عوارضات کی بناء پر آپ کو مدرسہ سے سبکدوش کردیا گیا، یہاں سے آپ میرٹھ چلے گئے۔ اور ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء کو غازی آباد کے ایک فرقہ وارانہ فساد میں فسادی غنڈوں نے آپ کو شہید کردیا۔ نعش بھی نہیں ملی، آپ غازی آباد کسی کام سے تشریف لے گئے تھے کہ یہ حادثہ ہوا۔

افتاء کمیٹی مفتی ریاض الدین صاحبؒ کے چلے جانے کے بعد ماہر اور مستقل مفتی کی تلاش رہی، لیکن اس درمیان کام جاری رکھنے کے لئے اربابِ مدرسہ نے ایک افتاء کمیٹی تشکیل دی جس میں حضرت مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب

باغوں والی (موجودہ مدرس دار العلوم دیوبند) اور حضرت مولانا عبد السّلام صاحب مظفر نگری ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی مراد آباد شامل تھے۔ اس کمیٹی نے ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۷ھ تک کام کیا اور اس عرصہ میں ۱۷۵ فتاوٰی لکھے۔ جن میں سے ۸۸ مولانا مفتی عبد الوہاب صاحب نے ۸۶ حضرت مولانا عبد السّلام صاحب نے اور ایک فتوی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے تحریر کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبد الوہاب صاحبؒ اس کمیٹی کے اصل ذمہ دار حضرت مولانا مفتی عبد الوہاب صاحب سہارنپوریؒ تھے۔ موصوف نے ۱۳۹۲ھ میں دار العلوم دیوبند فراغت حاصل کی تھی، فراغت کے بعد افریقہ اور مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں مدرس رہے۔ پھر ۱۴۰۲ھ میں درجہ وسطیٰ کے استاذ کی حیثیت سے مدرسہ شاہی میں مقرر کئے گئے۔ اور ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۷ھ تک افتاء کمیٹی کے بھی ذمہ دار رہے۔ اواخر ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ میں آپ مدرسہ شاہی سے مستعفی ہو کر حیدر آباد چلے گئے۔ پھر افریقہ کے ایک مدرسہ میں استاذ حدیث کے بطور مقرر ہوئے۔ اور وہیں قیام کے دوران دسمبر ۱۹۹۱ئ میں ایک کار حادثہ میں جام شہادت نوش کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

موجودہ خادمانِ افتاء اس کے بعد ۲۳ر شعبان ۱۴۰۷ھ سے راقم شبیر احمد کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ پھر شوال ۱۴۱۰ھ سے نائب مفتی کے بطور مولانا محمد سلمان صاحب منصورپوری کو مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب کے تفصیلی حالات ص ۱۷۸ پر ملاحظہ فرمائیں

(مرتب)

مدرسہ شاہی

علم حدیث کا ایک مثالی مرکز

مولانا اخلد صاحب رشیدی استاذ مدرسہ شاہی۔

علم حدیث کی حفاظت و بقا اور اس کی ترویج و اشاعت میں ہندوستانی علماء کا کیا کردار رہا ہے اس کی ایک جھلک مشہور عربی عالم علامہ رشید رضا مصریؒ کے اس اعتراف حقیقت سے معلوم ہوسکتی ہے۔ حضرت علامہ موصوف مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فى مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف فى اوائل هذا القرن الرابع عشر [1]

اور اگر ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی شہروں سے نہ جانے کب کے علوم حدیث ختم ہوگئے ہوتے۔ اس لئے کہ یہ علوم دسویں صدی ہجری میں مصر و شام اور حجاز و عراق میں کمزور پڑ گئے تھے، اور چودھویں صدی کے شروع میں تو یہ کمزوری انتہا درجہ کو پہنچ گئی۔

یہ ہندی علماء کون ہیں، اگر اس کا جواب مانگا جائے اور پورے برصغیر پر اس سوال کے جواب کے لئے نظر دوڑائی جائے تو یہ عظیم الشان حقیقت واشگاف ہوتی

[1] مفتاح کنوز السنۃ (مقدمہ) ص ت

ہے کہ اس کارنامہ کو انجام دینے والے وہ علماء اور عباقرامت ہیں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ . . . دیوبند کے مکتب فکر سے وابستہ اور اس کے فیض سے استفاضہ کرتے والے ہیں۔ پورے ایشیا میں علم حدیث کی اشاعت کا سہرا انہی علماء کے سر ہے جنہوں نے جا بجا دینی مدارس قائم کر کے قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کرنے کا انتظام کیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے جمود کو توڑا اور انھیں علم دین سے آراستہ ہونے پر آمادہ کیا۔ یہ مدارس نہ ہوتے تو ان علوم کی حفاظت کرنا ایک نہایت مشکل کام ہوتا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج جہاں بھی علم حدیث کا چرچا ہے اس کا سلسلہ اور تعلق دیوبند یا اس کی شاخوں سے جاکر ملتا ہے۔ یہ دیوبند کا ایسا خاص امتیاز ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

مدرسہ شاہی

مدرسہ شاہی کا شمار ان علمی مراکز میں ہوتا ہے جنہوں نے آئینہ بنکر دیوبند کے علوم کو پہلے اپنے سینے میں منتقل کیا۔ اور پھر یہ عظیم امانت اپنے سپوتوں کو پوری دیانتداری کے ساتھ حوالے کر دی۔ جو امانت مدرسہ شاہی کے پاس اس کے بانی قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کے واسطہ سے پہنچی تھی۔ اس میں بہت بڑا حصہ علم حدیث کا بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ۱۲۹۶ھ میں اپنے قیام کے ساتھ ہی یہ ادارہ علم حدیث کا مرکز بن گیا۔ اور شمع رسالت کے پروانے دور دور سے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہونے لگے۔ اس لئے کہ یہاں کے پہلے صدر مدرس علم و عمل کے وہ آفتاب تھے جنکے علمی تبحر کا شہرہ عام تھا۔ جن کو دنیا مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے نام نامی سے جانتی تھی مدرسہ شاہی کی سب سے پہلی شائع شدہ روداد اور ابتدائی داخلہ کے رجسٹروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلے ہی سال سے حدیث پڑھنے والے طلبہ جمع ہو گئے تھے اور حضرت امروہوی نے انھیں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ایک نئے قائم شدہ مدرسہ میں پہلے ہی مرحلہ میں دورۂ حدیث شریف کی جماعت مہیا ہو جانا اس

بات کی دلیل ہے کہ قدرت کی فیاضیوں نے اس ادارہ کو اپنی بارگاہ میں خاص شرف قبولیت بخشا تھا۔ اور اس کی فضاؤں کو اپنے آخری دین کی ترویج و اشاعت کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔ پہلے ہی سال سے دورۂ حدیث شریف کا قائم ہونا اتنا مبارک ثابت ہوا کہ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کوئی سال ایسا نہیں گیا جب کہ یہاں کی فضائیں قال اللہ اور قال الرسول کی روحانی صداؤں سے معمور نہ رہی ہوں۔

مرکزیت کی وجہ

مدرسہ شاہی کے علم حدیث کا مرکز ہونے کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ رہی کہ یہاں صدارت تدریس اور مشیخت حدیث پر ایسے علماء امت فائز رہے جو اپنے فن کے امام ہونے کا درجہ رکھتے تھے حضرت محدث امروہویؒ، حضرت مولانا منصور علیخاں مرادآبادیؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ پورقاضویؒ، حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صاحبؒ مفسر امروہویؒ، حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ، حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ایسی ہی شخصیتوں کے چند نام ہیں۔ —— ان اکابر کی وجہ سے مدرسہ کی طرف تشنگان علم حدیث کا رجوع ہوتا رہا۔ خاصکر حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کے زمانہ میں مدرسہ شاہی کا " درس بخاری شریف" پورے حلقۂ علماء میں امتیازی شان رکھتا تھا۔ یہ مقولہ زبان زد تھا کہ اگر ترمذی شریف پڑھنی ہے تو حضرت مدنیؒ کے درس میں دیوبند جایئے، اگر ابوداؤد شریف پڑھنی ہے تو سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے درس میں شرکت کیجئے اور اگر بخاری شریف پڑھنی ہے تو مرادآباد فروکش ہوکر فخر الاسلام حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کے درس میں حصہ لیجئے۔ اسی طرح بعد کے زمانہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ کے درس بخاری شریف، اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحبؒ کے درس ترمذی شریف نے بھی کافی شہرت حاصل کی،

طرز تدریس

مدرسہ شاہی میں حدیث شریف کی تدریس کا طرز بعینہ وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند کا ہے۔ کیونکہ یہاں اکثر وہی لوگ اس خدمت پر مامور رہتے ہیں۔ جو دارالعلوم کے سند یافتہ اور فیض یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے قدرتی اور فطری طور پر دیوبندی طرز تدریس آنا ناگزیر ہے۔ یہاں حدیث صرف تبرکاً نہیں پڑھائی جاتی بلکہ درایۃً اس اہتمام سے درس دیا جاتا ہے کہ حدیث کے تمام گوشوں پر احاطہ ہو جاتا ہے۔ اور پڑھنے والے میں تفقہ کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ موقع بموقع سند حدیث اور اسمار رجال پر بھی بحث ہوتی ہے۔ تعارض احادیث اور ان کی توجیہات تطبیق پر بھی خاص زور دیا جاتا ہے۔ اختلاف مذاہب کے بارے میں طریقہ یہ ہے کہ مستند حوالہ جات سے حضرات ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ اور کتابوں میں جو روایتیں مذہب احناف سے معارض نظر آتی ہے انھیں ان کے صحیح محل پر محمول کر کے اعتراض کو دفع کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ تاہم اس پوری بحث میں حضرات ائمہ کا مکمل احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے بحث کے دوران کسی مخالف مذہب کی شان میں گستاخی کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ یہاں کوشش کی جاتی ہے کہ حدیث پڑھنے والے کو فن کے تمام پہلوؤں سے ایک گونہ مناسبت ہو جائے۔ اور فنی طور پر کسب فیض کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

زیر درس کتب حدیث

مدرسہ شاہی میں دارالعلوم دیوبند کے مطابق درجہ بندی کے اعتبار سے عربی تعلیم کا آٹھواں سال دورۂ حدیث شریف کا ہوتا ہے۔ جس میں صحاح ستہ کے علاوہ مؤطین، شمائل ترمذی، اور طحاوی شریف کامل اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے بخاری شریف کے لئے دو گھنٹے ہوتے ہیں جن میں ایک گھنٹہ مدرسہ کے تعلیمی اوقات میں اور دوسرا عشاء کے بعد ہوتا ہے۔ جب کہ ترمذی شریف کے دونوں گھنٹے تعلیمی اوقات میں ہوتے ہیں۔ طحاوی شریف کو بھی نصاب حدیث میں

خاص مقام حاصل ہے، تعلیمی اوقات میں ابتدائی ششماہی میں ایک گھنٹہ اس کتاب کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ اور پوری بحث و تمحیص کے ساتھ یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ حدیث کی درج ذیل کتابیں سہ ماہی مدت میں پڑھائی جاتی ہیں۔ نسائی شریف، (آخری سہ ماہی میں طحاوی شریف کے بعد) موطا امام مالکؒ (ابتدائی سہ ماہی میں) ابن ماجہ شریف (وسط سہ ماہی میں) اور شمائل ترمذی (آخری سہ ماہی میں) دورۂ حدیث شریف کے علاوہ درجہ ہفتم (موقوف علیہ) میں مشکوٰۃ شریف کامل داخل نصاب ہے جس کی وجہ سے دورۂ حدیث میں آمدہ ابحاث پر طالب علم کی منظر ہو جاتی ہے۔

یہ کتابیں عموماً درایۃً یا روایۃً تکمیل تک پہنچائی جاتی ہیں اور شعبۂ تعلیمات کتابوں کو نصاب تک پہنچانے میں پوری دلچسپی لیتا ہے۔ اسی بنا پر سہولت کے لئے اکثر کتابوں کی سہ ماہی مقدار خواندگی مقرر کر دی گئی ہے

فیض یافتگان

مدرسہ شاہی کے فیض سے مستفیض ہونے والے بہت سے علماء و فضلاء کو اللہ تعالیٰ نے خدمت حدیث کی سعادت سے نوازا ہے جنہوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک دور دراز علاقوں پاکستان، افغانستان، ایران، بنگلہ دیش، برما، حتیٰ کہ روسی علاقوں میں بھی پہونچ کر حدیث کی بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔ مثلاً

(۱) حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ: جنہوں نے بمبئی، مدرسہ شاہی مرادآباد اور اخیر میں جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں۔

(۲) حضرت مولانا عبدالحق صاحب دبکویؒ آپ نے کافی عرصہ تک مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں قیام فرما کر علوم نبوت کے گوہر لٹائے

(۳) حضرت مولانا عبدالباری صاحب گڑھ مکتیشری آپ نے کافی عرصہ تک مدرسہ سنبھل میں حدیث کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔

(۴) حضرت مولانا حافظ عظیم اللہ صاحبؒ : آپ بمبئی کے مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے۔

(۵) حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب الہ آبادیؒ : آپ بھی مدرسہ بمبئی کی صدارت تدریس پر فائز رہے۔

(۶) حضرت مولانا حافظ رحمت اللہ صاحب چاندپوریؒ : آپ نے سورت کے مدرسہ میں فن حدیث کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیا۔

(۷) حضرت مولانا فیض الحق صاحب پشاوریؒ : آپ مدرسۃ اسلامیہ سندھ کے استاذ حدیث رہے۔

(۸) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند : آپ بھی مدرسہ شاہی کے ابتدائی فیض یافتگان میں سے ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے بعض اسباق آپ سے متعلق رہتے تھے۔

(۹) حضرت مولانا محمد حلیم صاحب بنوّیؒ : آپ مدرسہ معراج العلوم بنوں کے استاذ حدیث رہے۔

(۱۰) حضرت مولانا عبدالغفور صاحب غزنویؒ : آپ صوبہ غزنی کے مشہور مدرسہ نورالمدارس کے عرصہ دراز تک شیخ الحدیث رہے۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ : آپ اخیر زمانہ تک مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث رہے اور اس زمانہ میں ہزاروں تشنگانِ علوم نبوت نے آپ سے کسب فیض کیا۔

(۱۲) حضرت مولانا فخرالحسن صاحب عمرویؒ : مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں سالہاسال کتب حدیث کا درس دیا۔ اور اخیر عمر میں شیخ الحدیث بھی بنائے گئے

(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سرحدیؒ : آپ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے عرصہ تک شیخ الحدیث رہے۔

(۱۴) حضرت مولانا سید واحد رضا صاحب مرادآبادیؒ : آپ نے

مدرسہ شاہی میں رہ کر علم حدیث کی خدمت کی۔

(۱۵) حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی: آپ بھی مدرسہ شاہی کے قابل فخر فیض یافتگان میں سے ہیں۔ اور اس وقت مدرسہ عربیہ باندہ کے روح رواں ناظم اور شیخ الحدیث ہیں۔ اور آپ کی ذات سے بے پایاں علمی وروحانی فیض جاری ہے۔

(۱۶) حضرت مولانا سید اختر الاسلام صاحبؒ: آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ کے خلف الرشید اور اپنے دور کے ممتاز علماء میں تھے۔ عرصہ دراز تک مدرسہ شاہی کے بام ودر آپ کے تدریس حدیث سے گونجتے رہے۔

(۱۷) حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مرادآبادی: موصوف نے ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہی سے حاصل کی ہے اور اس وقت پاکستان کے مشہور مدرسہ دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث ہیں۔

(۱۸) حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ: آپ اخیر عمر تک جامعہ مدنیہ لاہور کے شیخ الحدیث اور مہتمم رہے۔

(۱۹) حضرت مولانا نظام الدین صاحب اسیرادروی: موصوف صاحب طرز ادیب۔ صاحب تصنیفات کثیرہ اور جامعہ قاسمیہ ریوڑی تالاب بنارس کے استاذ حدیث ہیں۔

(۲۰) مولانا شہادت علی ۲۴ پرگنوی: اس وقت دارالعلوم صدیقیہ بنگال میں تدریس حدیث پر مامور ہیں۔

(۲۱) مولانا عبدالعزیز مدناپوری: موصوف آج کل مدرسہ امدادالعلوم پلیتا باڑا ضلع مرشدآباد میں مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔

(۲۲) مولانا مفتی غلام حسین بانکوڑی: آپ بھی اس وقت بنگال کے ایک مدرسہ میں طحاوی شریف پڑھاتے ہیں۔

(۲۳) حضرت مولانا رفیق احمد صاحب اعظمی: آپ مدرسہ شاہی کے لائق فائق فرزند اور ۱۴۱۱ھ سے دارالعلوم چھاپی بناس کانٹھا گجرات میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

(۲۴) مولانا عطاء اللہ الاعظمی: آپ جامعہ عربیہ نور العلوم زید پور ضلع بارہ بنکی میں مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھا کر علم دین کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ تقسیم ہند کے قبل فراغت حاصل کرنے والے بہت سے ان فضلاء کا تفصیلی حال معلوم نہ ہو سکا جو خاص کر صوبہ سرحد یا بنگلہ دیش وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ متوسط دور میں اس علاقہ کے تشنگان علوم دین کی تعداد مدرسہ شاہی میں سب سے زیادہ رہی۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے بھی اپنے اپنے علاقہ میں جا کر خدمتیں انجام دیں ہوں گی۔ بہرحال ان چند اسماء سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے مدرسہ شاہی نے اس میدان میں بھی کتنا کام کیا اور کتنے رجال کار تیار کئے ہیں۔

مدرسہ شاہی

مرتب

دین کے دفاعی میدان میں

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد شمالی ہند کا وہ عظیم علمی مرکز ہے جو نہ صرف اپنے علمی معیار اور بہترین تربیتی نظام بلکہ اپنی مستقل مزاجی، حق پسندی اور مسلکی تصلب کے اعتبار سے بھی تاریخ کے صفحات پر نمایاں مقام کا حامل ہے۔" ما انا علیہ واصحابی،، پر تمسک اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے، وہ اپنی تاریخ کے کسی وقفہ میں بھی مذہبی مداہنت کا بفضلہ تعالیٰ شکار نہیں ہوا ہے، اسی امتیاز نے اسے اپنے علاقہ میں دیوبندیت کا مرکز ہونے کی شان عطا کر دی ہے۔ یہاں دیوبندی مسلک شاہی مسلک کے نام سے چلتا ہے۔ اور یہاں کے فتاویٰ اور اکابر کی آراء کو دیوبندی مکتب فکر کی آرار کا درجہ دیا جاتا ہے۔

عیسائیت، آریہ سماجیت، قادیانیت، شیعیت، رضاخانیت الغرض ہر باطل مکتب فکر کی تردید میں علمار و فیض یافتگان مدرسہ شاہی اپنی وسعت بھر طاقت صرف کرتے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ مدرسہ کے اولین روز قیام سے جاری ہے۔ مدرسہ کے پہلے مدرس سید العلمار حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ اپنے دور کے زبردست مناظر اسلام تھے، آپ نے اپنے بے مثال تبحر علمی اور حاضر جوابی سے عیسائیوں، آریہ سماجیوں، اور قادیانیوں کو بارہا میدان مناظرہ سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اور اعلار کلمۃ اللہ کے لئے زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ مراد آباد میں آپ نے اپنے قیام کے دوران رد بدعات کے سلسلہ میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہاں سے تشریف لیجانے کے بعد بھی آپ اس فریضہ کو انجام

دیتے رہے۔ چنانچہ مناظرۂ گلاؤٹھی (جو ۱۳۱۷ھ میں غیر مقلدین سے ہوا) مناظرۂ نگینہ (جو ۱۳۲۱ھ میں آریہ سماجیوں سے ہوا) اور مناظرۂ رامپور (جو ۱۳۲۶ھ میں قادیانیوں سے ہوا) میں آپ نے شرکت فرمائی اور باطل کو شکست فاش دی[1] مناظرہ رامپور میں اکابر اساتذہ شاہی حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہوی صدر المدرسین، حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ اور مولانا قدرت اللہ صاحب بھی شریک ہوئے۔

مدرسہ شاہی کے دوسرے صدر مدرس حضرت مولانا منصور علی خاں مرادآبادیؒ بھی فن مناظرہ کے امام تھے۔ آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف "مذہب منصور" اور فتح المبین فی عقائد غیر المقلدین اپنے موضوع پر نہایت جامع کتابیں سمجھی جاتی ہیں[2]

مدرسہ شاہی کے اولین فیض یافتہ اور صدر مدرس حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ بھی ان علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے باطل کے خلاف میدان میں آکر مقابلہ کیا[3] ۱۳۲۶ھ میں جب رامپور میں سرکاری خرچ پر قادیانیوں سے مناظرہ ہوا اور اہل حق کی جانب سے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت محدث امروہویؒ شریک مناظرہ ہوئے تو آپ بھی اپنے اساتذہ و اکابر کے شانہ بشانہ اس علمی جہاد میں شریک تھے جس میں قادیانیوں کو شکست فاش ہوئی، مولانا قیام الدین بخت جونپوریؒ نے اس مناظرہ کی تاریخ اس طرح کہی ہے۔

بخت نے لکھی یہ سچی تاریخ ۔۔۔ احمدیوں کو ہوئی فاش شکست

۱۳۲۶ھ

مدرسہ شاہی کے صدر مدرس حضرت مولانا قاضی محمد حسن صاحب مغلپوری بھی رد بدعات سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کے مصاحب اور شاگرد مولانا قاضی عابد علی صاحب وجدی الحسینی کا بیان ہے۔

"یہ وہ دور تھا کہ علماء حق اور اہل بدعت کے درمیان مناظروں کی گرم بازاری

---

1. مکتوبات سید العلماء مقدمہ ص ۵۳، ص ۵۶ 2. علماء مظاہر کی علمی و تصنیفی خدمات

3. حیات العلماء ص ۱۱۹

تھی وہ اس میدان کے شہسوار اور کامیاب مناظر تھے، بے شمار معرکوں میں اہلِ بدعت کو خاموش کر دیا،، [1]

ایک اہم واقعہ صفر ۱۳۲۹ھ مطابق فروری ۱۹۱۱ء میں شہر مرادآباد میں حق و باطل کی جو معرکہ آرائی ہوئی اس کا مرکز بھی مدرسہ شاہی اور اس کے اکابر تھے۔ ہوا یہ کہ ان تاریخوں میں موجد رضا خانیت مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ شاہ بلاقی صاحبؒ کے عرس کے سلسلہ میں مرادآباد آنے والے تھے اسی موقع پر مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے جامعہ نعیمیہ کے جلسۂ دستار بندی کا پروگرام بھی رکھ لیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ رضاخانی توپ کے تکفیری گولے پورے شد ومد کے ساتھ اکابر دیوبند پر گرائے جا رہے تھے۔ اور مولانا احمد رضا خاں کی طرف سے بار بار اہل دیوبند کو مناظرہ کا چیلنج دیا جا رہا تھا۔ جب مرادآباد کے اہل حق کو مولانا احمد رضا خاں کے مرادآباد آنے کی خبر ملی تو انھوں نے اس کی اطلاع حضرات اکابر دیوبند کو دیدی تاکہ وہ بھی اس موقع پر یہاں تشریف لے آئیں۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہو جائے۔ یہ اطلاع دیوبند پہنچی تو سارے ہی اکابر اس مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی جانب سے مولانا احمد رضا خانصاحب کو یہ تحریر لکھی گئی۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ جامع الاشتات جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب اصلح اللہ بالنا وبالکم۔ اظہار ما یلیق بشانکم کے بعد واضح ہو کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مولانا اشرف علی صاحبؒ سے حفظ الایمان کے متعلق مناظرہ کا عزم کر لیا ہے گو ابھی اس مناظرہ کے تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ مگر یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ مرادآباد کسی عرس میں شرکت کے لئے آنے والے ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب حسب قرارداد معاہدہ آپ سے وقت معینہ پر مناظرہ کریں گے اور آپ کے

---

[1] تاریخ قضاۃ ومفتیان بھوپال ص۳۰۹

"مؤاخذات بر حفظ الایمان" کا جواب دیں گے۔ مگر چونکہ آپ نے حضرت مولانا قاسم الخیر والبرکات اور حضرت مولانا رشید الملۃ والدین کی نسبت بھی دادِ ایمانداری دی ہے اور آپ اس میں مدعی ہیں اس لئے ہم کو حق ہے کہ آپ سے آپ کے دعاوی کا ثبوت طلب کریں۔ بلکہ حسب قاعدہ "الاقدم فالاقدم"، آپ کو اول ہر دو حضرات مرحومین کے متعلق تصفیہ کرنا ضروری ہے۔ اور ان نزاعات کو اس موقع پر مرادآباد میں طے کرلیا جاوے اور مسلمانوں میں جو اختلاف واقع ہورہا ہے اس کو رفع کیا جاوے اس لئے ہم آپ کی خدمت میں اطلاع دیتے ہیں کہ آپ اس خاص کام کے لئے تیار ہوکر مرادآباد کا قصد فرمائیں گے الخ۔[۱]

اس زمانہ میں مدرسہ شاہی کے صدر مدرس حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مفسر امروہوی تھے۔ مناظرہ کی تیاری اور انتظامات کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے حافظ صاحب موصوف کے نام دو گرامی نامے تحریر فرمائے ہیں جن میں حضرات اکابر کی آمد کا پروگرام اور ان کے شاہی مسجد میں قیام کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ ایک گرامی نامہ میں مدرسہ شاہی کے ارباب شوریٰ واہتمام بھی مخاطب بنائے گئے ہیں۔ الغرض درج ذیل اکابر اس موقع پر مرادآباد فروکش ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب شاہجہانپوری۔ ان کے علاوہ مدرسہ شاہی کے اساتذہ و ذمہ داران بھی مناظرہ کے لئے مستعد تھے۔[۲]

---

[۱] حضرت شیخ الاسلامؒ حیات و کارنامے ص۱۴۹ مضمون مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ

[۲] حوالۂ بالا ص۱۵۱

حضرت شیخ الاسلامؒ کے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ مناظرہ کے لئے ایک بڑا اشتہار بھی اہل حق کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ جو دستیاب نہ ہو سکا۔

ایک طرف تو یہ سب تیاریاں تھیں دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں اس آفت ناگہانی کو کسی نہ کسی طرح ٹالنے کے لئے سرگرداں تھے، بالآخر انھوں نے اپنے متبعین کے واسطے سے محمد سعید صاحب کوتوال شہر مراد آباد کو خواہ مخواہ نقض امن کا خوف دلایا۔ جس کی بنا پر اس نے مناظرہ کے انعقاد پر پابندی لگادی۔ اور اس طرح حیلہ سازی کر کے اہل بدعت نے مناظرہ سے راہ فرار اختیار کرلی۔

ایک دہریہ کا مقابلہ

نت نئے اٹھنے والے فتنوں کا بھی ارباب مدرسۂ شاہی وقتاً فوقتاً استیصال کرتے رہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ اس معاملہ میں نہایت حساس تھے۔ جب کبھی اس طرح کی کوئی سرگرمی سننے میں آتی یہ دونوں حضرات میدان میں آتے اور حفاظت دین کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے مولانا اشفاق حسین قاسمی استاذ مدرسۂ شاہی اس سلسلہ کا ایک واقعہ اس طرح سناتے ہیں۔

"مراد آباد میں عرصہ ہوا ایک دہریہ آیا اور اس نے شہر میں مذہب اسلام اور خدا کے وجود کے خلاف تقریریں کیں۔ اور اعلان کیا کہ جو مسلمان عالم میرے سامنے خدا کے وجود کو ثابت کر دے گا مسلمان ہو جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ سے فرمایا کہ آپ اس کے چیلنج کو قبول کریں۔ میں حوالے دوں گا تقریر آپ کریں گے۔ چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے چیلنج قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جلسہ کے لئے جامع مسجد کے سامنے کا میدان تجویز ہوا۔ وقت مقررہ پر کافی مجمع جمع ہو گیا۔ پہلے اس دہریہ کی تقریر ہوئی۔ وہ عربی سے خوب واقف تھا۔ ملاحسن کی عبارتیں اسے ازبر تھیں۔ اس کی تقریر کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کھڑے ہوئے اور نہایت پرجوش

تقریر فرمائی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الہام ہو رہا ہے۔ ۳ گھنٹہ مسلسل آپ کی تقریر جاری رہی، جو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بھرپور تھی۔ اور جس میں نہایت عمدہ طریقہ پر وجود خداوندی کو ثابت کیا گیا تھا۔ آپ کی تقریر میں دلائل کا انبار دیکھ کر وہ دہریہ چپکے سے جلسہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مولانا نے اعلان کیا کہ اگر وہ اپنے قول میں صادق ہے تو دلائل آجانے کے بعد اپنے مسلمان اور خدا پرست ہونے کا اقرار کرے لیکن وہاں کوئی جواب دینے والا موجود نہ تھا۔ جلسہ برخواست ہوا اور یہ دونوں حضرات اسلام زندہ باد کے نعروں سے شہر کی فضا کو پرشور بناتے ہوئے جلسہ گاہ سے واپس ہوئے۔ جلوس کی آخری منزل شاہی مسجد تھی۔"[1]

عیسائی فتنہ کی سرکوبی

اسی طرح ایک مرتبہ عیسائی مبلغوں کی ایک ٹیم نے شہر مرادآباد کو اپنی آماجگاہ بنایا۔ یہ لوگ شہر کے مختلف علاقوں میں جاتے اور اسلام کے بارے میں لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے۔ مرادآباد کے سب سے بڑے چرچ (واقع ٹاؤن ہال) کے سامنے وہ لوگ تقریریں کرتے۔ جس سے اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں راسخ العقیدہ مسلمان اس فتنہ کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرات اکابر مدرسہ شاہی نے اس فتنہ کی سرکوبی کو اپنا منصبی فریضہ خیال کیا اور عوام کو اس فتنہ سے روشناس کیا۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ کا اس زمانہ میں یہ معمول رہا کہ موصوف روزانہ بعد نماز عصر اسی چرچ کے سامنے جا کر اسلام کی حقانیت پر بیان فرماتے۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ جلد ہی عیسائیت کا یہ سیلاب رکا اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو گئے۔[2]

درس قرآن اور وعظ

اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات اور گمراہیوں کی اصلاح شاہی مسجد میں ہونے والے درس قرآن کا بنیادی مقصد اور موضوع رہا۔ خاص کر مفسر قرآن

---

[1] بروایت مولانا اشفاق حسین صاحب [2] ایضاً

حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ کے دور میں اسی مجلس میں شرکت کی وجہ سے ہزاروں لوگ بدعات سے تائب ہوئے اور گھروں سے واہیات اور خلاف شرع رسم ورواج کافی حد تک ختم ہو گئے۔ یہ حضرات رد بدعات کے سلسلہ میں گاؤں گاؤں اور محلہ محلہ تشریف لیجاتے اور مسلمانوں کو صحیح اور ثابت شدہ دین پر عمل کرنے کی تلقین کرتے بار ہا ایسا ہوا کہ تقریر کے دوران فریق مخالف نے پتھراؤ کیا، آتش بازیاں چھوڑیں جس سے حضرات مقررین کے کپڑے اور جسم جل گئے۔ لیکن ان مخلص خدام کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ بدستور دینی تصلب وحمیت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

فتنۂ مودودیہ اخیر زمانہ میں مولانا مودودی جب ایسے اسلام کے داعی بنے جس کی بنیاد ”تنقید صحابہ اور بغض اسلاف“ جیسے رذیل اور خلاف شرع اصول پر رکھی گئی تھی تو مدرسہ شاہی کے ارباب حل وعقد بھی اپنے سرپرست حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی رہنمائی میں اس فتنہ کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اور دیگر مفتیان مدرسہ شاہی نے اپنے اپنے دور میں فتاویٰ دیئے۔ اور مضامین تحریر فرمائے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے متعلق تفصیلی مضامین حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کے رجسٹر نقول فتاویٰ میں آپ ہی کے دست مبارک سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپ کی کتاب ”عہد زریں“ میں اکثر مضامین اسی زمانہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔ نیز آپ نے رد مودودیت پر دو رسالے۔ دُرِّ منثور اور شواہد تقدس تصنیف فرمائے ہیں۔ بعد میں خاص کر فتنۂ مودودیہ کے رد میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جو تحفۂ مودودیہ کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ آج بھی مدرسہ شاہی اسی رائے پر قائم ہے، اور حضرات صحابہؓ کی توہین یا ان پر تنقید کرنیوالی کسی بھی طاقت یا جماعت سے کسی قسم کا رشتہ رکھنا پسند نہیں کرتا۔

غیر مقلدیت و قادیانیت

ناواقف عوام کو صحیح راستہ سے ہٹانے کے لئے جب ترک تقلید کے فتنہ نے مرادآباد اور اس کے اطراف میں سر ابھارا تو اس کے مقابلہ کے لئے بھی اکابر مدرسہ شاہی میدان میں آئے۔ اور تحریری و تقریری طور پر اس فتنہ کے مضر جراثیم کا خاتمہ کیا۔ آج بھی جب کبھی اس جماعت کی طرف سے مختلف دینی جزئیات میں اختلافات پیدا کئے جاتے ہیں تو حسب ضرورت اساتذہ مدرسہ شاہی و فیض یافتگان شاہی متاثرہ علاقہ میں جاکر عوام کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ماضی میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔

اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کے خلاف بھی مدرسہ شاہی سرگرم رہا۔ اور تحریر و تقریر ہر طرح سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ نے معیار الحق کے نام سے ایک رسالہ بھی ردِ قادیانیت میں تصنیف فرمایا ہے جو مطبوعہ ہے۔

الغرض اس طولانی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ مدرسہ شاہی ابتدا ہی سے اس نقطۂ نظر کا حامل رہا جو دیوبند کا تھا۔ اس نے دین کو صحیح حالت میں باقی رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اور کر رہا ہے۔ مدرسہ شاہی دین اور اصحاب دین کے بارے میں ادنیٰ درجہ کا استخفاف بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ دین محمدی کا امین وہ عظیم علمی و روحانی مرکز ہے جو اپنے فکر پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہے۔ زمانہ کے حوادث اور حالات کی تبدیلیوں نے اس کے پائے استقامت میں نہ ماضی میں کوئی لغزش پیدا کی ہے اور نہ آئندہ کر سکتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مدرسہ شاہی یہی فکر دے کر اپنے سپوتوں کو اپنی چہار دیواری سے رخصت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فیض یافتگان کی قاسمی نسبت انھیں ہر موڑ پر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا درس دیتی ہے اور جب بھی ان کے سامنے کوئی باطل فتنہ اٹھتا ہے تو وہ پہاڑ کی طرح اس کے پھیلاؤ میں حائل ہو جاتے ہیں۔

رب العزت سے دعا ہے کہ قاسمی نسبت اور رشیدی توجہات کا حامل یہ مرکز علمی ہمیشہ دین حقانی کی تعلیمات کا سدابہار گلشن بنا رہے اور یہاں کی شاخوں کی لچک باطل کیلئے تلوار کا کام دیتی رہے۔ آمین ثم آمین :-

مدرسہ شاہی کے

مشہور اساتذۂ تجوید وقراءت

از ۔ مولانا قاری امتیاز احمد صاحب استاذ شعبۂ تجوید وقراءت جامعہ قاسمیہ مرادآباد

قرآن کریم کو صحت کے ساتھ تجوید کے قواعد و آداب کے مطابق پڑھنا ضروری اور لازم ہے اس اہتمام والتزام کے بغیر تعلیم قرآن کریم کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی بناپر مدرسۂ شاہی میں شروع ہی سے الفاظ کی صحت و ادائیگی اور تجوید کا خاص اہتمام رہا۔ شوریٰ اور عاملہ کی تجاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب مدرسہ کی خاص توجہ اس امر کی طرف رہتی تھی کہ جو بھی طالب علم یہاں سے فارغ ہو کر جائے اس کا تلفظ صحیح اور اسے قراءت قرآن کا بہترین سلیقہ ہو۔ حفظ کے اساتذہ کو اس کی تاکید کی جاتی تھی کہ وہ اپنے شاگردوں کو حفظ قرآن کراتے وقت ان کے تلفظ پر بھی خصوصی دھیان دیں تاکہ شروع ہی سے صحیح تلفظ کا مزاج بن سکے۔ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کی ایک تجویز میں کہا گیا ہے کہ:

"باتفاق منظور ہوا کہ مدرسہ کے ہر طالب علم کے واسطے عملی تجوید سیکھنا لازمی امر ہوگا اور کسی طالب کو کم از کم ایک سیپارہ کی مشق کرکے کامیاب نمبر حاصل کئے بغیر سند نہ دی جائے۔ نیز تمام مدرسین قرآن مجید کا قراءت میں سند یافتہ ہونا ضروری ہوگا۔ جو مدرس تجوید کے سند یافتہ نہ ہوں ان کی جگہ سند یافتہ مقرر کئے جائیں"۔ [1]

شعبۂ تجوید کا باقاعدہ قیام

ارباب انتظام کی دیرینہ خواہش کے بموجب شوال ۱۳۵۰ھ میں جناب حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب کے دور اہتمام میں باقاعدہ شعبۂ تجوید و قراءت کا قیام عمل میں آیا اور یہ مدرسہ کی خوش نصیبی

[1] رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ

تھی کہ سب سے پہلے اس شعبہ کو رونق بخشنے والی ایسی شخصیت ملی جو اپنے فن اور اختصاص میں شہرۂ آفاق حیثیت کی حامل تھی جو نہ صرف تجوید و قراءت بلکہ حدیث و تفسیر اور جذبات حریت اور قربانی میں بھی اپنی مثال آپ تھی۔ میرا اشارہ مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ تھانویؒ کی طرف ہے جو ۲۲ شوال ۱۳۵۰ھ کو مدرسہ شاہی کی مسندِ صدارتِ تجوید و قراءت پر فائز ہوئے اور مسلسل تیرہ ۱۳ سال اس عہدہ پر برقرار رہ کر اس شعبہ کو اپنے ہی زمانے میں بام عروج تک پہونچا دیا۔ مدرسہ کے بام و در لحنِ داؤدی سے گونجنے لگے اور شہرہ سنکر دور دور سے شائقینِ تجوید کا اجتماع ہونے لگا۔

حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ کے مختصر حالات

آپ کا آبائی وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر اور والد محترم کا نام جیون علی تھا۔ ابتداءً آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الٰہ آبادی اور استاذ القراء شیخ التجوید قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی ثم الٰہ آبادی کی خدمت میں رہ کر قراءتِ سبعہ و عشرہ کی تکمیل فرمائی۔ کچھ عرصہ مدرسہ رحمانیہ محلہ پیر غیب مرادآباد میں مدرس امام اور خطیب رہے اس کے بعد مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں منتقل ہو گئے لیکن طبعی اعتبار سے آپ مدرسہ شاہی کے مسلک و فکر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے۔ بریں بنا شوال ۱۳۵۰ھ میں اربابِ مدرسہ شاہی کے ایماء پر صدر شعبۂ تجوید و قراءت کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اپنی انتھک محنت بیمثال [illegible]ت رائے کی بنا پر نہ صرف مدرسہ بلکہ شہر مرادآباد میں غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل [illegible]ی۔ سیاسی تحریکات سے بھی کافی دلچسپی تھی۔

۱۹۴۲ء کی "ہندوستان چھوڑو تحریک" میں آپ نے بھی حصہ لیا اور جیل گئے قیام شاہی کے زمانہ میں قراءت وغیرہ سے متعلق فتاوی عموماً آپ ہی لکھا کرتے تھے اس سلسلے کے بعض فتاوی رجسٹر میں درج ہیں جن سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے شاگردوں کی تعداد ویسے تو بہت زیادہ ہے لیکن جو زیادہ مشہور

ہوئے ان میں قاری محمد کامل صاحبؒ صدر شعبۂ تجوید مدرسہ شاہی، قاری امیر علی بجنوریؒ امام جامع مسجد مراد آباد وصدر مدرس مدرسہ حیات العلوم اور قاری عبدالرحیم صاحبؒ بجنوریؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے اسمار قابل ذکر ہیں۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔ (۱) توضیح العشر شرح اردو طیبۃ النشر۔ یہ فن قراءت کی مقبول اور متداول کتاب ہے۔ (۲) سراج القراءۃ ضمیمہ ضیاء القراءۃ (۳) الامالی الجلیلہ شرح عقیلہ۔ (۴) تحفۃ الاطفال شرح اردو مقدمۃ الجزریہ (غیر مطبوعہ)

۱۰ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۳ جولائی ۱۹۴۳ء میں مراد آباد میں آپ کا وصال ہوا اور حوض والی مسجد لالباغ کے پیچھے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات سے تقریباً دس سال بعد ۱۹۷۲ء میں بارش کی کثرت کی وجہ سے آپ کی قبر کا سرہانا کھل گیا لوگوں نے دیکھا کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کا چہرۂ مبارک بالکل تر و تازہ تھا۔ اس واقعہ کے عینی شاہدوں میں اس وقت حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد باحیات ہیں۔ رحمہُ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حضرت قاری امیر علی صاحبؒ بجنوری

حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ کے ۱۳۶۲ھ کے زمانہ اسارت میں آپ کے ممتاز شاگرد مولانا قاری امیر علیؒ صاحب بجنوری آپکی جگہ پر مدرس تجوید رہے ہیں۔ اس کے بعد کچھ دنوں مدرس دینیات کے طور پر بھی مدرسہ شاہی کی خدمت کی آپ کا وطن اصلی نگینہ ضلع بجنور ہے۔ ۱۳۳۷ھ میں ولادت ہوئی۔ ابتدا مدرسہ امدادیہ میں پڑھا۔ پھر ۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ سے مدرسہ شاہی مراد آباد میں رہ کر قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل فرمائی۔ رجسٹر نمبرات امتحان ۱۳۶۱ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے طیبۃ النشر کتاب میں اکیاون ۵۱ نمبر حاصل کئے ہیں۔

مدرسہ شاہی کے بعد آپ مدرسہ حیات العلوم میں منتقل ہو گئے اور ساتھ ہی جامع مسجد مراد آباد میں امام بھی رہے۔ ۱۴۰۱ھ میں وفات پائی مراد آباد ہی میں مدفون ہوئے آپ کا شمار اپنے زمانہ کے مشہور قرآء میں ہوتا تھا۔ پڑھنے کا انداز اگرچہ سادہ

تھا لیکن مخارج وصفات کی ادائیگی کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ افضل گڈھی

آپ مدرسہ شاہی کے مایہ ناز فرزند اور استاذ التجوید حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب کے سچے جانشیں تھے۔ حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ میں شعبۂ تجوید کا آپ کو ذمہ دار بنایا گیا۔ آپ کے زمانہ میں اس شعبہ کو کافی عروج حاصل ہوا۔ سینکڑوں شاگردوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ ۱۳۶۱ھ سے وفات ۱۴۰۱ھ تک تقریباً چالیس ۴۰ سال آپ نے اس منصب پر فائز رہ کر فن تجوید وقرات کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔

آپ کا وطن اصلی افضل گڈھ ضلع بجنور ہے۔ ۱۳۲۶ھ میں ولادت ہوئی۔ ۱۳۴۹ھ میں مدرسہ شاہی سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے نمبرات امتحان سالانہ میں حسب ذیل ہیں:

بخاری شریف ۵۰، مسلم شریف ۵۰، ترمذی شریف ۵۵، ابن ماجہ شریف ۵۵، ابوداؤد شریف ۵۵، نسائی شریف ۴۵۔ اس کے بعد آپ نے یہیں رہ کر استاذ القراء حضرت قاری محمد عبداللہ صاحبؒ سے قراءت سبعہ وعشرہ کی تکمیل فرمائی۔ نیز آپ کو حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں قیام رہا۔ اس کے بعد مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے اور وفات تک اسی سے وابستہ رہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔ (۱) مولانا قاری عبدالسلام صاحب نجیب آبادی تلمیذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔ (۲) قاری عبدالحق صاحب رامپوریؒ۔ (۳) حضرت مولانا قاری عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مفسر قرآن ومؤلف تاریخ اسلام ومترجم جمع الفوائد (آپ نے قراءت سبعہ پڑھ کر مخصوص انداز میں مستقل رموز قائم کرکے اپنے حمائل کے حاشیہ پر مکمل سورۂ بقرہ کا ..... اجراء السبعہ تحریر فرمایا ہے جو آپ کے صاحبزادے قاری محمود الٰہی صاحب مقیم کراچی پاکستان کے پاس قلمی موجود ہے ابھی طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی) (۴) حضرت

حضرت مولانا قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری صدر شعبۂ تجوید جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، ۵ قاری محمد اختر صاحب رامپوری۔

قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۴۰۱ھ میں شعبۂ تجوید و قراءت کی ذمہ داری ملک کے مشہور قاری جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی پر ڈالی گئی۔ آپ تقریباً ایک سال تک اس شعبہ سے متعلق رہے اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اس وقت وہیں کے اکابر اساتذۂ تجوید میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کا سن ولادت ۱۳۶۴ھ اور وطن جگدیش پور ضلع اعظم گڈھ ہے۔ قرآت میں آپ کے استاذ قاری محمد مصطفیٰ صاحبؒ ہیں۔ آپ نے ۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں مولانا قاری محمد زکریا مدرس مدرسہ شاہی اور حضرت مولانا قاری عبدالرؤف بلندشہری استاذ تجوید دارالعلوم شامل ہیں۔ آپ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہیں۔ فن تجوید میں علم قراءت، قراءت سبعہ، قواعد التجوید وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد انس صاحب لکھنوی مدظلہ

۱۴۰۲ھ سے ۱۴۰۶ھ تک تقریباً چار سال فاضل نوجوان قاری محمد انس صاحب لکھنوی مدرسہ شاہی میں منصبِ تجوید و قراءت پر فائز رہے۔ آپ روایت حفص اور سبعہ اور عشرہ میں استاذ القراء مقری محب الدین صاحب الہ آبادی کے شاگرد ہیں۔ دورۂ حدیث اور تکمیل افتاء دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کے خاص شاگرد ہیں اسوقت جدہ کی ایک مسجد کے امام و خطیب ہیں۔

۱۴۰۶ھ میں قاری انس صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ عرصہ تک قاری محمد جمشید صاحب مدناپوری تلمیذ قاری محمد امیر علی صاحبؒ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

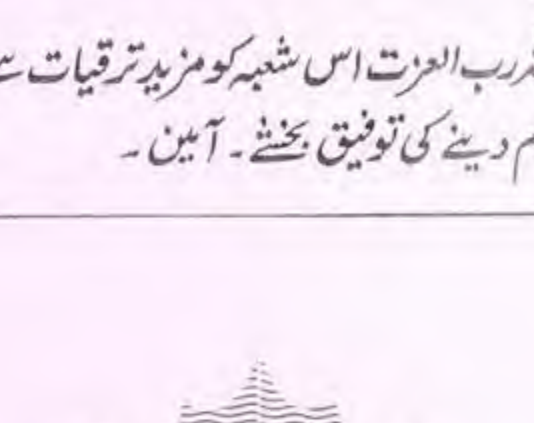
موجودہ خادمانِ تجوید

اس کے بعد سنہ ۱۴۰۸ ہجری سے راقم الحروف اور شوال سنہ ۱۴۰۸ ہجری سے جناب مولانا قاری محمد زکریا صاحب گونڈوی مدرسہ میں تجوید و قراءت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی شعبہ تجوید کی طرف توجہ

جامعہ کے روحِ رواں اور مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ، خاص طور پر اس شعبہ کی طرف خصوصی توجہ دیتے رہے ہیں۔ آپ ہی کی توجہ کی بدولت اس شعبہ میں بجائے ایک کے دو اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے۔ نیز طلبہ میں شوق و ذوق پیدا کرنے کے لئے موقع بموقع مظاہرہ قراءت کی تقریبات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے طلبۂ شعبۂ تجوید مدرسہ شاہی کی ایک انجمن صوت القرآن کی تشکیل عمل میں آئی ہے جو مسلسل سرگرم عمل ہے۔ جس کی وجہ سے ماشاء اللہ مدرسہ میں تجوید و قراءت کا ماحول بن گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس شعبہ کو مزید ترقیات سے نوازے اور خدام کو مزید خدمات انجام دینے کی توفیق بخشے۔ آمین۔



اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو ۱

شاہی مسجد کا درس قرآن کریم
عمومی دعوت و اصلاح
کا مفید سلسلہ

اکابر مدرسہ شاہی کی توجہ صرف مدرسہ کے تعلیم و تعلم تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ انہوں نے حتی الامکان شہر اور علاقہ کے عام مسلمانوں کی اصلاح کیلئے بھی اہم اور مفید اقدامات کئے انہی میں سے ایک اہم اقدام اور مفید اور موثر ترین سلسلہ شاہی مسجد میں روز آنہ بعد نماز فجر درس قرآن کریم کا بھی ہے جس سے شہر مراد آباد کے عوام کو بہت زیادہ دینی فائدہ پہنچا اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی۔

درس کا آغاز

درس قرآن کریم کا آغاز ۱۳۴۸ھ سے ہوا اور سب سے پہلے جس ذات بابرکات نے اس مجلس کو رونق بخشی و شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ کی ذات تھی آپ نے ایک سال تک باقاعدگی کے ساتھ درس قرآن مجید دیا یہ ایک نئی دعوتی کوشش تھی جس کے مفید اثرات اول دن ہی سے سامنے آنے شروع ہو گئے۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کا درس

اور پھر ۱۳۴۹ھ سے جب مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے یہ عظیم ذمہ داری سنبھالی تو یہ مجلس اتنی مقبول

ہوئی اور عوام کا اس قدر رجوع ہوا کہ مسجد شاہی باوجود وسعت وامانی کے تنگ نظر آنے لگی۔ شہر کے دور دراز محلوں سے قرآن کریم کے پروانے کھنچ کھنچ کر روزانہ بعد نماز فجر شاہی مسجد کا رخ کرنے لگے۔ جس کو ایک مرتبہ "مدنی ترجمہ" کا چسکہ لگ گیا وہ بس اسی کا ہو رہا۔ مولانا مدنیؒ کے کلام میں غضب کی تاثیر تھی۔ جو سن لیتا وہ دیوانہ ہو جاتا۔ مولانا اشفاق حسین صاحب استاد مدرسہ شاہی جو اس مجلس کے عینی شاہد ہیں لکھتے ہیں۔

"جناب مولانا حکیم سید تصدق حسین صاحب کی سعی و کوشش سے مدرسہ شاہی میں ترجمۂ کلام پاک حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے بیان فرمانا شروع کیا۔ یہ ترجمہ اس قدر مقبول ہوا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے شاہی مسجد شائقین ترجمہ کلام پاک سے بھری رہتی تھی جو ایک مرتبہ ترجمہ میں آجاتا اس کے عقائد میں تبدیلی آجاتی تھی اور راہ بدعت وغیرہ سے توبہ کر لیتا تھا۔ اس ترجمہ سے عام مسلمانوں کی کافی اصلاح ہوئی ترجمہ میں مولانا مدنیؒ کا خاص موضوع احیاء سنت اور تردید بدعت ہوا کرتا تھا عورتوں کی بھی کافی تعداد ترجمہ میں ہوتی تھی جس کی وجہ سے عورتوں کے غلط عقائد کی اصلاح ہوئی اور ان کی وجہ سے بچوں کے اندر بھی دینی شعور پیدا ہوا۔ غرضیکہ یہ ترجمہ مسلمانان مرادآباد کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھا۔ آج بھی پرانے بزرگ جو ترجمہ میں حاضر ہوا کرتے تھے حضرت مدنیؒ کے نصائح اور زریں اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اپنے مسلک کا احیاء ہوا اور مدرسہ شاہی کی شہرت میں چار چاند لگے میلاد اور عرسوں کا خاتمہ ہوا اور ان کی جگہ محلہ محلہ علماء کے وعظ و تقریر کے پروگرام ہونے لگے۔"

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کی وفات ۱۳۸۰ھ یعنی کامل ستائیس سال تک شاہی مسجد حضرت مدنیؒ کے اثر انگیز ترجمہ کلام پاک کی آوازوں سے گونجتی رہی اس

درمیان آپ نے قرآن کریم کے ترجمہ کے کئی دور ختم فرمائے اور ختم کے موقع پر عظیم الشان جلسوں کا اہتمام کیا گیا جس میں دیگر عمائدین و اکابر ملت کے علاوہ خاص طور پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے شرکت فرمائی مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی کی وفات سے ایک سال قبل ۱۳۷۶ھ بھی ایسی ہی ایک روح پرور تقریب ختم ترجمہ کلام پاک کی منعقد ہوئی حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس موقع پر قرآن کریم کی عظمت واہمیت کے موضوع پر مبسوط تقریر فرمائی اور اسی ذیل میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"بہت سے شہر اس ترجمہ قرآن سے محروم ہیں مراد آباد کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا عبدالحق مدنیؒ یہاں موجود ہیں انہوں نے مدت ہوئی کراچی چھوڑ کر یہاں قیام کیا اور جب سے آئے ہیں خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو باربار ترجمہ قرآن پاک سناتے ہیں یہ بھی خدا کا انعام ہے ان کو خود مدینہ والے طلب کرتے ہیں مدرسہ علوم شرعیہ (مدینہ منورہ) اس بات کا طالب ہے کہ یہ وہاں پڑھائیں لیکن آپ کی محبت و خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں۔ مدینہ میں ان کا گھر بھی موجود ہے وہاں اہل شہر عام طور پر ان سے واقف ہیں یہ مدینہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم حاصل کی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ دینی و تعلیمی خدمت کے واسطے اس نے ان کو یہاں بھیجدیا جس قدر ممکن ہو ان سے نفع حاصل کیجئے۔

غنیمت جان لے مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے۔

اس شیخ کامل کی زبان سے نکلا ہوا یہ آخری شعر چند ہی دن بعد حقیقت بن گیا اور ستائیس سال تک مراد آباد کو اپنے علم واخلاص کی روشنی سے جگمگانے والے اور ترجمۂ کلام پاک کے عنوان سے عوام کے دلوں کی دنیا تہ وبالا کر دینے والے بزرگ اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی اگلے ہی سال ۱۹۵۸ء میں اہل مراد آباد کو روتا بلکتا چھوڑ کر راہئ ملک بقا ہوئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)، اور ترجمہ

کلام پاک کی یہ روحانی مجلس سونی ہوگئی اور اس کے بعد سے آج تک اسے وہ شادابی اور رونق نصیب نہ ہوسکی جو حضرت مولانا مدنیؒ کے زمانہ میں تھی۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنیؒ مدرسہ شاہی کا کار اہتمام حِسبۃً للہ انجام دیا کرتے تھے۔ البتہ ترجمۃ القرآن کرنے پر شہر کے اصحاب خیر حضرات انجمن اشاعت القرآن (جو آپ ہی کی قائم فرمودہ تبلیغی انجمن تھی) کے واسطہ سے کچھ رقم ماہ بماہ آپکی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتے تھے یہ انجمن آپ کے بعد بھی قائم رہی اور ترجمہ کا اہتمام اور ترجمہ کرنے والی شخصیت کے لئے وظیفہ کا نظم کرتی رہی۔

حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحبؒ کا درس

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کی وفات سے شاہی مسجد میں ترجمہ کا جو خلا پیدا ہوا تھا اسے پر کرنے کے لئے قدرتی طور پر سب کی نگاہیں شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحبؒ کی طرف اٹھیں چنانچہ آپ نے لوگوں کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور کم و بیش ڈیڑھ سال تک مسند ترجمہ پر بیٹھ کر علوم قرآنی کے گوہر لٹاتے رہے آپ کا ترجمہ بھی کافی مقبول تھا شہر کے مسلمان بڑی تعداد میں آپ کے ترجمہ سے مستفیض ہوتے تھے آپ کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند کے ترجمہ کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے

حضرتؒ مولانا مفتی محمد نفتی صاحبؒ کا ترجمہ

۷۶ھ میں جب حضرت مولانا مفتی محمد نفتی صاحبؒ دیوبندیؒ مدرسہ شاہی کے مسند اہتمام پر فائز ہوئے تو اہتمام کے ساتھ ساتھ ترجمہ کلام پاک کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی آپنے اپنے زمانہ قیام مراد آباد یعنی ۷۶ھ سے ۸۱ھ تک مسلسل پانچ سال ... اس مجلس روحانی کو آباد رکھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی

۸۱ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد نفتی صاحب کے وصال فرمانے کے بعد اس مبارک مجلس کی رونق شیخ الحدیث و صدر المدرسین

مدرسہ شاہی حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات سے وابستہ ہو گئی آپ نے ۱۳۸۱ھ سے معذور ہونے ۱۳۹۶ھ تک اپنے دلنشیں بیان اور اثر انگیز وعظ و نصیحت سے اس حلقۂ روحانی کو گرم کئے رکھا آپ کے ترجمہ کے زمانہ میں بھی اس سلسلہ کو بہت شہرت نصیب ہوئی اور عوام و خواص نے بھرپور استفادہ کیا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب

۱۳۹۶ھ کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت شیخ الحدیث کی علالت اور معذوری کی بنا پر ترجمہ کا سلسلہ بند رہا۔ پھر مدرسہ کے مفتی حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحبؒ کو اس خدمت پر مامور کیا گیا آپکا انداز بیان اور طرز تقریر نہایت سادہ اور تکلف سے پاک ہوتا تھا۔ پھر آپ کے اخلاص نے بیان کو تاثیر کی قوت عطا کی تھی انہی وجوہات کی بنا پر آپکا ترجمہ بھی مقبول عام تھا اور مسلمانان شہر کی بہت بڑی تعداد روزانہ آپ کے فیوض سے مستفیض ہوتی تھی۔

دیگر حضرات

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب کے ۱۴۰۱ھ میں وصال فرما لینے کے بعد کچھ عرصہ مولانا مفتی ریاض الدین صاحب میرٹھی ترجمہ کرتے رہے اس کے بعد کچھ دنوں مولانا مفتی محمد یحیٰی صاحب نے اس ذمہ داری کو انجام دیا ان دونوں حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد یہ سعادت حضرت مولانا شبیر احمد صاحب باغونوالی سابق استاد مدرسہ شاہی کے حصہ میں آئی جب وہ بھی دیوبند تشریف لے گئے تو مجلس عاملہ نے حضرت مولانا خورشید انور صاحب فیض آبادی نائب ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی کو اس ذمہ داری کو انجام دہی کے لئے مقرر فرمایا موصوف . . . . بحسن و خوبی متعلقہ ذمہ داری کو انجام دیتے رہے اس کے بعد مجلس عاملہ نے حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ شاہی کو مقرر کیا آپ نے بھی ایک مدت تک پوری محنت سے اکابر کی یہ روایت برقرار رکھی اور اوائل ۱۴۱۲ھ سے یہ مبارک سعادت حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی استاد مدرسہ شاہی کے حصہ میں آئی ہے مولانا ممدوح نہایت دلچسپی کے ساتھ سعادت سمجھ کر اس سلسلہ کو باقی رکھے ہوئے ہیں اور اشاعت علوم قرآنیہ میں مشغول ہیں ■

مدرسہ شاہی

اور تحریک دعوت و تبلیغ

ازقلم مرتب

انیسویں صدی کا اختتام اور بیسویں صدی کا آغاز مسلمانانِ ہند کے لئے خاص طور پر دینی آزمائش کا دور تھا انگریز حکومت کی سرپرستی میں ملحدانہ اور اسلام مخالف طاقتیں سر اٹھا رہی تھیں اور انگریز اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے پورے وسائل استعمال کر رہا تھا کہ اسلام کے ماننے والوں کو ان کے دین سے ہٹا دیا جائے دین سے ان کا رشتہ منقطع کر دیا جائے، اور وہ صرف نام کے مسلمان رہ جائیں اسلامی روح ان میں نہ ہو۔ اسی بنار پر نصاب تعلیم، تہذیب و تمدن، رہن سہن اور معاشرہ کو ہر طریقے پر غیر اسلامی بنانے کی کوششیں پورے شد و مد کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ جن علاقوں میں پہلے سے کچھ علم ... چرچا تھا وہاں اگرچہ علمار کے اثر سے اس اسلام دشمن ... کے اثرات زیادہ تر عملی زندگی اور ظاہرداری ہی تک رہے لیکن علم کی روشنی سے نا آشنا وہ علاقے جہاں علمار اور دینی علوم کا چرچا نہیں تھا ان میں ان ارتدادی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوا، چنانچہ میوات اور راجستھان کے علاقے میں مسلمان اپنی دینی و مذہبی شناخت کھو بیٹھے، ہندوانہ رسم و رواج میں مبتلا ہوگئے، اور پوری طرح کفر کے رنگ میں رنگ دیئے گئے، انھیں نہ اپنے عقائد کا پتہ رہا اور نہ اپنی مذہبی شناخت کا۔

یہ صورت حال اہل دل علمار اور رہنمایانِ ملت کے لئے سوہانِ روح بن گئی تھی اسلام اور مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر ان کا کلیجہ منھ کو آتا تھا راتوں میں اٹھ اٹھ کر بارگاہِ ایزدی میں اصلاح حال کی دعا کرتے اور دن میں اصلاح امت کی فکر میں سرگرداں

رہتے تھے۔ رحمت خداوندی کو جوش آیا مایوسی کے بادل چھٹنے شروع ہوئے اور دو ایسی الہامی تحریکیں وجود میں آئیں جنھوں نے نہ صرف برصغیر میں اسلامی اقدار وروایات کی جڑیں ناقابلِ یقین حدتک گہری کردیں بلکہ مرتد ہوجانے والے مسلمانوں کو بھی دوبارہ صحیح راستے پر لانے کا ذریعہ بنیں۔ ان میں سے ایک تحریک خاص تھی اور دوسری عام۔ پہلی تحریک کو تحریک دیوبند یا تحریکِ مدارس کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے تحت جابجا مدارس یعنی دین کے قلعوں کا جال بچھا دیا گیا اور دوسری تحریک، تحریکِ دعوت وتبلیغ کے نام سے جانی اور پہچانی جاتی ہے جس نے چند ہی سالوں میں مخلصانہ کارنامے انجام دے کر مسلمانوں کی عام دینی حالت کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اور بڑھتے بڑھتے صرف ہندوستان ہی نہیں، ایشیا ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں دعوت وتبلیغ کا ایسا منظم اور موثر نظام قائم کردیا جس کی بدولت لاکھوں اور کروڑوں افراد راہ یاب ہوچکے اور ہو رہے ہیں اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ یہ تحریک بیسویں صدی کی سب سے بڑی اور وسیع تر تجدیدی تحریک ہے اور مسلمانوں کے لئے اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان نعمت ہے۔

تحریک کی ابتدا

اس عظیم تحریک کی ابتدا، باقاعدہ طور پر ۱۳۴۴ھ میں ہوئی، بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ حج کے لئے تشریف لے گئے تھے جب مدینہ منورہ پہنچے تو ارادہ کیا کہ اب یہاں سے واپس نہ جائیں گے لیکن دربارِ نبوی سے حکم ہوا کہ "ہم تم سے کام لیں گے" اس ارشاد سے حضرت مولانا بڑے مضطرب ہوئے اور اپنی کسرِ نفسی کی بنا پر یہ سوچنے لگے کہ میں ناتواں کیا کام کرسکتا ہوں کئی دن اس بے چینی میں گذرے تو آپ نے حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ برادر بزرگ حضرت شیخ الاسلامؒ سے اس واقعہ کا ذکر کیا انھوں نے تسلّی دی کہ پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے بلکہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے لہذا جاؤ کام لینے والے خود کام لیں گے حضرت مولانا کو اس جواب سے بہت سکون ہوا[1] آپ واپس ہندستان تشریف لائے اور باقاعدہ تبلیغی گشت

[1] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ ص۱۵۱

شروع کر دیا آپ اس سے پہلے بھی کئی سال سے مسلسل میوات میں تبلیغِ دین اور مکاتب کے قیام کے سلسلہ میں پوری دلسوزی اور جدّ وجہد کے ساتھ کام کر چکے تھے آپ کی محنت کے نتیجہ میں میواتی قوم میں کچھ دینی شعور پیدا ہو چلا تھا۔ سو سے زیادہ دینی مکاتب قائم ہو چکے تھے لیکن آپ جیسی عمومی اصلاح چاہتے تھے اس کی کمی تھی اس لئے آپنے آتے ہی ایک عمومی تحریک کا آغاز کیا سب سے پہلے قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا جماعتوں کا نظام قائم کیا۔ بستی بستی، گاؤں گاؤں گھومے، جاہل اور تہذیب سے ناآشنا لوگوں کی جانب سے تکلیفیں بھی سہی لیکن آپ تو گویا دعوت و تبلیغ کے لئے ایک پروانے کی مثال بن گئے جو اپنے انجام سے بے خبر ہو کر مقصد کی تکمیل میں ہمہ تن منہمک ہوتا ہے۔ آپ کی اس مخلصانہ جد وجہد نے چند ہی دنوں میں میوات پر رحمتِ خداوندی کے دروازے کھول دیئے۔ تحریکِ دعوت و تبلیغ میواتیوں کے گھر گھر پہنچ گئی جو ایک مرتبہ تحریک کا ہو رہا اس کا خاندان اور معاشرہ حیرت انگیز طور پر اسلامی رنگ میں رنگا گیا[1]

مراد آباد کی خوش نصیبی

۱۳۵۶ھ تک یعنی تقریباً بارہ سال تک اس تحریک کا دائرہ صرف میوات تک محدود رہا اور وہیں کے لوگ اس کام کو چلاتے رہے اور جماعتیں بنا بنا کر آہستہ آہستہ اپنے علاقے سے نکلنا شروع کیا۔ اب اس کام کی بازگشت دہلی میں بھی سنائی دینے لگی اور اہلِ علم اور اہلِ مدارس نے بھی اس سے دل چسپی لینی شروع کر دی۔ میوات اور دہلی کے علاوہ شہروں میں مراد آباد کو یہ خوش نصیبی حاصل ہے کہ وہ ابتدار زمانہ میں ہی اس تحریک کا مرکزی مقام بن گیا تھا جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حیات تھے۔ حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی سوانح یوسفی میں تحریر فرماتے ہیں:

"اور پھر مراد آباد کام کا ایک بڑا مرکز بن گیا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے آخری

---

[1] سوانح حضرت مولانا محمد یوسف رح ص ۱۵۵

دنوں میں بکثرت لوگ آنے جانے لگے اور کام میں جڑنے لگے خصوصًا کئی اشخاص نے مراد آباد کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو علمی لیاقت اور سیاسی سوجھ بوجھ اور تنظیم کار میں ملکہ رکھتے تھے ان کی محنت اور جدّ وجہد اور حضرت مولانا سے تعلق و تقرب نے تبلیغی کام کو بہت آگے بڑھادیا اور کام کو بہتر سے بہتر استعداد اور گوناگوں صلاحیتیں رکھنے والے کارکن دئے ،، [۱]

مدرسہ شاہی مدرسہ شاہی مراد آباد جو تحریکِ مدارس کا اہم ترین ستون اور علوم دینیہ کی حفاظت کا گراں قدر مرکز ہے۔ اس نے تعلیم کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی اصلاح کے لئے بھی اپنی وسعت بھر جدّ وجہد کی اور مدرسہ کے اساتذہ و ذمہ داران نے شہر میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا چنانچہ ۱۳۴۸ھ اور ۱۳۴۹ھ کی روئیداد میں تحریر ہے:

،، عام مسلمانوں کی تبلیغ کے سلسلہ میں بھی مدرسہ ہمیشہ ساعی رہتا ہے اگر خیال کیا جائے تو حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ مولانا الحاج مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ وغیرہم کے مواعظ جو محلہ محلہ عمومًا ہفتہ وار اور بسا اوقات دوسرے تیسرے روز ہوتے رہتے ہیں عام مسلمانوں کے لئے بہترین تبلیغ ہے،، [۲]

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تحریکِ تبلیغ کی سرگرمیاں مراد آباد میں نہیں تھیں۔ چنانچہ جب ۱۳۵۸ھ ۱۳۵۹ھ میں مراد آباد کو تحریک سے جڑنے کی سعادت حاصل ہوئی تو مدرسہ شاہی کے اربابِ انتظام خاص کر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ (جو اس وقت مہتمم تھے) اور آپ کے رفقاء نے پوری تن دہی کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے زمانہ میں ہی مراد آباد تحریک کا ایک بڑا مرکز بن گیا ——— سوانح یوسفی میں لکھا ہے:

،، ان شہروں میں سرفہرست مراد آباد کا نام لیا جا سکتا ہے جہاں کے بعض علماء

---

[۱] حوالہ بالا ص ۱۶۰ [۲] روداد مدرسہ شاہی ۱۳۴۸ھ ص ۲۲

سرگرم اصحاب اور اجتماعی کاموں کا تجربہ رکھنے والے کارکن مولانا محمد الیاس صاحبؒ اوران کی دینی دعوت سے وابستہ ہو چکے تھے۔،، لہ

شاہی مسجد میں تاریخی اجتماع

۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وصال فرمانے کے بعد تحریک کی باگ ڈور آپکے سچے جانشین اور خلف الرشید حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے ہاتھ میں آئی آپ نے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے پوری صلاحیتیں صرف فرمادیں جگہ جگہ اجتماعات ہوئے۔ جماعتوں کی نقل وحرکت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا اسی موقع پر یوپی میں سب سے پہلے بڑا اجتماع مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد میں مورخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ محرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴، ۱۵، ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء بروز شنبہ یکشنبہ دوشنبہ منعقد ا۔ جس میں اس وقت کے اکابر علماء مشائخ امت نے شرکت فرمائی جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلوی مفتی اعظم ہند، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوریؒ اور امیر تبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ قابل ذکر ہیں۔

یہی اجتماع درحقیقت پورے ملک میں تبلیغی تحریک کے عام ہوتے کا سبب بنا اس اجتماع کی مفصل روئیداد حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ میں تحریر فرمائی ہے۔ ٢ه اور اس اجتماع میں دو ہزار افراد شریک ہوئے جن میں پانچسو میواتی تھے اور ایک ہزار شہری اور پانچسو بیرون مراد آباد کے علماء اور باا ثرافراد تھے۔ شہریوں کے ولولہ اور جوش کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے ایسے حضرات جو حضرت شیخ الہندؒ کے بعد دیوبند نہ جانے کا عہد کر چکے تھے وہ حضرت مدنیؒ کو اجتماع میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے دیوبند پہنچے اور حضرت کو باصرار شرکت کرنے پر آمادہ کرلیا۔ اجلاس کے آخری دن جماعت کے لئے تشکیل ہوئی چونکہ ابتدائی

لہ سوانح یوسفیؒ ص ۲۱۴ ٢ه سوانح یوسفی از ص ۲۴۱ تا ص ۲۴۶

دور تھا اس لئے حاضرین نے زیادہ نام نہیں لکھوائے حتی کہ بجنور، چاند پور، اور رامپور جیسے قریبی علاقوں کے لئے بھی چھوٹی چھوٹی جماعتیں نہیں بن سکیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کو جلال آگیا اچانک مائک پر تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔

"آج تم بجنور، چاند پور اور رامپور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کے لئے وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہو ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے مصر جاؤ گے عراق جاؤ گے لیکن اس وقت کام کا عام رواج ہو چکا ہوگا اس لئے اجر گھٹ جائے گا"۔ [1]

آپ کے اس ارشاد کا اثر بہت اچھا ہوا اور متفرق علاقوں کے لئے مختلف جماعتیں جانے کے لئے تیار ہوگئیں۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی کی تحریک سے دل چسپی اور شرکت

اس اجتماع کے بعد مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی کی امارت میں دو سو افراد پر مشتمل ایک بڑی تبلیغی جماعت مراد آباد سے دہلی گئی جہاں جنگل والی مسجد میں ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں مولانا عبد الحق صاحب مدنی نے خالص دعوتی تقریر کی۔ اسی طرح ربیع الاول ۱۳۶۴ھ میں اسّی افراد پر مشتمل ایک جماعت کے ساتھ سہارن پور تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اور ایک جماعت ان میں سے پنجشنبہ کو مولانا عبد الحق صاحب مدنی مراد آبادی کی امارت میں ۸۰ نفر کی سہارن پور پہنچی۔ گشت وغیرہ کے بعد شب جمعہ میں جامع مسجد میں جلسہ ہوا جس میں مولانا عبد الحق صاحب نے تقریر کی اور صبح کو ۵ بجے مراد آباد ایک جماعت کے ساتھ واپس چلے گئے"۔ [2]

---

[1] الفرقان حضرت جی نمبر بحوالہ سوانح یوسفی ص ۲۴۵ [2] یادداشت حضرت شیخ الحدیث بحوالہ سوانح یوسفی ص ۲۴۶

اجلاس دستار بندی ۱۳۸۴ھ میں حضرت جی کی شرکت

مدرسہ شاہی سے تحریکِ تبلیغ کا تعلق

برابر بڑھتا رہا جماعتیں آتی جاتی رہیں اجتماعات ہوتے رہے، اسی سلسلہ کا ایک اہم اجتماع رجب ۱۳۸۴ھ میں مدرسہ شاہی کی سالانہ تقریب دستار بندی کے موقع پر منعقد ہوا اس مبارک تقریب کی تفصیل مدرسہ شاہی کی روئیداد بابتہ ۱۳۸۴ھ میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر ہے

”۲۵ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۴ء کو مدرسہ شاہی کے عزیز طلباء کو استاذ العلماء حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے بخاری شریف ختم کرائی اس موقع پر رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی نے نہایت مبسوط تقریر فرمائی جس میں علوم عربیہ دینیہ کے فضائل اور ان کے حصول کو نہایت مشرح و مدلل طور پر بیان فرمایا اور طلباء عزیز کو بیش قیمت نصائح فرمائیں یہ اجتماع عجیب پر انوار و برکات تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں نے بھی شرکت فرمائی مدرسہ و مسجد شاہی کا زیریں و بالائی حصہ آدمیوں سے بھرا ہوا تھا یہ مبارک اجتماع حضرت جیؒ کی دعا پر ختم ہوا“ [1]

آج کل کی سرگرمیاں

مدرسہ شاہی اب بھی تبلیغی تحریک سے فکری ہم آہنگی رکھتا ہے۔ یہاں کے اساتذہ وطلبہ باقاعدہ تبلیغی پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں۔ جو تبلیغی جماعتیں باہر سے آتی ہیں ان کا پروگرام مدرسہ میں خصوصی طور پر رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے جو اکابر تشریف لاتے ہیں ان کی تقریروں وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عام حالت میں ہر جمعرات کی شام کو طلبہ کی ایک جماعت بالالتزام مدرسہ شاہی سے تبلیغی جماعت کے مرکز ”پختہ سرائے“ جاتی ہے اور رات کے پروگراموں میں شرکت کرتی ہے، اور رات وہیں گزار کر صبح کو اشراق کی نماز پڑھ کر واپس مدرسہ لوٹتی ہے۔ چھٹیوں میں طلبہ عموماً تبلیغ میں وقت دیتے ہیں۔

---

[1] روداد ۱۳۸۴ھ

بعض اساتذہ بھی اس طرف متوجہ ہیں۔

حاصل کلام

خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغی کام کسی ایک جماعت یا فرد کا کام نہیں بلکہ پوری امت کا کام ہے۔ اس لئے ارباب مدرسہ شاہی اسے اپنے مقاصد اصلیہ میں داخل سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی معاونت کرتے ہیں آج دیگر علاقوں میں جو تبلیغی کام کا رواج ہے الحمدللہ اس کا نقش آغاز مدرسہ شاہی کے حصہ میں آیا ہے جو اس کی تاریخ کا زریں باب ہے۔ اور اس کے مخلصانہ کردار کا آئینہ دار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مدرسہ شاہی اصالۃً تحریک مدارس کا فرد ہونے کی وجہ سے تعلیم و تعلم اور علوم نبوت کی حفاظت کی اغراض کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی روشنی کے بغیر تبلیغ میں وہ جان نہیں پڑ سکتی جس کی ضرورت ہے۔ اس لئے اولاً ایسے علماء پیدا کرنے ضروری ہیں جو وسعت نظری کے ساتھ تبلیغ کا جذبہ بھی رکھتے ہوں۔ مدرسہ شاہی کا موجودہ ماحول اسی طرح کی تربیت پر مشتمل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے: آمین

مدرسہ شاہی اور تحریک شیخ الہند

محمد سلمان منصورپوری

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ) کا نام نامی جب لیا جاتا ہے تو یکایک قلب و دماغ میں جھرجھری سی آتی ہے، اور غیر شعوری طور پر ایک انجانے جوش سے بدن کا رواں رواں سرشار ہوجاتا ہے، یہ اثر ہے اس مرد مجاہد کے بے مثال تدبر اور اس عظیم محسن قوم وملت کے بے نظیر جوشِ عمل کا، جس کے کارناموں کے انمٹ نقوش ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نیرِ تاباں بنکر چمکتے رہیں گے، اور جس کے بلند پایہ خیالات اور وطنی و دینی جذبات سے آنے والی نسلیں برابر مستفیض ہوکر اپنی کامیاب زندگی کے خطوط متعین کرتی رہیں گی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاد معظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے محض علوم دینیہ ہی میں شرف تلمذ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے اپنے دل میں استاذ کے سینہ میں لگی ہوئی وہ آگ بھی سلگالی تھی جس نے انہیں شاملی کے میدان میں شریک ہوکر دشمن سے مقابلہ کرنے پر مجبور کردیا تھا ـــــ یوں کہئے! کہ "قاسم" نے جب مئے عرفان ومحبت تقسیم کی تو "محمود" نے اپنے دامن کو آئینہ بناکر ساقی کی صورت وسیرت حتیٰ کہ اس کے ارادے اور عزائم بھی اپنے اندر جذب کرلئے۔ اب قاسم ومحمود الگ الگ نہیں رہے بلکہ یک جان دو قالب بن گئے، جو "قاسم" سوچتے وہی "محمود" کا مطمح نظر ہوتا، اور جو "محمود" منصوبہ بناتے وہ "قاسم" کی ہی ترجمانی ہوتی تھی، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، آخر "محمود" اس اسلامی درسگاہ کا پہلا سپوت ہی تو تھا جس کی بنیادوں میں حفاظتِ اسلامی کے مقاصد اصلیہ کے ساتھ حریت اور حب الوطنی کے بلند پایہ جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے، اور جسکے بانیوں کی نگاہ دوربیں میں وہ ایک تعلیمی مدرسہ یا یونیورسٹی ہی نہیں تھا بلکہ حفاظت اسلام

کا قلعہ اور محافظین اسلام کی چھاؤنی بھی تھا۔

دارالعلوم دیوبند کیوں قائم ہوا؟

لوگ کہتے تھے کہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۷ء) میں دیوبند میں قائم ہونے والا دارالعلوم ایک خالص دینی ومذہبی مدرسہ ہے، اور اس سے وابستہ افراد احوالِ دنیوی اور سیاسیاتِ حاضرہ سے بے خبر ہیں، مگر شیخ الہندؒ کی سوچ سب سے الگ تھی، ان کے سامنے جب دارالعلوم کو صرف مرکزِ تعلیم وتعلم کے بطور پیش کیا جاتا تو ان کی آنکھوں میں چمک آجاتی، صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا، اور نہ چاہتے ہوئے بھی حقیقت زبان پر آجاتی، ایک مرتبہ آپ کے شاگرد رشید مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے آپکے سیاسی مسلک کے بارے میں سوال کیا، اس پر آپ کا ردِ عمل اور جواب کیا تھا، خود مولانا گیلانی کی زبانی سنئے۔

"اپنی بات جب ختم کرچکا تو دیکھا کہ حضرتؒ پر ایک خاص حال طاری ہے، اور اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم جن کو وہ حضرت الاستاذ کے لقب سے یاد کرتے تھے انہی کا نام لیکر فرمایا: کہ حضرت الاستاذ نے اس مدرسہ کو کیا درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا! جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے، تاکہ ۱۸۵۷ء کی تلافی کی جائے۔ آخر میں ارشاد ہوا، کہ تعلیم وتعلم جن کا مقصد اور نصب العین ہے ان کی راہ میں، میں مزاحم نہیں ہوں، لیکن خود اپنے لئے تو اسی راہ کا میں نے انتخاب کیا ہے جس کے لئے دارالعلوم کا نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا"[1]

یہی وہ خیالات تھے جن کی بنا پر حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کو غلامی سے نجات دلانے اور اس ملک میں اسلام کی عظمتِ رفتہ واپس لانے کے لئے ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک کا منصوبہ بنایا، اور ظاہری اسباب و وسائل نہ ہونے کے باوجود خدمتِ دین و وطن کے لئے جدوجہد شروع کردی۔

---

[1] دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن (مولانا گیلانی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ)

تحریک شیخ الہندؒ

آزادئ ہند کی تحریکات میں تحریک شیخ الہندؒ (ریشمی رومال کی تحریک) نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا دائرہ نہ صرف متحدہ ہندوستان بلکہ پورے ایشیا تک پھیلا ہوا تھا، تحریک کے کارکن جنہیں "مخلص" یا "جماعت" کے نام سے پہچانا جاتا تھا ملک کے مختلف علاقوں میں مقیم رہ کر نہایت رازداری کے ساتھ اپنے شیخ اور قائد کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے[1] تحریک کے مراکز کے دوران ہدایتوں اور فرامین کا تبادلہ کبھی ریشمی رومال پر لکھی ہوئی تحریروں کے ذریعہ ہوتا تو کبھی کاغذ کے پھولوں پر لکھ کر پیغام بری کا عمل انجام دیا جاتا تھا[2] جب تحریک کے راز کا افشاء ہوا اور انگریزوں کی جانب سے تلاش و تفتیش اور جبر و تشدد کی کارروائی شروع ہوئی تو تحریک سے وابستہ بے شمار افراد نے اپنی وابستگی کے نشانات مٹا دئے، کاغذات اور اوراق جلا ڈالے، اور خود روپوش ہوگئے، یا کم از کم غیر متعلق بن گئے، تاکہ اپنے کو حکومت کے جور و ستم کا نشانہ بننے سے بچا سکیں۔ لیکن ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جو آثار مٹانے کے باوجود اپنی وابستگی کو مٹانے پر قادر نہ ہوسکے۔ ایسے لوگ حکومت کی نگاہ میں آئے، چنانچہ انہیں "رجسٹرڈ سازشی" بنایا گیا۔ اور رولٹ ایکٹ کمیٹی[3] کے فائل میں ان کا نام درج کرکے انہیں زندۂ جاوید کردیا گیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تعداد تحریک سے جڑے ہوئے سبھی افراد کا احاطہ نہیں کرسکی، اسی بنا پر بہت سے شرکاء تحریک آج تک تاریخ کی گرفت میں نہیں آسکے۔ اور اتنا زمانہ گذر جانے کے بعد اب مزید تحقیق کی امید بھی موہوم ہوگئی ہے۔

---

[1] تحریک خلافت (عدیل عباسی) ص۴۵

[2] تفصیل دیکھئے مقام محمود (مضمون محمد سلمان منصورپوری) ص۲۸۸ تا ص۲۹۳)

[3] رولٹ ایک انگریز جج کا نام تھا، اس کی سربراہی میں مختلف تحریکات کی تفتیش کا کمیشن مقرر کیا گیا تھا، اسی بنا پر تحریک سے متعلق حکومت کی دستاویزات کو رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کہا جاتا ہے۔)

مدرسہ شاہی مدرسہ شاہی شروع سے ہی ایسے افراد کی آماجگاہ رہا جو اس تحریک سے کسی نہ کسی درجہ میں وابستہ تھے، چنانچہ مدرسہ کی فکری بنیادیں حضرت شیخ الہندؒ کے فکر پر ہی استوار کی گئیں، خود حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق بھی اس ادارہ سے والہانہ تھا۔ نہ صرف تعلیمی بلکہ انتظامی معاملات میں بھی آپ کی رائے تا زندگی حرف آخر مانی جاتی رہی[1] یہی وجہ تھی کہ جب بھی حضرت شیخ الہندؒ نے کسی بھی عنوان سے کوئی تحریک چلائی تو ارباب مدرسہ شاہی نے پورے عزم و حوصلہ کیساتھ تحریک کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، جس کا کچھ اندازہ درج ذیل مختصر جائزہ سے لگایا جاسکتا ہے:

تحریک کے مختلف مراحل مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک متعدد مراحل سے گذر کر اس مقام تک پہنچی جہاں اسکے راز کا افشاء ہوا۔

پہلا مرحلہ: دار العلوم دیوبند کے قیام کے تقریباً دس سال بعد ۱۸۷۷ء میں چندہ دہندگان دار العلوم کے عنوان سے انجمن ثمرۃ التربیۃ کا قیام عمل میں آیا، اس وقت حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتویؒ باحیات تھے، آپ ہی کے ایماء پر حضرت شیخ الہندؒ نے اس انجمن کے قیام کی تحریک کی، انجمن کی تشکیل کے لئے جو درخواست حضرات اراکین شوریٰ دار العلوم دیوبند کی خدمت میں پیش کی گئی، اس پر دستخط کرنے والوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ ۱۸ اور فضلاء و منتسبین دار العلوم شامل تھے[2] جن میں سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھیؒ اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب پورقاضویؒ، آگے چل کر مدرسہ شاہی کے منصب صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔

ثمرۃ التربیت کے عنوان سے خفیہ طور پر مسلسل ۳۰ سال تک حضرت شیخ الہندؒ افراد سازی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ آپ کی تحریک اگرچہ بظاہر رکی ہوئی معلوم ہوتی تھی لیکن سندھ اور آزاد قبائلی علاقہ میں بتدریج منصوبہ کے مطابق کام جاری تھا، جگہ جگہ

---

[1] جس کا اندازہ مدرسہ کے معائنہ جات اور روداد وں سے لگایا جاسکتا ہے [2] روداد جلسہ مؤتمر الانصار مرادآباد ص۔ و مقام محمود ص۱۰۳)

مدارس اور دینی مراکز قائم کئے جارہے تھے۔ لوگوں میں خوبصورتی کے ساتھ جہاد کے جذبات پیدا کئے جاتے، اور انگریزوں کے خلاف نفرت ان کے دلوں میں بٹھائی جاتی، حضرت شیخ الہندؒ دیوبند میں بظاہر گوشہ نشیں رہ کر ان سرگرمیوں پر نہ صرف گہری نظر رکھتے تھے، بلکہ قائدانہ اور رہنمایانہ کردار ادا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۳۱۵ھ میں اپنے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ان کے وطن (سندھ) سے بلایا، اور اپنے علاقہ میں کام کرنے کا حکم دیا۔

مولانا سندھی نے "گوٹھ پیر جھنڈا" میں دارالرشاد نامی ایک مدرسہ قائم کرکے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا، اور جلد ہی علاقہ کی دینی و مذہبی شخصیات اور اداروں کو اپنے سے وابستہ کرلیا۔ اسی دوران ایک مرتبہ مدرسہ کے امتحان کے بہانہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے سندھ کا دورہ بھی کیا، اور علاقہ کے کاموں کا بنفسِ نفیس معائنہ فرمایا[۱]۔ اس زمانہ میں عموماً حضرت شیخ الہند اپنے متعلقین و وابستگان سے بیعتِ جہاد لیتے تھے، آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ جہاد کرنے والوں میں بانی تحریک تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی ملتا ہے[۲]۔ یہ تحریک کا بالکل ابتدائی دور تھا، اس لئے یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ ثمرۃ التربیت کے ابتدائی اراکین نے بھی متحد ہوکر دین و وطن کی حفاظت کا عہد کیا ہو۔ اس اعتبار سے مدرسہ شاہی کے تین حضرات صدر المدرسین حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہویؒ (از ۱۲۹۶ھ تا ۱۳۰۳ھ) حضرت مولانا عبدالحق صاحب پورقاضویؒ (۱۳۰۶ھ) اور حضرت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی (از ۱۳۰۷ھ تا ۱۳۱۴ھ) تحریک کے اولین وابستگان میں شامل کئے جاسکتے ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ مدرسہ کے دیگر اراکین انتظامیہ و تدریس بھی عملاً تحریک شیخ الہندؒ سے وابستہ رہے ہوں۔ اس لئے کہ ان سالوں میں حضرت شیخ الہندؒ کی مدرسہ میں آمد و رفت بہت زیادہ تھی۔ اور آپ مدرسہ کے معاملات سے پوری دلچسپی رکھتے تھے۔

---

[۱] مقام محمود ص ۲۷۵ علماء حق ص ۲۳۰/۱

[۲] بھوپال تحریک آزادی کے آئینہ میں ص ۲۷۵ علماء حق حاشیہ ص ۱۲۹/۱

حاجی محمد اکبر صاحب ایسے لوگوں کے بارے میں الگ سے کوئی صراحت تو نہیں ملتی البتہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں جناب حاجی محمد اکبر صاحب کا نام ملتا ہے[1]، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رابطہ بھی حضرت شیخ الہندؒ سے رہا ہے۔ حاجی محمد اکبر صاحبؒ کا شمار مدرسہ شاہی کے اولین مہتمین میں ہے، آپ ۱۲۹۶ھ سے لیکر ۱۳۰۹ھ تک برابر اس عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ اور اس کے بعد ۱۳۴۸ھ تک رکنِ شوریٰ رہے۔

دوسرا مرحلہ جمعیۃ الانصار تحریک شیخ الہندؒ کا دوسرا مرحلہ جمعیۃ الانصار کے قیام سے شروع ہوتا ہے، ۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ سندھی کو سندھ سے بلایا اور جمعیۃ الانصار کے نام سے انجمن ثمرۃ التربیت کی نشأۃِ ثانیہ کرکے مولانا سندھی کو اس کا ناظم مقرر فرمایا[2]۔ یہ درحقیقت تحریک دیوبند کو ہمہ گیر بنانے اور فضلاءِ دیوبند کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیّا کرانے کی جانب ایک بڑھتا قدم تھا، غالبًا اسی کو پیش نظر رکھ کر قیام کے اگلے سال ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم کا عظیم الشان تاریخی اجلاس دستار بندی کا انعقاد کیا گیا جس میں تقریبًا تیس ہزار افراد شریک ہوئے۔ جو اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت اہم بات تھی[3]۔ اس اجلاس سے جمعیۃ الانصار کی اہمیت اور شہرت کو چار چاند لگ گئے، جمعیۃ کی تجویز کے مطابق دارالعلوم اور اس کے نہج پر چلنے والے مدارس نے باقاعدہ جمعیۃ الانصار کے ساتھ الحاق کرلیا۔ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ نے بھی ۱۳۲۹ھ میں ایک تجویز اتفاق رائے سے منظور کی، جس میں مدرسہ کو جمعیۃ الانصار کے واسطہ سے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ملحق کرنے کی بات کہی گئی ہے[4]۔

---

[1] تحریک شیخ الہندؒ ص۶۲ (آخری حصہ کون کیا ہے؟) [2] مقام محمود ص۲۷۶

[3] علماء حق ص۱۳۱ جلد ۱

[4] یہ تجویز منظور ہوگئی تھی اور مولانا رحمت علی صاحب اسی تجویز کی منظوری کے بعد دیوبند سے مدرسہ شاہی کے مہتمم مقرر ہوکر آئے تھے، لیکن ۱۳۳۰ھ میں جمعیۃ الانصار کے ختم ہونے کے بعد ضابطہ کی سرپرستی ختم ہوگئی تعلق برقرار رہا۔ (رجسٹر کارروائی شوریٰ)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جمعیۃ الانصار کے اراکین اساسیہ میں بعض اکابر و اراکین انتظامیہ کے علاوہ مدرسہ شاہی کے بعض فیض یافتگان بھی شریک تھے۔ مثلاً حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سیوہارویؒ اور حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادیؒ وغیرہ۔ یہ بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ سبھی ارکان جمعیۃ الانصار کے پیشِ نظر وہی سب عزائم و منصوبے رہے ہوں جو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے تھے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ پوری جماعت حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کی تکمیل میں معاون کی حیثیت رکھتی تھی۔

مرادآباد میں جمعیۃ الانصار کا اجلاس

۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں شہر مرادآباد کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ یہاں جمعیۃ الانصار کا پہلا باقاعدہ اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ اجلاس کا مرکز مدرسہ شاہی تھا۔ اس وقت یہاں کے مہتمم حضرت مولانا محمد حسن صاحب نواب پوریؒ اور صدر مدرس حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ محدث امروہویؒ تھے[1]۔ اجلاس پوری آن بان سے ہوا، اکثر اکابر دیوبند رونق افروز ہوئے لیکن رپورٹ دیکھنے سے دو باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں، اوّل یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ جو پوری تحریک کے روحِ رواں اور جمعیۃ کے اصل قائد تھے وہ اجلاس میں شرکت نہیں فرماتے، دوسرے یہ کہ جلسۂ عام میں باقاعدہ حکومت برطانیہ کی تائید و حمایت میں تجاویز منظور کی جاتی ہیں، اور شروع سے آخر تک کہیں اس کا سُراغ نہیں ملتا کہ اس جمعیۃ سے سوائے مذہبی و دینی مقاصد کے کسی سیاسی اور انقلابی منصوبہ کی تکمیل کا بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعیۃ الانصار کی سرگرمیوں کو دیکھ کر حکومتِ وقت کے کان کھڑے ہونے لگے تھے، اور یہ خدشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں جمعیۃ کی تنظیم اور اسکی کھلی پالیسی تحریک کے مرکز دارالعلوم دیوبند کے نقصان کا سبب نہ بن جائے، اس لئے جمعیۃ کی پالیسی کا ایک جزء یہ بھی رکھا گیا کہ ظاہری طور پر حکومت کی تائید کر کے بتدریج

[1] رو داد مؤتمر الانصار (ریکارڈ مدرسہ)

کام جاری رکھا جائے، مگر شاید حضرت شیخ الہندؒ اس درجہ تک بھی "مدارات" کو برداشت نہ فرما سکتے، اس لئے آپ نے اجلاس میں شرکت نہ فرمانا ہی مناسب خیال کیا۔ تاہم اس میں شک نہ ہونا چاہئے کہ مرادآباد میں اس اجلاس کا انعقاد اور اراکین و ذمہ داران مدرسہ شاہی کی اس میں شرکت مدرسہ کے فکری طور پر حضرت شیخ الہندؒ سے وابستگی کی دلیل ہے۔

تیسرا مرحلہ نظارۃ المعارف

۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں جمعیۃ الانصار بعض وجوہ کی بناپر ختم سی ہوگئی، اور حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر مولانا عبیداللہ سندھیؒ دیوبند سے دہلی منتقل ہوگئے، اور وہاں جاکر مسجد فتح پوری میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ نواب وقارالملک اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری شامل تھے۔ یہ ادارہ دراصل حامیان حریت کے لئے خفیہ مشورہ گاہ اور افراد ملت کے لئے بہترین تربیت گاہ تھا[1] یہیں سے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کا سرگرم موڑ شروع ہوتا ہے۔ اور قومی سطح پر اس وقت کے قوم پرور لیڈروں، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ سے رابطے قومی در قومی ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ دو سال تک نظارۃ المعارف کے ذریعہ افراد سازی کا کام ہوتا رہا۔ لیکن سوئے اتفاق کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ایک طرف برطانیہ اور دوسری طرف جرمن کی اتحادی فوجیں تھیں۔ جن میں ترکی کی خلافت عثمانیہ بھی مجبوراً شامل ہوگئی تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے منصوبہ کا تقاضہ کہ ابھی مزید صبر کیا جائے، اور جب پورے ملک میں مراکز دینیہ قائم ہوجائیں اور افراد تیار ہوجائیں تو بیک وقت اندرونی بغاوت کردی جائے، اور آزاد قبائلی علاقوں کی طرف سے بیرونی حملہ کا انتظام کیا جائے۔ لیکن دوسری طرف احوال جنگ کی وجہ سے ایسے ہوگئے تھے کہ برطانیہ کو جلد از جلد زک پہنچانا ضروری معلوم ہوتا تھا۔ اور صورت حال یہ تھی کہ اگر ہندوستان اس وقت غلامی کا طوق اتار پھینکے تو اس کے طفیل میں پورا ایشیا اور

---

[1] اسیران مالٹا صـ۲۷

سبھی عرب ممالک برطانیہ کے دستبرد سے محفوظ ہو جائیں گے۔ ان حالات نے حضرت شیخ الہندؒ کے نحیف و ناتواں جسم کو ہلا کر رکھدیا۔ حریت کی چنگاری شعلۂ جوالہ میں تبدیل ہوگئی۔ اور نہایت غور و فکر کے بعد آپ نے اپنی تحریک کی بساط از سرِ نو بچھانی شروع کی جس کے چند اجزاء یہ تھے:

الف: مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو کابل بھیجنا تا کہ وہ حکومتِ افغانستان سے مدد حاصل کریں، اور جلاوطن حکومت کے قیام کی سعی کریں۔

ب: خود حضرت شیخ الہندؒ کا سفر حجاز کرنا تاکہ گورنر مکہ غالب پاشا سے فرامین حاصل کر کے ہندوستان اور آزاد قبائلی علاقوں میں پہنچائیں۔

ج: ہندوستان کے اندرونی مراکز میں وقتِ مقررہ پر بغاوت کا انتظام کرنا۔

حسب پروگرام آپ نے مولانا سندھیؒ کو کابل روانہ کیا، اور خود حج کا ارادہ ظاہر کر کے سفر حجاز پر تشریف لے گئے، اور وہاں سے غالب پاشا (گورنر مکہ) انور پاشا (وزیر جنگ ترکی) اور جمال پاشا سے پیغامات اور فرامین حاصل کر کے انہیں نہایت رازداری کے ساتھ ہندوستان اور آزاد قبائل میں پہنچایا۔ یہ فرامین مولانا محمد میاں منصور انصاری اور مولانا سید ہادی حسن خانجہانپوری کے ذریعہ ہندوستان لائے گئے [1]

حضرت شیخ الہندؒ کی اسارت

حضرت شیخ الہند ستمبر ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے تھے۔ سال کے اکثر حصّہ میں آپ کا قیام مدینہ منورہ میں رہا۔ رمضان سے قبل غالب پاشا گورنر مکّہ سے ملاقات اور براہ مکران یاغستان تشریف لیجانے

---

[1] ایک لکڑی کے صندوق کے تختوں کے بیچ یہ وثائق رکھ کر ہندوستان لائے گئے تھے۔ حکومت کو بھنک مل چکی تھی، اسلئے جابجا چھاپے مارے گئے۔ خانجہانپور (مظفر نگر) میں سید ہادی حسن صاحب کے مکان پر چھاپہ پڑا۔ پولیس نے مکان کے سارے صندوق توڑ ڈالے۔ مگر اتفاق یہ کہ جس وقت پولیس پہنچی اس وقت سید صاحب وثائق نقل کر رہے تھے، جلدی میں وہ کاغذات اپنی صدری میں رکھکر اُسے کھونٹی پر ٹکا دیا۔ پولیس نے ساری حویلی چھان ماری مگر صدری کی طرف توجہ نہ ہوئی، اس طرح یہ وثائق اسوقت حکومت کے ہاتھ لگنے سے مامون رہے۔ (یہ واقعہ احقر نے اپنے خاندان کے معزز بزرگوں سے سُنا ہے جو سید ہادی حسن صاحب سے قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔ (محمد سلمان)

کی غرض سے آپ طائف تشریف لے گئے، اسی دوران جون ۱۹۱۶ء میں شریف مکہ نے بغاوت کر دی، آپ مع رفقاء طائف میں تقریباً ایک مہینہ محصور رہے، بمشکل تمام عید بعد وہاں سے مکہ مکرمہ آنا ہوا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران ایک سازش کے تحت آپ سے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف ایک فتویٰ پر دستخط کرانے کی سعی کی گئی، مگر آپ نے اپنی حمیتِ دینی اور غیرتِ ملی کی بنا پر دستخط سے انکار فرما دیا۔ اس کی خبر جب شریفِ مکہ کو ملی تو اس نے آپ کو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کر دینے کا حکم دیا، اور ہزار کوششوں کے باوجود تقدیر کا لکھا نہ ٹل سکا۔ شریف مکہ نے انگریزوں سے اپنی نت نئی دوستی کی دہائی دیکر حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے جانثار رفقاء کو بطور تحفہ دشمنانِ فرنگ کے حوالہ کر دیا۔ ان حضرات کو دسمبر ۱۹۱۶ء میں جدہ پہنچایا گیا، وہاں سے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو مصر لیجایا گیا۔ پھر وہاں سے ۱۵ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا کے جنگی قید خانہ میں محبوس کر دیا گیا، اس طرح حضرت شیخ الہندؒ کا انقلابی منصوبہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا[1]

غالب نامہ ہندوستان میں

جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز سے یاغستان جانے کی تدابیر کر رہے تھے تو آپ کے جانثار شاگرد اور احباب تحریک کی اشاعت اور آپکے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرداں تھے۔ غالب نامہ جسے حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کے ذریعہ ہندوستان بھیجا تھا، فوٹو اور نقل کراکے ہندوستان کے بڑے بڑے لیڈروں اور آزاد قبائلی علاقوں میں تقسیم کیا جا چکا تھا جس سے ان علاقوں میں زبردست جنگی جوش پیدا ہو گیا تھا[2]

جنود ربانیہ کی تشکیل

دوسری طرف حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کابل میں مصروف کار تھے، انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی ایما پر جنود ربانیہ (خدائی خدمت گار فوج) کا ابتدائی خاکہ مرتب کرایا تھا، جس کے سپہ سالار حضرت شیخ الہندؒ مقرر کئے گئے تھے، علاوہ ازیں راجہ مہیندر پرتاپ سنگھ کی قیادت

---

[1] مقام محمود ص ۲۹۶، علماء حق ص ۱۵۱ جلد ۱، اسیران مالٹا ص ۳۸، نقش حیات ص ۲۱۴ تا ص ۲۲۸ جلد ۲۔ [2] مقام محمود ص ۲۹۶

میں ایک جلاوطن حکومت کا منصوبہ بھی انہوں نے بنالیا تھا،[لہ] اور مشہور پختون مؤرخ خان غازی کابلی کی تحقیق کے مطابق ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کو پورے ملک میں اچانک اور بیک وقت بغاوت کا پلان بھی حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایت پر طے کرلیا گیا تھا[ٹہ] اور اندرونِ خانہ نہایت سرگرمی کے ساتھ تیاریاں جاری تھیں۔

راز فاش ہوگیا

مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ نے اپنی سرگرمیوں اور کارروائیوں کی اطلاع حضرت شیخ الہندؒ کو دینا ضروری سمجھا، چنانچہ مولانا سندھیؒ نے جنودِ ربانیہ کے عہدیداران سے متعلق ایک طویل مکتوب حضرت شیخ الہندؒ کے نام تحریر فرمایا۔ اور ایک خط (غالبًا مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ) نے لکھا جس میں ان کے ہندوستان آنے اور غالب نامہ مقررہ جگہوں تک پہنچانے کی تفصیلات درج تھیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ دستاویزات تھیں، یہ اہم کاغذات جولائی ۱۹۱۶ء میں عبدالحق نامی ایک شخص کے بدست کابل سے روانہ کیئے گئے، تاکہ وہ مولانا عبدالرحیم سندھی کو پہنچادے، اور وہ انہیں کسی معتبر ذریعے سے حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچانے کا نظم کریں، لیکن نہ معلوم کیا وجوہات ہوئیں کہ راستہ میں عبدالحق نے وہ کاغذات اپنے سابق آقا حق نواز یارب نواز کے حوالے کردیئے، وہ انگریزوں کا کاسہ لیس تھا، اس نے موقعہ غنیمت جان کر عبدالحق کو دستاویزات سمیت کمشنر ملتان ڈویژن کے سامنے پیش کردیا۔ اس طرح تحریک کے اہم راز حکومت کو معلوم ہوگئے۔ یہ واقعہ جولائی ۱۹۱۶ء میں پیش آیا۔ اس عجیب وغریب انکشاف پر حکومت برطانیہ دہلی سے لندن کے قصر بکھنگم تک دہل گئی، اور پوری شدومد کے ساتھ تحریک کے کارپردازوں کی گرفتاریاں اور تلاش وتفتیش شروع ہوگئی[سہ] دسمبر ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری اور مالٹا کی نظربندی بھی اسی واقعہ کے بعد عمل میں آئی۔

لہ نقش حیات ص۱۸۹ تا ۱۹۰ جلد دوم ٹہ خان غازی کابلی خدام الدین حضرت لاہوری نمبر ص۳۰۲
سہ مقام محمود ص۲۹۸

وابستگانِ شاہی کا کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے اس آخری مرحلہ میں مدرسہ شاہی کے وابستگان بھی حتی المقدور شریک رہے ہیں۔ جن میں حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب قاضی ریاست بھوپال کا نام سرفہرست ہے۔ جو مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کے اولین اراکین میں سے تھے۔ ۱۲۹۶ھ قیام مدرسہ سے لیکر وفات ۱۳۴۸ھ تک رکن رہے، اور ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۱۸ھ تک مہتمم بھی رہے۔

تحریک میں آپ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حجاز سے باقاعدہ مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کو آپ کی خدمت میں غالب نامہ لیکر بھیجا، اور تحریک کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔ مولانا محمد میاں انصاری اپنے مکتوب بنام حضرت شیخ الہندؒ محررہ ۹ جولائی ۱۹۱۶ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"قاضی صاحب نے بعد ملاحظہ والا نامہ سرپرستی قبول فرمائی۔ جماعت پر اعتماد کامل رکھ کر کام کرنے کی اجازت دی، اس کام کو باضابطہ کرنے کے لئے ایک سالہ رخصت لینے کا قصد فرما رہے ہیں[۱]۔"

حضرت قاضی صاحبؒ حضرت شیخ الہندؒ کے استاد بھائی اور حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید تھے، حضرت شیخ الہندؒ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ اور دیوبندی مکتب فکر میں آپ کی عظمت مسلم تھی، حضرت اقدس گنگوہیؒ سے ارادت کا تعلق تھا۔ آپ حجاز جاتے وقت حضرت شیخ الہندؒ کو الوداع کہنے بمبئی بھی تشریف لے گئے تھے۔ رولٹ ایکٹ کمیٹی رپورٹ میں آپ کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"یہ شخص اور قاضی محی الدین خاں قاضی ریاست بھوپال ایک ہی ہیں۔ مراد آباد (یو پی) کے نواب بشیر علی خاں کا لڑکا ہے، اس کو نواب محی الدین خاں بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اور مولانا محمود حسن دیوبندی ہم سبق تھے، اس وقت سے ان کے درمیان بڑی گہری دوستی ہے، ایم محمود الحسن کی باغیانہ سرگرمیوں سے اس کا بڑا گہرا تعلق تھا، اور سازش جہاد کا رکن تھا، جب مولانا مکہ روانہ ہوئے تو ان کو رخصت

---

[۱] تحریک شیخ الہند صفحہ ۲۶۹

کرنے بمبئی گیا تھا۔[1]

علاوہ ازیں مولانا سندھیؒ نے جنود ربانیہ کے نائب سپہ سالاروں کی فہرست میں آپ کا نام سرِفہرست رکھا ہے[2] جس سے تحریک میں آپ کے مقام کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ جب ۱۹۲۰ء مالٹا سے واپس تشریف لائے تو آپ اگرچہ ضعیف ہوچکے تھے لیکن سفر فرماکر حضرت کے استقبال کے لئے بمبئی تشریف لے گئے، آپ ایک دو یوم تاخیر سے پہنچے تھے اسی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے بمبئی سے اپنی دیوبند روانگی مؤخر فرمائی تھی۔[3]

قاضی محمد حسن مغلپوری مرادآبادیؒ

تحریک کے دوسرے اہم رکن حضرت مولانا محمد حسن صاحب مغلپوری تھے، جو مدرسہ شاہی کے ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۲۲ھ تک صدر مدرس، اور ۱۳۲۴ھ سے وصال ۱۳۶۴ھ تک مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے۔ آپ کے بارے میں رولٹ ایکٹ کمیٹی کی رپورٹ یہ ہے۔

"محمد حسن آف مرادآباد جو دربار کی نظر میں میجر جنرل ہے، بھوپال اسٹیٹ کونسل کا ممبر ہے، مولانا محمود الحسن کی جماعت کا سربرآوردہ اور ان کے وابستگان میں سے ہے وہ دیوبند کمیٹی کا ممبر ہے"[4]

نیز اس سے قبل حاجی محمد اکبر صاحب کا ذکر آچکا ہے وہ اپنے صاحبزادے عبدالسلام صاحب کے ذریعہ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کی جماعت کے درمیان خطوط رسانی کا انتظام کرتے تھے

---

[1] تحریک شیخ الہند ص۷۹ آخری حصہ۔ [2] تحریک شیخ الہند ص۲۷۴

[3] مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ حیات شیخ الہندؒ میں لکھتے ہیں۔ "اگلے ہی روز ۱۲ رمضان المبارک کو روانگی کا قصد کیا، لیکن حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے شاگرد اور حضرت مولانا کے ہم سبق اور مخلص دوست مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادیؒ اسی روز بمبئی پہنچے، قاضی صاحب نے چونکہ نہایت ضعیف اور مرض کی حالت میں محض قلبی تعلق کی وجہ سے صعوبت سفر برداشت کی تھی، حضرت مولانا کے اخلاق و مروت نے گوارا نہ کیا کہ قاضی صاحب بلا کسی راحت کے دوبارہ تکلیف سفر میں مبتلا ہوں، اس لئے ایک روز قیام فرمایا۔" (حیات شیخ الہند ص۱۲۲) [4] تحریک شیخ الہند ص۶۵

ان لوگوں کے علاوہ بھی ممکن ہے دیگر حضرات بھی ہوں، لیکن ان کے بارے میں چونکہ باقاعدہ ثبوت مہیا نہیں ہو سکا اس لئے انہیں مشخص نہیں کیا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی مرادآباد تشریف آوری

حضرت شیخ الہند رہا ہو کر جب ہندوستان واپس ہوئے تو مرادآباد میں بھی رونق افروز ہوئے۔ یہاں آپکا نہایت پرتپاک استقبال کیا گیا۔ مولانا محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں "جب ہندوستان تشریف لائے تو مرادآباد میں حضرت شیخ کو مدعو کیا گیا۔ استقبال کے لئے اسٹیشن پر مرادآباد اور اطراف کے والینٹروں کا بہت بڑا مجمع موجود تھا"۔ [۱]

منصوبہ کی ناکامی کے بعد

حضرت شیخ الہندؒ کا انقلابی منصوبہ اگرچہ ترکی اور جرمنی کی شکست کی وجہ سے روبہ عمل نہ لایا جا سکا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تحریک شیخ الہند ختم ہوگئی یا آپ نے اپنا سیاسی مذہب تبدیل کر لیا، چنانچہ ۱۹۲۰ء میں جب آپ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے تو نحیف و نزار ہونے کے باوجود آپ نے اپنی پوری قوت کے ساتھ عدم تشدد پر مبنی تحریک آزادی کو پروان چڑھایا۔ ترک موالات کا فتوی دیا۔ جمعیۃ علماء ہند (قائم شدہ ۱۹۱۹ء) میں روح پھونکی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی۔ اور اپنی جماعت کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا جس کی قیادت ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق نومبر ۱۹۲۰ء میں آپ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حصہ میں آئی، یہ تحریک شیخ الہندؒ ہی کا ایک نیا روپ تھا جو نظام جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے حضرت شیخ الہندؒ ہی کے تربیت یافتہ افراد انجام دے رہے تھے۔ علماء دیوبند نے آزادی کے سلسلہ میں اس کے بعد جو بھی قربانیاں دیں وہ درحقیقت تحریک شیخ الہند ہی کا ایک جزء تھیں۔

مدرسہ شاہی سراپا شریک

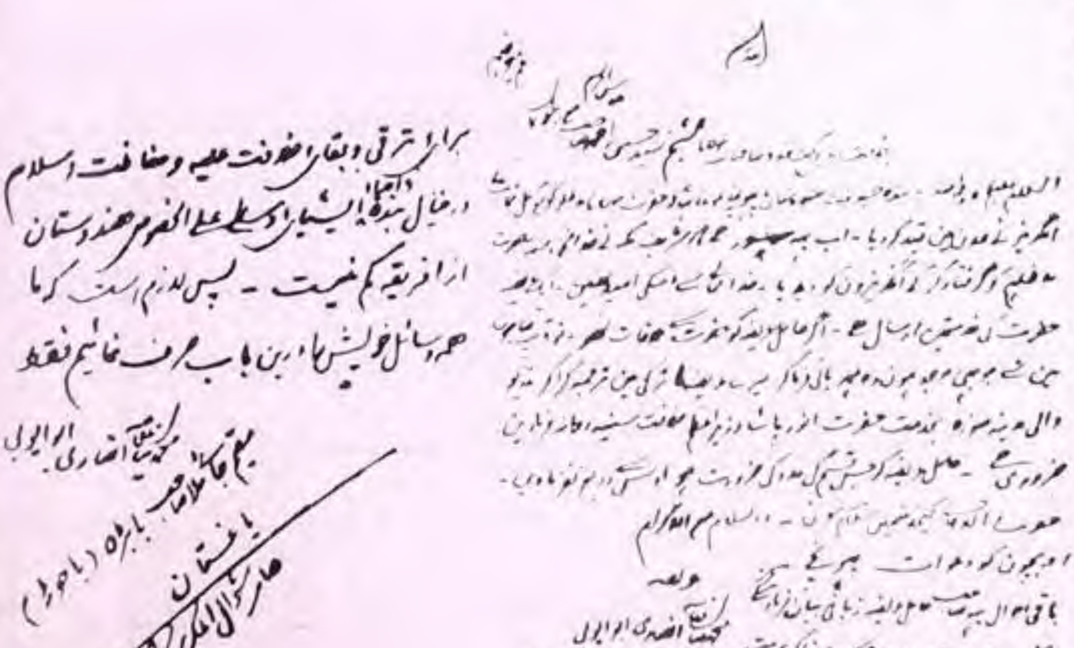
اس دور میں مدرسہ شاہی طلبہ سے لیکر اساتذہ و ذمہ داران تک شخصی ہی نہیں بلکہ ادارے کے طور پر تحریک میں شریک رہا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ، حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ،

[۱] علماء حق ص۱۶۱ جلد ۱

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ اور اس سے بڑھکر فیض یافتگان میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مجاہد ملّتؒ جیسے بے شمار حضرات بہ دل و جاں تحریک آزادی میں شریک رہے۔ الغرض فکری طور پر جمعیۃ علماء ہند، اکابر دیوبند اور مجاہدین حریت سے جتنی وابستگی اس دور میں مدرسہ شاہی کو رہی ہے وہ کسی اور مدرسہ کو حاصل نہیں تھی۔ اس دور کی قربانیاں مدرسہ کی تاریخ کا ایک روشن اور درخشاں باب ہیں۔

عکس وثائق تحریکِ شیخ الہندؒ

ذیل میں بعض ان تحریرات کا عکس پیش کیا جاتا ہے جو حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ نے یاغستان سے حضرت شیخ الہند کے لئے ارسال کی تھیں، اور جن کے افشاء کے باعث تحریک ختم ہوگئی تھی۔


برائے ترقی و بقائے خلافت علیہ و حفاظت اسلام
و خیال بندہ ... ایشیا و علی العموم ہندوستان
از افریقہ کم نیست - پس لازم است کہ ما
ہمہ مسائل خویش را دریں باب صرف نمائیم فقط



فہرست تحریرات

۱ نوشتہ جمعیۃ حزب اللہ پاکستان بخدمت اعلیٰحضرت سلطان المعظم [illegible] -

۲ نوشتہ [illegible] پاکستان بجواب [illegible] حضرت [illegible] پاشا والی [illegible]
بخدمت اعلیٰحضرت سلطان المعظم -

۳ عریضہ بندہ بخدمت حضرت مولانا [illegible] العالی -

۴ فہرست مرکز سرحد [illegible] کردہ [illegible] افغانستان -

۵ عریضہ مولوی فضل الٰہی صاحب بخدمت حضرت مولانا [illegible] -

۶ [illegible] بنام مولوی فضل الٰہی صاحب -

ان سب کا ترجمہ ترکی میں کرکر اور ایک بڑے لفافہ میں یکجا بند کرکے
اوپر حضور عالی انور پاشا کا پتہ لکھ دیا جاوے - اور والی مدینہ منورہ کی معرفت
یا جو صورت احسن آپکو معلوم ہو اوس طریقہ سے حضرت انور پاشا تک روانہ
فرمادیں - رازداری کا نہایت لحاظ رہے - اور اصل ترجمہ کی ہمراہ [illegible]
[illegible] خطوط [illegible] بعد [illegible] انور پاشا نے ترکستان [illegible]
فرمادیں - اونکا پہونچانا بہت جلد انتظام کیجائے - [illegible] اس ذکر کا
جواب اگر حضرت عالی انور پاشا سے حاصل ہو اور آپکے ہاتھ روانہ فرما سکیں تو
[illegible] - ورنہ [illegible] ترکی کو لفافہ دیا جاوے
اوس کا باضابطہ رسید لیکر ضرور روانہ فرمادیں - اگر حضرت عالی انور پاشا کے
طرف [illegible] حاصل ہو سکے تو [illegible] - [illegible]
[illegible] اگر ایرانی راہ یا بصورت صلح اوس [illegible] ریل کے ذریعے [illegible]
[illegible] ہرات وغیرہ [illegible] جاویں تو نائب السلطنت امیر [illegible] بغاوت [illegible]
[illegible] کرسکتا ہے [illegible] افغانستان [illegible] صورت میں لازم ہے [illegible]
صحیح اطلاع [illegible] افغانستان میں جس طرح [illegible] چاہئے - ہم اوس [illegible] پر اعتماد [illegible]



تحریک آزادی ہند میں وابستگانِ شاہی کا کردار

از:- مولانا اشفاق حسین صاحب قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

ہندوستان کی آزادی میں علماء اسلام اور قائدین ملت نے جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی منصف مزاج تاریخ کے طالب علم پر مخفی نہیں ہے۔ ان مخلصوں کے کارناموں پر کتنی ہی گرد اڑائی جائے اور کتنی ہی انھیں مٹانے کی کوشش کی جائے لیکن اگر تاریخ کی واقعی عینک سے دیکھا جائے گا تو یہی بوریہ نشین، اخلاص کے پیکر خادمانِ قوم و ملت ہر جگہ اور ہر موقع پر دشمن سے ٹکراتے اور حفاظتِ قوم و وطن کے لئے اپنا لہو پیش کرتے نظر آئیں گے ـــ علماء اسلام نے آزادی کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کے دو دور ہیں پہلا دور ہندوستان کی غلامی اور مغلیہ سلطنت کے خاتمہ سے شروع ہو کر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی پر ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں علماء براہ راست انگریز کے خلاف میدان جنگ میں آئے۔ اور باقاعدہ جہاد آزادی میں حصہ لیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد، علماء صادق پور وغیرہ کی تحریکات، اسی طرح شاملی اور تھانہ بھون کا جہاد اسی دور میں رونما ہوئے ـــ اور دوسرا دور ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتا ہے یہ زمانہ باقاعدہ جنگ و جدال اور جہاد کا تو نہیں۔ البتہ اس دور میں علماء نے عدم تشدد کی راہ اپنا کر انگریزی سیلاب پر بند لگانے کے لئے جہاں تعلیمی تحریک کا آغاز کیا وہیں آزادی کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ تحریک شیخ الہند جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انجام دی جانے والی خدمات اسی دور کی ہیں جن کی تفصیلات کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

مرادآباد کی مرکزیت

شہر مرادآباد ہندوستان کے ان تاریخی شہروں میں ہے جس نے اول مرحلہ ہی میں تحریک آزادی کی آواز پر لبیک کہا۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کا یہاں تشریف لانا اور قیام فرمانا ثابت ہے اور ۱۸۵۷ء کے جہاد میں تو اس شہر کو مرکزی حیثیت حاصل رہی مرادآباد کے انقلابی رہنماؤں میں بہادر شاہ ظفر کے قریبی دوست حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی مجلس کے رکن خاص اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے معتمد علیہ مولانا کفایت علی صاحبؒ کافی شہید، نواب شبیر علی خانؒ، مولانا وہاج الدین صاحبؒ عرف مولوی منّو، نواب مجدالدین صاحبؒ عرف مجو خاں اور حضرت مولانا سید عالم علی صاحب محدّث مرادآبادیؒ پیش پیش تھے چنانچہ یہاں بھی ۳ر جون ۱۸۵۷ء کو بغاوت ہوئی، اور انگریزوں کو شہر سے نکال بھگا دیا گیا' ورجو ملا اسے قتل کر دیا گیا خزانہ لوٹ لیا گیا لیکن اپریل ۱۸۵۸ء میں جب دوبارہ انگریز کا تسلط ہوا تو ان حضرات پر زمین تنگ کر دی گئی اور طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا کئی حضرات نے جامِ شہادت بھی نوش کیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مدرسہ شاہی کا قیام

۱۲۹۵ھ میں حضرت مولانا عالم صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی کی اس غرض سے بنیاد رکھی گئی کہ یہاں دین کا چرچا باقی رہے اور اسلامی اقدار کی حفاظت ہو سکے اس کی بنیاد رکھنے والے وہ بزرگ اور عارف باللہ تھے جنھوں نے شاملی کے میدان میں فرنگی فوجوں سے دوبدو مقابلہ میں حصہ لیا تھا جن کو دنیا حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے نام نامی سے جانتی اور پہچانتی تھی۔ آپ کے انقلابی جذبات کا اثر مدرسہ شاہی کے رگ و پے میں بس گیا اور اس نے آگے چل کر میدان آزادی میں ادارہ کی حیثیت سے نہایت عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ان خدمات کا ایک سبب یہ بھی رہا کہ مدرسہ شاہی میں ہمیشہ ایسے افراد خدمت درس وانتظام پر مامور رہے جو اپنے مسلک و مشرب میں پوری طرح حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے بتائے ہوئے راستے

پر گامزن رہے۔ مشہور مورّخ اور مدرسہ شاہی کے عظیم محسن حضرت مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مدرسہ شاہی کی فضا احقر کے مزاج کے مطابق تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور اثرات سے پاک تھا اس مدرسہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ تھے جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہوئے۔ مولانا موصوف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے خاص شاگرد اور سیاسی خیالات میں ان کے پکے معتقد تھے۔ زیادہ تر آپ ہی کی خدمات تھیں جن کی وجہ سے مدرسہ شاہی نے سیاسی تحریک کے سلسلہ میں خاص امتیاز حاصل کیا"[1]

ابتدائی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اکابر دیوبند کی آمد و رفت بھی مدرسہ شاہی میں ہمیشہ رہی جس کا اثر پڑنا لازمی تھا۔

۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں یہاں جمعیۃ الانصار کا عظیم الشان تاریخی اجلاس بھی ہوا جس میں اس وقت کے سبھی اکابر علماء نے شرکت فرمائی یہ اجلاس بھی آزادی ہند کی کوششوں میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اسی سال حضرت مولانا فخر الدینؒ کا مدرسہ شاہی میں بطور مدرس تقرر ہوا آپ کے تقرر کی وجہ سے مدرسہ کے سیاسی مسلک میں اور بھی پختگی آگئی۔ طلبہ میں بھی اسی انداز کے خیالات پروان چڑھنے لگے اور رفتہ رفتہ اساتذہ بھی ایسے جمع ہو گئے جو تحریکِ آزادی کے قائد کی حیثیت رکھتے تھے اور مدرسہ شاہی نے تحریک میں مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ ہم ذیل میں مدرسہ سے وابستہ اساتذہ اور بعض فیض یافتگان کی خدمات پر مشتمل ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

آپ باوجود لطافتِ طبع اور نزاکتِ مزاج کے خار زار سیاست

---

[1] رسالہ دارالعلوم دیوبند مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۳۔

سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات سے ہوا۔ اس کے بعد آپ مسلسل اس سلسلہ میں کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں سنبھل میں کانگریس کے ایک اجلاس میں آپ نے نہایت معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس کی بناپر حکومت نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ آپ جمعہ کے دن مدرسہ شاہی مسجد کے اس کمرے میں جہاں اس وقت دار الحدیث ہے، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ سنبھلی کو کچھ کاغذات دے رہے تھے کہ اسی دوران ایک سپاہی آپ کا وارنٹ لے کر پہونچا۔ آپ نے اس کو بٹھالیا اور کہا کہ کچھ دیر کے بعد چلوں گا۔ پھر آپ اس کے ساتھ نیچے اترے اور پولیس کی گاڑی میں بیٹھ کر جیل خانہ روانہ ہوگئے۔ آپ کی گرفتاری کی خبر شہر میں آناً فاناً پھیل گئی اور مکمل ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا اور ایک بڑے مجمع نے جیل خانہ کو گھیر لیا۔ آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلا کر دو سال کی سزا تجویز کی گئی اور اے کلاس مقرر کیا گیا مگر کانگریس سے صلح ہو جانے کے بعد ایک سال میں رہائی ہوئی۔

آپ نے جیل خانہ میں رہتے ہوئے صرف پچیس روز میں پورا قرآن کریم حفظ فرمایا۔ ۱۹۳۲ء کی تحریک سول نافرمانی میں آپ بھی جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے ادارۂ حربیہ کی طرف سے ڈکٹیٹر مقرر کئے گئے آپ کو دہلی پہونچ کر جامع مسجد دہلی میں تقریر فرمانی تھی۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ نے فرمایا آپ کے تشریف لے جانے پر مدرسہ خالی ہو جائے گا اس لئے میں آپ کی جگہ چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے بجائے مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی تشریف لے گئے۔ جامع مسجد میں نہایت جوشیلی اور ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس کی وجہ سے ان کو ملتان جیل میں نظر بند کر دیا گیا اور سخت ترین اذیتیں پہونچائی گئیں۔

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی لیڈروں میں شمار ہوتے تھے کانگریس سے بھی گہرا تعلق تھا کافی عرصہ تک جمعیۃ کی مجلسِ عاملہ کے رکن رکین رہے آپ مدرسہ شاہی کے نہ صرف شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے بلکہ روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۹۴۲ء کی "ہندوستان چھوڑو" تحریک میں اگرچہ آپ جیل نہیں

گئے لیکن تحریک میں حصہ لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی - اس دور میں مدرسہ شاہی کی نگرانی اور حفاظت حضرت مولانا ہی کے سپرد تھی ۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ دار العلوم کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور سحبان الہند حضرت مولانا سید احمد سعید دہلویؒ کی وفات کے بعد ۱۹۶۵ء میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر بنایا گیا ۔ آپ اخیر دم تک اس منصب پر فائز رہ کر دینی و ملی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۹۷۲ء میں مراد آباد میں وفات پائی ۔ حوض والی مسجد لال باغ کے سامنے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں ۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ

آپ بھی تحریک آزادی کے عظیم رہنما اور جمعیۃ علماء ہند کے مخلص قائدین میں تھے ۔ ۱۹۳۰ء میں جب حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ گرفتار ہو گئے اور آپ کے بعد یکے بعد دیگرے مدرسہ شاہی کے دیگر اساتذۂ حدیث حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ، حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ وغیرہ بھی نظر بند کر دیئے گئے اور مدرسہ شاہی کے تعلیمی اسباق میں حرج ہونے لگا تو اس وقت حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ نے مدرسہ شاہی کو اپنی خدمات پیش کیں ۔ آپ اس وقت مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں مقیم تھے ۔ اور فجر کی نماز کے بعد وہیں پر ترجمۂ کلام پاک بیان فرماتے تھے ۔ الغرض آپ نے گرفتار شدہ اساتذہ کی جگہ پر مدرسہ شاہی میں اسباق پڑھانا شروع کر دیئے ۔ آپ کا یہ عمل ارباب مدرسہ امدادیہ کو ناگوار گذرا اور انھوں نے آپ سے محاسبہ کرنے کی کوشش کی جس پر آپ نے مدرسہ امدادیہ سے قطع تعلق کر لیا اور پورے طور پر مدرسہ شاہی میں خدمات انجام دینے لگے اور ارباب مدرسہ کے اصرار پر آپ نے ترجمہ کا سلسلہ مدرسہ شاہی مسجد میں شروع فرما دیا ۔ آپ جو اسباق پڑھاتے تھے ان پر ملنے والا مشاہرہ گرفتار شدہ حضرات اساتذہ کے گھر پہونچا دیتے تھے ، جس سے آپ کے بے پناہ اخلاص و ایثار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

جمعیۃ علماء ہند اور اکابر جمعیۃ سے آپ کا گہرا ربط تھا ۔ جمعیۃ کے مرکزی اجلاس عام منعقدہ دہلی ۱۹۳۸ء کی آپ نے صدارت فرمائی اور معرکۃ الآراء خطبۂ صدارت

پیش کیا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ جمیعۃ علماء کے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے ہمراہ جمیعۃ کے نمائندہ کی حیثیت سے قاہرہ کی مؤتمر اسلامی میں شرکت کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ آپ ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۷۴ھ تک مدرسہ شاہی کے مسند اہتمام پر فائز رہے۔ آپ کے دور اہتمام کی تابناکی آج بھی زبان زد خاص وعام ہے ۱۳۷۴ھ میں دیوبند میں وفات پائی اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ بھی آزادی کے ان پروانوں میں سے ہیں جنھوں نے مدرسہ شاہی میں رہ کر تحریک آزادی میں قائدانہ رول ادا کیا۔ آپ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں مدرسہ شاہی میں مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے۔ جمیعۃ علماء ہند اور اکابر جمیعۃ سے محبت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی مدرسہ شاہی کی فضا میں آتے ہی اس قلبی محبت نے عملی صورت بھی اختیار کر لی۔ مراد آباد آنے کے کچھ دنوں کے بعد ہی آپ کو جمیعۃ علماء شہر کا ناظم بنا دیا گیا۔ ۳۰ء میں جمیعۃ کے تاریخی اجلاس عام امروہہ میں آپ نے بھی شرکت فرمائی اور وہاں سے قربانی کا عزم لیکر واپس ہوئے آپ نے مدرسہ شاہی میں رہتے ہوتے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "علماء ہند کا شاندار ماضی" تصنیف فرمائی۔ جس پر مقدمہ چلا اور تا برخاست عدالت آپ کو سزا سنائی گئی۔ چنانچہ جب مولانا مرحوم عصر کے وقت عدالت کٹہرے سے باہر آئے تو تمام لوگ جلوس کی شکل میں آپ کو لے کر مکان پہونچے۔ آپ کی حیرت انگیز اور محیر العقول خدمات کو اگر تفصیل سے ذکر کیا جائے تو ایک پوری کتاب بن جائے۔ آپ کو ۳۰ء، ۳۲ء، ۴۰ء اور ۴۲ء میں گرفتار کیا گیا اور ملتان جیل اور مراد آباد وغیرہ میں محبوس رہے۔ آپ ورع وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز اور اخلاص کے پیکر تھے۔ مدرسہ کے وقت کے علاوہ ملی خدمات انجام دیتے تھے۔ اور مدرسہ کے وقت میں اگر کچھ تاخیر ہو جاتی تو اس کی تنخواہ حساب لگا کر وضع کروایا کرتے تھے۔ طلبہ کو خاص انداز پر تربیت دینے کا بہترین ملکہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ۴۲ء میں ہدایہ کا سبق پڑھانے کے لئے

تشریف لائے۔ کتاب کی ابتدا تھی اور کوئٹ انڈیا تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے درسگاہ میں آتے ہی فرمایا کہ پتہ نہیں ہو سکتا ہے، کل ہندوستان آزاد ہو جائے اسلامی حکومت قائم ہو اور قاضیوں کے تقرر کی ضرورت پیش آئے لہذا پہلے کتاب القضاء پڑھ لو۔ اور یہ فرماکر کتاب القضاء کا سبق شروع فرما دیا۔ اس سے طلبہ کا ذہن کیسا بنا ہو گا۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ تقریباً ۱۹۴۶ء تک مدرسہ شاہی میں مفتی و مدرس رہے اس کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہارویؒ کے اصرار پر جمعیۃ علماء ہند کے ناظم کی حیثیت سے دہلی میں مقیم ہو گئے لیکن مدرسہ شاہی سے تعلق منقطع نہیں ہوا۔ اولاً رکنِ شوریٰ رہے۔ پھر حضرت مولانا مفتی محمد نقی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی کی وفات کے بعد ۱۳۸۱ھ سے اخیر عمر تک صدر مہتمم کے عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۳۹۵ھ میں وفات پائی دہلی میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ

آپ کی فصاحت وبلاغت اور شعلہ بیانی ملک گیر شہرت کی حامل تھی۔ محلہ دیپا سرائے سنبھل کے باشندہ تھے۔ ۲۱ء میں تحریک خلافت میں شامل ہو کر سیاست کی وادی پُر خار میں قدم رکھا جس کی بنا پر ۲۲ء میں نظر بند کئے گئے۔ دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ مشقت میں کولھو چلانا تھا۔ جسمانی اذیتیں بھی بہت برداشت کیں۔ اس کے بعد مدرسہ شاہی میں مدرس ہوئے تو آپ کی سرگرمیوں میں مزید چار چاند لگ گئے۔ اس لئے کہ مدرسہ کی فضا اور ماحول پوری طرح آپ کے لئے سازگار تھا۔ چنانچہ ۳۱ء کی تحریک سول نافرمانی میں آپ سر بکف ہو کر میدان میں آئے اور اپنی شعلہ بیانی سے عوام کے دلوں کو گرما دیا۔ نتیجہ میں گرفتار ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد رہائی عمل میں آئی۔ ۳۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ادارۂ حربیہ کے جانب سے حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کی جگہ پر آپ نے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے جامع مسجد دہلی میں جھنڈا بلند کیا اور ولولہ انگیز تقریر سے حکومت کے بام و در لرزا دیئے جس کی پاداش میں آپ کو دو سال قید بامشقت کا حکم ہوا۔ کچھ دنوں مراد آباد میں رہے۔ پھر

ملتان جیل بھیج دیئے گئے۔ جیل سے رہائی کے بعد آپ کے جذبات دوآتشہ ہوگئے اور جذبۂ حریت موجیں مارنے لگا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کو دوبارہ دوسال کے لئے مقید کیا گیا اور بریلی سنٹرل جیل میں نظربند کیا گیا۔ پھر ۱۹۴۲ء میں جب "ہندوستان چھوڑو" تحریک کا آغاز ہوا تو آپ کے لئے دل کے ارمان نکالنے کا بہترین موقع میسر آگیا۔ آپ نے ملک کے مختلف حصوں کے دورے کئے اور اپنی پرجوش تقریروں سے عوام کے جذبات میں ہیجان برپا کردیا۔ حکومت اس کو کب گوارا کرسکتی تھی۔ چنانچہ آپ کو گرفتار کرلیا گیا کچھ دن مرادآباد جیل میں رہے اس وقت حسن اتفاق سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ وغیرہ اکابر بھی نظربند تھے۔ اسی قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کو اجازت بیعت اور سند خلافت مرحمت فرمائی۔

آپ ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۶۶ھ تک مدرسہ شاہی میں مدرس رہے۔ اس دوران آپ نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کے علاوہ تبلیغ ومناظرہ کے میدان میں بھی زرّیں خدمات انجام دی ہیں۔ ۲۶ھ میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم نشر واشاعت بن کر دہلی تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ اس خدمت کو انجام دیا۔ پھر مختلف اوقات میں دارالعلوم آنند (گجرات) مدرسہ امدادیہ مرادآباد اور مدرسہ رحمانیہ مونگیر میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اس کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ آزادی کے بعد دومرتبہ کانگریس کے ٹکٹ پر ایم۔ ایل۔ اے بھی رہے۔ مختصر علالت کے بعد ۹۵ھ میں وفات پائی حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سنبھل میں مدفون ہیں۔

حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب

آپ تحریک آزادی کے روح رواں دوراندیش، معاملہ فہم، منصوبہ سازی اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ رائے میں پختگی اتنی تھی کہ جو ایک مرتبہ تہیا کرلیتے اس میں کسی قسم کی تبدیلی گوارہ نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے لیڈرا ور زعماء آپ سے مشورہ کرنے کے لئے آپ کے مکان پر حاضری

دیتے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم کانگریسی ہمیشہ آپ کے مشوروں کے محتاج رہتے۔ جن میں پروفیسر رام سرن داس، جوتی پرشاد، لالہ رام غلام اور داؤدیال کھنہ، خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں۔ آپ ۱۹۴۲ء میں بازار دودھ لینے جارہے تھے۔ راستہ میں گرفتاری کا وارنٹ ملا اور اسی وقت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ حضرت قاری صاحب مدرسہ شاہی کے قابلِ فخر استاذ تجوید تھے۔ جن کی وجہ سے مدرسہ کا شعبہ تجوید ملک گیر شہرت کا حامل بن گیا تھا۔ مدرسہ شاہی سے پہلے آپ مدرسہ امدادیہ میں مدرس تھے لیکن وہاں کے اربابِ حل وعقد کی سیاسی پالیسی اپنے سیاسی مسلک کے خلاف دیکھ کر آپ نے وہاں سے استعفاء دیدیا۔ اور ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ شاہی تشریف لے آئے۔ ۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔ حوض والی مسجد لالباغ کے سامنے آسودہ خواب ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ

حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ افضل گڈھ ضلع بجنور کے باشندہ تھے اور مدرسہ شاہی کے فاضل، اور قاری عبداللہ صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے۔ سیاسی مسلک میں بھی اپنے استاد کے ہمنوا تھے۔ تحریکاتِ آزادی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ایک سال کے لئے جیل بھی گئے۔ آپ ۱۳۶۳ھ سے ۱۴۰۲ھ تک مدرسہ شاہی میں شیخ التجوید رہے۔ ۱۴۰۲ھ میں وفات پائی۔

جناب قاری عبدالخالق صاحبؒ ٹانڈوی

آپ مدرسہ شاہی میں درجہ ناظرہ کے استاذ تھے۔ نہایت جذباتی آدمی تھے۔ جمعیۃ علماء ہند سے والہانہ وابستگی تھی۔ مرکزی وصوبائی جمعیۃ علماء کے جتنے اجلاس بھی مرادآباد میں ہوئے ہمیشہ ان میں کھانا پکوانے اور کھلانے کا انتظام حافظ عبدالخالق صاحب ٹانڈوی اور شیخ رفیع الدین صاحب شمسی مرید حضرت شیخ الہندؒ کے ذمہ رہتا تھا۔ یہ دونوں حضرات نہایت تندہی اور خلوص کے ساتھ اس ذمہ داری کو انجام دیتے تھے۔ لیکن تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کبھی ان حضرات نے جمعیۃ کا کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنا کھانا گھر سے منگا کر کھاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جمعیۃ کا نظم صرف مہمانوں کیلئے

ہے ہم اسے اپنے استعمال میں نہ لائیں گے، جمعیۃ کے اجلاسوں کے اعلان کا کام بھی حافظ عبدالخالق صاحب ہی کے سپرد ہوتا تھا۔ جگہ جگہ جا کر جلسوں کا اعلان کرتے، جو اعلان کیا ہوتا، ایک جوشیلی تقریر ہوا کرتی تھی۔ شہر مرادآباد کے سبھی علماء اور مجاہدین آزادی کے آپ معتمد علیہ تھے۔ کافی عرصہ تک آپ مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے۔ اخیر عمر میں اپنے وطن ٹانڈہ بادلی چلے گئے تھے۔ ٹانڈہ کی وسیع وعریض جامع مسجد کی تعمیر آپ ہی کی انتھک جدوجہد کی روشن یادگار ہے۔ ٹانڈہ میں وفات پائی۔ وہیں مدفون ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرما کر ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

حضرت مولانا سید اختر الاسلام صاحبؒ

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کے لائق وفائق فرزند اور تحریک آزادی کے سرگرم کارکن تھے ۱۳۵۶ھ میں مدرسہ شاہی کے مدرس مقرر ہوئے آپ رسالہ قائد کے مدیر مسئول بھی تھے ۱۹۴۲ء میں ستیہ گرہ کے دوران ٹاؤن ہال کے میدان آپنے نہایت پرجوش حکومت کے خلاف تقریر کی۔ جس کی بنا پر گرفتاری عمل میں آئی۔ آپ کے ہمراہ گرفتار ہونے والوں میں حافظ حکمت اللہ صاحبؒ، افتخار فریدی صاحب، حافظ محمد داؤد صاحب، اور منشی علیم الدین صاحب کمانڈر رضاکارانِ جمعیۃ علماء شامل تھے۔ آپ خاموش اور ٹھوس خدمت انجام دینے والے انسان تھے۔ بے مثال خوبیوں کے مالک تھے اور حلم وتدبر کے کوہ گراں تھے۔ علمی مقام میں اپنے والد ماجد کے سچے جانشیں تھے۔ مگر افسوس کہ عمر نے وفانہ کی اور ۱۳۹۸ھ میں مدرسہ شاہی میں درس کے لئے تشریف لاتے وقت راستہ ہی میں دورۂ قلب میں مبتلا ہو کر جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

جناب حافظ حکمت اللہ صاحب

آپ کافی عرصہ تک مدرسہ شاہی میں درس ناظرہ اور سفارت کی خدمات پر مامور رہے نہایت جری دلیر محب وطن اور جمعیۃ علماء کے خادم ہیں۔ آزادی کے سلسلہ میں ۱۹۴۱ء و ۱۹۴۲ء میں جیل بھی گئے۔ مرادآباد جیل میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے رفاقت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ ماشاء اللہ بقید حیات ہیں۔ اور وہی پرانے عزائم رکھتے ہیں۔

جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کے صدر بھی ہیں۔

راقم الحروف اشفاق حسین قاسمی اور رفقاء

تحریکات کے دور میں حضرات اساتذہ کی تربیت اور ذہن سازی کی وجہ سے پورے مدرسہ شاہی کا ماحول گرم تھا۔ طلبہ بھی تحریک میں اپنے اساتذہ کی سرپرستی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ راقم الحروف کو ایسے ہی زمانہ میں مدرسہ شاہی سے انتساب کا شرف حاصل ہوا جب کہ پورا ملک آزادی کے جذبہ سے سرشار تھا۔ ہر طرف تحریکیں جاری تھیں اور زعماء قوم وملت آزادی کی راہ میں قربانیاں دینے کے لئے کفن بردوش ہو کر میدان میں نکلے ہوئے تھے اساتذہ کی تربیت، خاص کر حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ کی توجہ نے مجھے اس راہ کا دیوانہ بنا دیا۔

۴۲ء میں جب کانگریس نے "ہندوستان چھوڑو" تحریک کا نعرہ بلند کیا تو اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے ایک اشتعال انگیز پوسٹر شائع کیا۔ جس میں ہندوستانیوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ٹرینوں کی لائنیں اکھاڑ دیں، ڈاکخانے لوٹ لیں، ٹیلیفون کے تار کاٹ دیں۔ آپ نے یہ پوسٹر اور پمفلٹ ایک خفیہ پریس میں طبع کرائے اور خود "ویٹ" میں اپنے برادر عزیز حضرت مولانا سید محمد اعلیٰ صاحب مرحوم کے مکان میں روپوش ہو گئے۔ اور راقم الحروف کو یہ حکم دیا کہ میں "ویٹ" پہونچوں اور غیر قانونی پوسٹر اور پمفلٹ لے کر مراد آباد آؤں۔ اور یہاں سے دوسری جگہوں تک پہونچاؤں۔ چنانچہ میں نے اپنا لباس تبدیل کر لیا اور پولیس کی نظروں سے بچتا ہوا حضرت مولانا کی خدمت میں پہونچا۔ ویٹ کے اسٹیشن پر حضرت مولانا محمد اعلیٰ صاحب میرے انتظار میں موجود تھے۔ ان کے ہمراہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ حضرت مولانا نہایت ڈھیلا ڈھالا پائجامہ اور عمدہ قسم کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا کسی جگہ کے پٹواری ہیں۔ حضرت مولانا نے خفیہ اشتہارات اور پمفلٹ میرے حوالے کئے۔ ان تمام کاغذات کو میں نے بستر میں رکھ کر باندھ لیا

اور لے کر مراد آباد روانہ ہوا۔ راستہ بھر خطرہ رہا کہ کہیں سی آئی ڈی کو بھنک مل گئی تو گرفتاری یقینی ہے۔ راستہ میں امروہہ اتر گیا اور حضرت مولانا سید اعجاز حسین صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے دولتکدہ پر حاضری دی اور انھیں سارے حالات بتائے کاغذات دیئے اور کہا کہ آپ انھیں کسی بھی طرح امروہہ میں لگوادیں۔ اور مجھے رات ہی میں مراد آباد پہونچوانے کا انتظام کر دیں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے اس کام میں پوری دلچسپی لی اور میرے لئے ایک کار کا انتظام فرمادیا۔ میں امروہہ سے چل کر رات کو تین بجے مراد آباد پہونچا۔ میرے رفقاء، مولانا عبدالرحمٰن بھاگلپوری، مولانا محمد یعقوب بھاگلپوری، مولانا منظور علی بھاگلپوری اور مولانا غلام حسین صاحب بھاگلپوری حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کی ہدایت کے بموجب میری آمد کے منتظر تھے۔ انھوں نے اسی وقت رات میں پورے شہر میں اشتہارات چپکا دیئے اور ساتھ میں اشتہار میں لکھی ہوئی ہدایتوں کے بموجب ریلوے لائنوں کے بولٹ کھولنے اور ٹیلی فون کے تار کاٹنے بھی شروع کر دیئے۔ اس کے بعد مراد آباد میں ۴۲ء کے ہنگاموں میں شدت آئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ گورنمنٹ کالج میں آزادی کے متوالوں کا جلوس شروع ہوا اور انگریز نے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلانے کا حکم دیدیا تو اس وقت میری ڈیوٹی جلوس کو ترتیب دینے کی تھی۔ میرے ذمہ اور بھی سرگرمیاں تھیں پولیس سر پر کھڑی تھی۔ میرے کانگریسی دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر تمھاری اس وقت گرفتاری ہوگئی تو تمھارے متعلقہ کام سب رکھے رہ جائیں گے۔ اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور گورنمنٹ کالج سے قلعہ والی مسجد میں اتر آیا پھر مسجد کی دیوار پھاند کر محلہ مغلپورہ میں پہونچا۔ اور وہاں سے دیگر محلوں میں ہوتا ہوا شاہی مسجد آیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جلوس پر گولیاں چلنے سے کافی لوگ زخمی ہوئے۔ جن میں جمعیۃ علماء کے رضا کاروں کے کمانڈر منشی علیم الدین صاحب کے صاحبزادے بھی شامل تھے۔

پھر جب ۴۲ء کی تحریک میں اکابر علماء مراد آباد جیل میں رکھے گئے تو میرے متعلق پیغام رسانی اور بیرونی ضرورتوں کی تکمیل کا کام تھا۔ اس وقت مراد آباد کے جیلر

عبدالرؤف صاحب تھے۔ جو نہایت بااخلاق اور علماء کرام کی عظمت کے قائل تھے بار بار آمد و رفت کی بنا پر میرے ان سے گہرے مراسم ہوگئے تھے۔ جس وقت ضرورت پیش آتی میں جیل خانہ پہونچتا۔ اور داروغہ جیل سے کہہ کر اندر چلا جاتا۔ الحمدللہ اس دور میں محبوس زعماء ملت کی خدمت کا کافی موقع میسر آیا۔ جس کو میں اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں۔

میری سیاسی تربیت میں سب سے بڑا دخل حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کو تھا انھیں کے توجہ دلانے پر میں نے فراغت کے بعد انجمن اصلاح البیان طلبہ مدرسہ شاہی سے تعلق رکھا۔ اور مدرسہ میں سترہ سال تک حسبۃً للہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ میرے والد صاحب کی شاہی مسجد کے قریب دوکان تھی۔ فراغت کے اوقات میں میں وہاں بیٹھا کرتا تھا۔ لیکن کبھی تجارت سے دلچسپی پیدا نہ ہوسکی۔ زیادہ تر وقت سیاسی سرگرمیوں میں گزرتا تھا۔ جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کا آٹھ سال سکریٹری رہا اور دو سال صوبہ جمعیۃ کا آفس سکریٹری بننے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سیوہاروی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند جب مرادآباد تشریف لاتے تو اس دفتر میں قیام فرماتے تھے، دفتر کا انتظام احقر کے سپرد تھا سب احباب اور خدام اپنے اپنے گھروں سے کھانا لے آتے اور حضرت مجاہد ملت کے ہمراہ بیٹھ کر کھاتے تھے۔

راقم الحروف پانچ سال تک مسلم پبلک لائبریری کا سکریٹری بھی رہا۔ نیز شاہی مسجد مدرسہ شاہی کے قبضہ اور تحویل میں لانے کے لئے جو عدالتی جدوجہد ہوئی اس میں بھی حتی المقدور حصہ لیا۔ اور بعد میں انتظامیہ کمیٹی شاہی مسجد کا ممبر بھی نامزد ہوا۔ میرا گھر اگرچہ مدرسہ سے زیادہ دور نہ تھا لیکن اپنی مصروفیات اور دفتر جمعیۃ کی ذمہ داریوں کی بنا پر ہفتوں ہفتوں گھر جانا نہ ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے کاروبار بالکل بند ہوگیا اور مجھے مالی بحران سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت والد صاحبؒ کی حیات تک تو میں ان امور کو انگیز کرتا رہا لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا مظفرالدین صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ اور محبی مولانا اسحٰق صاحب سنبھلی کی کوششوں سے ۱۳۸۱ھ میں باقاعدہ مدرسہ شاہی میں باتنخواہ ملازمت حصہ میں آئی اور معذوری سے قبل تک اسی

خدمت پر مامور رہا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک ۔

شہر کے وہ حضرات جو مدرسہ شاہی کے واسطے سے تحریکات میں شامل ہوئے

یہ بات اپنی جگہ پر تسلیم شدہ ہے کہ مرادآباد اور اطراف مرادآباد میں جو تحریک آزادی میں جان پڑی اور عوام میں اور خصوصاً مسلمانوں میں ملک کی آزادی کے جذبات ابھرے اور قربانیوں کا جذبہ پیدا ہوا، یہ صرف مدرسہ شاہی کا طفیل تھا۔ علماء مدرسہ شاہی نے جس طرح وطن عزیز کی آزادی کے لئے قدم بڑھایا وہ ایک قابل قدر چیز ہے جس کی وجہ سے ہندوستان میں مدرسہ شاہی کا نام روشن ہوا اور اس کا وقار بلند ہوا۔ ان کا حسن اخلاق، ان کا کردار، ان کا علمی وقار، ان کی نیکی و تقویٰ اور ان کی مروت ہر ایک ملاقاتی کی خبرگیری اور غم اور خوشی میں شرکت، یہ ایسے اوصاف تھے جس نے مسلمانوں کو گرویدہ بنا دیا تھا۔ وہ ان کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتے تھے، اور ان کے ہر حکم کو ماننا باعثِ فخر جانتے تھے ۔ ان حضرات نے ان علماء کرام سے سیاست کو سمجھا، اور ان کے دوش بدوش اور ان کے واسطے سے کانگریس اور جمعیۃ علماء میں شامل ہوئے۔ تحریک میں حصہ لیا اور قربانیاں پیش کیں، ان میں ہمارے سامنے سب سے پہلے جو نام آتا ہے۔ وہ حاجی محمد اسماعیل صاحب مرحوم محلہ لال باغ کا ہے ۔ یہ مدرسہ شاہی کے ممبر تھے اور جمعیۃ علماء مرادآباد کے ایک عرصہ تک خزانچی رہے ۔ ان کے صاحبزادے حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم سابق چیرمین میونسپل بورڈ مرادآباد ۔ یہ مدرسہ شاہی کے ممبر تھے اور ۱۹۳۰ء، ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۲ء میں جیل میں گرفتار رہے ۔ اب ان کے صاحبزادہ حاجی حافظ محمد صدیق صاحب سابق ایم، پی ۔ ایم، ایل، اے و نائب وزیر یوپی، جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کے جنرل سکریٹری اور کانگریس کے ممبر ہیں ۔ مدرسہ شاہی سے وابستہ ہیں اور اس کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کے ممبر ہیں۔

حافظ صاحب کے چچا حاجی محمد اسحٰق صاحب بہت زیادہ جذباتی تھے، میونسپل بورڈ مرادآباد کے چیرمین رہے ہیں ۔ کانگریس اور مجلسِ احرار سے وابستہ تھے بلکہ اس کے سرگرم کارکن تھے ۔ مدرسہ شاہی سے متعلق رہے ۔ اسی طرح حاجی مہربان خاں صاحب

مدرسہ شاہی کے بہی خواہ اور کانگریس کے ممبر تھے ۔

منشی علیم الدین صاحب محلہ طویلہ ، یہ جمعیۃ علما مراد آباد کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں اور رضا کاران جمعیۃ علماء شہر کے سالار تھے ، مدرسہ شاہی سے متعلق تھے، علماء کرام مدرسہ شاہی کے معتمد علیہ تھے ۔ اکابرین کے اشارہ پر تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ اور سنہ ۴۰ء، سنہ ۴۲ء میں گرفتار ہوئے ۔

حافظ داؤد صاحب شمسی محلہ تمباکو والان کے رہنے والے تھے ۔ مدرسہ شاہی سے بے انتہاء ہمدردی رکھتے تھے ۔ ان حضرات کے واسطے سے کانگریس میں شامل ہوئے سنہ ۳۰ء، سنہ ۳۲ء، سنہ ۴۰ء و سنہ ۴۲ء میں گرفتار ہوئے ۔ مراد آباد جیل میں رہے ۔ ایک ایک سال کی سزا کے بعد رہا ہوئے ۔

چودھری عبدالرب صاحب شمسی محلہ تمباکو والان کے رہنے والے تھے ۔ یہ بھی مدرسہ شاہی سے متعلق تھے ۔ اکابرین شاہی کے ساتھ خوش عقیدت رکھتے تھے ۔ سنہ ۳۰ء، سنہ ۳۲ء میں مراد آباد میں گرفتار ہوئے ۔ اسی عقیدت کی بنیاد پر کانگریس میں شامل ہوئے اور اس کے سرگرم کارکن رہے ۔

مراد آباد شہر کا ایک اور خاندان قاضی صاحبان ساکنان شوکت باغ کا رہا ہے ۔ ان میں سب سے زیادہ باوقار شخصیت اور بارعب قاضی ثروت حسین صاحب تھے ۔ مدرسہ شاہی کی شوریٰ کے ممبر تھے ۔ حضرات اکابر سے تعلق کی وجہ سے کانگریس میں شامل ہوئے اور کانگریس کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ۔

قاضی اشفاق حسین صاحب جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کے جنرل سکریٹری رہے اور مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے ۔

انھیں حضرات کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے سیاسی میدان میں قدم رکھا ۔ مدرسہ شاہی کے واسطے سے کانگریس اور جمعیۃ علماء میں شامل ہونے والوں کی فہرست بہت طویل ہے ۔ مختصراً مشہور حضرات کا تعارف کرا دیا گیا ہے ۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر واضح ہے کہ جو مسلمان مراد آباد میں کانگریس اور جمعیۃ علماء میں شامل ہوئے

یہ صرف مدرسہ شاہی کا طفیل ہے اور اس کی کاوش اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

خلاصۂ کلام

ان چند سطور سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدرسہ شاہی تحریک آزادی کے زمانہ میں کتنا فعال رہا اور نہ صرف افراد بلکہ ادارے کی صورت میں سرگرم کردار ادا کرتا رہا۔ طلبہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جمعیۃ الطلبہ اور انجمن اصلاح البیان کے پلیٹ فارم سے طلبہ کی تربیت کا انتظام کیا جاتا تھا (جس کی تفصیل میرے دوسرے مضمون میں ملاحظہ ہو) الحمدللہ آج بھی یہ ادارہ دینی وملی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ موجودہ مہتمم اور روح رواں حضرت مولانا رشیدالدین صاحب حمیدی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث مولانا حمیدالدین صاحبؒ کے صاحبزادے اور بہترین منتظم ہیں۔ آپ کے دور اہتمام میں مدرسہ شاہی میں کافی ترقی ہوئی۔ آپ نے مدرسہ کو بام عروج پر پہونچا دیا۔ اور بیرون ملک مدرسہ کو متعارف کرانے میں اہم رول ادا کیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تعمیرات جدیدہ ہیں۔ جن سے آپ کے ذوقِ سلیم اور سلیقہ مندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر شعبوں کی اصلاح کی طرف بھی آپ نے پوری توجہ دی حضرت موصوف کی نگاہ تمام شعبوں پر محیط ہے۔ اور ہر شب وروز مدرسہ کی ترقی میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے اور عمر میں برکت عطا فرمائے (آمین)



اخلاص سب سے افضل عبادت ہے

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اردو درجات

از: جناب ماسٹر طیب حسین زیدی صاحب، ہیڈ ماسٹر اردو سیکشن جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

بانیان مدرسہ شاہی نے قوم کو الحاد و بے دینی اور شرک و بدعات سے بچانے کے لئے قرآن و حدیث اور عربی زبان کی تعلیم کے ساتھ ابتداہی سے بچوں کے اردو اور دینیات کے درجات بھی قائم کئے۔ پھر ضرورت محسوس کرتے ہوئے ارباب حل و عقد نے حساب بھی شامل کیا اور اس شعبہ کا نام درجۂ ریاضی رکھا۔ چنانچہ ۲۶ نومبر اور ۱۷ دسمبر ۱۹۳۲ء کو سپرنٹنڈنٹ تعلیم مراد آباد نے معائنہ میں خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اور مفید مشورے بھی دیئے۔ اس وقت مولانا مستحسن الدین احمد صاحب اور عبدالسعید صاحب دو مدرسوں کے سپرد یہ درجات تھے۔ اور کل ۲۰ بچے تھے۔ اس کے بعد ۴ فروری ۱۹۳۵ء اور ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کے معائنوں میں درجۂ ناظرہ و حفظ کے بچوں کو بھی شامل تصور کیا گیا۔ اس سے طلبہ اور مدرسین کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اسی طرح ۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء کے معائنہ کے مطابق مدرس ریاضی کی حیثیت سے نصیرالدین صاحب رکھے گئے۔ دورِ اہتمام مفسر اعظم حضرت علامہ مولانا عبدالحق صاحب مدنی رح کا تھا۔ تعمیری کام بھی شروع ہوا۔ بچوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ جدو جہد آزادی شباب پر تھی۔ مراد آباد میں مدرسہ شاہی اس تحریک میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا علماء و طلبا سب ہی ملک کی آزادی کے لئے رہبران قوم کی پیروی میں مصروف تھے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۳۶ء کے معائنہ میں تعلیمی حالت پر اظہار افسوس کیا گیا۔ اور توجہ دلائی گئی۔ اس زمانہ میں میونسپل بورڈ کے ذریعہ ابتدائی درجات کا آخری امتحان درجہ چہارم کا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اس امتحان میں شامل کرنے کے لئے ڈپٹی انسپکٹر اسلامیہ مدارس تھرڈ سرکل بریلی نے مشورہ دیا اور دیگر اصلاحات کے لئے توجہ دلائی۔ ۱۹۴۵ء میں اس درجہ ریاضی میں تین مدرس تھے۔ منشی گل محمد صاحب۔ مولانا مستحسن الدین صاحب اور مولانا عبدالخالق صاحب۔ یہ دور بھی آزادی کی تحریکات کا تھا۔ اس میں اساتذہ طلبہ اور تمام بزرگان دین انگریز کے

خلاف نبرد آزما تھے ۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا تو بدامنیوں اور خونریزیوں کا بازار گرم ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی انتھک قربانیوں سے حالات کسی قدر پرامن ہوئے ۔ مگر سوائے چند جمہوری ذہن کے لوگوں کے اکثریت نے طاقت ہاتھ میں آتے ہی مسلمانوں کے ساتھ ایک ہزار سال پرانے انتقامی برتاؤ کو اپنا فرض عین بنالیا۔ انتقام چونکہ مسلم سے تھا اس لئے اس سے متعلق جو بھی نظر آیا نشانہ بنا ۔ اردو زبان کو یکسر ممکن نہ ہوا تو رفتہ رفتہ اس کو فنا کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ کتابوں میں صرف اپنے مذہب اور بت پرستی کی تبلیغ تھی، نام سیکولرازم تھا۔

غرضیکہ کفر والحاد کا مقابلہ کرنے، مسلم کلچر کی بقا اور مسلم قوم کے نونہالوں کو دین سے آراستہ کرنے کے لئے اور ساتھ ہی ایک اچھا شہری بنانے کے لئے قرآن پاک، دینیات اور اردو کو لازمی قرار دیتے ہوئے دیگر دنیاوی مضامین کو بھی شامل کرنے کی ضرورت پیش آئی ۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۱ء میں شیخ التفسیر و مہتمم جامعہ حضرت علامہ مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے احقر کو یاد فرمایا۔ اور ابتدائی درجات کی تنظیم و تعلیم کے لئے ہدایت فرمائی۔ اور یکم مارچ ۱۹۵۱ء سے تقرر فرما دیا۔ احقر نے دنیا و آخرت کی فلاح کا راستہ سمجھتے ہوئے حسب الحکم اور حسب ضرورت درجات کو منظم کیا۔ اور نہ صرف حساب بلکہ تعلیم قرآن کو اہمیت و اولیت دیتے ہوئے تمام مضامین، دینیات، اردو، ہندی، انگریزی، حساب، جیومیٹری، جغرافیہ، تاریخ، ہوکس (علم تمدن) سائنس اور آرٹ وغیرہ کل مضامین کو درجات کے لحاظ سے رائج کیا۔ اور سرکاری منظور شدہ کورس کے ذریعہ باقاعدہ ٹائم ٹیبل کے ساتھ تعلیم شروع کردی ۔ اردو کی بقا کا مسئلہ بہت اہم تھا اور ذہن میں سمایا ہوا تھا۔ اس شعبہ کے اسکول کو اردو سیکشن مدرسہ شاہی کا نام دے کر اشتہارات اور پوسٹروں کے ذریعہ اہل شہر اور قرب وجوار کے لوگوں کو باخبر اور آشنا کرایا۔ اس کی تفصیلات جب سامنے آئیں تو حضرت مہتمم صاحبؒ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحبؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ، قاضی ثروت حسین صاحبؒ، حضرت مولانا سید فاہم علی صاحبؒ امام شہر وغیرہ تمام ہی اکابر نے اس ترتیب و تنظیم اور اس کے اثرات کو پسند فرماتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اور زیادہ ترقی اور استقامت عطا فرمائے۔ آمین

جگہ کی تنگی کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا مظفر الدین صاحب مالک مون واچ کمپنی جو کہ اپنے خلوص اور لگن کی وجہ سے اس جامعہ کے رکن ہی نہیں بلکہ روحِ رواں کی حیثیت رکھتے تھے مدرسہ کی تیسری منزل یعنی کتب خانۂ قدیم کی چھت پر تین کمرے اپنے ذاتی سرمایہ سے بنوائے۔ ان میں اس شعبہ کا دفتر، درجہ پنجم اور درجہ چہارم رکھا گیا۔ اس دوران احقر نے حضرت مولانا موصوف اور حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ سے عرض کیا کہ شہر کے مختلف محلوں میں مدرسہ شاہی کی شاخیں کھول دی جائیں یا چھوٹے مکاتب کی سرپرستی فرمالی جائے، تو دین و دنیا کی مشترکہ تعلیم کے ذریعہ قوم کی بڑی خدمت ہوگی۔

ادھر طلبا کے قیام وطعام کے لئے دار الطلبہ کی شدید ضرورت تھی۔ اس کے لئے محترم ارکان شوریٰ تعمیری منصوبہ طے کر چکے تھے، جناب محترم حافظ محمد صدیق صاحب کے والد بزرگوار حافظ محمد ابراہیم صاحب مرحوم ومغفور چیرمین مرادآباد کے تعاون سے لال باغ کا ایک طویل قطعۂ آراضی جو اونچے ٹیلے اور گہرے غاروں کی شکل میں تھا، خرید لیا گیا تھا، اکابر مدرسہ کی سعی پیہم سے اس زمین کو ہموار کرا کے تعمیر شروع کرادی۔ اسی کے ساتھ حضرت مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب رح کی یادگار میں مدرسہ شاہی کی برانچ کی حیثیت سے حفظ الرحمٰن اسکول یا حفظ الرحمٰن ادارۂ تعلیم وتربیت کھول دیا گیا۔ اس کو علیحدہ سے رگگنائز کرایا گیا۔ حفظ الرحمٰن ادارۂ تعلیم وتربیت کا افتتاح اگست ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب سنبھلی ایم پی، حضرت محترم منشی عبد القیوم صاحب مرحوم ومغفور، حضرت حاجی محمد اسماعیل صاحب یعنی جناب حافظ محمد صدیق صاحب کے دادا صاحب، حضرت مولانا مظفر الدین صاحب۔ حضرت مولانا حکیم انظار احمد صاحب، حضرت مولانا حکیم محمد فاق صاحب مرحوم ومغفور اور حضرت مولانا حکیم محمد فاضل صاحب مرحوم ومغفور وحضرت مولانا منظور حسین صاحب قاسمی مرحوم ومغفور وغیرہ حضرات کی سعی پیہم اور دعاؤں سے دار الطلبہ، مطبخ اور حفظ الرحمٰن ادارۂ تعلیم وتربیت رواں دواں ترقی کی طرف گامزن ہوگیا۔ ۱۹۶۷-۶۸ء میں درجہ ششم بھی کھول دیا گیا۔ چونکہ جگہ کی وسعت، جائے وقوع اور دیگر کچھ وجوہ سے مجلس شوریٰ اس کو جونیر ہائی اسکول تک لے جانے کا پروگرام طے کر چکی تھی۔ ۱۹۶۸ء میں درجہ ششم کا پہلا اور آخری امتحان ہوا۔ اساتذہ میں مدرسہ شاہی سے تبادلہ کر کے ماسٹر

عبدالشہود خاں صاحب مرادآباد ایم۔اے۔بی۔ٹی کو بھیجا گیا اور ہیڈ ماسٹر امروہہ کے ریٹائرڈ مگر ماہر تعلیم ماسٹر حمیداللہ خاں صاحب مرحوم تھے، ۱۹۶۸ء کے اس پہلے امتحان میں درجہ ششم کے ۱۸ بچے شریک ہوئے۔ درجہ پنجم سے ۳۔ درجہ چہارم سے ۶۔ درجہ سوئم سے ۱۰۔ اور درجہ دوئم سے ۱۲ بچے شریک امتحان ہوئے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۶۹ء کو ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس مرادآباد کے یہاں سے رکگنشن (منظوری) کا سرٹیفکٹ ملا، جو صرف پرائمر درجات کی منظوری تھی۔ اس میں یہ بھی پابندی تھی کہ اگلے کلاس بغیر اجازت کے نہ کھولے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اکابر کی نظر میں کچھ اور مصالح بھی تھیں، جن کی وجہ سے اس چھٹے کلاس کو روک کر صرف پانچویں درجہ تک ہی باقی رکھا گیا ہیڈ ماسٹر حمیداللہ خاں صاحب کے انتقال کے بعد عبدالشہود صاحب ہیڈ ماسٹر ہوئے اور انھوں نے اسکول کو بڑی حد تک فعال بنایا۔ بچوں میں تہذیب، سلام و کلام، نشست و برخاست کھانے پینے کا سلیقہ پیدا کرایا۔ تقریری مقابلہ میں بھی امروہہ میں انعام حاصل کیا مگر ایک دور ایسا بھی آیا جس میں ہیڈ ماسٹر صاحب ذہنی طور پر بہت زیادہ پریشان اور پژمردہ رہے۔ بالآخر وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ تو سینیر اور بہت سنجیدہ طبع ماسٹر مرزا حامد بیگ صاحب کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، تھوڑے ہی عرصہ میں وہ بھی شدید علالت کے پنجے میں آگئے۔ تو پھر تھوڑے عرصہ کے لئے مدرسہ شاہی سے ماسٹر طاہر رضا صاحب کو بطور ہیڈ ماسٹر ذمہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ انھوں نے کافی سدھار پیدا کیا، بچوں کی تعداد بھی خوب بڑھی لیکن تعلیمی سال پورا ہونے پر سید طاہر رضا صاحب کو ضرورتاً مدرسہ شاہی واپس بلایا گیا۔ اور یہاں سے ماسٹر مرزا شاہد بیگ صاحب کو حفظ الرحمٰن اسکول کا ذمہ دار بنا کر بھیجا گیا۔ تقریباً ۱۱ ماہ میں باقاعدہ ہیڈ ماسٹر کا تقرر ہوا۔ اب ماسٹر عبدالباری صاحب حفظ الرحمٰن اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ اور پھر دس ماہ بعد مدرسہ شاہی سے ایک دیرینہ فرزند اور تجربہ کار ماسٹر مولانا عبدالواحد صاحب قاسمی کو ہیڈ ماسٹر بنا کر حفظ الرحمٰن اسکول بھیجا گیا۔ جو تاحال اسکول چلا رہے ہیں۔

اردو سیکشن مدرسہ شاہی اور حفظ الرحمٰن اسکول کا نصاب تعلیم جو تاحال رائج ہے حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب صدر مہتمم جامعہ قاسمیہ و سکریٹری جمعیۃ علماء ہند نے احقر اور ماسٹر عبدالشہود خاں صاحب مرحوم کے مشورہ سے مرتب فرمایا اور دینیات کی تعلیم کے لئے

دینی تعلیم کے رسائل مختصراً شامل فرمائے، مدرسہ شاہی کی کل عمارت میں بوسیدگی آتی جارہی تھی
درو دیوار کسی مصلح و مربی کی تشریف آوری کے لئے دعائیں کررہے تھے، بزرگوں کی اس یادگار اور ہم سب
کی خوش نصیبی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الحاج الحافظ مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی
مدظلہ العالی کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا اہتمام سنبھالنے کے لئے مقرر فرمایا۔ حضرت موصوف
نے مدرسہ کے ہر گوشہ پر نظر عمیق توجہ فرمائی۔ اور مخصوص مشفقانہ اور ظریفانہ انداز سے حالات کا جائزہ
لے کر تعمیری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ زمانہ
کی آنکھیں کھولدیں۔ مدرسہ کی تعمیر جدید اس انداز پر فرمائی کہ اسی محدود زمین پر نہایت صاف
ستھرے کشادہ کمرے خوبصورت اور کشادہ راستے اور زینے نظر آنے لگے۔ آج وہی شعبۂ اردو
یا اردو سیکشن کے درجات نہایت بارونق ہیں۔ لال باغ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کے
تصرف اور توجہ سے دارالطلبہ لال باغ کو جو چار چاند لگے ہیں، تاریخ اسے سنہری حرفوں میں یاد رکھے گی۔
جہاں گہرے گہرے غار اور ببول و بیری کے جنگل تھے وہاں آج کروڑوں روپے کی وسیع اور سہ منزلہ عمارت
کھڑی ہے۔ ساتھ ہی اس کے ایک شاندار وسیع مسجد مدنی مسجد کے نام سے وجود میں آئی جس کی دیواروں
میں سنگ مرمر جڑا ہوا ہے۔ اسی طرح شاہی مسجد بھی سنگ مرمر سے مزین ہورہی ہے اور لطف یہ ہے کہ
بغیر زمین میں ایک انچ اضافہ کے عمارت کی گنجائش میں تقریباً دوگنے کا فرق اور خوبصورتی ہزار گنی۔
میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے لئے جس طرح شاہجہانی دور خوشحالی اور تعمیرات کے لئے مشہور
ہے۔ اسی طرح مدرسہ شاہی کے لئے یہ شاہجہانی دور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خیر و برکت کو تا قیامت
باقی رکھے۔ (آمین)

قصیدة لامیة

فی مدح المدرسة العربیة الجامعة القاسمیة الواقعة ببلدة مراد آباد صانها الله تعالیٰ عن کل فتنة وفساد

ابو المکارم محمود الحسن القاسمی الاشرفی الچشتی الحنفی من شرکاء دورة الحدیث الشریف بالجامعة القاسمیة بمراد آباد سنة ۱۳۹۶ھ

نسیم الصبا هبت صباحا بمنزل　　وبالطیب قد ازهت بعرف التوابل
فقلت لها اهلا وسهلا ومرحبا　　لاذ هبت حزنی بالهبوب بمعزل
ومن این هذا الطیب روحی فدیٰ له　　فداه شمیم فی عرار وسنبل
فقالت الا هذا شمیم حدیقة الـ　　ـعلوم الدین المصطفیٰ ذی الدلائل
بارض مراد آباد فی الهند لامعة　　وشرفها رب الوریٰ بالتقبل
بناها امام العصر والقطب قاسم　　امین علوم الدین شمس الافاضل
فزرها سریعا ایها الطالب العلی　　یشرفك رحمٰن بمجد مؤثل
فرحت بفحواها فرحت مسافرا　　الیها باخلاص لنیل الفضائل
فوالله اذ ما زرتها قد وجدتها　　لعطشی علوم الدین اصفی المناهل
مشائخها ارباب مجد وسوددٍ　　ائمة اصحاب التقیٰ والتفضل
باخلاقهم عادوا کاصحاب صفةٍ　　قلوب لهم مصقولة کالسجنجل
واسبقهم عصرا وفضلا وخدمةً　　فاحمد حسن ذو المجد بحر الفواضل
وقد کان عبد الحق فیها مفسرا　　وکان لبید العصر نور المحافل
وقد کان فخر الدین لحمد شیخنا　　یحدث فیها بالبیان المفصل
وکان امام العصر فخر زمانه　　وحافظ اخبار الرسول المفضل۳

وَاذا اصار فی دار العُلوم مُحدّثاً بُعید حُسین احمد العارف الولِ
فقام الامام الاعظمیُّ مقامه یُحدّثُ فیها بالبیان المجمّلِ
فعبدُ لجبّار امین شرِ یُعةٍ وانور هٰذا العصر فخر الاماثِلِ
وعبدُ لرحمٰن فقیه زماننا یُدرّسُ فیها بالکلام المُدلّلِ
واختر اسلام سِراج هدایةٍ وواحد رِضا المفتی الجمیل الشّمائِلِ
وسیّدنا العلّام ارشد شیخنا سُلالة مولٰنا الحُسین المبجّلِ
ومَخدُومُنا العلّام ذوالجُود کامِل امام لِقراء الکتاب المُرتّلِ
واستاذنا المنظُورُ علّامة الزّمن فذٰ کم یُدیرُها بوجهٍ مُجمّلِ
سلامٌ علیکم والفؤاد فدیٰ لکُمُ وریّاکم فاحتْ کریحُ القرنفلِ

بانی اور سرپرستان

از
حضرت مولانا
مفتی ظفیر الدین صاحب
مفتی دار العلوم
دیوبند

فیضانِ قاسمی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ شاہی کی حیاتِ مقدسہ کا عکس جمیل

گرد و پیش ۱۸۵۷ء کے بعد جب برصغیر پر انگریزوں کا پورے طور پر تسلط ہو گیا اور علماء اور دانشوران ملّت اور عام مسلمانوں کا انگریزی حکومت نے بے دریغ قتل عام شروع کر دیا اور انھیں کالا پانی بطور سزا بھیجا تو وہ وقت بڑا پر آشوب تھا مسلمانوں میں خوف وہراس پیدا ہونا قدرتی تھا۔ پھر اسی کے ساتھ پوپ پادریوں کا جم غفیر ہندوستان کی سرزمین پر اتارا گیا کہ وہ مذہب عیسوی کی تبلیغ سرگرمی کے ساتھ کریں اور یہاں کے باشندوں کو خوف اور لالچ میں لاکر ان کا مذہب تبدیل کرانے کی جد و جہد کریں۔ چنانچہ ان پادریوں کے لئے ایک فوج تیار کی گئی جس کا نام "مکتی فوج" رکھا گیا۔ یہ ان کی مدد میں پیش پیش رہنے لگی اسی کے ساتھ اسلام کے خلاف پادریوں نے زبان درازی بھی شروع کر دی۔ فاتح قوم کی حیثیت سے انگریز چھاتے چلے گئے۔

بچے کھچے جو چند علماء دہلی کے آس پاس قصبات میں رہ گئے تھے وہ ان حالات سے بہت رنجیدہ اور دلگیر ہوئے اور محسوس کیا کہ اگر اس حملے کی مدافعت نہ کی گئی تو مسلمانوں کا اپنے مذہب اسلام پر باقی رہنا مشکل ہو جائیگا حکومت تو جا ہی چکی ہے دین وایمان بھی خطرہ میں پڑ جائیگا اور

یہاں عیسائیت کا زور بڑھ جائے گا۔

ان علماء میں جن کو زیادہ فکر تھی ان میں ممتاز حیثیت کے حامل حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ ان میں ایک مرشد کی حیثیت رکھتے تھے اور دو مسترشدین کی۔ ان سب پر بھی حکومت نے مقدمات قائم کر رکھے تھے اس لئے کہ یہ حضرات مسلمانوں کے ساتھ شاملی کے میدان میں انگریزی حکومت کے خلاف قائدانہ طور پر داد شجاعت دے چکے تھے۔ مرشد نے تو ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ حضرت گنگوہیؒ نے چھ ماہ کی سزا بصورت جیل برداشت کی۔ حضرت نانوتویؒ کسی طرح بچ بچا گئے تھے۔ حکومت نے جب عام معافی کا اعلان کیا۔ اس وقت بھی بہت سارے علماء پر مقدمات قائم تھے اور یہ روپوش ادھر ادھر منتشر تھے۔

الہامی تحریک

ان حضرات نے سر جوڑ کر غور وفکر کیا کہ اس برّ صغیر میں مسلمانوں کو مذہب اسلام پر قائم رکھنے کی کیا صورت اختیار کی جائے اور یہ کہ مسلمانوں کا مستقبل کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔ یوں حضرت نانوتویؒ نے عیسوی مذہب کے خلاف بولنا شروع کر دیا تھا اور مختلف محاذ سے پوپ پادریوں کے مقابلہ کی ابتداء کر چکے تھے آپ کے تلامذہ آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نازک ترین وقت میں ان حضرات کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ مستقل تحریک کی صورت اختیار کی جائے چنانچہ اس کے لئے پورے ملک میں مدارس دینیہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں بانی مدرسہ شاہی مراد آباد پیش پیش تھے وہ چاہتے تھے کہ تیزی کے ساتھ مدارس اسلامیہ کا جال پھیلا دیا جائے جس کے لئے وہ بے چین نظر آتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ایک الہامی تحریک تھی۔

اب تک عام طور پر مدارس کسی نواب یا رئیس کی مدد سے چلتے تھے۔ مگر حکومت کی تبدیلی اور نئے انقلاب کی وجہ سے یہ صورتِ حال بالکل بدل چکی تھی اس لئے غور کرنا پڑا کہ ان مدارس اسلامیہ کے چلانے کی صورت کیا ہو؟ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں انقلابی بات ڈالی وہ یہ کہ بہتر صورت اس کی یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے چندے سے ان مدارس کو چلایا جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مدارس کا تعلق عوام سے مضبوط ہوگا۔ وہ مالی امداد بھی کریں گے۔ اور اپنے بچوں کو بھی مدارس بھیجیں گے اور ان مدارس کو اپنا دینی قلعہ سمجھیں گے۔ اس مشورے کے لئے حضرت نانوتویؒ کو بار بار پنجاب کا سفر کرنا پڑا۔ جہاں ان کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ قیام پذیر تھے۔

اپنی اس اسکیم پر جب ان حضرات کو انشراح ہوگیا تو اس سلسلے کا پہلا مدرسہ دیوبند قصبہ میں جاری کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مرکز کی حیثیت عطا کی اور آج وہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کے نام سے پوری دنیا میں جانا پہچانا جاتا ہے جہاں سے ہزاروں علماء و مشائخ پیدا ہوئے۔ جنھوں نے جنگِ آزادی کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دیوبند کی تحریکِ آزادی نہ ہوتی تو شاید برصغیر کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ آج کی آزاد حکومت تاریخ کو جس طرح چاہے بگاڑے اور تبدیل کرے مگر یہ حقیقت کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہے کہ آزادی کا جھنڈا سب سے پہلے علماءِ دیوبند نے اٹھایا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک ملک آزاد نہ ہوگیا۔ یہ سارے علماء جو جنگ آزادی میں آگے رہے وہ سب حضرت نانوتویؒ کے روحانی اولاد تھے اور ان کے فیض یافتگان کا مسلسل سلسلہ تھا اور جو پامردی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔ دوسرے لوگ بعد میں آکر شریک ہوئے۔

سنہری کڑیاں

مغربی یوپی میں زیادہ تر مدارس دینیہ حضرت نانوتویؒ کے ہی قائم کردہ ہیں، گلاوٹھی کا مدرسہ نگینہ کا مدرسہ، مظفرنگر کا مدرسہ اور اسی طرح مدرسہ شاہی سب اسی سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ کی صف میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا منصور علی خاںؒ مرادآبادی حضرت مولانا رحیم اللہ صاحب بجنوریؒ، حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ حضرت مولانا فخرالحسن گنگوہیؒ اور دوسرے علماء نمایاں تھے۔

علم حدیث کا سلسلہ انھیں علماء کرام سے پھیلا، جن کے نام اوپر آئے۔ دیوبند میں شیخ الہندؒ تھے، مرادآباد میں مولانا منصور علی خاںؒ، امروہہ میں مولانا احمد حسنؒ، دہلی میں مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ، اور اس طرح دوسرے شہروں میں، دوسرے علماء۔ حضرت نانوتویؒ اپنے دور کے شاہ ولی اللہؒ تھے۔

آپ کے اخلاص اور حسن عمل کا ہی ثمرہ ہے کہ آج پورے برصغیر میں علم حدیث اور فقہ اور دوسرے علوم دینیہ کا چرچہ ہے۔ اور یہ مدارس دینیہ مختلف علوم وفنون کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور دن رات مدارس کا سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے ان تمام مدارس کا سلسلۂ نسب حضرت نانوتویؒ اور دارالعلوم دیوبند سے جا کر ملتا ہے۔

مولانا منصور علی خاںؒ نے لکھا ہے۔

"ہندوستان میں اکثر مقامات پر مدارس دینیہ جناب مولانا محمد قاسمؒ کی رائے اور مشورہ سے جاری ہیں، خصوصاً مدرسہ دیوبند میں اکثر طلبہ علم دین کی تحصیل کر کے اشاعت اسلام میں سعی کرتے ہیں۔ اول مولانا مرحوم نے اسی مدرسہ کو چندہ سے قائم کیا تھا اور اب

بفضلہ تعالیٰ خوب ترقی حاصل کر رہا ہے۔" (مذہب منصور ص ۱۷۸ ج ۲)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ ولی کامل تھے آپ کے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ (م ۱۳۱۷ھ) نے آپ کے والد محترم کو لکھا تھا "شکر کنید کہ خدائے تعالیٰ شمارا یک ولی کامل عطا فرمودہ کہ بہ برکت انفاس او ایں چنیں اعمال نیک و رضامندی اللہ و رسول بظہور آمد والا ایں ہمہ کس را نہ دہند" (امداد المشتاق ص ۲۵۳)

یہی وجہ ہے کہ آپ نے جس مدرسہ کو قائم کیا یا آپ کے مشورہ سے قائم ہوا اس سے اشاعت دین کی بڑی خدمت انجام پائی اور کتاب و سنت کی خوب خوب اشاعت ہوئی۔ ایسی اشاعت جس کا تصور بھی آج مشکل ہے۔

مدرسہ شاہی

انھیں مدارس دینیہ میں ایک ممتاز مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد بھی ہے جس کے اولین صدر مدرس آپ کے ہر دلعزیز شاگرد مولانا احمد حسن امروہویؒ ہوئے۔ اور پھر مولانا منصور علی خاں مراد آبادیؒ۔ یہ مدرسہ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں قائم ہوا تھا اور اب تک ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا اشاعت دین میں مشغول ہے اس مدرسہ سے جن بزرگوں نے علم و عمل کی دولت حاصل کی، ان میں حضرت نانوتویؒ کے فرزند ارجمند اور دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ، رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، ان کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہؒ حضرت مولانا مفتی عبد اللطیف صاحبؒ سابق صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد اور دوسرے سیکڑوں علماء و مشائخ، جنھوں نے اپنی اپنی پوری زندگی خدمتِ دین میں صرف کی۔ اور کتاب و سنت کی اشاعت میں اور اس کی تعلیم و تربیت میں پوری زندگی گذاری اور ان سے ہزاروں مسلمانوں نے راہ ہدایت پائی ہے اور آج جو حضرت مولانا رشید الدین حمیدی صاحب

کے اہتمام میں چل رہا ہے ۔

بدعات و رسوم کی بیخ کنی

حضرت نانوتویؒ نے اپنے زمانہ میں بہت ساری غلط رسموں اور بدعتوں کو ختم کیا بیوہ عورتوں کی شادی اس زمانہ میں بہت معیوب سمجھی جاتی تھی ۔ جوانی میں اگر کوئی مسلمان عورت بیوہ ہوگئی تو پوری زندگی وہ بغیر شوہر کے گذارنے پر مجبور ہوتی تھی ۔ حضرت نانوتویؒ نے اس کے خلاف بڑی جدوجہد کی اور اس غلط رسم کو ختم کرانے میں کامیابی حاصل کی ۔ اسی سلسلہ میں اپنی بیوہ بوڑھی بہن کی شادی کرائی ، اپنی خالہ کی بیوہ ہونے کے بعد دوسری شادی کرائی اور سیکڑوں بیواؤں کی شادی آپؒ کی محنت اور کوشش سے ہوئی ۔

ایک دفعہ آپ کی خالہ صاحبہ آئیں اور آپ سے فرمانے لگیں کہ تم نے میری دوسری شادی کرائی تھی ۔ اب نکاح ثانی سے جو اولاد ہوئی ہے کوئی اس سے شادی کرانے کے لئے تیار نظر نہیں آتا ہے میرا لڑکا عبداللہ جوان ہو چکا ہے اور کوئی اس کو لڑکی صرف اسلئے دینے پر آمادہ نہیں ہے کہ وہ نکاح ثانی سے پیدا ہوا ہے ۔ یہ سنکر آپ کو بڑا صدمہ ہوا کہ اب بھی مسلمانوں کا یہ حال ہے اور اب تک ان کے ذہنوں سے یہ پرانی باتیں ختم نہیں ہوسکی ہیں ۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی خالہ صاحبہ سے فرمایا کہ :

"اس کو میں اپنی بیٹی دوں گا" (آپ فکر نہ کریں)

اس کے بعد خط لکھ کر یا آدمی بھیج کر گنگوہ سے اپنے ہم سبق حضرت گنگوہیؒ کو بلایا ۔ جمعہ کے دن موذن سے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کردو کہ آج حضرت گنگوہیؒ کا وعظ ہوگا ۔ وہ تشریف لا چکے ہیں پھر خود جمعہ سے پہلے اپنی حویلی میں تشریف لے گئے ۔ جس صاحبزادی کی

کی مولانا عبداللہ سے شادی کرنا چاہتے تھے دیکھا کہ اس کو بخار ہے یہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی اولاد تھی۔ چنانچہ اسی حال میں صاحبزادی کے پاس پہونچے اور ان سے شرعی قاعدہ کے مطابق نکاح کی اجازت چاہی کہ فلاں سے تمہارا نکاح کرنے جارہا ہوں۔ شرعی طور پر لڑکی کی طرف سے اجازت ہوگئی۔

جمعہ پڑھنے مسجد میں تشریف لائے۔ موذن نے وعظ کا اعلان کردیا تھا لوگ نماز پڑھ کر مسجد میں رک گئے وعظ سے پہلے اس مجمع عام میں آپؒ نے اپنی لڑکی کا مولانا عبداللہ سے نکاح پڑھایا۔ پھر حضرت گنگوہیؒ کا وعظ ہوا۔ وعظ جب ختم ہوچکا تو حضرت گھر تشریف لائے اور بچی کو ان ہی کپڑوں میں جو پہلے سے پہنے ہوئی تھی،

"ڈولی میں بٹھاکر رخصت کردیا"۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۵۴۸)

خود سوچئے کیا اب بھی اس زمانے میں کسی عالم دین، رہنما اور لیڈر یا مرشد میں یہ اسلامی جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ جتنے مشہور پیر اور مولانا ہوتے ہیں۔ اس کے مطابق بڑے سے بڑا اور زیادہ سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ نمود و نمائش کا مظاہرہ ہوتا ہے اور نہ معلوم کیا کیا ہوتا ہے الا ماشاء اللہ۔ پہلے جیسی سادگی، اخلاص اور حسن عمل کا دور دور تک نام و نشان نظر نہیں آتا۔

اخلاص کا ثمرہ

دارالعلوم دیوبند، جامعہ شاہی مرادآباد اور دوسرے مدارس کا فیض آج جو عام ہے اور مسلسل جاری ہے وہ بانی کی للّٰہیت و اخلاص اور حسن عمل کا نتیجہ ہے۔ آپؒ سراپا عمل تھے، جو کہتے تھے، وہی کرتے بھی تھے، کہنا چاہئے کہ عمل کے پیکر تھے۔

سوانح قاسمی میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ!

"حضرت نانوتویؒ کے مزاج میں حرارت بہت تھی اور موسم گرما میں سرد مکان بہت مرغوب تھا۔ مدرسہ میں ایک سرد خانہ تیار

ہوا (اس زمانہ میں گرمی بہت شدید ہوتی تھی) اور اس وقت
گرمی کی بہت شدت تھی۔ مولوی رفیع الدین نے عرض کیا کہ
سردخانہ تیار ہے وہاں دوپہر کو آرام کیا کیجئے۔ فرمایا! ہم کون ؟
جو اس میں آرام کریں۔ وہ حق ہے طالب علموں کا۔"
سوانح قاسمی ج ۱ ص ۵۳۷

اس سے اندازہ لگائیں، حضرت کے یہاں حقداروں کے حق کا کتنا لحاظ تھا اور غیر کے حق کے استعمال سے کس قدر اجتناب تھا۔ آگے مورخ نے لکھا ہے۔

"حضرت نے صرف یہ فرمایا ہی نہیں بلکہ برابر اس پر عمل رہا اور کبھی آپ نے سردخانہ (تہ خانے) میں جاکر استراحت نہیں فرمایا اور گرمی کی شدت برداشت کرتے رہے۔"

خودداری اور عمل کا پاس و لحاظ ہمیشہ رہا۔ عسرت کی زندگی گزاری مگر کسی کا احسان لینا پسند نہیں کیا۔ کوئی آپ کے لئے مکان پیش کرتا مگر آپ قبول نہ فرماتے۔ کوئی کچھ دوسری چیزیں پیش کرنا چاہتا لیکن آپ منظور نہیں کرتے۔ ماننے والوں اور عقیدتمندوں کی کمی نہیں تھی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ!

"بلامبالغہ عرض کرتا ہوں کہ چاہتے تو سونے کی دیواریں بنالیتے
مگر حال یہ رہا کہ مدرسہ دیوبند کے مکان کو لاکھوں اینٹوں سے
تعمیر کرادیا مگر اپنے گھر میں ایک پھوٹا روڑا بھی نہ لگوایا (سوانح قاسمی)

معمولی گھروں میں رہنا پسند کیا، مگر اپنے مریدوں سے کچھ لینا پسند نہیں فرمایا۔ تھوڑی بہت، وطن میں کاشتکاری تھی اسی سے اپنا خرچہ پورا فرماتے تھے۔ زندگی بالکل سادہ تھی۔ لباس و خوراک، اور رہن سہن میں بڑی قناعت پسندی تھی۔ مشہور ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں مدرسی بھی

قبول نہیں کی اور نہ خدمت کا کوئی معاوضہ لینا گوارہ کیا۔ سوانح نگار نے لکھا ہے کہ

"اوائل میں اہل شوریٰ نے درخواست کی کہ آپ بھی مدرسہ کی مدرسی قبول کرلیں اور اس کے عوض کسی قدر تنخواہ، مگر قبول نہیں فرمایا۔ اور کبھی کسی طور یا ڈھنگ سے ایک حبہ تک مدرسہ سے لینے کے روادار نہ ہوئے۔ حالانکہ رات دن مدرسہ کی خوش اسلوبی میں مصروف رہتے اور تعلیم میں مشغول۔" (سوانح قاسمی)

احتیاط پر پورے طور پر عمل تھا اور اتقوا مواضع التھم پر برابر نظر رہتی۔ حد یہ ہے کہ:

"اگر کبھی بضرورت مدرسہ کے دوات و قلم سے کوئی اپنا خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسہ کے خزانے میں داخل کر دیتے۔"

اور فرماتے!

"بیت المال کی دولت ہے ہم کو اس پر تصرف جائز نہیں" (ایضاً ج ۱ ص ۵۳۶)

دارالعلوم دیوبند یوں ہی مرکز نہیں بن گیا اور پوری دنیا میں اسکو یوں ہی قبولیت عامہ حاصل نہیں ہو گئی ہے بلکہ یہ سب بانی کا اخلاص تھا اور اس کی زندگی کا عکس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی لاج رکھ لی اور تاقیامت کے لئے اس کا فیض جاری کر دیا۔ چنانچہ دنیا مدارس دینیہ کے سلسلے سے برابر فیضیاب ہو رہی ہے اور یہی حال جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کا رہا۔ یہاں سے جو علماء متعلق رہے وہ برابر جنگ آزادی میں آگے آگے نظر آئے۔

وعظ و تقریر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل سے بہت اچھی طرح نوازا تھا۔ اپنے دور کے بڑے جیدالاستعداد عالم دین تھے وعظ و تقریر میں بڑا ملکہ راسخہ حاصل تھا اور بڑی مؤثر تقریر ہوا کرتی تھی۔ حدیث کے درس میں بڑے عمدہ نکات بیان فرمایا کرتے تھے جسے سنکر ہر شخص

حیران وششدر رہا کرتا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رح (م ۱۲۹۷ھ) آپ کے بعض کتاب میں استاذ تھے۔ ان کے متعلق مولانا منصور علی خانصاحب رح (م ۱۳۳۷ھ) نے لکھا ہے۔

"ایسے نکاتِ حدیث وقت درس کے مولانا قاسم صاحب نے بیان کئے کہ مولانا احمد علی صاحب مرحوم مجمع عام میں طلبہ فارغ التحصیل کے روبروان توجیہات مولانا مرحوم کو بیان فرماکر مولانا محمد قاسم رح کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔"

آپ کے وعظ کے سلسلے میں پادریوں کا تاثر تھا کہ اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس قاسم نامی شخص پر ایمان لے آتے۔ ایک ہندو کا بیان تھا کہ مولانا نے ایسی تقریریں کیں کہ پادریوں کو جواب تک نہ آیا۔ کوئی اوتار ہوں تو ہوں مگر آپ کا یہ حال تھا کہ آپ کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ

"اس مقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات کے حجرے میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ بھی ٹوٹی ہوئی گویا عمر بھر کے لئے اسی پٹائی کو منتخب فرمالیا تھا نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گٹھری تھی۔"

آگے یہ حال لکھا ہے

"سفر میں بھی کوئی اہتمام نہ تھا۔ اگر کبھی ایک، آدھ کپڑا ہوا۔ تو کسی کے پاس رکھوا دیا۔ ورنہ اسی ایک جوڑے میں پورا سفر ہوا جو حضر میں پہنے ہوتے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار دیئے اور خود ہی دھو لئے۔" (سوانح قاسمی، ج ۱ ص ۵۲۱)

حدیث پر عمل: — دراصل آپ کا عمل اس حدیث نبوی

پر تھا جس میں فرمایا گیا کُنْ فِی الدُّنیا کانکَ غریبٌ اوْ عَابِرُ سَبِیْل
مہمان نواز بھی تھے اور ان میں جو پھٹے حال میں ہوتا اس کی بھی اسی طرح عزت کرتے تھے، جس طرح دوسرے سر برآوردہ علماء اور مہمانوں کی۔ ملازم یا شاگرد اگر ایسے دیہاتی کو نظر انداز کرتا تو خود آگے بڑھ کر ہاتھ دھلاتے اور دسترخوان پر بٹھاتے اور اس کے احترام واکرام میں ذرا بھی کمی کو پسند نہیں کرتے تھے سوانح نگار نے لکھا ہے۔

"مہمان آپ کے یہاں دور نزدیک سے امیر و غریب سبھی قسم کے اکثر ہوتے تھے۔ جوق در جوق لوگ ہر طرف سے آتے، مگر اس کثرت پر کبھی تنگ دل نہ ہوتے اور کمال کشادہ پیشانی سے ان مہمانوں کی مدارات کرتے"۔

یہ بھی لکھا ہے کہ

"جس دن مہمان زیادہ ہوتے اس دن بہت خوشی ہوتی اور جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا اس دن انتظار فرماتے"۔

دنیا سے بے نیازی

مگر کسی مالدار رئیس کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے، ایک دن ایک رئیس التجار حاضر ہوئے اور کافی روپئے پیش کئے کہ اسے قبول فرما لیا جائے۔ حضرت نے انکار فرمادیا۔ کہ اس کی ضرورت قطعاً نہیں ہے۔ اس رئیس صاحب نے ان روپوں کو کمرہ سے نکلتے ہوئے آپ کی جوتیوں میں ڈالدیئے کہ شاید اس طرح قبول فرمالیں۔ مگر حضرت نکلے تو جوتیوں کو جھاڑ کر پہن لیا اور چلدئے اور ہنس کر فرمایا فرق دیکھا جائے کہ دنیا ہمارے قدموں پر گرتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں پر گرتے ہیں۔

دنیا سے ایسی بے نیازی تھی، اپنے معمولی رہن سہن پر خوش رہتے تھے اس تواضع کو دیکھ کر کچھ لوگوں کو حیرت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن

ایک صاحب نے حضرت گنگوہیؒ سے بطور شکوہ کہا کہ حضرت کیا آدمی ہیں کہ اس قدر سادہ رہتے ہیں۔ یہ سنکر حضرت گنگوہیؒ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

"حکیم صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں آپ ان کے قلب کی حالت ملاحظہ نہیں فرمارہے ہیں جس شخص کے قلب میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہوچکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل وخوار کوئی نہیں ہے اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں"۔

یہ ایک عالم ربانی کی گواہی ہے۔ اپنے ہم سبق ساتھی حضرت نانوتویؒ کے متعلق۔ پھر تواضع اور عجز وانکساری کیوں نہ پائی جاتی اور اس میں اندر سے ترفع وتعلّی کہاں سے آسکتی تھی۔

مختصر یہ کہ حضرت اقدس نانوتویؒ اپنے باطن وظاہر دونوں کے صاف ستھرے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حیثیت حقیر وفقیر اور ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہیں جانتے تھے۔ اسی وجہ سے جس خدمت گرامی پر لگے، اللہ تعالیٰ نے اس میں کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ عیسائیت کے خلاف بھی محاذ آرائی کی اور کامیاب ہوئے۔ آریہ سماجیوں سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو بھی آپ کے ذریعہ ختم کیا۔ جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور آپ کے روحانی فرزندوں نے دیر سویر اس میں بھی کامیابی حاصل کی اور برصغیر کو باعزت طریقہ پر آزاد کرایا۔ یہ الگ بات ہے جو لوگ ملک کی قسمت کے مالک بنے انھوں نے قتل وخون پر کنٹرول نہیں کیا یا نہیں کر سکے

مدارس کا فیض

مدارس دینیہ کا فیض آپ نے مسلمانوں کے روشن مستقبل کی تلاش میں شروع کیا تھا۔ اور رب العالمین نے اس میں سب سے زیادہ کامیابی عطا کی۔ انگریزی دورِ حکومت میں بھی مسلمان اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے۔

اور ان کے پیروں میں کوئی تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ آپ کے بعد بھی بہت سارے فتنوں نے سر اٹھایا۔ مگر اپنے اپنے زمانہ میں آپ کے روحانی فرزندوں نے اس کی سرکوبی کی۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک فتنے نے دم نہیں توڑ دیا۔

پھر جب ملک آزاد ہوا اور آگ و خون کی بارش ہوئی اس میں بھی برصغیر کے مسلمانوں کے قدم میں کوئی جنبش نہیں آئی اور یہ ملک ہزار کوششوں کے باوجود اسپین نہیں بن سکا۔ یہ سب حضرت نانوتویؒ اور دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس دینیہ کا صدقہ تھا۔ آبادی کی آبادی ویران ہوگئی، محلہ کے محلے جلاکر راکھ کا ڈھیر بنادیئے گئے۔ مگر الحمدللہ مسلمانوں کے ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں آنے پایا۔ شوق سے جان دی، مگر ایمان پر آنچ نہیں آنے دی۔

سرسید کا تاثر

آخیر میں سرسید مرحوم کا وہ تاثر نقل کرکے مضمون ختم کرتا ہوں جو حضرت نانوتویؒ کی وفات پر لکھا تھا۔ سرسید مرحوم (م ۱۸۹۷ء) لکھتے ہیں۔

"افسوس کہ حضرت ممدوح (مولانا محمد قاسم صاحبؒ) نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رویا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا۔ لیکن ایسے شخص کے لئے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آئے، نہایت رنج و غم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے......

مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کردیا کہ اس دلیؒ کی تعلیم و تربیت کی بدولت مولوی شاہ محمد اسحٰق صاحب کے مثل اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے، بلکہ چند باتوں میں ان سے بھی

زیادہ، ان کی تمام خصلتیں فرشتوں جیسی تھیں ان کا پایہ اس زمانہ (۱۸۸۰ء) میں معلومات علمی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحؒ سے کچھ کم ہو لیکن اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل تھے۔ درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت شخص تھے۔" (انوارِ قاسمی ۵۷۸/۱۷)

حضرت نانوتوی رحؒ شعبان ۱۲۴۸ھ میں اپنے وطن نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ اور ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں قصبہ دیوبند میں انتقال فرمایا۔ اور یہیں دارالعلوم دیوبند سے قریب ایک قطعۂ اراضی میں دفن کئے گئے، جہاں پہلے سے کوئی قبر نہیں تھی۔ یہ زمین آپ کے ایک مرید کی تھی۔ انھوں نے حضرت کے مزار کے لئے وقف کی۔ آج یہی خطہ "مزارِ قاسمی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس میں اس وقت سے آج تک کے تمام وفات پانے والے علماء مدفون ہیں۔ اس خطۂ صالحین میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، حضرت مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا حمیدالدین صاحب رحؒ، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب رحؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحؒ اور دوسرے بہت سارے اساتذۂ دارالعلوم اور طلبہ محو راحت ہیں۔

سرپرستان مدرسہ شاہی کا اجمالی تذکرہ

محمد سلمان منصور پوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی سرپرستی روز قیام سے آج تک ان عبا قرامت اور صلحا ر وزعمار قوم نے فرمائی ہے جنکا گرانقدر اخلاص اور بے مثال تدبر روز روشن کی طرح عیاں ہے، ان ہی حضرات کی توجہات کا ثمرہ ہے کہ ادارہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن رہا اور اس نے مختصر مدت میں ہی ملک اور بیرون ملک میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ بعض بعض مواقع اس کی زندگی کے ایسے بھی آئے کہ مدرسہ کا وجود خطرہ میں پڑگیا۔ لیکن حضرات اکابر کی ظاہری و باطنی توجہات عالیہ سے دوبارہ یہ گلشن علمی سرسبزی وشادابی سے مالا مال ہوگیا،

ان اکابرامت کی خدمات اور شخصیات تو اس کی متقاضی ہیں کہ ان پر مستقل مقالات الگ سے لکھے جائیں، لیکن اس خاص نمبر کی تنگ دامانی اس خواہش کی تکمیل کی اجازت نہیں دیتی، بریں بنا اس مختصر مضمون میں حضرات سرپرستان کے مدرسہ شاہی سے ربط وتعلق کے موضوع پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے گی، ملاحظہ فرمائیں،

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

مدرسہ کے اولین سرپرست
حجۃ الاسلام قاسم العلوم

والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ تھے۔ آپ ہی کی ایمار واشارہ پر صفر ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی کا قیام عمل میں آیا، اور آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ اس مدرسہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ قیام مدرسہ کے بعد مدرسہ کی ترقی اور استحکام میں آپ کے مشورے شامل حال رہے، لیکن افسوس کہ ابھی

مدرسہ کے قیام کو ایک ہی سال گذرا تھا کہ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ ۴۹ برس کی عمر میں انتقال فرماگئے آپ کے وصال کا مدرسہ شاہی پر کیا اثر ہوا ؛ اس کا کچھ اندازہ روئیداد ۱۲۹۸ھ کی اس عبارت سے ہوتا ہے۔

،، دوسرے سال یعنی شروع ۱۲۹۷ھ میں اس مدرسۃ الغرباء پر کچھ ایسا حادثہ گذراکہ جس کے بیان سے دل پاش پاش جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے۔ اس حادثہ جانکاہ سے جو کچھ خرابی عائد حال مدرسہ ہوتی سب تھوڑی تھی، کیونکہ جو سرمنشاء اس مدرسہ کے تھے وہ اسی سال میں عازم فردوس بریں ہوئے، یعنی فخر العلماء سلطان الاذکیاء اسوۃ الاولیاء زبدۃ الکملاء حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہُ العزیز نے بجاذبۂ رحمت الٰہی اس دار ناپائیدار سے انتقال فرمایا، اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

سچ تو یہ ہے کہ اس زمانۂ پر آشوب میں ایسے عالم پناہ اسلام و مسلمین حکیم امت امام وقت کا رحلت فرمانا تمام عالم خاص کر علماء اور علماء کے واسطے سخت درجہ کی مصیبت ہے، اور کیوں نہ ہو ؛ جتنے مدارس اسلامیہ کہ ممالک مغربی و شمالی میں آج جاری ہیں اکثر ان میں حضرت علیہ الرحمۃ کے فیض توجہ و برکت ہمت سے جاری ہوئے۔ آپ کی دن رات یہی کوشش تھی کہ ہر جگہ مدرسہ اسلامی قائم ہو، ہر کوئی لکھ پڑھ کر عالم ہو، اب ایسا حامئ دین کون ہے ؛ شیاطینُ الاِنس وَالجَان ایسے ہی علماء سیف زبان معجز بیان کا لوہا مانتے ہیں۔ دوسروں کو کہاں خاطر میں لاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے مربی سرپرست کا اٹھ جانا طرح طرح کی خرابیوں کا باعث تھا۔ مگر اللہ جل جلالہٗ وعزّ شانہٗ نے ہم غریب مسلمانوں کے حال پر رحم فرمایا، ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارہ لگایا اور اپنے خاص بندوں کو اس طرف متوجہ کیا،، [1]

---

[1] روداد ۱۲۹۸ء

اس اقتباس کے لفظ لفظ سے حضرت نانوتویؒ سے ربط و تعلق اور ان کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے اور آخر کیوں نہ ہوتا؟ یہ ادارہ در حقیقت آپ ہی کا لگایا ہوا تو گلشن ہے، لہٰذا مشفق باغباں کی جدائی کا غم گلشن کو ہونا ہی چاہیئے تھا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونیؒ

مولانا محمد علی بچھرایونیؒ اپنے دور کے زبردست مناظر اسلام تھے، وہ حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ۱۹/۲۰/مارچ ۱۸۷۷ء کو ــــ میلہ خدا شناسی، چاند اپور، شاہجہاں پور میں شریک تھے۔ آریہ سماجیوں، سناتن دھرمیوں اور عیسائیوں سے پے در پے مناظرہ کر کے آپ نے اسلام دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے، ۲ے آپ بھی مدرسہ شاہی کے اولین سرپرستوں میں سے ہیں، آٹھ سال یعنی ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۴ھ تک برابر مدرسہ کی سرپرستی فرماتے رہے، آپ ابتدا ہی سے مدرسہ شاہی کے رکن شوریٰ بھی تھے، اور باالالتزام اجلاسہائے شوریٰ میں شرکت فرماتے تھے، اور دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے مدرسہ کی امداد میں پیش پیش رہتے تھے۔ آپ مجلس شوریٰ کے ممبر مجلس بھی تھے، جیسا کہ رجسٹر کارروائی شوریٰ سے معلوم ہوتا ہے ۳ے ۱۳۰۴ھ میں آپ نے وفات پائی روئیداد ۱۳۰۵ھ میں تحریر ہے،

"یہ امر موجب افسوس ہے کہ اس مدرسہ کے ایک ایسے مربی اور سرپرست اور رکن اعلیٰ اور معاون زبردست نے انتقال فرمایا کہ جس کی ذات ستودہ صفات سے ہر قسم کا فیض اور انواع انواع کی تقویت اور ہر طرح کی مدد صرف مدرسہ ہی کو نہ تھی بلکہ بالعموم ملت اسلامیہ کی تائید اور حمایت ان کے دم اور قدم اور زبان و قلم سے تھی۔ عالی جناب مولانا و اولانا حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونی ثم مرادآبادی جن کے نام نامی اور اسم گرامی سے

۲ے دارالعلوم احیاء الاسلام کی عظیم تحریک (اسیر ادروی) ص ۱۴۱

۳ے رجسٹر کارروائی شوریٰ۔

ہندوستان بلکہ ہر ایک جہان واقف ہے جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین،
خیرالجزاء فجعلہ مقامہ فی الجنۃ العلیا۔ [۲]

آپ کی وفات سے مدرسہ شاہی آزمائش سے دوچار ہوگیا تھا۔ لیکن امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کی توجہ اور عنایتوں سے یہ کارخانۂ علم دوبارہ زندگی پاگیا۔

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

حضرت نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد علی صاحب بچھرایونیؒ کے ساتھ ساتھ شروع ہی سے مدرسہ کی سرپرست ایسی ذات بابرکات بھی رہی جس کی عظمت ورفعت کو بیان کرنا سورج کو روشنی دکھانے کے مرادف ہے، اور جس کی توجہات کے سایہ میں یہ گلشن علمی مسلسل اٹھارہ سال تک پروان چڑھتا رہا۔ اس ذات بابرکات کو دنیا قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے نام نامی سے جانتی ہے، روئیداد ۱۳۰۱ھ میں آپ کی سرپرستی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا۔

"یہ دونوں صدمے (حضرت نانوتویؒ اور مولانا محمد علی بچھرایونیؒ کی وفات) بحق مدرسہ ایسے تھے کہ جن کی وجہ سے مدرسہ کی حالت خطرناک معلوم ہوتی تھی، ولیکن قربان جائے عنایت ایزدی اور فضل خداوندی پہ کہ حضرت مقدام المحدثین، صفوۃ المتبحرین، حامی الاسلام، محی سنۃ خیرالانام، علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام،

ع اے نام تو رہنمائے ارشاد احمد تو شاد باد و حق شاد

حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہ، وفیوضہ، نے اس مدرسہ کی جانب توجہ ظاہری و باطنی مبذول فرمائی۔ جس سے مدرسہ میں جان تازہ آئی۔

ع اے خدا قربان احسانت شوم این چہ احسانت قربانت شوم

---

[۲] روداد مدرسہ شاہی ۱۳۰۵ھ ص۱

حضرت ممدوح کا اس جانب توجہ فرمانا یہ بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ
کی برکت نیت اور اخلاص کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسی طرح
حضرت ممدوح کی توجہ ہمیشہ اس طرف مبذول رہے جس کی وجہ سے مدرسہ
کو یوماً فیوماً ترقی ہوئے۔ لے

حضرت اقدس گنگوہیؒ اس کے بعد سے مسلسل مدرسہ کے امور میں دلچسپی لیتے رہے، اور اہل مدرسہ شاہی بھی اہم معاملات میں حضرت کی رائے پر عمل کرنا سرمایۂ سعادت جانتے رہے چنانچہ ۱۳۰۵ھ میں جب والیٔ رامپور نے مدرسہ شاہی کی امداد جاری رکھنے کے لئے یہاں پر علوم دینیہ کے ساتھ علوم دنیویہ کو بھی شامل کرنے کی شرط لگائی، اور مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی نے اپنے اجلاس منعقدہ جمادی الثانی ۱۳۰۵ھ میں یہ طے کیا کہ مدرسہ میں علوم دنیویہ مقصود اصلی کی حیثیت سے داخل نہیں کئے جا سکتے، خواہ رامپور کی امداد جاری رہے یا نہ رہے، تو یہ تجویز آخری منظوری کے لئے حضرت امام ربانیؒ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ اور جب حضرت نے پوری تائید کے ساتھ اس تجویز کی تصویب فرمائی تو پھر اسے والیٔ رامپور کے پاس بھیجا گیا، ؎۲

اسی طرح مدرسہ شاہی کے ریکارڈ میں حضرت گنگوہیؒ کی وہ مراسلت بھی موجود ہے جو ۱۳۱۴ھ میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب صدر مدرس مدرسہ شاہی کو مراد آباد سے دیوبند منتقل کرنے سے متعلق آپ کے اور ارباب مدرسہ شاہی کے مابین ہوئی۔ آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں اس وقت مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مراد آبادیؒ نے جو خط تحریر فرمایا اس کا یہ اقتباس قابل توجہ ہے۔

"جیسا کہ مدرسہ دیوبند اور سہارنپور سرپرستی حضرت میں ہے ایسے ہی یہ مدرسہ بھی ہے، گو بظاہر لفظ سرپرستی نہ ہو، اس کا قیام بھی حضرت ہی کی توجہ پر موقوف ہے اور اس مدرسہ کو اگر کوئی پریشانی پیش ہو تو اس کی فکر بھی جناب والا

لے روداد ۱۳۰۵ھ ؎۲ کاروائی شوریٰ

ہی کو کرنی ہوگی " ۱ے

علاوہ ازیں آپ کے بہت سے مکاتیب مدرسہ کے معاملات سے متعلق محافظ خانہ میں محفوظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب مدرسہ شاہی اپنے ہر اہم معاملہ میں خاص کر مدرسین کے عزل و نصب میں حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی رائے پر ہی عمل کرتے تھے، طوالت کے خوف سے ان مکاتیب کو نقل نہیں کیا جا رہا ہے،

افسوس ہے کہ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ میں یہ آفتاب علم و عمل بھی گنگوہ میں غروب ہوگیا۔ اور مدرسہ شاہی کو ایک اور عظیم صدمہ سے دو چار ہونا پڑا، اناللہ وانا الیہ راجعون،

استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح | دار العلوم دیوبند کے اولین صدر مدرس

استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز بھی مدرسہ شاہی کے ابتدائی سرپرستوں میں سے ہیں۔ آپ ۱۲۹۸ھ میں امتحان سالانہ کے موقع پر مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے، کئی دن قیام فرمایا اور امتحانات لئے، اخیر میں ایک پرزور معائنہ تحریر فرمایا جس میں طلبہ و مدرسین مدرسہ شاہی کی نہایت اچھے الفاظ سے حوصلہ افزائی کی گئی تھی، اس کے بعد سے آپ وفات ۱۳۰۲ھ تک ہر سال امتحان کے لئے تشریف لاتے رہے۔

سن ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ شاہی کا عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا جس میں آپ نے بطور خاص شرکت فرمائی، اور اجلاس میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا تقریر بھی فرمائی جس کے چند اقتباسات افادہ کے لئے پیش خدمت ہیں، حضرت نے علم کی اہمیت پر مختصر بیان کرنے کے بعد مدرسہ شاہی کی تاریخ پر اس طرح روشنی ڈالی۔

" یہ بلدۂ مراد آباد پہلے بوجود علما حضرت مولانا مولوی عالم علی صاحب مرحوم وجناب مولوی احمد حسن صاحب و مولوی قطب عالم صاحب مرحوم مزین و

۱ے رجسٹر کارروائی شوریٰ

آباد تھا، اور جس کسی کے قلب میں تعطش طلب تھا ان کی خدمت سراپا فیض سراسر برکات سے مستفیض ہوتا تھا، اور یہ حضرات کہ اپنے وقت کے مستثنیٰ تھے، اور جامع اشتات کمال اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، علم وعمل میں زیب اس مرادآباد کے تھے جب ان مرحوموں نے راہ جنت کی لی اور سفر آخرت کہ ناگزیر تھا، فرمایا یہ بستی بہ نسبت فیض علوم بے سراو رخالی ہوگئی۔ اس وقت میں جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحبؒ کی تشریف آوری سے یہ بستی مشرف ہوتی تھی، مولانا کے خیال میں آیا کہ اگر ایک صورت چندہ کی بطور دیوبند ڈالی جائے اور ایک مدرسہ جاری ہو ممکن ہے کہ پھر اس بستی میں چرچا علم کا ہوجائے، چنانچہ مہتمان مدرسہ ہذا کو ارشاد فرمایا کہ تم توکلاً علی اللہ تعالیٰ بنار مدرسہ کی ڈالو، اور راہ چندہ کی نکالو، اگرچہ بنظر ظاہر یہ امر اہم نہایت دشوار اور از حد عسیر تھا اور باوجودیکہ یہ ایک بہت بڑا شہر ہے، مگر بہت سے موانع سدراہ اس امر کے تھے تاہم مولانا کے اس ارشاد کی یہ برکت ہوئی کہ باوجود قحط سالی چندہ کی بنار درست ہونی شروع ہوئی اور قلوب عام بندگانِ خداوندی کے اس طرف متوجہ ہونے لگے، آخر مدرس مقرر ہوئے، طلبہ کا اجتماع ہوا،،

اور آپ نے حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کے بارے میں فرمایا

،، یہاں یہ بھی قابل بیان ہے کہ جناب عالی مولانا مولوی محمد علی صاحب نے اول سے اس مدرسہ کی نہایت دریادلی اور عالی ہمتی سے تائید فرمائی، اور ہر طرح مدرسہ کی سرپرستی فرمائی۔ اپنی حسنِ رائے سے ہر وقت عمدہ مشورہ ارشاد کیا، نہایت عالی عالی بندوبست فرمائے۔ اور آپ کی ایسی حسنِ توجہ اور عالی التفات کو نظر کر کر بہت سے اور صاحبوں کی ہمت بلند ہوئی اور مدرسہ کے ہمدرد ہوئے، کوئی کام مدرسہ کا ایسا نہیں ہوتا جو مولانا کی تائید سے خالی ہوتا ہو، حاجت زیادہ بیان کی کیا ہے۔ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے، وہ جب کسی کا رخانہ

کو جاری فرمانا مقدر کرنا ہے تو اپنے ایسے ہی مقبول بندوں کو اس کے لئے مہربان فرما دیتا ہے،

اس کے بعد آپ نے دیگر بہی خواہان مدرسہ کا اجمالی ذکر فرمایا، اس سال مدرسہ سے فارغ ہونے والے طلبا، مولانا عبدالحق دبکوی، مولانا عبدالغنی صاحب پھلاؤدوی، مولانا خادم حسین صاحب مرادآبادی، مولانا محمد یحییٰ صاحب شاہجہاں پوری، اور مولانا عبدالباری صاحب گڑھ مکتیشری کے ناموں کا اعلان فرمایا، اور ان فارغ ہونے والے طلبار سے متعلق یہ وضاحت بھی فرمائی جس کو پیش نظر رکھنا سب ہی کے لئے ضروری ہے، آپ نے فرمایا،

,, اتنا کہنا اس جگہ ضروری ہے کہ کتب معمولی ان صاحبوں کی تمام ہوگئیں اور استعداد مناسب حاصل ہوگیا یہ نہیں کہ یہ صاحب حافظ کتب ہیں یا ہر ہر امر کا جواب بے تکلف دے سکتے ہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اگر پڑھایا اور مشغول رہے، امید ہے کہ عمدہ پڑھاویں، اور حواشی اور شرح دیکھ کر کتاب کا مطلب صحیح اور درست بتلا دیں، اور سائل کی تشفی کر دیویں، اور ان کے اطوار سے امید ہے کہ مدام تقویٰ کو اپنے لئے لباس بنا دیں، اور بوضع علمار زندگی گذاریں، اور اشاعت علم دین اور ارشاد صراط مستقیم میں سرگرم رہیں، یا اللہ کریم اپنی رحمت سے اس امید کو پورا کیجیو، اور اس جماعت کو امت مقبولہ کے علمار مقبول میں معدود فرمائیو، اللهم آمین، اور ان کا اور ہمارا اور جملہ صاحبان حاضرین اور جماعت مسلمین کا خاتمہ خیر پر کیجیو، آمین،، لہ

نیز اسی سال جمادی الثانیہ میں آپ مدرسہ شاہی کی جانب سے منعقدہ اس مبارک تقریب میں بھی شریک ہوئے ۔ جو مدرسہ کے اضافہ کے لئے شاہی مسجد کے قریب خریدے

لہ روداد اجلاس دستار بندی ۱۳۰۱ھ ۔

گئے مکان کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے منعقد کی گئی تھی، (یہ وہی مکان ہے جہاں آج کل مدرسہ امدادیہ قائم ہے۔) ؎۱

۱۳۰۰ھ میں بھی آپ کا امتحان سالانہ میں تشریف لانا اور معائنہ لکھنا معلوم ہوتا ہے، ۲ / ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو آپ نے دیوبند میں وفات پائی، جس کی وجہ سے مدرسہ شاہی آپ کی سرپرستی سے محروم ہوگیا۔ ؎۲

حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ

آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے معاصر بلند پایہ شیخ طریقت اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب فاروقی تھانویؒ و حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے، آپ کا شمار اسلاف دار العلوم میں ہوتا ہے، مدرسہ شاہی سے بھی خصوصی ربط و تعلق تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا قاضی عبد الغنی صاحب منگلوریؒ نے بھی ۱۳۰۵ھ ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں۔ ؎۳ ۱۳۰۰ھ میں خرید کردہ مکان کی تعمیر کی تقریب میں آپ نے بھی شرکت فرمائی ہے،

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

مدرسہ شاہی کو شیخ الہند استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی سرپرستی کا بھی فخر حاصل ہے، حضرت شیخ الہند کو اس گلشن قاسمی سے بے انتہا انسیت اور شغف تھا، عموماً امتحان سالانہ کے موقع پر بطور خاص آپ کی تشریف آوری ہوتی تھی آپ کے اپنے دست مبارک سے متعدد معائنہ جات رجسٹر معائنہ میں درج ہیں، جن میں آپ نے نہایت شاندار الفاظ میں طلبہ و ارباب انتظامیہ کی تحسین فرمائی ہے۔ روئیداد اور رجسٹر معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ۱۳۰۷ھ میں امتحان سالانہ کے

؎۱ عین الاخبار مراد آباد ۱۶ / اکتوبر ۱۸۸۱ء ؎۲ روداد دار العلوم دیوبند ۱۳۰۲ھ ؎۳ رجسٹر داخلہ ۱

موقع پر تشریف لائے اور اس موقع پر آپ کے ہمراہ حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا منفعت علی صاحبؒ تھے پھر ۱۳۰۶ھ میں بھی رونق افروز ہوئے، اس مرتبہ آپ کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (اس وقت دیوبند میں مدرس تھے) بھی تشریف لائے، اس کے بعد ۱۳۰۹ھ میں بھی آپ کی تشریف آوری ہوئی، آپ کے ہمراہ حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ تھے، پھر ۱۳۱۱ھ میں بھی حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری ہوئی ہے، آپ کی معیت میں حضرت مولانا منشی فضل حق صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ وغیرہ حضرات بھی رونق افروز ہوئے، امروہہ سے حضرت مولانا سید احمد حسنؒ صاحب محدث امروہویؒ بھی تشریف لے آئے، امتحان سالانہ سے فراغت کے بعد مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ دستار بندی بھی ہوا جس میں ۱۹ فضلاء کو دستار بندی دی گئی، اس اجلاس میں حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مبسوط تقریر فرمائی، جس میں علم دین سیکھنے کی فضیلت، علماء کی اہمیت اور مدرسہ شاہی کی تاریخ پر اجمالی روشنی ڈالنے کے بعد ارشاد فرمایا۔

"اول صدمۂ عظیم جو اس مدرسہ بلکہ جملہ مدارس اسلامیہ واہل اسلام کے حق میں نمونہ قیامت تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا داعیٔ اجل کو لبیک فرمانا تھا، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون،

ع اوست سلطان ہرچہ خواہد آں کند۔

ایسے سرپرست کے اٹھ جانے سے جو اس کی جماعت کی حالت ہوتی ہے، محتاج بیان نہیں؛ مگر شمول رحمت الٰہی اور برکت ارشاد حضرت مرحوم ومغفور کا ایسا ظہور ہوا کہ سب مخلصین کی ہمت اس کام پر بندھی رہی اور صورت مدرسہ کی جس رنگ سے کہ خاکہ پڑا تھا اسی طرح نقش ونگار ظاہر ہونے لگے اور مجموعہ کمالات اور معدن برکات فخر شریعت وزیب طریقت حضرت مولانا مولوی

محمد یعقوب صاحبؒ کی توجہ اور دعا سے فیض مدرسین کسی قسم کا نقصان نہ آیا اور مدرسہ ہذا میں بحمداللہ مدرس اول وہی حضرات رہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خدام میں اعلیٰ وافضل سمجھے جاتے تھے بلکہ اور مدرسین بھی وہی رہے اور ہیں کہ جن کو بواسطہ یا بلا واسطہ حضرت مرحوم کی نسبۃً علاقہ تلمذ حاصل ہے، چنانچہ اس عرصہ میں جو کہ تخمیناً ۱۶ برس کا ہے اکثر طلبہ قریب وبعید کے اس مدرسہ سے بقدر اپنی تقدیر کے فیض اٹھا کر چلے گئے، بعض کو سالہائے گذشتہ دستار بندی کی نوبت آئی، اس زمانہ تنزل میں بحمداللہ اس مدرسہ میں اہل علم کا ایسا مجمع نظر آتا ہے کہ بہت سے بڑے بڑے شہروں اور اکثر مدارس میں وہ بات معلوم نہیں ہوتی، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء،

۱۳۱۲ھ میں بھی آپ بہمراہی حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ امتحان سالانہ میں تشریف لائے، ۱۳۱۴ھ میں بھی آپ کا تشریف لانا ثابت ہے۔ اسی طرح ۱۳۱۷ھ کا معائنہ بھی آپ کے دست مبارک سے لکھا ہوا رجسٹر میں موجود ہے، ۱۳۳۰ھ میں بھی آپ تشریف لائے اور معائنہ تحریر فرمایا، علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً اجلاسہائے شوریٰ میں بھی آپ کی تشریف آوری اور مشورہ میں شرکت رجسٹر کاروائی شوریٰ سے معلوم ہوتی ہے، اور بعض جگہ آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے کاروائی تحریر فرمائی ہے مثلاً ۲۸ / شعبان ۱۳۱۲ھ کے اجلاس شوریٰ میں جب کہ حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی کو مہتمم بنانا تجویز ہوا تو اس میں آپ بھی تشریف رکھتے تھے، اسی طرح ۱۳۲۲ھ میں جس اجلاس میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہوانیؒ کو قائم مقام صدر مدرس بنایا گیا اس میں بھی آپ شریک تھے، بعد کے بھی بعض اجلاسوں میں آپ کے دستخط موجود ہے۔ ۱۳۲۴ھ کی کاروائی شوریٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ باقاعدہ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے رکن تھے،

ارباب مدرسہ شاہی بھی اپنے اہم معاملات میں آپ کی رائے پر عمل کیا کرتے تھے، ۱۳۲۴ھ میں جب مدرسہ میں خلفشار پیدا ہوا اور ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ

مدرسہ کی بقا خطرہ میں پڑ گئی، تو آپ مرادآباد تشریف لائے۔ اہل شوریٰ کو جمع کیا اور معاملہ کو بسہولت رفع دفع فرمادیا۔ اس تاریخی مجلس شوریٰ میں آپ کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب محدث امروہویؒ بھی تشریف فرما تھے۔

ان سب واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق مدرسہ شاہی سے کس قدر تھا اور آپ کتنی اس سے انسیت رکھتے تھے، غالباً سب سے بڑی وجہ حضرت شیخ الہند کے مدرسہ شاہی سے انسیت رکھنے کی یہ تھی کہ مدرسہ کے اکثر حضرات مدرسین وارباب انتظام آپ سے فکری وروحانی تعلق رکھتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ مدرسہ شاہی بعد میں تحریک آزادی کا مرکز رہا، اور اس راہ میں بے مثال خدمات انجام دیں حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۳۳۹ھ میں سفر آخرت فرمایا، لیکن مدرسہ شاہی پر اپنی رہنمائی کے ایسے نقوش ثبت کر گئے۔ جس پر اس ادارہ کی فکری بنیادیں استوار کی گئیں، اور جن کی روشنی میں مدرسہ روز بروز پروان چڑھتا رہا۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

آپ بانی دارالعلوم ومدرسہ شاہی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے خلف الصدق اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ مولانا سید محبوب رضوی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہی میں ہی حضرت محدث امروہویؒ کے سایۂ عاطفت میں رہ کر حاصل فرمائی ہے، اس اعتبار سے آپ کا شمار مدرسہ شاہی کے قابل فخر فرزندوں اور فیض یافتگان میں بھی ہوتا ہے مدرسہ شاہی سے آپ کو قلبی تعلق تھا۔ اکثر امتحان سالانہ کے موقع پر اور اجلاسہائے دستار بندی میں شرکت کی غرض سے مرادآباد تشریف لاتے اور مدرسہ کے امور میں پوری دلچسپی لیتے تھے۔

۲۹ھ میں جمعیۃ الانصار کی تجویز کے مطابق جب مدرسہ شاہی کا باقاعدہ دارالعلوم دیوبند سے الحاق کیا گیا تو آپ مہتمم دارالعلوم کی حیثیت سے

مدرسہ شاہی کے سرپرست ونگران بھی بن گئے۔ آپ نے اسی دور میں اہتمام مدرسہ شاہی کے لئے دیوبند سے حضرت مولانا رحمت علی صاحبؒ کو مرادآباد بھیجا۔ موصوف اپنے ہراہم معاملہ میں آپ کے مشوروں پر کاربند رہے، پھر جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ میں آپ ہی کے فرمانے پر دیوبند واپس تشریف لے گئے، اس سلسلہ کا ایک مکتوب محافظ خانہ مدرسہ شاہی میں محفوظ ہے، جس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"مولوی رحمت علی صاحبؒ کا استعفا منظور کرلینا مناسب ہوا۔ ہماری اصلی رائے یہی تھی کہ اب ان کا وہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ مگر صرف اس خیال سے لکھا گیا تھا کہ شاید ان کی علیحدگی سے مدرسہ کو کچھ نقصان پہنچ جائے اس بنا پر میں نے بلا تکلف لکھ دیا تھا کہ اگر سردست ان کے قیام کی ضرورت ہو تو ان کو وہاں بھیجا جاسکتا ہے۔

دوسرے امر کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم لوگوں کا تعلق بحمداللہ آپ حضرات سے اور مدرسہ سے قدیمی ہے، اس میں یا اس کی نوعیت میں نہ کوئی فرق آیا ہے اور نہ انشاءاللہ تعالیٰ آئے گا........ ہم لوگوں کی طرف سے آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ ہر طرح سے حاضر وموجود ہیں آپ حضرات کو کچھ فکر وتردد کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی تلافی فرمانے کی حاجت ہے، جو کچھ اور جس قسم کی خدمت لی جائے گی بے تامل حاضر وموجود ہیں۔

والسلام مع الاکرام

الراقم الاحقر محمد احمد مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

۲۳/رجب المرجب ۱۳۳۰ھ

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے مدرسہ شاہی کے بعض اہم اجلاسہائے مجلس شوریٰ میں بھی شرکت فرمائی ہے اور مفید مشوروں سے نوازا ہے، آپ نے متعدد مواقع پر تشریف لاکر معائنہ جات پر تائیدی وتصدیقی دستخط بھی ثبت

فرمائے ہیں ، ۳/ جمادی الاولی ۱۳۴۶ھ میں آپ نے حیدرآباد سے واپس ہوتے راستہ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے بھی مدۃ العمر اس ادارہ کو اپنی سرپرستی کا شرف بخشا اور ممکن طور پر ادارہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ آپ کو مجلس شوریٰ کے معرکۃ الآراء اجلاس منعقدہ ۱۵/ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ کو مدرسہ شاہی کا رکن شوریٰ منتخب کیا گیا۔ تجویز کے الفاظ درج ذیل ہیں،

"تجویز ۱۔ باتفاق آراء طے ہوا کہ دیوبند سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مدظلہم صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کو مدرسہ ہذا کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا جائے"

رکن شوریٰ منتخب ہونے کے بعد آپ تقریباً ہر اجلاس شوریٰ میں پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے رہے۔ بلکہ عموماً شوریٰ کے اجلاس آپ ہی کی زیر صدارت منعقد ہوتے تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی دلچسپی اور توجہ سے مدرسہ شاہی کے تعلیمی اور انتظامی امور میں کافی اصلاحات فرمائیں اور خود ان کاموں کی انجام دہی کے لئے وقت دیا۔

چنانچہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ کے اجلاس شوریٰ میں تعلیمی اصلاح کی غرض سے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے رکن آپ بھی تھے۔ اسی طرح ۱۳۵۶ھ میں جب متولیان شاہی مسجد اور انتظامیہ مدرسہ شاہی کے درمیان تعمیر مسجد سے متعلق کچھ اختلاف ہوا۔ تو حضرت تشریف لائے اور دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت فرماکر معاہدہ نامہ خود اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا جو بعینہٖ رجسٹر کارروائی شوریٰ میں درج ہے نیز مدرسہ شاہی کا سب سے پہلا دستور اساسی جس میں انتظامی و تعلیمی تمام معاملات سے متعلق ضوابط مقرر کئے گئے ہیں آپ ہی کی توجہ اور دلچسپی سے نافذ کیا گیا۔ اور جس اجلاس (منعقدہ ۱۵/ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ) میں اسے منظوری حاصل ہوئی اسکے

صدر آپ ہی تھے، الغرض مدرسہ کا کوئی بھی معاملہ ہوتا بلا اختیار انتظامیہ مدرسہ شاہی کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ طلبہ کا کوئی خلفشار ہو، اساتذہ کی طرف سے ناچاقی ہو یا مالی مشکلات ہوں سارے موانع کا مدار آپ ہی کی ذات سمجھی جاتی تھی شوریٰ کی کاروائیاں آپ کی تحریرات اور تجاویز سے بھری ہوئی ہیں جس سے مدرسہ شاہی کے ساتھ آپ کے غیر معمولی ربط و تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے مدرسہ شاہی سے ربط کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ ادارہ پورے طور پر جمعیۃ علماء ہند کے مسلک سے وابستہ اور تحریک آزادی میں عملاً شریک تھا۔ اور اسفار کے دوران بکثرت حضرتؒ کی مراد آباد تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔

مجلس شوریٰ کی حیثیت عرفیہ و شرعیہ کے متعلق آپ کی ایک تحریر مدرسہ شاہی کے لئے ہر موقع پر مشعل راہ کا کام دیتی ہے جو بعض ملازمین کے شوریٰ سے اختلافات کے وقت آپ نے تحریر فرمائی تھی۔ اس تحریر کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہر جمہوری ادارہ کی قوت حاکمہ مجلس ممبران ہے یہی مجلس عوام کی نمائندہ ہے اور اسی کے ہاتھ میں تمام امور عزل و نصب ترقی و تنزل وغیرہ متعلقہ ادارہ ہیں تمام ملازمین ادارہ خواہ مدرس ہوں یا غیر مدرس اوپر سے نیچے تک اسی مجلس کے سامنے جوابدہ، حسب قوانین ادارہ مکلف اور پابند ہیں۔ کسی ملازم یا مدرس کو جائز نہیں ہے کہ جب تک وہ اس ادارہ کی ملازمت میں ہے مجلس کے احکام کی روگردانی کرے"

حضرت مدنیؒ کی ذات مدرسہ شاہی کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی آپ کی حیات میں جو بھی بحران پیش آیا وہ آپ کی توجہ فرمائی سے بہت جلد ختم ہوگیا۔ اسی بنا پر آپ کی جدائی کی جو کسک مدرسہ شاہی میں محسوس کی گئی وہ ناقابل بیان ہے — چنانچہ ۱۳۷۷ھ میں آپ کی وفات پر مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۳ر شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ میں نہایت حزن و ملال کے ساتھ یہ تعزیتی تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی!

"جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا یہ اجلاس شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز سرپرست وصدر مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے سانحہ ارتحال کو ناقابل تلافی نقصان عظیم تصور کرتے ہوئے اپنے انتہائی حزن وملال کا اظہار کرتا ہے، یہ اجلاس آج اپنے درمیان شیخ رحؒ کو نہ پاکر بہت بڑی کمی محسوس کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا راس المال اور اصل سرمایہ جاتا رہا اور ہم غم نصیب تہی دامن رہ گئے ——— اس نازک دور میں مدرسہ شاہی حضرتؒ کی روحانی طاقت اور دعاؤں کے سہارے زندگی کے مراحل پورے اطمینان کے ساتھ طے کر رہا تھا۔ افسوس کہ آج وہ اطمینان اور ظاہری سہارا جاتا رہا۔ مگر رحمت باری سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ حضرتؒ کی توجہات اور روحانی تصرفات و دعاؤں کی برکت سے مدرسہ شاہی برابر مستفید ہوتا رہے گا"

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

آپ بھی مدرسہ شاہی کے ان سرپرستوں میں تھے جن پر مدرسہ کو بجا طور پر ناز ہے مدرسہ کی ترقی کے لئے دعاؤں کے علاوہ مشوروں میں بھی آپ کی رائے سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحبؒ آپ ہی کی ایماء واجازت حاصل ہونے کے بعد مدرسہ شاہی کے منصب صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ اسی طرح موجودہ مہتمم حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی نے بھی اپنی تشریف آوری کو حضرت شیخ رحؒ کی اجازت پر موقوف رکھا تھا۔ اور جب اراکین شوریٰ مدرسہ شاہی نے آپ سے اجازت لے لی تو حضرت مہتمم صاحب تشریف لائے اور کار اہتمام سنبھالا۔ ۱۳۶۳ھ کے تبلیغی اجتماع میں دیگر اکابر کے ہمراہ آپ بھی مدرسہ شاہی مسجد میں رونق افروز ہوئے تھے۔ ۱۴۰۱ھ میں مجلس عاملہ نے آپ کو باقاعدہ سرپرست مدرسہ بنانے کی تجویز منظور کی تھی۔ لیکن افسوس کہ چند ہی ماہ کے بعد یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو آپ کا وصال ہوگیا ——— اناللہ وانا الیہ راجعون

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

آپ بانیٔ مدرسۂ شاہی حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے لائق و فائق نبیرہ، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اپنے دور کے زبردست اور صاحب طرز خطیب تھے، اپنے دادا کے لگائے ہوئے اس گلشن سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷/ربیع الاول ۱۳۷۵ھ میں آپ کو مدرسۂ شاہی کا رکن شوریٰ منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد سے اکثر اجلاسہائے شوریٰ آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوتے، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مدرسۂ شاہی، مدرسۂ امدادیہ اور شاہی مسجد تینوں اداروں کو ایک کرنے کے لئے اپنی بے انتہا مصروفیات کے باوجود غیر معمولی جد و جہد کی جسکی مکمل کاروائی تحریری شکل میں موجود ہے لیکن افسوس کہ بعض وجوہات کی بنا پر یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصالحتی کوششیں تقریباً دو سال (۸۲ھ و ۸۳ھ) تک چلتی رہیں۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حضرت قاری صاحبؒ کی یہ دلچسپی مدرسۂ شاہی سے حضرت موصوف کے تعلق کی کھلی دلیل ہے، اجلاسہائے دستار بندی کے موقع پر اکثر آپ تشریف لاتے اور اپنے فیوضیات عالیہ سے مستفیض فرماتے تھے، شوال ۱۴۰۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی

مدرسہ شاہی کے موجودہ سرپرست جانشین شیخ الاسلام فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم ہیں۔ آپ ۶/ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اس کے بعد وہیں مدرس ہوگئے۔ اور شوال ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۸۲ھ تک مسلسل بارہ سال باقاعدگی کے ساتھ متوسط کتب درس نظامی کا درس دیا۔ اس کے بعد ملی ضرورتوں اور قومی خدمات کے پیش نظر درس و تدریس کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔

اور آپ مردانہ وار خدمت قوم وملت کے میدان میں کود پڑے، ابتداءً آپ کو مرادآباد ہی میں منعقد ہونے والے جمعیۃ کے صوبائی اجلاس میں جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا، پھر ۱۹۶۳ء میں آپ مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی نظامت عمومی کے منصب پر فائز ہوئے اور اپنی بے مثال جدوجہد سے پوری جماعت میں جان ڈال دی اور جب ۷۳ء میں جمعیۃ کی مرکزی صدارت نے آپ کے قدم چومے تو جمعیۃ علماء ایک مستحکم اور متوازن جماعت کے روپ میں سامنے آئی جس نے ہر موقع اور ہر موڑ پر مسلمانان ہند کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ اور آج جمعیۃ کی ساری سرگرمیاں اور ترقیاں آپ ہی کی توجہات عالیہ کی رہین منت ہیں۔ آپ نے مسلمانوں کی آواز پارلیمنٹ کے ایوانوں تک پہنچانے کے لئے متعدد بار راجیہ سبھا پارلیمنٹ کی ممبری بھی قبول کی اور اس وقت بھی اس منصب پر فائز ہیں۔ آپ کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ کل ہند امارت شرعیہ کا قیام بھی ہے، جس کے اولین اجلاس منعقدہ ۸۶ء میں محدث اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کو امیر الہند اور آپ کو نائب امیر الہند بنایا گیا۔ اور حضرت امیر الہند اول کے ۹۲ء میں وفات پانے کے بعد ۹/ مئی ۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجتماع نے آپ کو امیر الہند منتخب کیا۔

مدرسہ شاہی سے آپ کا قدیمی تعلق ہے، ۸/ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ کو مجلس شوریٰ نے آپ کو مدرسہ شاہی کا رکن شوریٰ منتخب کیا۔ اس وقت سے آج تک آپ پوری دلچسپی کے ساتھ مدرسہ کے امور میں دلچسپی لیتے آئے ہیں۔ آپ کی ذات مدرسہ کے لئے بسا غنیمت ہے۔ آج ہر معاملہ میں ارباب مدرسہ کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ اور آپ کی اصابت رائے اور عاقبت اندیشانہ فیصلوں سے مدرسہ شاہی ہر ہر موقع پر رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور حضرت کی شخصیت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— یہ تو وہ حضرات ہیں جن کی سرپرستی مدرسہ کو حاصل رہی لیکن وہ انتظامی طور پر کسی عہدہ (اہتمام یا صدارت وغیرہ) پر فائز نہیں رہے۔ ورنہ وہ اکابر

علماء اور عبا قرامت جنہوں نے اس ادارہ کو صدارت بخشی اور اہتمام سے نوازا وہ بھی درحقیقت اس کی آبیاری کرنے والوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ خاص کر شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا مظفر الدین صاحب مرادآبادیؒ یہ ایسی شخصیتیں ہیں جن کے ذکر کے بغیر مدرسہ کی تاریخ ہی نامکمل ہے۔ اسی لیئے ان حضرات سے متعلق مختصر اشارات ارباب اہتمام اور مسند آرائے صدارت کے ضمن میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

○ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُسے (خرچ کرنے کی جگہ) پوشیدہ رکھتے ہیں (یاد رکھو) ان لوگوں کیلئے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قرآن حکیم سورۂ نساء آیت نمبر ۳۶-۳۷

مسند آرائے صدارتِ تدریس

زمانہ صدارت : صفر ۱۲۹۶ھ تا شوال ۱۳۰۳ھ، کل مدت : ۷ سال ۹ ماہ

سید العلماء حضرت مولانا شاہ سید احمد حسن محدث امروھوی

از

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروھوی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب

حضرت کا اسم گرامی سید احمد حسن تھا اور والد ماجد کا نام اکبر حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حضرت کا نام احمد حسین تھا۔ حضرت شاہ عبداللہ عرف شاہ ابن ؒ (ف ۹۸۷ھ، ۱۵۷۹ء) جو سادات رضویہ میں سے تھے، حضرت امروہوی ؒ کے مورث اعلیٰ تھے جن کا تذکرہ ہندوستان کی مشہور تاریخوں میں ملتا ہے مثلاً منتخب التواریخ جو ملا عبدالقادر بدایونی ؒ کی نہایت قابلِ قدر تصنیف ہے اس میں تفصیل سے حضرت کا تذکرہ کیا گیا ہے، خود ملا عبدالقادر بدایونی ؒ خانقاہ شاہ ابن میں بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسراریہ جو سید کمال سنبھلی کی تالیف ہے اس میں بھی شاہ ابن ؒ اور ان کے بیٹوں و پوتوں کا تذکرہ تفصیل[1] سے ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے آپ کا تذکرہ اپنی کتاب اخبار الاخیار میں کیا ہے۔ اس میں ایک سطر یہ ہے "شاہ ابن درویشے بود در امروہہ[2]"۔

حضرت شاہ ابن ؒ بڑے پابندِ شریعت تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی ؒ نے آپ کے

---

[1] اسراریہ ابھی تک نہیں چھپی ہے اس کا ایک نسخہ ندوۃ العلماء میں اور دوسرا رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔ ۱۲

[2] عبدالحق : اخبار الاخیار ص ۲۳۲ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء

متعلق لکھا ہے کہ " دقیقہ از دقائق سنت فروگذاشت " (دقائق سنت میں سے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے) اس کے علاوہ علامہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب " مآثر الکرام " میں شاہ عبداللطیف امروہوی جو حجاز میں رہتے تھے، کا ذکر کرتے ہوئے ان کے جد امجد شاہ ابنؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔

شجرۂ نسب

حضرت محدث امروہویؒ کا شجرۂ نسب حضرت شاہ ابنؒ تک حسب ذیل ہے۔ سید احمد حسن بن سید اکبر حسین بن سید نبی بخش بن سید محمد حسین بن پیر سید محمد حسن بن سید سیف اللہ بن سید ابوالمعالی ابن سید ابوالمکارم بن سید ابوالقاسم بن حضرت شاہ ابنؒ۔

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن امروہہ میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے تمام اساتذہ کا علم نہیں، مگر مولانا سید رافت علی (ساکن محلہ دربار کلاں) اور مولانا سید محمد حسین جعفری[۱] (ساکن محلہ چاہ شور) کے نام تذکرۃ الکرام مؤلفہ محمود احمد عباسی) میں ملتے ہیں[۲]۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے علم طب کی بھی تحصیل کی۔ بعدہٗ حضرت مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں میرٹھ پہونچے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ اس زمانہ میں مطبع ہاشمی میں ملازم تھے۔ مطبع میں کتابوں کی تصحیح کے بعد جو وقت ملتا تھا اس میں دو چار ذہین طلبہ کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ حضرت امروہویؒ حضرت نانوتویؒ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ الہند مولانا

---

[۱] حضرت محدث امروہویؒ کے اساتذہ میں مولانا رافت علی صاحب، مولانا کریم بخش بخشیؒ خلف مولانا امام الدین بخشیؒ (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ) مولانا محمد حسین جعفریؒ، (فن طب میں) حکیم امجد علی خانؒ، مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، (قرأت میں) قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی کے نام ملتے ہیں۔

[۲] محمود احمد عباسی: تذکرۃ الکرام ص ۳۱۷ (طبع ۱۹۳۲ء)

محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور حضرت امروہویؒ تینوں باکمال تلامذہ ہیں۔ حضرت نانوتویؒ سے میرٹھ میں رہ کر پڑھا تھا تمام علوم و فنون منطق و فلسفہ، ادب، معانی، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث و تفسیر کی تعلیم دیکر آخر میں ان حضرات کو ایک یا دو سال کے لئے دیوبند بھی بھیج دیا تھا اور وہیں حضرت نانوتویؒ نے ان کی دستار بندی کرائی تھی عله

دار العلوم دیوبند

دار العلوم کے صدر مدرس اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تھے۔ انھوں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بخاری شریف پڑھی تھی۔ اس لحاظ سے یہ تینوں مذکورہ اکابر جو حضرت نانوتویؒ کے خاص شاگرد تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے استاذ بھائی بھی تھے۔ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مختلف اوقات میں ہندوستان کے چند مشہور محدثین سے بھی (جن کی سند اونچی تھی، مثلاً مولانا قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتیؒ، حضرت شاہ عبد الغنی مجددی مہاجر مدنیؒ عله۲

عله حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی دستار بندی ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ ۹ جنوری ۱۸۷۴ء کو ہوئی تھی، گمان یہ ہے کہ اسی سال حضرت محدث امروہویؒ کو بھی دستار فضیلت ملی ہو گی۔

عله۲ شاہ عبد الغنی مہاجر مدنیؒ ابن ابو شاہ سعید مجددی: ولادت ۲۵ شعبان ۱۲۳۵ھ ۸ جون ۱۸۲۰ء۔ آپ نے مکہ معظمہ جاکر شیخ محمد عابد سندھیؒ سے سندِ حدیث لی۔ اور شاہ محمد اسحٰق محدثؒ سے تکمیل درس کیا ۱۸۵۷ء کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں ۱۲۹۶ھ، ۱۸۷۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی درس لیا تھا۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ اہل دہلی)

سندِ حدیث حاصل کی، یہ دونوں شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی[1] کے نامی گرامی شاگرد تھے حضرت محدث امروہوی نے پہلا حج بھی جوانی کے عالم میں حضرت نانوتوی کے ہمراہ کیا تھا۔ اس وجہ سے بھی حضرت شاہ عبدالغنی کی نظرِ التفات حضرت امروہوی پر پڑی، ہندوستان واپس آنے کے بعد حضرت نانوتوی نے اپنے شاگردوں کو جو معقول و منقول میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے تین مختلف مدرسوں میں درس و تدریس کے لئے مقرر کر دیا۔ حضرت شیخ الہند دیوبند میں مدرس ہوئے فخر العلماء مولانا فخر الحسن گنگوہی کو نگینہ اور حضرت امروہوی کو مراد آباد بھیجا[2] وہاں حضرت نانوتوی کی حیات میں حضرت کے ایماء پر ۱۲۹۶ھ، ۱۸۷۹ء میں مدرسۃ الغرباء قائم ہوا جو اَب مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت نانوتوی نے اپنے صاحبزادے حافظ محمد احمد کو تعلیم و تدریس کے لئے حضرت امروہوی کے پاس

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور جانشین، شیخ محمد افضل کے فرزند، ولادت ۱۷۸۲ء، تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور سندِ حدیث شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے لی۔ چالیس سال تک مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس دیا۔ ۱۸۲۴ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے ۱۸۴۲ء میں مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کی، چار سال اور چند ماہ حرم مقدس میں رہ کر ۱۸۴۵ء میں انتقال کیا اور جنت المعلی میں مدفون ہوئے۔

تصانیف: مشکوٰۃ المصابیح کا اردو ترجمہ، فارسی رسالہ شعب الایمان، مائۃ مسائل وغیرہ، برائے مزید حالات ملاحظہ ہو۔ علم حدیث میں علماءِ پاک و ہند کا حصہ محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور انکا خاندان، محمد اسحٰق بھٹی، فقہائے ہند۔

[2] حضرت امروہوی سب سے پہلے خورجہ میں مدرس مقرر ہوئے وہاں سے کچھ عرصہ کیلئے سنبھل کے مدرسہ جامع مسجد میں درس دیا پھر مدرسہ عبدالرب دہلی میں پہونچ کر درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۲۹۶ھ سے ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ تک مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدر مدرس رہے آخر میں اپنے وطن امروہہ کے مدرسہ جامع مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔

مرادآباد بھیجا۔ جب حضرت محدثؒ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو حافظ محمد احمد کو دیوبند بلالیا، اس مدرسۃ الغرباء کے پہلے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث حضرت امروہویؒ تھے۔ پہلے ہی سال اس مدرسہ میں طلبہ جوق درجوق آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مدرسہ دیوبند و سہارنپور کے بعد ایک عظیم الشان مدرسہ بن گیا۔ حضرت نانوتویؒ کے وصال (۴ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء) کے بعد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سالانہ امتحان کے لئے ممتحن ہوکر مرادآباد تشریف لائے اور اپنے تاثرات جو اس مدرسہ کو دیکھ کر پیدا ہوئے تھے ان کو قلم بند فرمایا۔ یہ تاثرات مدرسہ کی پہلی یا دوسری روداد میں درج ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے مدرسہ مرادآباد کا امتحان لیا اس روداد سے معلوم ہوا کہ حضرت حافظ صاحب بعض اعلیٰ کتابوں میں اول نمبر پاس ہوئے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے جو معائنہ لکھا ہے وہ روداد مدرسہ شاہی بابت ۱۲۹۷ھ، ۱۸۸۰ء یا ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۱ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کی روز افزوں ترقی پر بہت خوشی کا اظہار کیا ہے، مدرسین و طلباء مدرسہ کی تحسین و تعریف فرمائی ہے۔ اگلے سال مولانا سید احمد ولی اللّٰہی علیٰ دہلویؒ

۱؎ یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اولاد میں تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مدرسہ رحیمیہ کا احیا بھی کیا تھا۔ شاہ صاحبؒ کی متعدد تصانیف بھی ان کی کوشش سے شائع ہوئیں ۱۸۹۱ء تک گیارہ کتابیں چھاپ چکے تھے۔ کل مطبوعات ۲۵ سے زیادہ ہیں۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ (ف ۱۸۵۶ء) کی صاحبزادی امۃ اللہ زوجہ سید نجیم الدین تھیں۔ ان سے دو صاحبزادے ہوئے ایک سید نصیر الدین دہلوی جنھوں نے معرکۂ بالاکوٹ کے بعد تحریک جہاد میں نئی روح پھونکی تھی انھوں ۱۸۴۰ء میں وفات پائی۔ دوسرے بیٹے مولوی معز الدین تھے جو مولوی سید احمد

بحیثیت ممتحن سالانہ مراد آباد تشریف لائے اور امتحان لے کر بہت خوش ہوئے انھوں نے جو معائنہ لکھا اس کے ایک جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ مراد آباد حضرات مدرسین کی برکت سے دارالعلوم بن گیا ہے اور اس شہر مراد آباد میں علم دین کی اس قدر رونقیں ہیں کہ وہ دہلی میں نہیں پائی جاتیں ۔

خورجہ میں آمد

مدرسہ شاہی مراد آباد[عله] سے حضرت محدث امروہوی رح مولانا نانوتوی رح کے ایماء پر خورجہ ضلع بلند شہر پہونچے وہاں مدرسہ قاسم العلوم یا مدرسہ قاسمیہ میں سلسلۂ درس قائم کیا۔ وہاں پر مولانا محمد یعقوب رح بھی رفیق درس رہے۔ کچھ عرصہ مولانا فخرالحسن صاحب رح بھی حضرت امروہوی رح کے ساتھ مدرس رہے۔ اندازہ یہ ہے کہ مدرسہ کی مالی حالت بگڑ جانے کی وجہ سے حضرت رح کو منشی حمیدالدین بیخود سنبھلی رح نے سنبھل بلالیا۔ یہاں جامع مسجد میں سنبھل کے قریب ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، یا وہ پہلے ہی سے غیر ترقی یافتہ شکل میں موجود تھا۔ سنبھل ایک سال سے زیادہ نہ رہے ہوں گے کہ خان صاحب عبداللہ خان خورجوی رح منت سماجت کر کے اور منشی بیخود سنبھلی رح کو راضی کر کے حضرت امروہوی رح کو پھر خورجہ لے گئے وہاں سے ایک سال کے اندر استعفاء دے کر مدرسہ عبدالرب دہلی میں سلسلہ ملازمت قائم کیا۔ غالباً حضرت مولانا نانوتوی رح کی اجازت بھی دہلی کے لئے شامل رہی ہوگی، وہاں تقریباً ایک سال رہے کہ دہلی ہی میں حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب امروہوی رح کو صحاح ستہ کی اجازت دی ہے اور اس پر حضرت

(بقیہ ص کا)
ولی اللہی کے والد بزرگوار ہیں۔ (برائے تفصیل محمود احمد برکاتی: شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص ۱۸۶، ۱۸۸ طبع لاہور ۱۹۷۶ء)

عله قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مدرسہ شاہی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند ہونا چاہئے غالباً فاضل مقالہ نگار کے سبقت قلم یا کاتب کی تصحیف سے مدرسہ شاہی ہوگیا۔ اسلئے کہ مدرسہ شاہی کے بعد آپ خورجہ وغیرہ تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ امروہہ آگئے تھے۔ (مرتب)

نانوتوی نے بھی تصدیقی کلمات تحریر فرمائے ہیں اس میں اپنے شاگرد رشید کو "مدظلہ العالی" لکھا ہے۔

مرادآباد میں

دہلی سے حضرت محدث امروہوی مولانا نانوتوی کے اشارے پر مرادآباد آگئے۔ وہاں مولانا سید عالم علی نگینوی ثم مرادآبادی کی رحلت ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء کے بعد ضرورت تھی کہ ایک بڑا مدرسہ قائم کیا جائے۔ مولانا محمد قاسم کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ "

"مولانا سید عالم علی کی شخصیت علمی لحاظ سے اتنی عظیم تھی کہ ان کا قائم مقام ایک بڑا مدرسہ ہی ہوسکتا ہے"۔

چنانچہ ۱۲۹۶ھ میں شاہی مسجد مرادآباد کے اندر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسکا نام "مدرسۃ الغرباء" رکھا گیا۔ اس مدرسہ کے پہلے جلسہ میں جو چندے کے لئے منعقد کیا گیا تھا، ایک بہشتی نے سب سے پہلے چندہ دیا جو چار آنے یا آٹھ آنے کا تھا۔ اس کو رسالہ "البلاغ"، بمبئی کے تعلیمی نمبر میں ایک مقالہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جس میں مدرسہ کی مختصر روداد آگئی ہے۔

شوال ۱۳۰۳ھ، جولائی ۱۸۸۶ء تک حضرت امروہوی مدرسہ شاہی مرادآباد کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے اس کے بعد وہاں کے بعض ممبران کی باتوں سے ناراض ہوکر استعفاء دے دیا۔

میرٹھ وغیرہ سے آپ کے پاس پیغام آئے کہ وہاں بھی کسی مدرسہ کو اپنے فیض سے سرفراز فرمادیں لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا اور نہ کسی مدرسہ میں اپنے تقرر کی درخواست دی۔

مدرسہ اسلامیہ امروہہ

اہل امروہہ نے مشورہ کرکے حضرت کو امروہہ کے مدرسہ میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ یہ مدرسہ پہلے حضرت مولانا نانوتوی کے ایماء سے قائم ہوا تھا لیکن اس وقت نصاب محدود تھا۔

حفظ قرآن شریف اور ناظرہ قرآن شریف کے ساتھ کچھ فارسی کی کتابیں پڑھائیں

جاتی تھیں اور کچھ حساب سکھایا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ پہلے امروہہ کے کسی اور محلہ میں قائم تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جامع مسجد میں آگیا۔ پہلے اس کا نام "تاج المدارس" تھا، پھر جب حضرت محدث امروہویؒ اس مدرسہ میں آگئے تو "مدرسہ اسلامیہ امروہہ" اس کا مختصر نام رہا۔ پورے شہر میں اس شان کا مدرسہ پہلے نہ تھا، مولانا امروہویؒ کے تعلق کے بعد یہ مدرسہ بام ثریا پر پہونچ گیا۔ پہلے ہی سال عربی کے طلبہ امروہہ اور امروہہ کے قرب وجوار اور دور دراز سے جوق در جوق آنے لگے۔

حضرت شیخ الہندؒ بھی مدرسہ عالیہ دیوبند میں داخلہ لینے والے بعض طلبہ سے یہ فرماتے تھے کہ تم میرے احمد حسن امروہویؒ کے پاس جاؤ وہاں تمھیں تشفی بخش جواب ملے گا۔ بہت سے طلبہ اس طرح بھی دارالعلوم دیوبند سے چل کر مدرسہ امروہہ میں داخل ہوتے۔ علاوہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے، کابل، تاشقند، سمرقند، بخارا، اور اس سے بھی آگے رہنے والے تشنگانِ علم امروہہ آکر سیراب ہوئے۔ افسوس ہے کہ وہ رجسٹر جس میں قیام مدرسہ سے لے کر ۱۳۲۹ھ تک فارغ التحصیل طلبہ کا تذکرہ اور ان کا پتہ درج تھا، ہماری بدقسمتی سے جل گیا۔ ہم ایک بڑی اور اہم تاریخی دستاویز سے محروم ہوگئے۔

حضرت محدث امروہویؒ کی جامعیت

حضرت محدث امروہویؒ ایک بلند پایہ محدث تو تھے ہی تفسیر و فقہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، تمام فنونِ حکمیہ اور فنون معقولہ پر نظر تھی اور فنِ طب سے بھی واقف تھے۔ مگر باقاعدہ اس کا مظاہرہ مطب کی صورت میں نہیں کیا۔ ہمیشہ تشنگانِ علومِ دینیہ کو سیراب کرنے کی طرف متوجہ رہے۔

حضرتؒ کا حلیۂ مبارک

میانہ قد، دوہرا جسم، خوبصورت وحسین چہرہ، داڑھی پر آخر میں وسمہ ومہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ ان کا حسن مشہور تھا۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے کسی موقع پر فرمایا ہے کہ ایک صاحب (غالباً الہ آباد کے) جب کسی ذی کمال کے

متعلق تعریفی کلمات ادا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ "میں فلاں شخص کے فلاں کمال کی رجسٹری کرتا ہوں" مثلاً شاہ مولانا سلیمان پھلواری مرحوم مثنوی مولانا روم بہت عمدہ انداز میں پڑھتے تھے ان کے متعلق کہتے تھے کہ "میں انکی خوش الحانی کی رجسٹری کرتا ہوں" حضرت محدث امروہوی کے متعلق وہ صاحب کہا کرتے تھے "میں ان کے حسن کی رجسٹری کرتا ہوں"۔

دینی عظمت وشوکت کے ساتھ ساتھ سراپا حسن اور مجسم محبوبیت تھے۔ ان کے بعض دیکھنے والے ان کے حسن وجمال اور فضل وکمال کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ لباس عمدہ اور نفیس پہنتے تھے مگر بعض اوقات سفر میں معمولی کپڑے زیب تن فرمانے میں بھی عار نہ تھی۔ معمولی سے معمولی کپڑا بھی حضرت کے جسم مبارک پر زیب دیتا تھا۔ عمامہ ایک خاص طرز پر باندھتے تھے جو بہت ہی خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ عینک لگاتے تھے۔

سیرت اور اخلاق

آپ اخلاق حسنہ کے نمونہ تھے۔ اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ ہاں دین کی حمایت میں غصہ اور جلال نمودار ہو جاتا تھا، تواضع، مہمان نوازی، شفقت علی الخلق اور صلہ رحمی میں فرد تھے علم کا وقار اور دین کی عظمت قائم رکھنے کے لئے خود داری کے ساتھ رہتے تھے۔ اپنے شاگردوں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے۔ عوام الناس سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے تھے۔ شہر میں وعظ کے لئے جب کوئی بلاتا تھا، بلا تکلف اس کے گھر پہونچ کر وعظ فرماتے۔ اولیاء اللہ سے خاص عقیدت اور والہانہ محبت تھی اپنے وطن کے بزرگان دین کے مزارات پر کبھی کبھی برائے فاتحہ حاضر ہوتے تھے۔ زندہ اہلِ ذکر اور صاحبِ حال بزرگوں سے اچھے روابط تھے۔ انگریز اور اس کی تہذیب کے سخت مخالف تھے۔ درس میں بعض اوقات فرماتے کہ کون سا وقت آئے گا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہو گی اور ان

آنکھوں والوں (انگریزوں) سے جہاد کروں گا۔

وفات

حضرت محدث امروہی نے مرض طاعون میں مبتلا ہو کر ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ، ۱۸ مارچ ۱۹۱۲ء منگل کی شب میں ۱۱ بجے اپنے وطن امروہہ میں انتقال فرمایا۔ "شہید اعظم" مادۂ تاریخ وفات ہے۔ نماز جنازہ حافظ محمد احمد صاحبؒ (فرزند قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) نے پڑھائی اور جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانب جنوب دفن ہوئے یہیں آپ کے شاگرد حضرت حافظ عبدالرحمٰن صدیقیؒ بھی مدفون ہیں۔

خاص تلامذہ

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جس میں حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھلاؤدویؒ، استاذ القراء حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ حضرت مولانا محمود حسن سہسوانیؒ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تصانیف

آپ نے چند تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جن میں افادات احمدیہ (دو جلدوں میں) ازالۃ الوسواس اور المعلومات الالٰہیہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے بعض فتاویٰ بھی پھلاؤدہ اور رامپور کے کتبخانوں میں موجود ہیں۔ نیز آپ نے جو مناظرے گلاؤٹھی، نگینہ اور رامپور میں کئے، ان کی رودادیں بھی آپ کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

(ماخوذ از مکتوبات سید العلماء مطبوعہ امروہہ)

زمانۂ صدارت: شوال ۱۳۰۳ھ تا ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ کل مدت: ۱ سال ۲ ماہ

حضرت مولانا منصور علی خاں صاحب مرادآبادی

(المتوفی سنہ ۱۳۴۷ھ)

وطن مرادآباد اور والد کا نام حسن علی خاں صاحب تھا، ابتدائی تعلیم حاصل کرکے آپ نے تقریباً سنہ ۱۲۹۲ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور سنہ ۱۲۹۳ھ میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ [1]

تاریخ دار العلوم دیوبند سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتویؒ کے بھی شاگرد تھے۔ کافی عرصہ تک آپ کے ساتھ رہے اور سنہ ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ [2]

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں سنہ ۱۳۰۳ھ میں حضرت محدث امروہویؒ کے استعفیٰ دینے کے بعد صدر مدرس کا منصب خالی تھا۔ حضرات اکابر دیوبند کے مشورہ سے آپ کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ لیکن سنہ ۱۳۰۴ھ کے اواخر میں آپ مدرسہ شاہی سے استعفاء دیکر حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں جامعہ طبیہ کے استاذ بنائے گئے۔ طویل مدت تک وہاں مقیم رہے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے عالم محدث اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف بھی تھے۔ آپکی حسب ذیل کتابیں عام طور پر ملتی ہیں۔ (۱) فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین۔ یہ رد غیر مقلدیت میں بے نظیر کتاب ہے۔ (۲) مذہب منصور جس میں توحید و رسالت اور دلائل نبوت سے متعلق مباحث دلنشیں پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ اسکی دو جلدیں ہیں۔ (۳) معیار الادویہ، طب یونانی کی دواؤں کے اوصاف وغیرہ پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے۔ (۴) عقائد منصوری یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے رسالہ حسن العقیدہ کا اردو ترجمہ ہے۔ حیدرآباد سے آپ اخیر عمر میں مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور ہجرت کی نیت کرتے ہوئے اسی کو اپنا وطن بنا لیا تھا مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۳۴۷ھ میں وفات ہوئی اور جنۃ المعلیٰ میں آسودۂ خواب ہوئے۔ رحمہ اللہ

آپکے صاحبزادے مولانا حکیم مقصود علی صاحب حیدرآباد دکن کے افسر الاطباء اور دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔

---

[1] علماء مظاہر علوم کی علمی و تصنیفی خدمات (مولانا محمد شاہد صاحب) ص ۳۱۷۔ [2] تاریخ دار العلوم دیوبند ص ۱۴۲

زمانۂ صدارت : محرم ۱۳۰۵ھ تا رجب ۱۳۰۶ھ، کل مدت : ا رسال ۷ ماہ

حضرت مولانا عبدالحق صاحب پورقاضوی علیہ الرحمۃ

(المتوفی ۱۳۴۲ھ)

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں آپ کا سنہ پیدائش ۱۲۵۸ھ لکھا گیا ہے۔[1] ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ "پور قاضی" کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور کے طالب علموں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۲۸۷ھ میں دارالعلوم سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ ۱۲۸۹ھ تک فنون کی کتابیں زیر درس رہیں۔ آپ کے نمبرات امتحان نہایت اعلیٰ ہوتے تھے، جس کا قدرے اندازہ روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۷ھ کی درج ذیل رپورٹ سے ہو سکتا ہے۔

"(عبدالحق پر قاضوی)

جلالین شریف	بخاری شریف	مسلم شریف	ابوداود شریف	دیوان متنبی	تاریخ
۲۱	۲۱	۲۰	۲۱	۱۸½	۳۰

"[2]

واضح رہے کہ اسوقت دارالعلوم میں امتحان کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمبر ۲۰ تھے۔ ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم کا پہلا جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، جسمیں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ آپ کی بھی دستار بندی ہوئی۔[3]

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ریاست رتلام میں اکاؤنٹنٹ جنرل مقرر ہوئے اخیر عمر تک اس عہدے سے متعلق رہے۔ لیکن مدرسہ شاہی کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ درمیان میں تقریباً دو سال محرم ۱۳۰۵ھ سے رجب ۱۳۰۶ھ تک مدرسہ شاہی کے منصب صدارت تدریس پر فائز رہے۔[4] آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔ آپنے ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں رتلام میں وفات پائی۔ آپکی چھوٹی صاحبزادی حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب پورقاضوی سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حرم میں تھیں۔[5] شادی کے موقع پر آپ نے اپنی بیٹی کو چند نصائح لکھ کر عنایت فرمائی تھیں، جنھیں حضرت اقدس تھانویؒ نے بہترین جہیز کے عنوان سے بہشتی زیور میں شامل فرما دیا ہے، اس قیمتی تحریر کو پڑھ کر آپ کی علمی عظمت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ تحریر ۱۳۲۱ھ میں لکھی گئی ہے۔[6]

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۲۶/۲۔ [2] روداد دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۷ھ۔ [3] تاریخ دارالعلوم ص ۲۸/۲۔ [4] رجسٹر حاضری ملازمین ومدرسین ۱۳۰۵ھ و ۱۳۰۶ھ۔ [5] تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۲۸/۲۔ [6] بہشتی زیور ضمیمہ ثانیہ حصہ ششم۔

زمانۂ صدارت: باراول، رجب سنہ ۱۳۰۶ ہجری تا شعبان سنہ ۱۳۱۱ ہجری } کل مدت ۷ سال
بار دوم، ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری تا شعبان سنہ ۱۳۱۴ ہجری

پیکر علم وعمل

حضرت مولانا عبدالعلی قاسمی میرٹھی رحؒ متوفی سنہ ۱۳۴۷ھ

مولانا معزالدین احمد صاحب قاسمی معتمد امارت شرعیہ ہند۔

آپ فریدی خانوادہ کے چشم وچراغ شیخ نصیب علیؒ کے صاحبزادۂ باکمال، اور قاسمی قافلۂ فضل وکمال کے فرد فرید تھے۔

عبداللہ پور ضلع میرٹھ میں ولادت اور نشو ونما ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے اساطین علم وفضل کے آستانوں پر حاضری دی حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی سنہ ۱۲۹۷ ہجری) محدث کبیر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ[1] (متوفی سنہ ۱۲۹۷ ہجری) اور امام الادب مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ[2] (متوفی سنہ ۱۳۰۴ھ) وغیرہ

---

[1] حضرت مولانا احمد علی بن لطف اللہ محدث سہارنپوریؒ سنہ ۱۲۲۵ھ میں پیدا ہوئے استاذ العلماء مولانا مملوک علی نانوتویؒ متوفی سنہ ۱۲۶۷ھ اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ متوفی سنہ ۱۲۶۲ھ کے مایہ ناز تلامذہ میں تھے اور اپنے عہد کے مشاہیر علماء کے استاذ تھے۔ بقول علامہ شبلی نعمانی اس زمانہ کے اکثر بڑے بڑے علماء احناف ان کے شاگرد تھے۔ ہندوستان میں حدیث کی کتابیں، صحیح بخاری، جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح کے قلمی نسخوں کو صحیح کرکے نہایت اہتمام کے ساتھ پہلی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ کیا اور ان کے حواشی لکھے۔ ۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۷ھ بروز شنبہ سہارنپور میں وفات پائی۔ تفصیلی حالات کے لئے سید محبوب رضویؒ کا مضمون مطبوعہ ماہنامہ برہان نومبر سنہ ۷۶ء کا مطالعہ کیا جائے۔ (ماخوذ از تاریخ دارالعلوم ج ۱ ص ۱۰۷)۔

[2] مولانا فیض الحسن بن خلیفہ علی بخش سہارنپوریؒ نے مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ۔ اور شاہ احمد بن ابی سعید مجددی دہلویؒ وغیرہ اساطین امت سے اکتساب فیض کیا۔ قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت حاصل کی اردو عربی اور فارسی کے باکمال ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ "خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو"۔ پوری زندگی تدریس وتصنیف میں گذری۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۴ھ میں وصال فرمایا۔ (ماخوذ از حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء ص ۲۷۴ تا ۲۷۷)

اکابر علم وفضل سے کسبِ فیض کیا۔[1] حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ "تاریخ دار العلوم" میں لکھا ہے کہ ۱۲۹۴ھ میں دار العلوم سے فراغت پائی۔[2] مگر مدرسہ کی روئیدادوں اور رجسٹر فضلاء سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

درس وتدریس

آپ اپنی علمی ذکاوت، فطری ذہانت اور کمال استعداد کے باعث معاصرین میں ایک امتیازی اور نمایاں مقام کے حامل تھے۔ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ پر عبور اور ادب وحدیث میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ تحصیل علوم کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ اور تاعمر قائم رکھا۔ دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسۃ العلوم حسین بخش دہلی، مدرسہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی میں پچاس سال سے زائد تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کیا، صدہا عالم وفاضل، محدث ومفسر، مجاہد اور داعی الی اللہ پیدا کئے، جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (م ۱۳۷۲ھ) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (متوفی ۱۳۷۷ھ) قطب دوراں شاہ عبدالقادر رائپوریؒ (م ۱۳۸۲ھ) وغیرہ جیسے حضرات اکابر شامل ہیں۔ اس پچاس سالہ عہد میمون کی مختصر سرگزشت پیش ہے۔

آغاز تدریس دار العلوم سے

۱۲۹۴ھ میں علوم کی تحصیل وتکمیل کے بعد پہلی بار دار العلوم کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے جو اس وقت مدرسہ اسلامی عربی دیوبند کے نام سے معروف تھا۔ روئیداد ۱۲۹۴ھ میں لکھا ہے کہ!

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۶۷، [2] تاریخ دار العلوم ج ۲ ص ۴۲۔ [3] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندیؒ متوفی ۱۳۳۹ھ مراد ہیں۔ [4] از روئیداد مدرسہ اسلامی عربی دیوبند ۱۲۹۴ھ ص ۲

"مولوی محمود حسن[1] مدرس چہارم یکم شوال سے بحصول رخصت مکہ معظمہ تشریف لے گئے" اور آپ کے بارے میں تحریر ہے کہ "مولوی عبدالعلی صاحب بعوض مدرس چہارم مقرر ہوئے۔[2]" حضرت شیخ الہند کی واپسی کے بعد آپ کو مدرس پنجم بنایا گیا اور اس عہدہ پر جمادی الاخریٰ ۱۲۹۸ھ تک فائز رہ کر نسائی شریف، ابن ماجہ، سبعہ معلقہ، مقامات حریری، مختصر المعانی، نورالانوار، شرح وقایہ، شرح ملا جامی، شرح تہذیب، منیۃ المصلی، قطبی، اور میر قطبی وغیرہ کتابوں کا درس دیا۔[3] اسی زمانہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) نے آپ سے مقامات حریری سبعہ معلقہ اور نسائی شریف کا کچھ حصہ پڑھا۔[4]

۱۲۹۵ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) نے حضرت الاستاد حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کی ایماء اور اشارہ پر "انجمن ثمرۃ التربیت" کی بنیاد ڈالی تو اس کے ۱۹ بنیادی ارکان بالفاظ دیگر بانیان میں آپ بھی شامل تھے۔[5]

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دارالعلوم دیوبند کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور مدرس دوم ہو کر تشریف لے گئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (م ۱۴۰۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"یکم رجب (میں) رواں (۱۲۹۸ھ) سے مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھی جو مدرسہ دیوبند میں مدرس تھے۔ بمشاہرہ عہ ۲۰ بجائے مدرس دوم کے تشریف لائے۔[6]

اس وقت مدرسہ مظاہر علوم کی مسندِ صدارت پر حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ) جلوہ آرا تھے۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کو وصال ہو گیا اس کے بعد آپ کو قائم مقام صدر مدرس بنا دیا گیا۔ مولانا عاشق الٰہی بلند شہری لکھتے ہیں۔

---

[1] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ مراد ہیں۔ [2] از روئیداد مدرسہ اسلامی عربی دیوبند ۱۲۹۴ھ ص ۲۔ [3] ایضاً ۱۲۹۴ھ تا ۱۲۹۷ھ۔ [4] حسن العزیز ج ۲ ص ۲۲۷ بحوالہ قصص الاکابر ص ۳۔ [5] از روئیداد موتمر الانصار مراد آباد ص ۵ تاریخ مظاہر علوم ج ۱ ص ۴۴۔ [6]

"بعد ان توفی المحدث الاکبر مولانا محمد مظہر النانوتوی قدس سرہ
ناب منابہ فی درس الحدیث بعدہ فی جامعۃ مظاہر علوم مولانا عبد العلی
الیٰ ان استقال فی سنۃ ۱۳۰۶ھ" [1]

ربیع الاول ۱۳۰۶ھ تک مدرسہ مظاہر علوم کی مسند صدارت تدریس پر مامور رہ کر علم وفضل کے دریا بہائے۔ آخری سال میں بخاری شریف کے علاوہ ہدایہ، مقامات حریری رشیدیہ، حماسہ، قطبی، شرح اسباب اور دیوان متنبی زیر درس رہیں۔ اس عرصۂ تدریس میں سینکڑوں تلامذہ نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جن میں مولانا فیض الحسن پور قاضویؒ، مولانا رحیم بخش سہارنپوریؒ، مولانا جان محمد پنجابیؒ سابق قاضی ریاست ٹونک اور مولانا فخر الدین گنگوہیؒ استاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی وغیرہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں [2] شیخ الحدیثؒ نے تاریخ مظاہر میں ۱۳۰۶ھ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا عبد العلی صاحبؒ ربیع الثانی سن رواں میں رخصت لے کر مرادآباد تشریف لے گئے اور مدرسہ کی قلت تنخواہ کی وجہ سے مالی مشکلات کی بنا پر مدرسہ میں استعفاء بھیجنے پر مجبور ہوئے۔" [3]

جامعہ قاسمیہ مرادآباد کی مسند صدارت پر

مدرسہ مظاہر علوم سے ہندوستان کی تیسری بڑی درسگاہ مدرسہ شاہی میں ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ میں تشریف لائے اور حضرت مولانا عبد الحق پور قاضویؒ تلمیذ حضرت نانوتوی رحؒ (م ۱۳۴۲ھ) کے ریاست رتلام منتقل ہو جانے کے بعد بزم آرائے صدارت تدریس ہوئے اور شعبان ۱۳۱۱ھ تا ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کے علاوہ اواخر شعبان ۱۳۱۴ھ تک زیب دہ مسند صدارت تدریس رہ کر تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا جن میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند (م ۱۳۷۲ھ) اور

---

[1] العناقید الغالیۃ فی الاسانید العالیۃ ص۵۸۔ [2] از تاریخ مظاہر مصنفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
[3] ایضاً ص۵۵۔

خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ مولانا عبدالمجید شاہجہانپوری (م ۱۳۵۴ھ) جیسے اربابِ فضل وکمال بھی شامل ہیں۔ آپ کے علم وتقویٰ اور فضل وکمال سے اربابِ شاہی واہالیانِ مرادآباد اس قدر متأثر تھے کہ اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ ہوا اور جب آپ کسی ناگوار سبب سے شعبان ۱۳۱۱ھ میں مستعفی ہوکر چلے گئے۔ تو اربابِ مدرسہ باصرار دوبارہ واپس لائے اور آپ دوبارہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کو منصبِ صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔[1] اور اس مدت علیٰحدگی میں مدرسہ حسین بخش دہلی کی صدارتِ تدریس کو رونق بخشا۔ صاحب نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

"تصدر للتدریس فی مدرسۃ المرحوم حسین بخش بدھلی فی سنۃ اثنی عشر وثلاث مائۃ والف ولقیتہ ببلدۃ دھلی"[2] (نزہۃ الخواطر ص۲۶۷ ج۸)

مولانا عبدالحی لکھنویؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ رجب ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں دہلی تشریف لائے تھے۔ دہلی کے دوسرے مدرسوں کے علاوہ مدرسہ حسین بخش کی سیر کیلئے تشریف لائے چنانچہ اپنے سفرنامہ دہلی اور اسکے اطراف میں اس مدرس کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

"مولوی عبدالعلی صاحب مدرس اول ہیں یہ مسجد کے شرقی وجنوبی گوشہ کے مکان میں رہتے ہیں وہیں درس دیتے ہیں۔ مولوی فیض الحسن مولانا قاسم، مولانا احمد علی صاحب مرحومین کے شاگرد ہیں۔ مولانا قاسم صاحب سے زیادہ تلمذ ہے۔ انھیں کی صحبت میں زیادہ رہے ہیں۔ انھیں سے ارادت ہے۔ آدمی خلیق، سنجیدہ، بے تکلف اور سادہ مزاج ہیں۔ خودداری اور پندار سے بالکل کنارہ کش، صورت سے علماء دین کی شان معلوم ہوتی ہے۔ جب میں گیا تو صحیح مسلم کا سبق ہوچکا تھا۔ طلباء سے باتیں کررہے تھے۔ مجھ سے نہایت شگفتہ پیشانی کے ساتھ ملے۔ تعارف کے بعد مجھ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں ایک سبق اور پڑھا دوں۔ اسکے بعد سنن ابن ماجہ کا سبق شروع ہوا۔ دیر تک پڑھاتے رہے۔ تھوڑی دیر میں

---

[1] از روئیداد و رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی۔ [2] نزہۃ الخواطر ج۸ ص۲۶۷

یں سبق ختم کیا۔ اور طالب علموں سے کہہ دیا کہ باقی سبق سہ پہر کو ہوں گے۔ مجھ سے نہایت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے۔ [۱]

تقریباً ایک سال تک صدر مدرس رہے۔ پھر ۱۳۱۷ھ میں دوبارہ صدر مدرس ہوکر تشریف لائے۔

دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ

شعبان ۱۳۱۴ھ کی آخری تاریخ کو ارباب مدرسہ شاہی کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کے تعمیل ارشاد میں آپ کی جدائی کا کڑوا گھونٹ برداشت کرنا پڑا۔ اور آپ یکم رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ میں مدرس دوم ہوکر دارالعلوم دوبارہ تشریف لے گئے روئیداد مدرسہ (۱۳۱۴ھ) میں مذکور ہے۔

(سرپرست مدرسہ حضرت گنگوہیؒ نے) مولوی خلیل احمد صاحبؒ کی تبدیلی ۸ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ سے سہارنپور میں فرمائی اور اس مدرسہ کے منتظمان کے تردد اور تشویش کا یہ عمدہ تدارک کیا ہے کہ جناب مولوی عبدالعلی صاحب مدرس مدرسہ مرادآباد کو یہاں بلالیا۔ ہرچند مدرسہ مرادآباد کے منتظم کسی طرح مولوی صاحب کے دینے پر راضی نہ تھے لیکن مولانا صاحب سرپرست کے امتثالِ حکم میں سب کو مجبوری ہوئی اور بالآخر مولوی عبدالعلی صاحب کو لکھا۔ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ سے یہاں تشریف لانا ہوا۔ اور منتظمان مدرسہ ہذا کو اس سخت تشویش سے رہائی ہوئی۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

؎ آں چناں غم کہ داشت خاطرِ ما — ایں چنیں غمگسار می بایست [۲]

دوبارہ دارالعلوم میں آمد کس اہتمام اور طلب سے ہوئی اس کی کچھ تفصیل رجسٹر کارروائی شوریٰ مدرسہ شاہی سے ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۳۳۹ھ

---

[۱] دہلی اور اس کے اطراف ص ۵۷۔ بحوالہ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۷۳۔ مصنفہ امداد صابری

[۲] روئیداد مدرسہ اسلامی عربی دیوبند بابت ۱۳۱۴ھ۔

اور مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ متوفی ۱۳۴۷ھ کو حضرت گنگوہیؒ کا مکتوب گرامی لے کر ۲۸ رجب ۱۳۱۴ھ کو مراد آباد تشریف لائے جس میں حضرت گنگوہیؒ نے مہتمم مدرسہ شاہی نواب مولانا محی الدین خاں مراد آبادیؒ متوفی ۱۳۴۷ھ کو لکھا ہے کہ "مدرسہ سہارنپور میں چونکہ ایک قابل شخص کی ضرورت تھی مولوی خلیل احمد صاحبؒ کو سہارنپور مامور کر دیا گیا۔ مدرسہ دیوبند میں مدرسی دوم خالی ہے اس کے واسطے ایک اعلیٰ لائق کی حاجت ہے میری رائے میں مولوی عبد العلی صاحب اس منصب کے واسطے نہایت موزوں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بطیب خاطر ان کو دیوبند کے لئے اجازت دے دیں"[1] حضرت گنگوہیؒ کا یہ مکتوب آپ کے کمال صلاحیت اور اعلیٰ علمی لیاقت پر شاہد عدل ہے۔

نوابؒ مولانا محی الدین خاں مراد آبادیؒ متوفی ۱۳۴۷ھ نے ارباب مشورہ سے رائے طلب کر کے جواب لکھا کہ "بندہ کو تعمیل ارشاد عالی میں کچھ توقف نہیں۔ بسر و چشم اور یہاں کے اکثر ارباب مشورہ کی بھی رائے یہی ہے کہ تعمیل ارشاد کی جاوے ہر چند کہ بظاہر ترددات ہیں"[2]

دار العلوم دیوبند میں آپ کا دوسرا تدریسی دور ۱۳۱۴ھ میں اس اہتمام کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۳۱۷ھ میں مدرسہ حسین بخش دہلی منتقل ہونے کے بعد ختم ہوا۔ اس دوسرے تدریسی دور میں محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ متوفی ۱۳۵۲ھ مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ متوفی ۱۳۷۲ھ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ، بانی مدرسہ امینیہ دہلی مولانا امین الدینؒ متوفی ۱۳۳۵ھ، بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ مولانا سید احمد فیض آبادیؒ متوفی ۱۳۵۸ھ اور مولانا ضیاء الحقؒ دیوبندیؒ متوفی ۱۳۷۳ھ صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی جیسے یگانۂ روزگار مشاہیر علماء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے

---

[1] پورا مکتوب ص ۔۔۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ [2] مکمل مکتوب رجسٹر کارروائی مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے ص ۳۴ پر موجود ہے۔

آپؒ سے مسلم شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، سبعہ معلقہ، حمد اللہ، صدرہ، شمس بازغہ، تصریح اور توضیح وتلویح ۹ کتابیں ۱۳۱۵ھ اور ۱۳۱۶ھ میں پڑھیں۔ صدرا میں آپ کو امتحان سالانہ میں ۳۷ امتیازی نمبر حاصل ہوئے جب کہ نمبر مقررہ پچاس ہوتے ہیں۔ [1]

دارالعلوم سے شوال ۱۳۱۴ھ میں صدر مدرس ہوکر مدرسہ حسین بخش دہلی رونق افروز ہوئے۔ روئیداد ۱۳۱۷ھ صـ۲ پر مرقوم ہے کہ "بصد افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ مولوی عبدالعلی صاحب مدرس دوم مدرسہ یہاں سے یکایک ترک تعلق کرکے مدرسہ حسین بخش دہلی تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب موصوف حسب معمول تعطیل رمضان شریف میں مکان کو تشریف لے گئے تھے اور ہم کو ظاہراً کوئی وجہ اس گمان کی نہ تھی کہ تشریف نہ لاویں گے۔ مگر بعد ختم تعطیل مولوی صاحب نے ایسے قطعی طور پر لکھا کہ میں نہ آؤں گا کہ ہم کو ہرگز موقع عرض کرنے کا نہ رہا اور تعجب وحسرت کے ساتھ ساکت ہونا پڑا۔ خیر اللہ تعالیٰ ہر جگہ مولوی صاحب کو خوش رکھے اور اس مدرسہ کے واسطے کوئی عمدہ صورت پیدا کر دیوے۔"

غالباً ۱۳۲۰ھ میں دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسہ عبدالرب[2] تشریف لائے جہاں آپؒ کو شیخ الحدیث اور صدارتِ تدریس کی مسند سپرد کی گئی۔ اور یہیں تادمِ زیست علم حدیث کی شمع کو روشن رکھا۔ سینکڑوں باکمال فضلاء تیار کئے۔ جن میں قطب دوراں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ متوفی ۱۳۸۲ھ، مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ بانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل متوفی ۱۳۳۷ھ، گجرات کے مشہور بزرگ عالم مولانا مرغوب احمد لاجپوری متوفی ۱۳۸۲ھ، مجدد گجرات مولانا محمد نذیر پالنپوریؒ متوفی ۱۳۸۵ھ، اور

---

[1] از حیات وکارنامے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مرتبہ رشید الوحیدی ۱۹۵۰ء صـ۱۲۵، مضمون مفتی مولانا محمد سلمان منصور پوری بعنوان حضرت شیخ الاسلام کے دور طالبعلمی پر ایک نظر۔ [2] دہلی کا مشہور مدرسہ ہے جو ملٹن روڈ کشمیری گیٹ پر واقع ہے۔ جس کو دہلی کے مشہور واعظ مولانا عبدالرب سہارنپوریؒ نے ۱۲۹۲ھ میں قائم کیا تھا۔ آپ ہی نے جامع مسجد سہارنپور کو تعمیر کرایا ہے۔ آپ نے ایک کتاب "فردوس آسیہ" لکھی ہے۔

دہلی کے مشہور عالم مولانا ابوالحسن زید مدظلہ وغیرہم جیسے علم وفضل کے مہتاباں شامل ہیں۔ آپکے زمانہ تدریس میں یہ مدرسہ انتہائی شہرت کا حامل ہوگیا تھا۔ اس کے سالانہ جلسوں میں اکابر علماء بالخصوص حکیم الامت مولانا اشرفعلی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ پابندی سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کے سفر سے معذور ہو جانے پر حضرت مولانا محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۴۰۳ھ کو پابندی سے بلاتے اور تقریر کرایا کرتے تھے[۱] آپ کو اس مدرسہ سے اس قدر والہانہ شغف تھا کہ جب بڑھاپے کی کمزوریوں اور بیماریوں کی وجہ سے تعلیمی خدمات سے سبکدوش ہوگئے تو اس حالت میں بھی آپ نے یہیں قیام رکھا اور لب سڑک مدرسہ کے ایک چھوٹے سے حجرے میں محو استراحت رہتے تھے[۲]

محاسن واخلاق

علمی کمالات کے ساتھ اخلاق وکردار کی بلندی میں بھی آپ اپنے اساتذہ واسلاف کے مثیل تھے، زہد وورع، تقویٰ و طہارت، استغناء وبے نیازی اور استقامت میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے۔ اسی طرح انتہائی متواضع، منکسر المزاج، بے تکلف، مہمان نواز اور شفیق انسان تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے مولانا سے مقامات حریری، سبعہ معلقہ، اور کچھ نسائی پڑھی ہے مگر برتاؤ سے مولانا کے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ استاذ ہیں۔ چنانچہ جب میں دہلی سے چلتا ہوں تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور ساتھ کر دیتے ہیں۔ بے لوث اور بے تعلق ہیں۔ کسی سے کچھ مطلب نہیں۔ خود بھی مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں۔ مقدار چندہ کی سب سے زیادہ ہوتی ہے، ۱۰۰ روپئے یا زیادہ تک۔ مولانا صاحب جائیداد ہیں سال میں جو کچھ بچاتے ہیں سب خرچ کر دیتے ہیں مولانا سے کوئی ملنے جاتا ہے بہت خاطر کرتے ہیں، چائے، شربت پلاتے ہیں۔ دیوبند

---

[۱] تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۲۲۳، [۲] بیس بڑے مسلمان ص ۱۸۱، مرتبہ مولانا عبدالرشید ارشد

میں جب تشریف رکھتے تھے تو طلبہ کو خوب تادیب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے سبق پڑھتے میں الٹے لیٹ کر پاؤں پیچھے پھیلا لیے بس مولانا چلا دیئے، بدتمیز، بے ادب، صرف اصلاح کی وجہ سے تنبیہ فرمائی یہ نہیں کہ اپنا ادب کرایا۔ پھر فرمایا کہ مولوی صاحب کے پاس بیٹھنے سے ایک خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے ہر شخص کے پاس بیٹھنے سے جدا فرق معلوم ہوتا ہے کہ اسے تعبیر نہیں کر سکتے۔

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست
بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست [1]

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ متوفی ۱۴۰۳ھ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تقویٰ، طہارت اور استقامت میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے، آخری سانس تک جماعت کی نماز اور صف اولیٰ ترک نہیں ہوتی تھی آخری عمر میں فالج کا اثر ہو گیا اور نقل و حرکت سے معذور ہو گئے۔ اسی حالت میں حکم کے مطابق خدام آپ کو اٹھا کر صف اولیٰ میں رکھ دیتے تھے اور آپ بیٹھ کر امام کی اقتداء کرتے۔" [2]

آپ کو اپنے اساتذہ و مشائخ سے والہانہ لگاؤ تھا اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ سے تو فنائیت کے درجہ کا تعلق تھا، سید محبوب احمد رضوی مرحوم، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ متوفی ۱۳۶۹ھ کے حوالہ سے آپ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ:

"قاسمی ہو جاؤ، بھوکے ننگے نہ رہو گے، مجھ اپاہج کو دیکھو تو نہ اٹھ سکتا ہوں نہ بیٹھ سکتا ہوں مگر رزق کی یہ بہتات ہے کہ میرا حجرہ ہمہ قسم نعمتوں سے ہمہ وقت بھرا رہتا ہے۔" [3]

---

[1] حسن العزیز جلد دوم ص ۲۲۷ بحوالہ قصص الاکابر ص ۳۱۔ [3] بیس بڑے مسلمان ص ۴۳۔
[2] تاریخ دارالعلوم ج ۲ ص ۴۳۔

آپ سے بھی ہر طبقہ کے علماء و مشائخ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ گویا پوری دلی امنڈ آئی تھی۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو آپ کا وصال ہوا[1] قافلہ محدثین شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ وغیرہما کے قریب آسودہ خواب ہیں۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ایک مبارک خواب

آپ کے تلمیذ رشید مولانا مرغوب احمد لاجپوری رحمہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خواب میں آپ کو دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نسبت ابراہیمی حاصل تھی پورا خواب موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ کی آخری تاریخوں میں عاصی پُر از معاصی راقم الحروف مرغوب احمد غفر اللہ لہ ولوالدیہ ولمشائخہ الکرام کو دہلی مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم میں عالم رویا میں حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم صلوات اللہ علیہ وعلیٰ نبینا وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدرسہ میں تشریف آوری کی اطلاع ہوتے ہی فقیر نے عالم شوق میں مدرسہ کے طلبا کو یہ کہتے ہوئے بیدار کیا کہ بزرگان دین کی ملاقات سے ہمیں کس درجہ خوشی ہوتی ہے آپ تو خلیل اللہ ہیں، جلدی دوڑ کر شرف زیارت حاصل کرو، چنانچہ طلبہ حاضر خدمت ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام شمالی جانب صحن مسجد میں مولانا محمد شفیع صاحب کی درسگاہ کے حجرے کے سامنے قبلہ رو دوزانو تشریف فرما تھے اور مواجہہ میں حضرت ؑ کے حضرت مولانا عبدالعلی محدث و صدر مدرس و ناظم مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ نہایت ادب سے بیٹھے تھے دیگر مدرسین و طلباء اطراف میں نہایت ادب سے بیٹھے ہوئے زیارت سے مشرف ہو رہے تھے۔ حضرت خلیل ؑ اللہ کا حلیہ مبارک آج چون ۵۴ سال بعد بھی ذہن میں

[1] آپ کے مزار پر لگے ہوئے کتبہ پر یہ تاریخ وصال مرقوم ہے ۱۲

محفوظ ہے، میانہ قامت لیکن قریب کشیدہ قامت کے، رنگ نہایت سرخ و سفید، جسم اطہر نہ ملکانہ بھاری، لیکن بھرا ہوا، سیاہ جبہ و عمامہ باندھے ہوئے، میری خوشی کا اس وقت جو عالم تھا اسکے اظہار سے قاصر ہوں۔ حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ نے نہایت ادب سے عافیت مزاج اقدس دریافت کرنے کے بعد تشریف آوری وتصدیع فرمائی کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ میں مولوی رشید احمد عہ کو لینے آیا ہوں (اسی ماہ میں مورخہ ۸ جمعہ کو مولانا کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہ واقعہ انتقال کے کچھ روز بعد کا ہے) اسکے بعد حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا عبدالعلی صاحب سے فرمایا کہ مولوی صاحب مجھے آپ کے جوان صاحبزادے عبدالجلیل کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تھی، مرحوم بہت آرام سے ہیں آپ صبر کیجئے۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں مدرسہ امینیہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت خلیل اللہ کے ہمراہ طلباء کی ایک جماعت کے ساتھ فقیر بھی سنہری مسجد میں گیا۔ مدرسہ کی سیڑھی کے سامنے اوپر میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا حجرہ تھا۔ سیڑھی چڑھ کر اوپر تشریف لے گئے۔ پھر واپس اترے ہم نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت کے حجرے کی سیڑھی سے اترنے کا سماں اب تک میری نظروں میں گھوم رہا ہے۔ حضرت کی شکل وشباہت، قد وقامت اور خوبصورتی کی مثال وشباہت میں اگر ناقص تشبیہ کسی کے ساتھ دے سکوں تو مولانا عبدالحق صاحب حقانی مرحوم اور اپنے والد مرحوم کو دے سکتا ہوں۔ الحمدللہ والشکر للہ۔" لہ

تصنیف وتالیف

۱۲۹۶ھ میں آپ نے لالہ انندلعل سکریٹری آریہ سماج میرٹھ کے مضمون دل آزار مطبوعہ رسالہ آریہ سماچار میرٹھ بابت اساڑھ ۱۹۳۹ بکرمی کے جواب میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کے حکم سے ایک

عہ مراد قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ ہیں۔

لہ الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۹۶۰ء مفتی اعظم کی یاد ص ۲۲۵۔

رسالہ تحریر فرمایا جو "جواب ترکی بہ ترکی" کے نام سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ ردِّ آریہ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالہ کو حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر یہ آپ کا تحریر فرمودہ ہے (جو آپ نے ۹ یا ۱۰ ر رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ کو شروع کر کے ۲۱ ر رمضان ۱۲۹۶ھ بروز سہ شنبہ پورا کیا) جیسا کہ کتاب کے آخر میں لکھا ہے:

"راقم بندہ کمترین گنہگار عبد العلی عفی عنہ ۲۱ ر رمضان ۱۲۹۶ھ بروز سہ شنبہ"

نیز ٹائیٹل پر تحریر ہے:

"رسالہ "جواب ترکی بہ ترکی" جس میں آریہ سماج کے رسالہ میرٹھ کے جوابات بایمائے حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین جناب مولانا محمد قاسم صاحب بانیٔ دار العلوم دیوبند لکھے گئے ہیں۔ اور اسی طرز استدلال پر جواب دیا گیا ہے۔"[1]

اس کے علاوہ آپ کی کسی اور تصنیف کا علم نہ ہوسکا۔

---

[1] مطبع قاسمی دیوبند کے مطبوعہ رسالہ کے صفحہ اول اور صفحہ آخر سے یہ لیا گیا ہے جو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمتوفی ۱۳۴۸ھ کے اہتمام میں شائع ہوا ہے۔

زمانۂ صدارت : ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ تا ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ، کل مدت: ۷ سال

حضرت مولانا محمد حسن صاحب مغلپوری مرادآبادی رحؒ

(المتوفی ۱۳۶۴ھ)

آپ کا وطن اصلی مغلپورہ مرادآباد اور والد کا نام احمد حسن تھا، نسباً شیخ صدیقی تھے۔ آپ کی ولادت یکم جنوری ۱۸۶۱ء مطابق ۱۲۷۵ھ کو مرادآباد میں ہوئی۔ والد ماجد کا تعلق حضرت نانوتویؒ سے تھا وہ اکثر و بیشتر آپ کے یہاں تشریف لاتے تھے اور برکت کی دعاؤں سے نوازتے تھے ۱۲۸۸ھ میں جب والد کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر کل تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ برس تھی۔ خاندان کی کفالت کا سارا بوجھ آپ پر آپڑا۔ نتیجۃً شہر کی کچہری میں ملازمت اختیار کی۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ تحصیل دار نے آپ سے ایک فارم پُر کراتے ہوئے پوچھا کہ اس کے خانے میں قوم لکھا جائے یا اقوام؟ آپ نے چونکہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس لئے کوئی جواب نہیں دے سکے لیکن چونکہ مزاج میں غیرت تھی اسلئے یہی واقعہ آپکی زندگی کا انقلابی موڑ بن گیا۔ ملازمت وغیرہ چھوڑ کر طلبِ علم کے شوق میں جادہ پیمائی کا تہیا کرلیا۔[1]

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم رامپور میں رہ کر حاصل کی۔ اس زمانہ میں رامپور منطق و فلسفہ کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ امام المنطق حضرت مولانا فضل حق صاحبؒ خیرآبادی کے شاگرد رشید مولانا عبدالعزیز صاحب امیٹھویؒ جو معقولات کے امام سمجھے جاتے تھے وہ اس وقت وہاں مقیم تھے، حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ کو بھی معقولات سے کافی دلچسپی پیدا ہوگئی اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کے درس میں داخل ہوگئے۔ اور منطق و فلسفہ سے آپ کا شغف اس قدر بڑھا کہ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ جب رامپور سے قطع تعلق کرکے امروہہ میں مقیم ہوگئے تو آپ تحصیلِ علم کے لئے امروہہ

[1] تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال ص ۳۰۳

پہونچے اور اپنے استاذ محترم کی خدمت میں رہ کر فنون کی ساری کتابیں پایۂ تکمیل تک پہونچائی۔

حضرت گنگوہیؒ سے تلمذ اور ارادت

فنون کی تکمیل کے بعد آپ کو حدیث پڑھنے کا شوق ہوا۔ اس زمانہ میں قطب عالم امام ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ گنگوہ میں دورۂ حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ اور آپ کے درس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت قاضی صاحب نے بھی دربارِ رشیدی سے کسب فیض کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مولانا قاضی وجدی الحسینی اپنی تصنیف "تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ وہ زمانہ تھا کہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد و ہدایت کا آفتاب بن کر ہر طرف فیض و برکات کی شعاعیں پھیلا رہے تھے تشنگانِ علمِ حدیث ہند و بیرون ہند سے اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے لئے جوق در جوق آتے تھے قاضی صاحب نے اپنے ساتھی احمد شاہ کو اس کی اطلاع پہونچائی کہ گنگوہ میں دورۂ حدیث شریف شروع ہونے کی خبر دیجائے جب آپ کو خبر ملی تو صحاح ستہ کا سر پر بستہ رکھ کر مراد آباد سے پیادہ پا میرٹھ اور دیوبند ہوتے ہوئے گنگوہ پہونچے"۔

قاضی وجدی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنی عقیدت اور قابلیت سے حضرت گنگوہیؒ کو گرویدہ بنا لیا اور حضرت ان سے بہت خوش رہے پھر حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کر کے سندِ حدیث کے ساتھ سلوکِ باطنی کی بھی تکمیل فرمائی۔ حضرت گنگوہیؒ منطق و فلسفہ کی تعلیم کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کسی نے شکایت کی کہ آپ تو منطق و فلسفہ کو بُرا سمجھتے ہیں اور آپ کے دو شاگرد مولوی محمد حسن مراد آبادیؒ اور مولانا احمد حسن امروہویؒ ان علوم کو پڑھاتے ہیں۔ فرمایا

غیران کے لئے جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں حضرات منطق و فلسفہ کچھ اس ڈھنگ سے پڑھاتے تھے کہ جس سے فساد کے بجائے اصلاح ہوتی تھی۔ جب دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا تو ذی استعداد طلبہ آگے کی صف میں بیٹھتے اور آپ اخیر صف میں بیٹھتے لیکن دوران سبق قاضی صاحبؒ معقول سوالات کرتے۔ اس پر قطب عالمؒ نہایت شرح وبسط سے خندہ پیشانی سے جواب دیتے اور مضمون کو اس طرح کھولتے کہ سب کو لطف آجاتا چنانچہ کچھ دن بعد آپ کو آگے کی صف میں جگہ ہی نہیں ملی بلکہ قرارت حدیث کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہوا۔ احقر سے ارشاد فرمایا کہ ایک بار (درس میں) صوفیاء کا مسئلہ وحدۃ الوجود کا تذکرہ چھڑ گیا میں نے اعتراض کیا، حضرت نے ڈانٹ کر چپ کر دیا لیکن دو تین دن کے بعد فرمایا۔ اس تقریر کو دہراؤ۔ ڈیڑھ دو گھنٹے تک میں نے تقریر سنائی اور جب تقریر ختم کی تو فرمایا کہ اس وقت میں نے تم کو خاموش کر دیا تھا۔ لیکن وہی بات صحیح ہے۔[1]
اس واقعہ سے آپ کی عمدہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔

مدرسہ شاہی میں تدریس

گنگوہ سے فراغت کے بعد ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ میں آپ مدرسہ شاہی کے مدرس مقرر ہوئے۔[2]
ابتداء مدرس سوم رہے اور ۱۳۰۳ھ میں حضرت محدث امروہویؒ کے امروہہ تشریف لے جانے کے بعد مدرس دوم بنائے گئے اور صفر ۱۳۰۶ھ تک اس منصب پر فائز رہ کر آپ نے مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ گلاؤٹھی منتقل ہوگئے۔ مدرسہ شاہی سے آپکا استعفاء ۲۵ صفر ۱۳۰۶ھ کو مجلس شوریٰ نے منظور کیا۔[3]

---

[1] تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال ص۳۰۷ تا ص۳۰۹۔ [2] رجسٹر کارروائی شوریٰ ص۲۔ [3] ص۳ رجسٹر حاضری ملازمین ۱۳۰۶ھ۔ [4] رجسٹر کارروائی شوریٰ ص۳۔

مسندِ صدارتِ تدریس پر

۱۳۱۴ھ میں جب مدرسہ شاہی کے صدر مدرس حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ میرٹھی دیوبند تشریف لے گئے تو مدرسہ کے ارباب حل و عقد کے اصرار پر اور حضرات اکابر کے مشورہ سے آپ نے مدرسہ شاہی کے منصب صدارت تدریس کو زینت بخشی۔ اور ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ میں صدر مدرس بن کر مدرسہ میں رونق افروز ہوئے روداد مدرسہ شاہی ۱۳۱۵ھ میں لکھا ہے۔

"مایوس ہوکر جناب مولوی مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی مدرس اول مدرسہ گلاؤٹھی جو جامع علوم معقول و منقول ہیں اور کار تدریس اور وعظ گوئی اور فتویٰ نویسی میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں لانے کی سعی کما ینبغی اور کوشش بلیغ کی گئی۔ کارپردازان مدرسہ گلاؤٹھی کو ہر چند کہ مولوی صاحب موصوف کا علیحدہ کرنا کسی طرح گوارہ نہ تھا اور انھوں نے مولوی صاحب کو اپنے یہاں رکھنے میں حد سے زیادہ کوشش بھی کی مگر بحمداللہ کہ بعد مدت خدامِ مدرسہ مرادآباد اپنی سعی میں کامیاب ہوئے اور مولوی صاحب موصوف نے ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ کو مدرسہ ہذا میں رونق افروز ہوکر اپنا کام انجام دینا شروع کیا۔"[1]

حضرت موصوف یکم ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ تک یعنی مسلسل سات تک اسی عہدہ پر فائز رہ کر علوم نبوت کے گوہر لٹاتے اور تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔ اواخر ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ میں جب آپ نے مرادآباد سے منتقل ہوکر بھوپال جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو مدرسہ میں رخصت کی درخواست دی۔ ارباب شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۷ ارمحرم ۱۳۲۳ھ میں جس میں دیگر اراکین کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ بھی تشریف فرما تھے، یہ طے کیا کہ آپکی رخصت منظور نہ کی جائے بلکہ رخصت کی مطلوبہ تاریخ سے علیحدگی تصور کی جائے اور اسی مجلس میں آپ کو شوریٰ کا رکن بھی منتخب کیا گیا۔[2]

---

[1] روداد مدرسہ شاہی بابت ۱۳۱۵ھ۔ [2] کارروائی شوریٰ ص۵۲۔

بھوپال میں

اس کے بعد آپ حضرت گنگوہیؒ کی اجازت اور حضرت مولانا قاضی محی الدین احمد صاحبؒ کی ایمار پر ریاست بھوپال منتقل ہو گئے۔ وہاں پہونچ کر آپ نے سرکار عالیہ سلطان جہاں بیگم کے حکم سے مدرسہ وقفیہ کا کارِ اہتمام سنبھالا جو بعد میں جامعہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ مجلس العلمآ بھوپال کے رکن رکین بھی تھے اور مفتی عنایت اللہ علی گڑھی کے انتقال کے بعد دو ڈھائی سال تک مفتی بھوپال کے مسند کو بھی زینت بخشی۔ پھر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۶ء تک مسلسل پندرہ سال بھوپال کے عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے۔[1] قیام بھوپال کے زمانہ میں امداد حاصل کرنے کے لئے آپ کو مدرسہ شاہی کا کچھ عرصہ کے لئے باقاعدہ ناظم بھی بنایا گیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی اخیر تک رہے ہیں۔

وفات

آپ نے ۱۳۶۴ھ میں بھوپال ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور شاہی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، مولانا مفتی ریاض الدین صاحب افضل گڈھیؒ، مولانا بشیر احمد محدث بھوپالؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ فن مناظرہ میں کشف الصدور کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ اور فقہ میں بھی مختلف رسائل تصنیف فرمائے تھے جن کے مسودات تلف ہو گئے۔[2]

---

[1] تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال ص ۳۱۴۔ [2] ایضاً ص ۳۱۵۔

زمانۂ صدارت : { بار اول، ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ / بار دوم، ۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۹ھ } کل مدت ۱۲ سال

استاذ العلما مولانا محمود حسن سہسوانیؒ

المتوفی ۱۳۳۹ھ

صاحب نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنیؒ متوفی ۱۳۴۱ھ آپکے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

" احد العلماء المتمکنین من الدرس والافادۃ ولد ونشأ بسہسوان[ع] "[۱]

۱۲۷۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ والد مرحوم کا اسم گرامی شیخ محمد امام خان زبیری ہے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الغرباء جامعہ قاسمیہ میں ۲۹ صفر ۱۲۹۶ھ کو داخل ہوئے اور مولانا احمد حسن محدث امروہوی (م ۱۳۳۰ھ)۔ مولانا سید آل حسن امروہویؒ، مولانا عبدالحق دکنویؒ رحمہم اللہ سے اکتساب علم کیا۔ ۱۲۹۸ھ کے سالانہ امتحان میں مشکوٰۃ شریف، قاضی مبارک، شرح وقایہ اور حمداللہ کا امتحان دیا۔ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوکر "تذکرۃ البلاغۃ"، کتاب انعام میں حاصل کی[۲] ۱۲۹۹ھ کی روئیداد دستیاب نہ ہوسکی جس سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ نے اس کے بعد مزید تعلیم مدرسہ شاہی میں حاصل کی ہے یا نہیں۔ البتہ ۱۳۰۰ھ کے روئیداد جلسہ دستار بندی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فضلاء میں شامل ہیں ۱۳۰۲ھ کے روئیداد سے آپ کا مدرسہ شاہی میں معاون مدرس ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور ۱۳۰۳ھ میں آپ باقاعدہ مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا عبدالباقی سہسوانیؒ لکھتے ہیں کہ :

ع سہسوان بدایوں سے جانب غرب میں ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سہسرا باؤں نام کے راجہ نے آباد کیا تھا۔ اور قلعہ بھی بنایا تھا۔ ڈھنڈ نام کی بہت بڑی جھیل اس میں ہے۔ محمد شاہ تغلق کے زمانہ کی ایک مسجد آثار الصنادید میں ہے۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۲۳ء کو سہسوان کو ضلع کا صدر مقام بنایا گیا پھر مئی ۱۸۳۸ء میں صدر مقام بدایوں کو بنا دیا گیا۔ اور سہسوان کو تحصیل کا درجہ دیا۔ یہ خطہ بہت مردم خیز ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء کا مسکن رہا ہے۔ تفصیل کے لئے حیات العلماء مصنفہ مولانا عبدالباقی سہسوانی کا مطالعہ کیا جائے۔

۱ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۶۴۔ ۲ از روئیداد مدرسہ شاہی ۱۲۹۰ھ تا ۱۲۹۶ھ

"آپ نے مولانا رشید احمد صاحبؒ محدث وفقیہ حنفی گنگوہیؒ اور مولانا محمود حسن صاحبؒ مدرس اول دیوبند سے علوم مروجہ صرف ونحو، منطق، فقہ، حدیث وغیرہا تحصیل کر کے جلسہ دستار بندی مدرسہ عربیہ دیوبند میں سند فراغت حاصل کی"۔[۱]

اسی طرح صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں :

"سافر للعلم فقرء الكتب الدرسية فى المدرسة العربية بديوبند ثم دخل گنگوه واخذ الحديث عن الشيخ رشيد احمد الحنفى الگنگوهى المحدث"۔[۲]

ان اساطین فضل وکمال سے اکتساب فیض کر کے علوم وفنون کے جامع ہوئے۔ اور اس کے بعد پوری زندگی مدرسہ شاہی میں درس وتدریس میں گذاری۔ صاحب حیات العلماء کے بیان کے مطابق آپ ہر فن کی کتاب محققانہ پڑھاتے تھے۔ آپ کے تلامذہ ذی استعداد قابل اطراف وجوانب میں بکثرت موجود ہیں [۳] مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ متوفی ۱۹۵۲ء اور مولانا عبد المجید شاہجہانپوری متوفی ۱۳۵۴ھ خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے نابغۂ روزگار شخصیات آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

۱۳۲۳ھ میں آپ کو مدرسہ شاہی کا صدر المدرسین بنایا گیا۔ دو سال مسند صدارت پر فائز رہے۔ پھر دوسری بار ۱۳۲۹ھ میں آپ کو صدارتِ تدریس کا منصب سپرد کیا گیا جس پر آپ عمر کے اخیر تک برقرار رہے۔

درس وتدریس کے علاوہ فرق باطلہ کے رد سے بھی دلچسپی تھی۔ صاحب حیاۃ العلماء کا بیان ہے کہ :

"مناظرات مذہبی میں کتب ورسائل اپنے اور اپنے شاگردوں کے نام سے اکثر شائع کئے ہیں"۔[۴]

۱۳۲۷ھ میں رامپور میں مولانا محمد علی جوہرؔ کے بھائی منشی ذوالفقار علی سپرنٹنڈنٹ محکمہ آبکاری ریاست رامپور قادیانی ہو گئے۔ تو ان کے اور ان کے چچا زاد بھائی حافظ

---

[۱] حیات العلماء ص۱۱۹ ۔ [۲] نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۶۷ ۔ [۳] حیات العلماء ص۱۱۹ ۔ [۴] حیات العلماء ص۱۱۹

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

احمد علی خاں صاحب شوق کے درمیان بحث و مباحثہ ہونے لگا۔ والیٔ ریاست نواب حامد علی خاں نے بحث و مباحثہ کا حال معلوم کر کے کہا کہ دونوں فریق سرکاری خرچ پر اپنے اپنے علماء کو بلائیں اور ۱۵؍جون ۱۹۰۹ء مناظرہ کے لئے تاریخ مقرر ہوئی۔ چنانچہ ۱۵؍تا ۱۹؍جون ۱۹۰۹ء دونوں فریقوں کے درمیان معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا جسمیں علماء دیوبند علماء بریلی، علماء اہلحدیث سبھی اکابر شامل تھے۔ علماء حق کی طرف سے وکیل مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ اور قادیانیوں کی طرف سے مولوی احمد حسن امروہوی تھے۔ قادیانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ مولانا قیام الدین بختؔ جونپوری نے بڑی عمدہ تاریخ کہی ہے ؎

قادیانی پئے احقاق حق رامپور آئے مگر کھائی شکست

احمدی کہتے ہیں اپنے کو وہ لوگ لیکن ایں نسبت آنہا غلط است

بختؔ نے لکھی یہ سچی تاریخ احمدیوں کو ہوئی فاش شکست
۱۳۲۷ھ

اس تاریخی مناظرہ میں مولانا محمود حسن سہسوانی بھی اپنے اکابر حضرت شیخ الہندؒ، حضرت محدث امروہویؒ وغیرہ کے ساتھ برابر شریک ہیں اور "فیصلہ حضرات علماء کرام اہل اسلام دربارۂ مسئلہ حیات و ممات حضرت مسیح علیہ السلام" پر دیگر اکابر کیساتھ آپ کے دستخط بھی موجود ہیں۔ مباحثہ سند ضروری" کے نام سے مناظرہ کی روئیداد شائع ہوئی تھی۔

عادات و اطوار، اخلاق و خصائل میں اپنے اساتذہ و مشائخ کے مثیل تھے، سنجیدگی و متانت، تواضع و انکساری کے مجسم پیکر تھے جس کی بنا پر شہر کے اعیان و امراء آپ کی نہایت عظمت کرتے تھے۔ آپ کو صناعت کیمیا سے بھی خاص دلچسپی تھی۔

۱۳۳۹ھ میں اپنے وطن مالوف سہسوان میں وفات پائی عمر ساٹھ سال ہوئی۔[۶]

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(حاشیہ صـ کا) آپ کی کسی کتاب کا سراغ نہیں لگ سکا۔ اس زمانہ میں مناظر اسلام مولانا مرتضی حسن چاندپوری کا قیام مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں تھا اور آریوں وغیرہ سے خوب مناظرے ہوتے تھے۔

[۵] حیات العلماء صـ۱۳، نزہۃ الخواطر ج۸ صـ۴۶۴۔

زمانۂ صدارت : ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ تا شوال ۱۳۲۹ھ، کل مدت : ۴ سال

حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب مفسر امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۱۳۶۷ھ

۱۲۷۷ھ میں بمبئی میں ولادت ہوئی جہاں آپ کے والد ماجد مولانا عنایت اللہ صاحب صدیقی سندیلوی (م ۱۳۰۲ھ) حجاج کے وکیل تھے۔ بچپن مکہ مکرمہ میں گذرا۔ وہیں پر حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی اور ابتدائی تعلیم سے فراغت ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ کی خدمت میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آگئے۔ آپ نے ۱۲۹۸ھ میں سالانہ امتحان میں حصہ لیا جس کی تفصیل مدرسہ کی روداد بابت ۱۲۹۶ھ تا ۱۲۹۸ھ میں اس طرح ہے۔

" مولوی حافظ عبدالرحمٰن صاحب بمبئی :۔ مسلم شریف ۲۱۔ قاضی مبارک ۲۱۔
حمد اللہ ۲۱۔ میبذی ½۲۰۔" (اعلیٰ نمبرات ۲۰ تھے)

مدرسہ شاہی میں پڑھنے کے دوران آپ معین مدرس بھی تھے۔ بعدہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ نیز آپ کو علامہ حسین بن محسن یمانیؒ سے بھی اجازتِ حدیث حاصل تھی۔

ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ سے شوال ۱۳۲۹ھ تک مدرسہ شاہی کی مسند صدارت پر فائز رہے ۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب کو اعزاز بخشا اور اپنے استاذ کی وفات سے پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کر دیا۔ ۱۹۴۲ء کی تحریکِ آزادی کے دور میں کچھ عرصہ کے لئے دارالعلوم دیوبند میں تفسیر و حدیث کے

اسباق بھی آپ سے متعلق رکھے گئے۔

آپ کا شمار دیوبندی مکتب فکر کی پر عظمت شخصیتوں میں ہوتا ہے۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت محدث امروہویؒ کے مخصوص شاگرد ہونے کی بنا پر علوم عالیہ و آلیہ پر پوری دستگاہ حاصل تھی، تفسیر بیضاوی شریف پر آپ کا حاشیہ علماء کے درمیان مقبول و متداول ہے۔ نیز علم معانی کی مشہور کتب "مطول" اور "مختصر" پر بھی آپ نے حواشی ارقام فرمائے ہیں ـــ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے آپ کو اجازت و بیعت حاصل تھی۔

۹۰ رسال کی عمر میں ۲۳ ر جمادی الآخر ۱۳۶۷ھ مطابق ۳ رمئی ۱۹۴۸ء کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے استاد حضرت امروہویؒ کے جوار میں جامع مسجد امروہہ کے صحن میں مرقد بنائی گئی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(تلخیص از مکتوبات سید العلماء، حاشیہ از مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ،
تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد دوم، روداد مدرسہ شاہی بابت ۱۲۹۸ھ)

آپ کے تفصیلی حالات ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۷۱ء کے متعدد شماروں میں قسطوار شائع ہوئے ہیں۔ جو حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نور اللہ مرقدہٗ کے تحریر فرمودہ ہیں۔

زمانۂ صدارت : رمضان ۱۳۳۹ھ تا محرم ۱۳۴۰ھ، کل مدت : ۵ ماہ

حضرت مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلیؒ

(المتوفی سنہ ۱۳۵۵ھ)

حضرت مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلیؒ منطق وفلسفہ کے زبردست امام اور مدرسہ شاہی کے ابتدائی فیض یافتگان میں تھے۔ سنہ ۱۳۰۴ھ کی روداد میں طلباء کی فہرست میں آپ کا نام ملتا ہے۔ آپ نے درج ذیل کتابوں کا امتحان دیا ہے، رقعات قتیل، مالابد منہ، بوستاں، گلستاں، جن میں آپ نے اعلیٰ نمبرات حاصل کرکے اخلاق محسنی اور دیوانِ غنی کتابیں حاصل کی ہیں۔ [1]

آپ کی ولادت تقریباً سنہ ۱۲۹۲ھ میں سنبھل ضلع مرادآباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سرائے ترین سنبھل اور حسن پور ضلع مرادآباد میں حاصل کی اس کے بعد علوم عقلیہ کی تکمیل کے لئے امام معقولات مولانا غلام محمدؒ کے پاس لاہور پہونچ گئے۔ لاہور کے قیام میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوریؒ بھی آپ کے رفیق درس تھے۔ پھر دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ فراغت کے بعد پانچ برس سرائے ترین سنبھل میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر مینڈھو ضلع علی گڑھ میں مدرس ہوئے وہاں سے حضرت سہارنپوریؒ کے اصرار پر ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۸ھ کو مظاہر علوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ میں وہاں سے استعفیٰ دے دیا۔ پھر ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۵ھ میں دوبارہ مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ مظاہر علوم کے زمانۂ قیام میں آپ سے جن شاگردوں نے کسبِ فیض کیا ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

---

[1] روداد مدرسہ شاہی بابت سنہ ۱۳۰۴ھ۔

مدرسہ شاہی کی مسندِ صدارت پر

یکم رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ میں آپ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے منتقل ہوکر مدرسہ شاہی کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی۔ اور محرم الحرام ۱۳۴۰ھ تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ یہاں سے میرٹھ اور اس کے بعد دارالعلوم مئو میں صدر مدرسی پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے بیمار ہوکر وطن واپس تشریف لائے۔ اور رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ میں بعمر ۶۳ سال عازمِ خلد بریں ہوئے۔ آپ کے سبق کا انداز منفرد تھا۔ نگاہیں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔[1]

---

[1] آپ کے زیادہ تر حالات آپ بیتی (حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ) ص۸۰ وص۸۱ اور حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء ص۱۵۲ سے ماخوذ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- جو شخص بچوں پر رحم نہ کرے اور جو بڑوں کا ادب نہ کرے وہ میری جماعت سے نہیں
- مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے لوگ محفوظ رہیں۔
- میں نے تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑ لوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے یاد رکھو وہ قرآن ہے۔
- برے ساتھیوں کے ساتھ رہنے سے بہتر یہ ہے کہ تنہا رہا جائے۔

زمانۂ صدارت : صفر ۱۳۴۳ھ تا شوال ۱۳۷۱ھ کل مدت : ۲۷ سال ۹ ماہ

فخر المحدثین

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی

(المتوفی سنہ ۱۳۹۲ھ)

رشحۂ قلم :- حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ ادب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

خاندانی پس منظر

والد محترم کا نام سید عالم ہے۔ سلسلۂ نسب بتیس ۳۲ واسطوں سے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آباء و اجداد ہر دور میں علم و فن کے اعتبار سے نمایاں حیثیت کے حامل رہے، خاندان ہرات (افغانستان) سے کسی دور میں منتقل ہو کر لاہور اور ملتان میں اقامت کرتا ہوا شاہجہاں کے عہد میں دہلی پہونچا۔ شاہجہاں نے ہاپوڑ میں ان حضرات کے لئے ایک مدرسہ اور مکانات تعمیر کرادئے۔ یہ حضرات اس ادارے میں ایک زمانے تک علم و فن کی خدمات انجام دیتے رہے تا آنکہ ۱۸۵۷ء میں یہ مدرسہ انگریزی استبداد کی نذر ہو گیا۔

جد امجد منشی عبد الکریم صاحب مرحوم پنجاب اور اجمیر میں تھانیداری کے عہدے پر فائز رہے۔ نہایت صالح اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ والد محترم جناب حکیم سید عالم صاحب بہترین حافظ قرآن اور حاذق طبیب تھے۔ ابتداءً اجمیر میں ملازم رہے۔ پھر ہاپوڑ آکر مطب کی راہ سے خدمت خلق کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ مطب جانے سے پہلے قرآن کریم کی ایک منزل تلاوت فرماتے تھے۔ ان دونوں حضرات کی وفات صرف تین دن کے فاصلے سے اس سال ہوئی جس سال حضرت فخر المحدثین فتحپوری دہلی میں زیر تعلیم تھے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

حضرتؒ کی ولادت ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں اجمیر (راجستھان) میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم شروع ہوئی۔ قاعدہ اور قرآن کریم والدہ محترمہ سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر کے افراد سے اور اعلیٰ تعلیم اپنے نانا مولانا مظفر علی صاحبؒ اور ہاپوڑ کے مشہور ماہر فارسی شیخ کریم بخش صاحبؒ سے حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں ایک خاندانی عالم مولانا خالد صاحبؒ سے عربی شروع کی، اس کے بعد خاندان کے دوسرے افراد سے پڑھتے رہے۔ اسی دور میں والد بزرگوار نے بزرگوں کے قدیم مدرسہ کو "برکات الاسلام" کے نام سے دوبارہ قائم کیا۔ اس میں حضرتؒ نے مولانا عبدالحئی لاہوریؒ سے فیض حاصل کیا اس کے بعد والد محترم نے گلاؤٹھی بھیج دیا۔ وہاں مولانا ماجد علی صاحب جونپوریؒ، مولانا محی الدین صاحبؒ اور مولانا کریم بخش رحمہم اللہ تعالیٰ، سے مختلف فنون کی کتابیں پڑھیں جن میں شرح جامی، مختصر المعانی، کنزالدقائق علم ہیئت کی بعض کتابیں اور میبذی شامل ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد مولانا ماجد علی صاحبؒ خدمت تدریس کے لئے مدرسہ حسین بخش دہلی تشریف لے گئے تو حضرت بھی انہی کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ وہاں حضرتؒ نے مولانا مرحوم سے ملاحسن، خیالی، بحرالعلوم، شرح عقائد، اور ترمذی شریف پڑھیں، حسین بخش میں ایک سال قیام کے بعد مولانا ماجد علی صاحب ہی کے ہمراہ مدرسہ فتحپوری میں منتقل ہوگئے۔

امتحانِ عزیمت

قیام دہلی کے زمانہ میں حضرتؒ کے لئے آزمائشوں کا دور شروع ہوا، جس میں حضرتؒ توفیق الٰہی سے سو فیصد کامیاب ہوئے۔ ہوا یہ کہ آپ کے ہمراہ آپ کے بڑے بھائی مولانا نصیر صاحب بھی دہلی میں مقیم تھے، وہ نمونیہ میں مبتلا ہوگئے۔ حضرتؒ ان کو ہاپوڑ لے آئے، علاج شروع ہوا، لیکن وہ جاں بر نہ ہوسکے اور تیسرے دن انتقال کرگئے۔ والدہ محترمہ جوان بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکیں اور اسی مرض میں مبتلا ہوکر تین دن بعد وفات پاگئیں۔ جدامجد جو بڑھاپے کی عمر میں تھے، پوتے کے غم سے نڈھال تھے کہ بہو

(جو اُن کی بھانجی بھی تھیں) داغ مفارقت دے گئیں۔ اس خبر کے سنتے ہی ان پر حالت نزع طاری ہوئی اور ایک گھنٹہ کے بعد رہگزار آخرت ہوگئے۔ والد محترم جو پہلے ہی کمزور طبع تھے ان صدمات کے بعد مرض میں مبتلا ہوگئے اور تین دن بعد ان جانے والوں سے جاملے۔ رہے نام اللہ کا۔ چند دنوں میں ایک بھرا پُرا گھر خالی ہوگیا حضرتؒ اور ان کے دو چھوٹے بھائی رہ گئے، کچھ عرصہ تک ان کی کفالت بھی پریشان کن رہی آخر چچا اور پھوپھیوں کے تعاون سے بھائیوں کی کفالت کا مسئلہ حل ہوا۔

حضرت کو ان ہمت شکن حالات میں بھی اپنی تعلیم کی فکر تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد اپنے خصوصی استاذ مولانا ماجد علی صاحبؒ سے ہاپوڑ میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت لے کر مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ سے دوبارہ تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی زمانہ میں مولانا سید محمود ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کافی استفادہ کیا۔

تعلیم کیلئے دیوبند

تعلیم کے مذکورہ مراحل طے کرنے کے بعد خاندانی بزرگوں کی رائے اور بعض خیر خواہ حضرات کی تائید سے اعلیٰ تعلیم کے لئے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کا رُخ کیا۔ وہاں اس دور میں مرکزی شخصیت شیخ الہند والعالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی تھی، حضرت فخر المحدثینؒ نے دارالعلوم جانے کا ارادہ تو کر لیا لیکن ذہن میں یہ تشویش تھی کہ حضرتؒ کی معلومات کے مطابق علماء دیوبند معقولات میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ اور حضرتؒ کا ذہن اور اندازِ فکر خالص معقولی تھا۔ مگر جب دیوبند پہونچے اور حضرت شیخ الہندؒ کے درس بیضاوی و ابوداؤد میں شرکت فرمائی تو یہ غلط فہمی دور ہوگئی اور حضرتؒ کو معقولات میں بھی علماء دیوبند کی مہارت و امامت کا قائل ہونا پڑا۔ حضرتؒ شوال ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ امتحانِ داخلہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے لیا اور انعامی نمبرات سے نوازا۔

طلبہ میں امتیازی حیثیت

حضرت شیخ الہندؒ نے امتحان داخلہ کے دوران حضرتؒ کی غیر معمولی

فطری صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر مشورہ دیا کہ تم دورۂ حدیث کی تکمیل دو سال میں کرو۔ حضرتؒ نے اس قیمتی مشورہ سے فائدہ اٹھایا اور دونوں سالوں میں کتبِ حدیث کے ساتھ مختلف علوم کی متعدد کتب مثلاً ہدایہ اخیرین، تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین، درمختار، تفسیر مدارک، توضیح، حسامی، عروض المفتاح، متنبی اور حماسہ وغیرہ پڑھیں، دونوں سالوں میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ حضرتؒ کو ایک خاص امتیاز یہ بھی حاصل رہا کہ دورِ طالبعلمی ہی میں شرح وقایہ اور معقولات کی مشہور مشکل ترین کتب حمداللہ، ملاحسن، ملاجلال وغیرہ کا درس بھی دیا۔ گویا اس طرح باقاعدہ تدریس کی مشق بھی ہوتی رہی۔ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔

تدریس کا آغاز

فراغت کے بعد اکابرؒ کی جوہر شناس نگاہوں نے حضرت کو دارالعلوم دیوبند ہی میں تدریس کے لئے منتخب فرمالیا حضرتؒ نے اس پہلے سال میں درجۂ ابتدائی کی اعلیٰ کتب شرح جامی، نفحۃ الیمن اور کنز الدقائق وغیرہ کا درس دیا۔ دارالعلوم میں تنخواہ پندرہ روپیہ ماہوار تھی۔ حضرتؒ نے تین ماہ تنخواہ لی، پھر حسبۃً للہ خدمت انجام دی۔

دارالعلوم میں ایک سالہ تدریس کے بعد مدرسہ شاہی کی ضرورت کے پیشِ نظر اکابر دارالعلوم نے حضرت کی خدمات کے لئے جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد تجویز فرمادیا

مدرسہ شاہی میں آمد اور صدارتِ تدریس

۱۳؍شوال ۱۳۲۹ھ کو مدرسہ شاہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا باقاعدہ تقرر عمل میں آیا۔ یہ دور حضرت مولانا محمود حسن صاحب سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارتِ تدریس کا تھا۔ اس زمانہ میں ابو داؤد شریف، جلالین شریف، شرح عقائد، میبذی اور ملاحسن وغیرہ کتب حضرت سے متعلق رہیں۔ ۱۳۴۰ھ میں حضرت مولانا محمود حسنؒ سہسوانی کی وفات کے بعد صدارتِ تدریس کے منصب پر حضرتؒ فائز کئے گئے۔ اور ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے جانے تک اس منصبِ جلیل پر رونق افروز رہے۔ اس ۳۸ سالہ دورِ صدارت و تدریسِ بخاری شریف میں حضرت کے

درسِ حدیث سے فیضیاب ہونے والے خوش بخت فضلاءِ شاہی کی تعداد ۱۷۴ ہے۔

حضرتؒ کا ایثار اور شاہی سے تعلق

مدرسہ شاہی میں حضرتؒ کی تشریف آوری چونکہ اکابر کے حکم پر ہوئی تھی اس لئے حضرتؒ نے کبھی بھی یہاں سے (دارالعلوم کے سوا) کہیں جانے کا ارادہ نہ فرمایا۔ حالانکہ مدرسۂ شاہی سے کئی گنا زیادہ تنخواہوں پر مختلف مقامات پر بلایا گیا مثلاً شمس الہدیٰ پٹنہ سے ایک سو پچاس روپئے تنخواہ پر ملازمت کی پیش کش ہوئی۔ جب کہ شاہی میں صرف پچیس روپیہ تنخواہ تھی۔ مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے صدر مدرس حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے ۷۵ روپے تنخواہ پر بلانا چاہا۔ اسی طرح کلکتہ کے مدرسہ نے تین سو پچاس روپے تنخواہ کی پیشکش کی جب کہ شاہی سے صرف ساٹھ مل رہے تھے۔ لیکن حضرتؒ کسی بھی جگہ جانے پر رضامند نہ ہوئے۔

اس طرزِ عمل سے جہاں انتہائی اخلاص اور اکابر کے انتخاب کی لاج رکھنے کا بے پناہ جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ وہیں یہ مدرسۂ شاہی سے حضرت کی دلچسپی اور تعلقِ خاطر کی بھی دلیل ہے۔

دورِ "شاہی" کی اہم دینی خدمات

مدرسۂ شاہی میں حضرتؒ کے تدریس ۴۸ سال کے طویل عرصہ پر محیط ہے۔ یہ "شاہی دور" حضرتؒ کی زندگی کا نہایت تابناک دور ہے۔ حضرتؒ نے تدریس کے ساتھ ایک عرصہ تک فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیں۔ اسی طرح ۱۳۷۵ھ میں حضرت مولانا عبدالحق مدنی قدس سرہٗ کی وفات پر اہتمام بھی آپ سے متعلق ہوا جس کے فرائض آپ نے مولانا منظور حسینؒ قاسمی نائب مہتمم کے تعاون سے نہایت تدبر کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہونچائے۔

دین کی عمومی دعوت کے میدان میں حضرتؒ کے کارنامے نہایت اہم ہیں۔ مرادآباد اور اس کے مضافات میں "بدعت" کے ظلمت کدوں کو نورِ سنت سے

منور کرنے میں حضرتؒ کا نمایاں حصہ ہے آپ چھٹی کے اوقات میں شہر اور قرب و جوار کے علاقوں میں تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے اس دور میں آپ نے ایک عرصہ تک ترجمۂ قرآن پاک بھی بیان فرمایا۔ مختلف مناظروں میں بھی شرکت فرمائی اور اپنی وسیع معلومات اور خداداد قوت گویائی سے مسلکِ حق کی کامیاب ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔

شاہی سے دیوبند

یوں تو جیسا کہ اوپر گذرا، حضرت کی تدریسی زندگی کا آغاز دارالعلوم دیوبند ہی سے ہوا لیکن وہاں صرف ایک ہی سال تدریس کے بعد حضرتؒ شاہی تشریف لے آئے اور ۴۸ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اس طویل مدت کے دوران جب کبھی دارالعلوم کو ضرورت پیش آئی اور اکابرؒ نے طلب کیا حضرتؒ نے دارالعلوم تشریف لیجاکر خدمت انجام دینے میں تامل نہ فرمایا۔

سنہ ۱۹۴۲ء جب شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریک آزادی کے سلسلہ میں الٰہ آباد کی نینی جیل لے جائے گئے تو انھوں نے حضرت ہی کو اپنی جگہ تدریس بخاری کے لئے منتخب فرمایا۔ دارالعلوم میں حضرتؒ کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں اہتمام دارالعلوم کی جانب سے مراسلت کے بعد حضرتؒ نے تشریف لے جانا منظور فرمایا اور ۱۳ محرم سنہ ۱۳۶۲ھ بروز دوشنبہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی واپسی تک کے لئے تقرر عمل میں آیا۔ حضرتؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے غائبانہ میں محدثانہ شان سے درس بخاری دیا۔ اسی طرح سنہ ۱۹۴۵ء میں جب حضرت شیخ الاسلامؒ قدس سرہٗ نے الیکشن کے سلسلے میں ۵ ماہ کی طویل رخصت لی تو درس بخاری کے لئے حضرت ہی کا انتخاب فرمایا۔

سنہ ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ مرض الوفاۃ میں مبتلا ہوئے اور جب نقاہت زیادہ ہوگئی تو حضرتؒ کو مرادآباد سے بلاکر درس بخاری سپرد فرمایا۔ شاہی سے حضرتؒ کی یہ تشریف بری مستقل ثابت ہوئی اور جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر سنہ ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی وفات کے بعد شوریٰ نے حضرتؒ ہی کو شیخ الحدیث قرار دے کر اس عظیم مسند پر باقی رکھا۔ حضرتؒ نے دارالعلوم میں پندرہ سال بخاری شریف کا درس دیا۔

جن میں سے آخر کے پانچ سالوں میں حضرتؒ نے درس بخاری کے ساتھ صدارت تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔

وفات

حضرتؒ ویسے تو ساری عمر مختلف امراض میں مبتلا رہے لیکن آخر عمر میں امراض کا غلبہ زیادہ ہوگیا تھا۔ حیات مبارکہ کا آخری سال بہت زیادہ عوارض میں گذرا۔ ۱۳۹۱ھ میں آخری مرتبہ مکمل بخاری شریف پڑھائی۔ شعبان میں مراد آباد تشریف لے آئے۔ رمضان مکمل بیماری میں گذرا۔ شوال میں پھر دیوبند تشریف لے گئے۔ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ میں دارالعلوم سے مراد آباد تشریف آوری آخری ثابت ہوئی اور پھر واپس دیوبند نہ جا سکے۔ مرض کا سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۷۲ء پنجشنبہ کی شب میں تقریباً گیارہ بجے دنیائے علم وفن اس "فخر ملت، فخر دین، فخر وطن" سے محروم ہوگئی اور ع

"پچاسی سال کے جاگے ہوئے انساں کو نیند آئی"

وفات کی اطلاع بہت جلد پورے ملک میں پھیل گئی۔ مختلف مقامات خصوصًا دیوبند اور دہلی سے علماء وقائدین جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لے آئے۔ پنجشنبہ کی دوپہر ڈھائی بجے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی اور محلہ لال باغ مراد آباد کے قبرستان میں اس گنجینۂ علوم کو سپرد خاک کر دیا گیا

اہم خدمات اور خصوصیات

قومی وملی خدمات

حضرتؒ کی حیات مبارکہ گوناگوں علمی وتدریسی مصروفیات سے پُر ہونے کے باوجود اتنی سیاسی وملی خدمات کی حامل ہے جو حضرتؒ کو عظیم قومی رہنماؤں میں نمایاں مقام دلانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے تحریک خلافت کے دور میں سیاست کے میدان میں قدم رکھا اس کے بعد ساری زندگی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی جد وجہد جاری رہی

ایک مرتبہ سنبھل میں ایک گرم سیاسی تقریر کرنے کے جرم میں مقدمہ بھی چلا۔ انگریزی دور میں مراد آباد میں برٹش یونین کی ایک عظیم الشان نمائش ہوتی تھی جس میں یونین کا جھنڈا لہراتا تھا۔ حضرتؒ نے اس کو ناکام بنانے کے لئے جد وجہد شروع کردی۔ شہر مراد آباد میں سات سو رضاکار تیار کئے۔ مختلف جلسے منعقد کئے جن میں حضرت شیخ الاسلامؒ اور علامہ کشمیریؒ جیسے اکابر نے بھی شرکت فرمائی۔ اسی دور کے کسی جلسے کی تقریر کے سلسلے میں حضرتؒ کو گرفتار کر کے ایک سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ یہ اتفاقی بات ہے کہ قید وبند کا یہ سلسلہ ہندوستانی رہنماؤں اور انگریزوں کی ایک مصالحت کے نتیجے میں پانچ ماہ میں ختم ہوگیا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاست میں سرگرم حصہ لیا۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے دور صدارت میں دو بار جمعیت کے نائب صدر منتخب ہوئے، کئی بار جمعیۃ کے جلسوں کی صدارت فرمائی جن میں اجلاس دہلی منعقدہ ۱۹۴۰ء اور اجلاس اُجَّین منعقدہ ۱۹۶۰ء شامل ہیں۔ تحریک آزادی کے دور میں ہی سہارنپور میں جمعیۃ احرار کے اجلاس اور مظفر نگر میں ضلع کانفرنس کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۵۹ء میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے بعد سے جمعیۃ کے صدر تھے، رحلت فرما گئے۔ تو جمعیۃ علماء کی صدارت یعنی مسلمانان ہند کی عمومی قیادت کے لئے حضرتؒ کو منتخب کیا گیا۔ اس عہدۂ جلیلہ پر تاحیات فائز رہ کر آپ نے قوم وملت کی عظیم خدمات انجام دیں۔

اکابر سے خصوصی ربط

حضرتؒ کی ذات کو مجمع برکات بنانے میں آپ کی مہارت علوم وفنون اور صلاح وتقویٰ کے علاوہ جس صفت کا سب سے بڑا دخل ہے وہ اکابر سے خاص تعلق اور ان کا خصوصی اعتماد ہے۔ احترام وعقیدت کی حد تک تو حضرت کا تعلق اپنے تمام ہی اکابر سے تھا۔ البتہ گہرا خصوصی ربط تین حضرات سے رہا۔ امام حریت وانقلاب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ۔ خاتم المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ۔

حضرت شیخ الہندؒ تو آپ کے بخاری و ترمذی وغیرہ کے استاد اور اس وقت کے حلقۂ دیوبند کی مرکزی شخصیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کا خصوصی اعتماد حاصل تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے بھی حضرتؒ کے نام بعض اوقات خطوط تحریر فرمائے۔ آپ کا درس ہمیشہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحقیقات سے معمور رہا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ سے آپ نے مؤطا امام مالکؒ اور ہدایہ آخرین تو باضابطہ پڑھی تھیں اس کے علاوہ علوم حدیث میں خصوصی استفادہ کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی تحقیقات حضرت کے درس میں بکثرت آتی تھیں۔ آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاص اعتماد سے مالامال تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ سے آپ نے باضابطہ کچھ نہیں پڑھا تھا لیکن آپؒ نے ان کو ہمیشہ اپنے اکابر و اساتذہ کی صف میں سمجھا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات سے حضرتؒ کی عقیدت و محبت اور حضرتؒ پر شیخ الاسلامؒ کا اعتماد حضرتؒ کی زندگی کے وہ نمایاں حقائق ہیں جن سے اس دور کا ہر شخص واقف ہے آپؒ حضرت شیخ الاسلامؒ کے درس میں طلبہ کی صف میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ دوسری طرف حضرت شیخ الاسلامؒ کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ وہ حضرتؒ کو دارالعلوم دیوبند کے انعامی جلسوں میں اہمیت کے ساتھ مدعو کرتے تھے،

شعبان میں حضرتؒ اپنے اسباق سے فارغ ہو کر دیوبند تشریف لے جاتے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے اسباق میں شرکت فرماتے۔ ان ایام میں قرارت حدیث حضرتؒ یا شیخ الاسلامؒ فرماتے تھے۔ ختم بخاری کے دن حضرت شیخ الاسلامؒ آپ کو اپنی مسند پر اپنے برابر میں نہایت اہتمام سے بٹھاتے۔ اسی طرح شیخ الاسلامؒ کا یہ بھی معمول تھا کہ اپنے غائبانہ میں درس بخاری کے لئے حضرت ہی کو منتخب فرماتے۔ یہاں تک کہ اپنے بعد کے لئے بھی عملی طور پر حضرتؒ ہی کا انتخاب کر گئے۔ ان دونوں حضرات کا اعتماد و عقیدت سے بھرپور تعلق تاریخ اکابر کی ایک زندۂ جاوید حقیقت ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اکابرِ زمانہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

مہاجر مدنی قدس سرہٗ کا آپ سے نہایت بے تکلفی واحترام کا تعلق بھی قابل ذکر ہے ایک طرف تو حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی بے پناہ علمی وفکری صلاحیتوں اور بیمثال تقویٰ وتقدس کی وجہ سے حضرتؒ ان کی نہایت قدر کرتے تھے۔ دوسری طرف شیخ سہارنپوریؒ کے یہاں بھی حضرت کا بہت زیادہ احترام تھا، جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ جس کے راوی مولانا فیض الحسن کشمیریؒ خلیفہ حضرت شیخ سہارنپوری قدس سرہٗ ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جمعہ کو مولانا فیض الحسن صاحبؒ سہارنپور جارہے تھے۔ حضرت فخر المحدثینؒ نے ان کے ذریعہ شیخ سہارنپوریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آج فلاں گاڑی سے سہارنپور پہونچ رہا ہوں۔ آپ سے مل کر مرادآباد جاؤں گا۔ اتفاق سے گاڑی پہونچنے کا وقت عصر بعد کا تھا اور جمعہ کے دن عصر بعد کا وقت شیخ سہارنپوریؒ کے یہاں ذکر وشغل کی خصوصی مصروفیت کا تھا۔ اس لئے مولانا فیض الحسن صاحبؒ کو خطرہ تھا کہ شاید شیخؒ کو اس اطلاع سے ناگواری ہوگی۔ لیکن شیخؒ نے اس خبر پر نہایت بشاشت کے ساتھ فرمایا کہ بہت اچھا، حضرت سے کہدینا انتظار رہے گا۔ ادھر یہ اتفاق ہوا کہ حضرت کو دیوبند میں شوریٰ کی وجہ سے دیر ہوگئی اور وہ رات کے ایک بجے سہارنپور پہونچے حضرت شیخ سہارنپوریؒ بخار میں مبتلا ہونے کے باوجود اس وقت تک انتظار کر رہے تھے اور کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ چنانچہ حضرتؒ کے ساتھ ہی چند لقمے تناول فرمائے۔

(حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء کرام ص ۱۷۵ و ص ۱۷۶)

غیر معمولی قوت حافظہ

حضرتؒ کو اللہ نے دیگر خصوصیات کے ساتھ غیر معمولی قوت حافظہ سے بھی نوازا تھا جس کا مشاہدہ آپ کے درس بخاری میں ہوتا تھا۔ آپ کا درس تین تین چار چار گھنٹہ جاری رہتا تھا اس کے باوجود نہایت تسلسل کے ساتھ مفصل کلام فرماتے تھے کبھی بھولنے کا نام نہ تھا۔

اس غیر معمولی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ حضرتؒ نے پورا قرآن کریم صرف پچیس ۲۵ دن میں حفظ کرلیا تھا اور وہ آپ کو بالکل صحیح یاد بھی تھا۔ (حوالہ بالا)

خصوصیات درس :۔ حضرتؒ کو قدرت نے زبان کی سلاست اور

فصاحت سے بھرپور حصہ عطا کیا تھا۔ تقریر نہایت سلیس، مربوط، مرتب اور مسلسل ہوتی تھی۔ متعلقہ مسئلہ کے تمام گوشوں پر اس طرح روشنی ڈالتے کہ تمام اشکالات دور ہو جاتے بخاری شریف کے ابواب کا آپس میں تناسب اور ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت اس وضاحت کے ساتھ فرماتے، کہ وہ حضرتؒ کے درس کی خصوصیت محسوس ہوتی درسِ بخاری میں بکثرت حضرت شیخ الہند اور علامہ کشمیری رحمہما اللہ کی تحقیقات بیان فرماتے بعض اوقات اپنی رائے کا بھی اظہار فرماتے تھے۔ اس دور میں شائقین حدیث میں مشہور تھا کہ جسے بخاری پڑھنی ہو وہ مرادآباد جائے۔

تقریر و تحریر

حضرتؒ جہاں ایک کامیاب مدرس و محدث تھے وہیں تقریر و تحریر کی عمدہ صلاحیتوں سے بھی مالامال تھے حضرتؒ کی تقریر نہایت سلیس اور مؤثر تھی، تقریر کی زبان نہایت عمدہ اور فصیح ہوتی تھی، اسی طرح اندازِ تحریر شگفتہ اور صاف تھا۔

اگرچہ حضرتؒ کو مختلف تدریسی وملی مصروفیات نے تحریر کی زیادہ فرصت نہیں دی تاہم آپ کی جو تحریرات دستیاب ہیں ان سے آپ کی اعلیٰ تحریری صلاحیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ محرم ۱۳۵۷ھ مارچ ۱۹۳۸ء میں مرادآباد سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی زیرِ سرپرستی ایک ماہنامہ "قائد" نکلنا شروع ہوا تھا اس میں دیگر علماء و مصنفین کے ساتھ حضرتؒ کی نگارشات بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس وقت ہمارے سامنے "قائد" کا پہلا شمارہ ہے۔ اس میں حضرتؒ کے قلم سے تفسیر ابن کثیر کے ترجمے کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے جو اس شمارے کے ص۸ سے ص۱۵ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی ابتدائی سطریں یہاں پیش کی جاتی ہیں جن سے آپ کی تحریر کے ادبی معیار پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے تحریر فرماتے ہیں:

"لیل و نہار کی گردش، ابناء آدم کے عروج و زوال، اقوام و امم کے نسلی اور سیاسی انقلابات نے ایک اور صرف ایک ہی دولت حاصل کی ہے جو ایک آخری اور انتہائی دولت ہے جس پر وہ جتنا فخر کریں کم ہے یعنی رب العالمین

احکم الحاکمین کا کلام پاک جس کو قرآن مجید اور فرقان حمید کہتے ہیں، جو خزانہ ہے ہر ایک سعادت کا، نسخہ کیمیا ہے ہر ایک عروج و ترقی کا، محور ہے کائنات روحانی کا، مرکز ہے رشد وہدایت کے تمام دائروں کا۔" (ماہنامہ "قائد" بابت ماہ محرم وصفر ۱۳۵۸ھ)

تصنیفات

حضرتؒ نے اپنی تمام تر درسی اور ملی مصروفیات کے باوجود چند بیش بہا تصانیف بھی چھوڑیں جو "بقامت کہتر بقیمت بہتر" کا مصداق ہیں۔ ۱۔ القول الفصیح فیما یتعلق بنضد ابواب الصحیح۔ اس کتاب میں بخاری شریف کے ابواب کی آپسی ترتیب پر گفتگو کی گئی ہے۔ ۲۔ القول الفصیح فیما یتعلق بتراجم ابواب الصحیح، اس میں بخاری شریف کے تراجم ابواب (جو بخاری کا خلاصہ سمجھے جاتے ہیں) پر محدثانہ تحقیقات پیش کی گئی ہیں جو بخاری سے تدریسی تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے بیش بہا علمی سرمایہ ہیں۔ ۳۔ ایضاح البخاری، یہ حضرتؒ کے درسِ بخاری کے افادات ہیں جنھیں تصنیفی انداز میں تحقیق کے ساتھ ترتیب دے کر حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند شائع کر رہے ہیں۔ اب تک اس کی سترہ قسطیں شائع ہو چکی ہیں جن میں بخاری کا تقریباً ڈیڑھ پارہ آگیا ہے بقیہ حصہ زیر ترتیب ہے۔ ۴۔ اربعین، یہ چالیس احادیث کی تشریح پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے، نہایت مفید ہے۔

۵۔ مفتاح العوامل، شرح اردو شرح مائۃ عامل، اس میں نحو کی مشہور کتاب شرح مائۃ عامل کی تشریح و ترکیب ہے۔ اس کتاب کا مسودہ ناقص تھا، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے اس کی تکمیل کرا کے اپنے مکتبہ سے شائع کیا ہے۔ ۶۔ لغت کی ایک کتاب، اس کتاب کا مسودہ مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں حمد باری کے طرز پر نظم میں لغات جمع کی گئی ہیں۔ یہ مسودہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود مکمل نہیں ہے۔ اس میں حمد و نعت، مدح خلفاء راشدینؓ و صحابہ کرامؓ اور مدح ائمۂ دین کے بعد پچاسوں عنوانات کے تحت لغات کا استیعاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چند عنوانات درج ذیل ہیں۔

• دربیان سال وماہ وایام، • معدنیات وجواہر • مدارجِ عمر • انسان

بلحاظ قد و قامت • انسان اور اس کے اعضاء • انسان اور ظاہری عیوب • انسان اور شہریات • نوشت و خواند کا سامان • مکان اور اس کے اجزاء • ظروف • سیر صحراء وغیرہ۔

ایک عنوان " انسان اور اس کے اعضاء " کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

ہے پپوٹا جفن اور ہُدبہ پلک — آنکھ عین وطرفِ انسان مردمک
چشم خانہ محجر اور برنی ہے شفر — حدقہ ہے بادام اور ناخون ظُفر
ڈھیلا مقلہ لب شفہ گردن ہے جید — ریش لحیہ، مونچھ شارب اے ولید

ماخذ: - ایضاح البخاری، ج ۱۔ ماہنامہ قائد بابت محرم وصفر ۱۳۵۸ھ ماہنامہ بینات کراچی بابت ماہ اگست ۱۹۷۲ء، مضمون مولانا بدرالاسلام صاحب، حیات فخر الاسلام، حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفاء کرام۔

زمانۂ صدارت : ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ تا شعبان ۱۳۷۹ھ، کل مدت : ۱سال ۱۰ماہ

حضرت مولانا احمد نور رضا صاحب ہزاروی رحؒ

(المتوفی ۱۹۶۲ء)

آپ کی پیدائش ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ وطن عنایت آباد تحصیل مانسہرہ ہزارہ (صوبہ سرحد) تھا۔ والد کا نام مولانا احمد جی تھا۔ بچپن کا زمانہ اپنے ناناہال موضع موئگن مچھپول (مانسہرہ) میں گذرا، جوانی کی عمر میں حصول علم کا شوق ہوا جس نے جگہ جگہ کی خاک چھاننے پر مجبور کر دیا۔ ابتداءً ہزارہ اور کیمبل پور کے مختلف علماء سے علوم وفنون کا اکتساب کیا۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے دارالعلوم دیوبند کا عزم کیا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ تھے۔ چنانچہ آپ کو اس عظیم شخصیت کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور اس کے بعد مدرسہ شاہی میں ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ سے ربیع الاول ۱۳۳۸ھ تک تدریسی خدمات انجام دیں اس کے بعد یہاں سے تشریف لے گئے پھر ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ سے شعبان ۱۳۷۹ھ تک مدرسہ شاہی کے صدر مدرس بھی رہے اس کے بعد راندیر تشریف لے گئے۔ وہیں نکاح کیا۔ اور ۱۹۶۲ء مطابق ۱۳۸۲ھ میں راندیر ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ وہیں مدفون ہیں۔ؑ

ؑ زیادہ تر حالات مشاہیر علماء دیوبند ص۱۶۳ مرتبہ قاری فیوض الرحمن صاحب سے ماخوذ ہیں۔

زمانۂ صدارت : ۱۳۷۹ھ تا ۱۴۰۹ھ کل مدت : تقریباً ۳۰ سال

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی (متوفی ۱۴۰۹ھ)

مولانا مفتی ریاست علی صاحب قاسمی رامپوری استاذ مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ

مراد آباد کے عوام و خواص پر جن تاریخی شخصیات نے گہرے اور یادگار نقوش ثبت کئے ہیں ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی کا نام نامی بھی ممتاز مقام کا حامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ساتھ مدرسہ شاہی سے انتساب نے آپ کی عظمت میں مزید چار چاند لگادئے تھے۔ مدرسہ شاہی کی دار الحدیث کی مسند سے آپ نے جو علمی اور روحانی جوہر لٹائے ہیں وہ مدرسہ شاہی کی زریں تاریخ کا روشن باب ہے۔

ولادت اور تعلیم آپ کا سنہ پیدائش ۱۹۰۷ء اور والد ماجد کا نام حاجی عبدالرشید مرحوم ہے۔ اصل وطن "بھیٹی" ہے جو "مغل سرائے" کے قریب واقع ہے۔ لیکن آپ کے پردادا نے وہاں کے راجہ کے مظالم سے تنگ آکر یوپی کے مشہور اور مردم خیز قصبہ "پورہ معروف (اعظم گڈھ) میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ آپ کی پیدائش اسی قصبہ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ معروفیہ (پورہ معروف) اور مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں ہوئی۔ مقدمہ امداد الباری جلد اول میں تحریر ہے۔

آپ کے سب سے پہلے استاد حافظ عبدالقادر صاحب ہیں جن سے آپ نے کلام اللہ پڑھا۔ پھر مدرسہ معروفیہ میں داخل ہوئے وہاں آپ نے شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد احیاء العلوم مبارک پور چلے گئے وہاں ایک سال سے زیادہ رہ کر سال کے باقی ایام دار العلوم مئو میں گذارے۔ (امداد الباری ص ۱ تا ۵)

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے شوال ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا رخ کیا اور چار سال اس گہوارۂ علم میں مقیم رہے۔ ۱۳۴۸ھ میں دورۂ حدیث شریف اور ۱۳۴۹ھ میں فنون سے فراغت حاصل کی۔ مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں آپ کی علمی صلاحیت اور محنت کو دیکھ کر آپ کے کچھ حاسدین بھی پیدا ہوگئے۔ بعض مرتبہ آپ کو زہر دیکر نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ اس کے مضر اثرات سے کافی حد تک محفوظ رہے۔

جلیل القدر اساتذہ جن عباقرامت سے آپ نے کسب فیض کیا ان میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم،

حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر علوم، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم مئو اور قطب الارشاد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قابل ذکر ہیں۔

سلسلۂ درس و تدریس | فراغت کے بعد اولاً آپ کچھ عرصہ تک مظاہر علوم میں معین مدرس رہے (اسی زمانہ میں محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہ العالی نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ "ادری" اور "ہریا" میں کچھ دن رہے۔ اس کے بعد اہل ڈابھیل کے اصرار پر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے منصب درس پر فائز ہوئے اور ۱۳۷۲ھ تک اس ادارہ سے متعلق رہ کر بخاری شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، وغیرہ کتابیں پڑھاتے رہے۔ درمیان میں دو سال مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کو بھی آپ کی تدریس کا شرف حاصل ہوا۔

شوال ۱۳۷۲ھ میں آپ جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند کھیڑا گجرات میں مدرس مقرر ہوئے اور شعبان ۱۳۷۹ھ تک وہاں کی فضاؤں کو اپنی روحانی صداؤں سے منور فرماتے رہے۔ آنند کھیرا میں قیام کے دوران آپ نے فتنہ ارتداد کا بھی پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ فرمایا اور اپنے اصلاحی مواعظ سے علاقہ بھر میں اصلاحی لہر دوڑادی، اسی زمانہ میں اہل بدعت سے بعض مناظروں کی نوبت بھی آئی۔

مدرسہ شاہی کے منصب صدارت پر | ۱۳۷۷ھ میں حضرت مدنیؒ کے وصال کی بناپر مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کے دار العلوم دیوبند تشریف لے جانے کے بعد مدرسہ شاہی کو ایک مستقل شیخ الحدیث کی ضرورت پیش آئی۔ ایک سال حضرت مولانا احمد نور صاحب سرحدی اس منصب پر رہے لیکن ۱۳۷۹ھ میں انہوں نے بھی استعفا دیدیا بریں بنا ارباب مدرسہ شاہی نے اس گرانقدر ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے آپ سے درخواست کی۔ اس پیش کش پر آپ نے از خود کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنے شیخ اور مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر استصواب فرمایا اور جب استخارہ کے ذریعہ کامل شرح صدر ہو گیا تو آپ مدرسہ شاہی میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے رونق افروز ہوئے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ شعبہ تعلیمات کی نیابت بھی آپ سے متعلق کی گئی۔ (اس وقت ناظم تعلیمات ضابطہ کی رو سے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب تھے جو دیوبند میں مقیم تھے) اور ۱۳۹۲ھ میں حضرت شیخ الحدیث

کی وفات کے بعد آپ کو ناظم تعلیمات منتخب کیا گیا۔ (کارروئی اجلاس عاملہ منعقدہ ۱۱ر جمادی الاول ۱۳۹۲ھ)

آپ تادم واپسیں اس منصب پر فائز رہ کر علوم نبوت کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۶ھ تک شاہی مسجد میں درس قرآن مجید بھی آپ نے ارشاد فرمایا جس سے عوام کی کافی اصلاح ہوئی۔

بیعت وارشاد آپ نے ڈابھیل کے زمانہ قیام میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا تھا جو جلد ہی شیخ کی جانب سے اجازت بیعت و خلافت مرحمت فرمانے پر منتج ہوا۔ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق آپ نے بھی بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ آپ کے متوسلین شہر مراد آباد اور اطراف کے علاوہ بیرون ملک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ رمضان المبارک میں آپ اپنے متوسلین اور ارادت مندوں کے ساتھ دار العلوم جامع الہدیٰ (محلہ گلشہید کی بڑی مسجد) میں اعتکاف فرماتے تھے۔ نیز آپ کے دولت کدہ پر مجلس ذکر کا سلسلہ رہتا تھا۔ متعدد حضرات کو آپ نے خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

تصنیفات آپ کی درسی تقریروں کا مجموعہ امداد الباری کے نام سے ۴ جلدوں میں چھپ کر مقبول ہوچکا ہے، جسے آپ نے اپنی نگرانی میں شائع کرایا ہے۔ پھر ان جلدوں کی تلخیص خود آپ نے جامع الدراری کے نام سے کی ہے۔ اس کے علاوہ معیار الحق (رد قادیانیت) اور تحفہ مودودیہ (رد مودودیت میں) آپ کی معروف کتابیں ہیں۔

سفر آخرت ۳۰ر شعبان ۱۴۰۹ھ کی شب میں آپ کی زیر سرپرستی چلنے والے ادارہ "مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ مراد آباد" کا عظیم الشان تاریخی اجلاس منعقد ہوچکا تھا۔ عوام و خواص کا بہت بڑا مجمع جلسہ گاہ میں موجود تھا، نگاہیں آپ کی جانب لگی ہوئی تھیں کہ کب آپ اسٹیج پر رونق افروز ہوں اسی دوران محبوب حقیقی کی جانب سے آپ کا بلاوا آگیا اور منٹوں سکنڈوں میں آپ اپنے محبین و متوسلین کو حیرت زدہ چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ جلسہ گاہ ماتم کدہ میں تبدیل ہوگئی، جس نے سنا حواس باختہ ہوگیا۔ قرب و جوار میں اس حادثہ کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ اگلے دن نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتہم صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث نے پڑھائی۔ ایک اندازہ کے مطابق کم از کم ایک لاکھ افراد نماز میں شریک تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

زمانۂ صدارت : شعبان ۱۴۱۲ھ تا ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ، کل مدت ایک سال تین ماہ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی دامت برکاتہم

مولانا خورشید انور قاسمی استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی

مدرسہ شاہی کی مسندِ صدارت کو رونق بخشنے والوں میں مولانا محمد احمد فیض آبادی استاذِ دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی بھی ہے آپ کا وطن مالوف موضع پریتم پور ضلع فیض آباد ہے جو مشہور قصبہ ٹانڈہ کے جانب مشرق دس کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے اسی بستی کے ایک معزز اور علم دوست گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی تاریخِ ولادت یکم رمضان المبارک بروز جُمعہ ہے اور سنِ ولادت غالبًا ۱۳۵۴ھ ہے والدگرامی الحاج عبدالرحمٰن خان مرحوم تھے پابندِ صوم وصلوٰۃ زاہد شب، زندہ دار، ذاکر و شاغل شخص تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت وارادت کا تعلق تھا وضع داری، مہمان نوازی اور غریب پروری میں مشہور تھے۔

تعلیم و تعلم

ابتدائی اور بنیادی تعلیم برادرِ اکبر مولانا جمال الدین مرحوم فاضل دارالعلوم دیوبند کے پاس ہوئی مولانا مرحوم حضرت مدنی رحؒ کے تلمیذ رشید اور مسترشد تھے ذاکر و شاغل خلیق و ملنسار تھے اپنی بستی کے پہلے عالم تھے اور بڑے مولوی صاحب کے نام سے یاد کئے جاتے تھے وفات کے بعد لوگوں کو کہتے سُنا کہ "آج بستی کا چراغ گل ہوگیا"

حفظ کلام اللہ سولہ سترہ ماہ کی مختصر مدت میں پورا کیا اس میں آپ کے استاذ حافظ قاری خان زمان صاحب گونڈوی تلمیذ حضرت مولانا قاری عبدالوہاب صاحبؒ بانی مدرسہ فرقانیہ گونڈہ ہیں۔ فارسی اور عربی کی کتابیں مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جونپور اور مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں پڑھیں اول الذکر مدرسہ میں آپ کے

استاذ مولانا عبدالرحیم فیض آبادی رح اور مولانا ضیاء الحق فیض آبادی رح تھے اور ثانی الذکر مدرسہ میں آپ کے استاذ خصوصی مولانا افضال الحق جوہر قاسمی اعظمی تھے جو مدرسہ کے مہتمم اور درس و تدریس میں ید طولیٰ رکھتے تھے مدرسہ فرقانیہ میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کی پھر شوال ۱۳۶۱ھ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا اس تعلیمی سفر میں سیدنا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی معیت در رفاقت کی سعادت ٹانڈہ سے دیوبند تک رہی اور قیام دارالعلوم کے زمانہ میں تاحیات حضرت شیخ مدنی رح کی نوازشات وعنایات حاصل رہیں ، حضرت شیخ رح کے وصال کے بعد فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد رح اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی ادام اللہ ظلہ کی شفقتیں وعنایتیں سایہ فگن رہیں ثانی الذکر کی توجہات آج تک حاصل ہیں علم و ہنر کے چشمۂ صافی دارالعلوم دیوبند سے پورے نو سال سیرابی حاصل کرتے رہے ۱۳۷۰ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رح شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث پڑھکر سند فراغت حاصل کی اس کے بعد دو سال فنون و علوم کی تکمیل اور تین سال جامعہ طبیہ کے نصاب کی تکمیل میں گذارے اور اسی دوران شیخ القراء مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے حفص سے لے کر سبعہ تک تجوید کا درس لیا طب کی کتابیں استاذ الاطباء حکیم محفوظ علی خاں صاحب مرحوم اور مولانا حکیم محمد عمر دام ظلہ سے پڑھیں اور علم ہیئت امام فن حضرت مولانا بشیر احمد رحمۃ اللہ سے۔ اس طرح ۹ سال مادر علمی میں گذار کر تمام علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔

درس وتدریس

فراغت کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ سے بیعت وارشاد کا تعلق قائم کر لیا اور پھر آپ ہی کے حکم ومشورہ سے مدرسہ قاسمیہ گیا بہار، مدرسہ انوار العلوم بھولے پور ضلع فیض آباد، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تشنگان علوم نبوت کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا اور خداداد اعلیٰ صلاحیت اور بھرپور محنت وجانفشانی کے ذریعہ حیرت انگیز ترقی حاصل کی آج کل مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس

پر فائز ہیں۔

مدرسہ شاہی میں سترہ سال

۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ کو مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی نے درجہ وسطیٰ میں آپ کا تقرر فرمایا اور پھر ۳ر محرم الحرام ۱۳۹۵ھ سے آپ نے فیض رسانی کا سلسلہ شروع فرمایا آپ کا یہ تقرر دراصل حضرت مولانا فخر الدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے حسن انتخاب اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ کی پُرخلوص سعی کا نتیجہ تھا حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ (جو اس وقت مدرسہ شاہی کے ناظم تعلیمات تھے) ۱۶ر شوال ۱۳۹۴ھ کو اراکین اہتمام کمیٹی کے نام اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ

> مولانا محمد احمد صاحب حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ کے منتخب کردہ ہیں اور مناسب ہیں راقم الحروف بھی ان سے واقف ہے نیز مجھ کو دارالطلبہ کے نظم میں ان سے زیادہ مدد مل سکے گی اس لئے میری گذارش ہے کہ اگر موصوف ہی کا تقرر کرلیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔،،

مدرسہ شاہی میں ۱۷ر سال قیام رہا میزان سے بخاری تک تقریباً تمام کتابوں کا درس دیا اور قیام کے بیشتر زمانہ میں دار الاقامہ کی نظامت ونگرانی کا فریضہ انجام دے کر طلبہ کی اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کیا مختلف اوقات میں نائب مہتمم، نائب ناظم تعلیمات، ناظم تعلیمات، شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے مناصب پر فائز رہ کر اپنی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوتے ۱۴ر شعبان ۱۴۱۱ھ کو مجلس عاملہ مدرسہ شاہی نے آپ کو شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے منصب پر فائز کیا جس کو آپ نے اپنے پیر ومرشد فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کے مشورہ کے بعد قبول کیا اور ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ تک اس منصب پر فائز رہ کر بخاری شریف کا درس دیا اور صدارتِ تدریس کا فریضہ انجام دیا بعد ازاں مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی طلب پر اس چشمۂ صافی کے ساقیوں میں جا شامل ہوئے جس کی بنا ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر رکھی گئی تھی۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

نُونِيَّةُ المحامد

التى انشدها الاحقر الافقر الى رحمة الله الحفى ابو المكارم محمود الحسن القاسمى الاشرفى تجاوز الله الحفى عن ذنبه الجلى و الخفى المدرس بدار الافتاء و درجة التجويد بالجامعة القاسمية بمراداباد صانها الله تعالى عن الفساد للسابع عشر من شعبان المعظم سنه ۱۳۹۷ هج

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدًا لمن نزّل القران تبيانا — على محمّد ن المختار اولنا
يارب صلّ وسلّم دائمًا ابدًا — عليه والال فيّاضًا ورحمانا
انت العليم القدير الواحد الاحد — فرد سميع اله الناس مولنا
هديتنا الى الصراط المستقيم هدى — علمتنا يا اله الحق قرانا
كفى بذلك للامى معجزة — وجاء للحق والتوحيد برهانا
ترتيله واجب بالنص قد ثبتا — تجويده لازم سرًّا واعلانا
وانى كنت للاستاذ مطلبا — من كان مقرئه حسنا واحسانا
فارشد الله ذو الاحسان والمنن — لحضرة الكامل العلّام اعلانا
تلميذ ذى المجد عبد الله ذى شرف — من فاق اقرانه فضلا وفيضانا
وفيضه بلغ البلد ان قاطبةً — هند افسند افبنجا لا فملتانا
هو الاديب الاريب صاحب الشرف — مستظهر لكلام الله سبحانا
وطيبة النشر والدرة بمنطقه — حرز الامانى عقيله له لانا
جزى الرحيم الامام الشاطبىّ ندىً — والشيخ سيدنا الجزرى مولانا
مع الامام ابى عمرو برحمته — وكلّ من نقل القران اتقانا

طوبیٰ لمن دخل الشاهی جامعةً ‏ ‏ ثمّ استفاد من الاشیاخ عرفانا
منهم امین علوم الدین سیّدنا ‏ ‏ عبد الجبّار ن العلّام اذ کانا
وانوار العصر فی الحدیث قدوتنا ‏ ‏ انی فقدت له الامثال آزمانا
ومنهم الشیخ ذوالالطاف والکرم ‏ ‏ نعمان ایّامنا عبدٌ لرحمانا
محدّثٌ ومفسّر ومرشدنا ‏ ‏ الی المعالی فذاکم مثل لقمانا
وعاشق الله ربّ العرش وعارفهٗ ‏ ‏ وذاکر الله نومًا ثمّ یقظانا
ومنهم اختر الاسلام سیّدنا ‏ ‏ بحر الفیوض ولی الله ازکانا
ومنهم ارشد المخدوم ناصحنا ‏ ‏ بحر العلوم الامین الناظم الآنا
ابن الامام حسین احمد المدنی ‏ ‏ من آل فاطمة الزهراء قد کانا
ثمّ الفقیه رشید الدین سیّدنا ‏ ‏ ابن الامام حمید الدین اتقانا
صهر لسیّدنا العلّامة المدنی ‏ ‏ قد صار مهتممًا لها وقد زانا
ومنهم الفاضل العلّام قدوتنا ‏ ‏ منظور البارع المخدوم اولانا
ومنهم واحدٌ رضا مسوّدنا ‏ ‏ مفتٍ فقیه امین العلم مولٰنا
ما جاوز الحدّ ما قد قلت مادحهم ‏ ‏ بل شان شانهم او زاد نقصانا
فبارك الله فی حیٰوة کلّهم ‏ ‏ وزادهم شرفًا فضلًا واحسانا
وسدّد الله محمودًا بقدرته ‏ ‏ وشانهٗ اصلح الرحمٰن احیانا

اربابِ اہتمام
وارا کینِ انتظامیہ

مدرسہ شاہی کے بلند پایہ ارباب اہتمام

محمد سلمان منصور پوری

مدرسہ شاہی کی عند اللہ وعند الناس مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا کار اہتمام وانتظام ایسے مخلص اور بے لوث افراد کے ہاتھوں میں رہا ہے جنھوں نے خون جگر سے اس گلشن کی آبیاری کی۔ اس راہ میں آنے والے مصائب ومشکلات کو سرمایۂ سعادت سمجھا اور اپنی پوری توانائی اسے پروان چڑھانے میں لگا دی۔ درحقیقت انہی مخلصوں کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ یہ گلشن علمی ایک صدی سے زائد گذرنے کے باوجود روز بروز ترقی کی طرف گامزن ہے اور اہم ترین علمی ودینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ان میں سے ہر ہر شخصیت اس کی محتاج ہے کہ اس پر مستقل کتابیں لکھی جائیں مضامین تحریر کئے جائیں اور مقالات سپرد قلم کرکے دنیا کے سامنے ان کی زندگی کے تابندہ نقوش پیش کئے جائیں۔ لیکن اسے ہماری محرومی کہئے یا ان خادمان اسلام کی بے نفسی کہ بلند کردار اور بلند مقام ہونے کے باوصف انھوں نے پوری زندگی گمنامیوں میں گذار دی اور ان میں سے اکثر جب دنیا سے گئے تو ان کی سوانح حیات کا صحیح علم رکھنے والا شاید کوئی بھی باقی نہ رہا۔ بس وہ اپنی خدمات سے پہچانے جاتے ہیں اور خدمت ہی ان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ آئیے اس مختصر تحریر کو ایسے ہی مخلصوں کے اخلاص سے مزین کریں۔ اور اپنی زندگی میں بھی اخلاص کے دیئے جلائیں۔ پیش ہے ارباب اہتمام مدرسہ شاہی کا اجمالی تذکرہ!

حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحبؒ

آپ انتہائی صاحب ورع وتقویٰ اور متدین بزرگ تھے۔ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی تواضع رگ وپے میں رچ اور بس گئی تھی۔ جس کی بنا پر لوگوں کی نگاہوں میں اور رب ایزدی کے دربار میں آپ مقام مقبولیت پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے جب ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی کا قیام عمل میں آیا تو سارے شہر کے ارباب حل وعقد کی نگاہیں آپ ہی کی ذات پر پڑیں۔ اور آپ ہی کو مدرسۃ الغرباء وقاسم العلوم کا اولین مہتمم نامزد کیا گیا آپ کا قیام مرادآباد کے محلہ بھٹی کی انجیر والی مسجد میں رہتا تھا۔ آپ کے بارے میں مصنف وقائع نصیر خانی تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی عبدالرشید عظیم آباد (پٹنہ) کے رہنے والے ہیں، مدرسۃ الغرباء وقاسم العلوم کے مہتمم ہیں قانع صابر متوکل ہیں چار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ یہ مسجد کے ایک گوشہ میں جو بطور حجرہ کے ہے سکونت رکھتے ہیں تمام شہر میں مشہور ہیں ......
مدرسہ کی ترقی میں جان ودل سے ایسی کوشش کرتے ہیں کہ گویا اس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ہر سال ان کے مدرسہ سے چند علماء فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ اور علم وفقہ، حدیث وتفسیر، منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنے شہروں کو واپس جاتے ہیں۔ [1]

آپ کا زیادہ تر تربیتی تعلق اپنے برادر اکبر حضرت مولانا سید عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا جو غازی پور میں مقیم تھے۔ غالباً اسی بنا پر آپ بھی غازیپوری کہلائے حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ سے بھی آپ حد درجہ عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت رحؒ کی وفات پر فارسی زبان میں آپ نے ایک وقیع مرثیہ بھی رقم فرمایا تھا۔

صفر ۱۲۹۶ھ سے جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ تک تقریباً ۲۶ سال آپ مدرسہ شاہی کے

---

[1] از ندائے شاہی مارچ ۸۹ء مضمون مولانا حفظ الرحمٰن رامپوری۔

منصب اہتمام پر فائز رہے۔ اور اپنے دور ہی میں مدرسہ شاہی کو ملک کے بڑے مدارس کی صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ جو مدرسہ شاہی کی تاریخ کے زریں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے اس دور میں ایک پیسہ بھی مدرسہ سے تنخواہ یا مشاہرہ نہیں لیا بلکہ اخلاص کے ساتھ حسبۃً للہ خدمات انجام دیتے رہے۔ جمادی الثانیہ یا رجب ۱۳۲۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے اس لئے کہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ کے اجلاسہائے شوریٰ میں آپ کی شرکت متحقق ہے۔ جبکہ اواخر رجب ۱۳۲۲ھ کے اجلاس میں آپ کی وفات کا ذکر کیا گیا ہے [۱]

جناب حاجی محمد اکبر صاحبؒ مرادآبادی

آپ بھی مدرسہ شاہی کے اولین مہتمموں میں ہیں۔ مرادآباد کے مشہور تاجر تھے، شہر کی معروف پنجابی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے فدائیوں میں سے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے بھی ارادت مندانہ تعلق تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کے متعدد مکاتیب میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ ۱۲۹۶ھ میں قیام مدرسہ کے بعد مہتمم بنائے گئے اور ۱۳۰۹ھ تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ اہتمام سے الگ ہونے کے بعد آپنے کچھ عرصہ تک مدرسہ شاہی کے کارخانۂ تجارت کے انتظام کی بھی دیکھ بھال فرمائی نیز ابتداء مدرسہ سے ۱۳۴۸ھ تک مسلسل ۵۲ سال مجلس شوریٰ کے رکن رکین رہے۔ مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے روح رواں آپ ہی تھے۔

مولانا مرزا محمد نبی بیگ صاحبؒ

دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحؒ کے فیض یافتہ اور نظم وانتظام میں اپنی مثال آپ تھے۔ مدرسہ شاہی کے ابتدائی تین مہتمموں میں صرف آپ باتنخواہ مہتمم تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر دفتری کام وغیرہ آپ ہی کے سپرد رہا ہوگا، ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۱۲ھ تک آپ منصب اہتمام پر فائز رہے۔

---

[۱] رجسٹر کارروائی شوریٰ بابت ۱۳۲۲ھ ص ۴۹

حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادیؒ

آپ دیوبندی تحریک کے عظیم رکن اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کے اجل تلامذہ میں تھے مدرسۂ شاہی کے بانی اراکین شوریٰ میں آپ کا نام ہے۔ آپ کا وطن اصلی مرادآباد اور والد کا نام شبیر حسن[1] تھا ابتدائی تعلیم مرادآباد میں حاصل کی اس کے بعد انتہائی علوم کی تکمیل کے لئے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حضرت گنگوہیؒ سے بھی شرف ارادت حاصل تھا۔ ۲۸ رشعبان ۱۳۱۲ھ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نانوتویؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں مجلس شوریٰ مدرسۂ شاہی نے آپ کو باتفاق رائے مہتمم مدرسہ تجویز کیا۔ تجویز کی نقل درج ذیل ہے۔

"آج یوم یکشنبہ بتاریخ ۲۸ رشعبان جملہ اہل شوریٰ کی رائے سے یہ امر قرار پایا کہ چونکہ بعض انتظامات مدرسہ پورے طور پر بوجہ کم فرصتی مہتمم صاحب اپنے وقت پر طے نہیں ہو سکتے اس لئے مولوی محی الدین خاں صاحب جو کہ منجملہ اہل شوریٰ ہیں امور متعلقہ اہتمام مدرسہ اون کے متعلق کئے گئے۔ اور مولوی صاحب ممدوح نے حسب درخواست خیر خواہان مدرسہ اس امر کو قبول فرمایا۔ واللہ الموفق والمیسر"[2]

حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحبؒ نے ۱۳۱۲ھ سے ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ تک پوری تن دہی اور توجہ کے ساتھ مدرسۂ شاہی کا کار اہتمام انجام دیا۔ اور مدرسہ کو کافی

---

[1] آپ کے والد شبیر حسن اور چچا شبیر حسین دونوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا شبیر حسن صاحب کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو آگے بڑھ کر بھائی شبیر حسین نے اپنا نام پیش کر دیا کہ میں شبیر حسن ہوں (شبیر حسین لا ولد تھے جبکہ شبیر حسن صاحب اولاد تھے) اس طرح قاضی صاحبؒ کے والد مرحوم حکومت کی دار و گیر سے بچ گئے، (تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال ص ۲۹۴)

[2] رجسٹر کارروائی شوریٰ ص ۳۱

عروج بخشا۔ ۱۳۱۸ھ میں آپ بھوپال تشریف لے گئے اور ۱۳۲۶ھ میں وہاں کے منصب قضاء پر بھی فائز ہوئے۔ اس دوران آپ کا رابطہ مسلسل مدرسہ شاہی سے رہا۔ رکن شوریٰ ہونے کے علاوہ آپ مدرسہ کے اعزازی ناظم بھی تھے۔ ریاست بھوپال سے موصول ہونے والی مدرسہ کی امداد آپ ہی کے دستخط سے حاصل کی جاتی تھی اس اعتبار سے آپ وفات تک مدرسہ کے ناظم رہے۔[۱] آپ جمعیۃ الانصار کے سرپرستوں اور حضرت شیخ الہندؒ کے شیدائی رفقاء میں تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ آپ کا نہایت خیال فرماتے تھے۔ تحریک شیخ الہندؒ کے سلسلہ میں آپ کے نام بھی حضرت شیخ الہندؒ نے بھوپال پیغام بھیجا تھا۔ اور آپ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تحریک کی سرپرستی قبول فرمائی تھی[۲] اسی تحریک سے وابستگی کی بنا پر آپ کو بھوپال کے عہدۂ قضا سے سبکدوش کیا گیا[۳] اس کے بعد آپ مرادآباد واپس تشریف لے آئے اور یہیں مقیم رہتے ہوئے ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ میں راہئ ملک بقا ہوئے۔[۴] اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

جناب نواب علی اکبر خاں صاحب

۱۳۱۸ھ میں حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب کے بھوپال منتقل ہونے کے بعد آپ کو قائم مقام مہتمم بنایا گیا۔[۵] پھر ۲۲ رجب ۱۳۲۲ھ کے اجلاس شوریٰ میں مہتمم اول حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادیؒ کی وفات کے بعد آپ مستقل مہتمم بنادئے گئے آپ کے نام کی مہر بنانا بھی تجویز ہوا۔

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ کو آپ نے اہل شوریٰ کے سامنے اپنے ضعف کا عذر کرکے اہتمام سے استعفا پیش کردیا مگر ارباب شوریٰ نے آپ کے استعفا کو منظور نہیں کیا۔ البتہ آپ کی رعایت کے لئے مولانا عبیداللہ صاحب بچھرایونی رکن شوریٰ کو

۱؎ رجسٹر شوریٰ صفحہ ۱۵ ۲؎ اس کی قدرے تفصیل تحریک شیخ الہند اور مدرسہ شاہی کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں ۳؎ تاریخ قضاۃ و مفتیان بھوپال صفحہ ۲۸۵ ۴؎ الفرقان لکھنو مارچ ۱۹۷۶ء ۵؎ رجسٹر شوریٰ

مقرر فرمایا۔[1] پھر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں آپ نے دوبارہ استعفا پیش فرمایا جسے منظور کر لیا گیا۔ لیکن آپ مشیر مدرسہ بدستور رہے۔ سنہ وفات معلوم نہ ہو سکا۔

حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی رحؒ

حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادی رحؒ شہر مرادآباد کے ان پُرعظمت بزرگوں میں ہیں جنھوں نے میخانۂ قاسمی سے براہ راست استفاضہ کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ حضرت نانوتوی رحؒ کے تلمیذ خاص اور خلیفۂ مجاز تھے۔[2] حضرت گنگوہی رحؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔[3] اوراد و وظائف میں حد درجہ اشتغال کی وجہ سے آپ پر استغراقی کیفیت طاری ہو گئی تھی لوگوں نے اسے دیوانگی سمجھا۔ علاج کرایا گیا جس کی بنا پر بینائی جاتی رہی جب اس واقعہ کی اطلاع آپ کے پیر و مرشد حضرت نانوتوی رحؒ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا " دو آنکھوں کے عوض جنت بہت سستی ہے "۔[4]

مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۲ رجب ۱۳۲۲ھ میں حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحب رحؒ مہتمم اول کے وصال کے بعد ان کی جگہ آپ کو مدرسہ کا مہتمم مقرر کرنا تجویز ہوا۔[5] لیکن اپنے اعذار کی بنا پر جمادی الثانیہ ۱۳۲۴ھ میں آپ نے اس منصب سے استعفا پیش فرمایا۔ اجلاس شوریٰ منعقدہ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۲۴ھ میں آپ کے استعفا سے متعلق درج ذیل تجویز منظور کی گئی :

"مولوی محمد صدیق صاحب مہتمم ثانی مدرسہ ہٰذا کا استعفا ارباب مشورہ کی خدمت میں گشت کرایا گیا بعد غور تجویز ہوا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظر عذرات مولوی صاحب کو لفظ مہتمم کی تکلیف نہ دی جائے اون کی توجہ ہی موجب خیر و برکت مدرسہ ہے"[6]

— تاہم آپ وفات ۱۳۴۷ھ تک مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔

---

[1] رجسٹر شوریٰ ص ۲۔ [2] الفرقان مارچ ۱۹۷۶ء [3] تذکرۃ الرشید ص ۱۶ ج ۲ [4] الفرقان لکھنؤ مضمون مولانا نسیم احمد فریدی مارچ ۱۹۷۶ء [5] رجسٹر کارروائی شوریٰ [6] رجسٹر کارروائی شوریٰ بابت ۱۳۲۴ھ

اس سے قبل بھی آپ کا نام ۱۳۱۲ھ سے مدرسہ کے اراکین شوریٰ میں ملتا ہے۔
آپ بالالتزام شوریٰ کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے تھے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ آپ کی شخصیت مرادآباد میں مرجع اکابر تھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ آپ سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی رح تحریر فرماتے ہیں :

"حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادی۔ مرادآباد کے ایک علمی خاندان کے باکمال فرد تھے۔ وہ عالم بھی تھے، صوفی و درویش بھی تھے، حاذق طبیب اور نباض بھی تھے اور فارسی و اردو کے شاعر و ادیب بھی تھے۔ محلہ نواب پورہ سے متصل محلہ بغیہ میں ان کی سکونت تھی۔ اکابر ملت سے جوان کو علمی و روحانی تعلق تھا اس کی بنا پر ان کی شخصیت ایک تاریخی شخصیت بن گئی تھی اور وابستگان اکابر دیوبند کے لئے ان کا مکان بھی ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کو بھی ان سے خاص عقیدت تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی وفات کے بعد بھی برابر ان کی اولاد و اقارب سے مخلصانہ اور شفقت آمیز تعلق رکھتے تھے۔ حضرت جب کبھی مرادآباد تشریف لاتے تو ان کے مکان پر ہی قیام فرماتے"۔ [1]

آپ کے بلند مقام کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت نانوتوی رح نے آپ کو نہ صرف بیعت فرمایا بلکہ اجازت بیعت بھی مرحمت فرمائی اور جب مرادآباد یا اطراف کے کسی شخص کو حضرت بیعت فرماتے تو خاص طور پر اسے ہدایت کرتے تھے کہ "تم کو ذکر و شغل کی تعلیم محمد صدیق کریں گے"۔ [2] حضرت نانوتوی سے آپ کو عشق تھا جس کا اظہار آپ کے ان دو شعروں سے ہوتا ہے۔

بے چون قاسم دیوانہ را فرزانہ می سازد ———— بہ بیں صدیق! فیض قاسم فرزانۂ مارا

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی الفرقان لکھنؤ بابت مارچ ۱۹۷۶ء [2] حوالہ بالا

فیوض قاسم الخیرات راصدیق می نازم — رود دیوانہ گر در بزم او فرزانہ می آید

آپ اعلیٰ درجہ کے طبیب اور نباض بھی تھے۔

آپ نے ۳ر شوال ۱۳۴۷ھ شب جمعۃ المبارک کو وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۴ سال تھی۔ حضرت مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی تلمیذ حضرت نانوتویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی[1] رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بچھرایونیؒ

آپ مدرسہ شاہی کے مخلص خیر خواہ تھے۔ مورخہ ۱۰ر شعبان ۱۳۲۲ھ کو شوریٰ نے آپ کو اتفاق رائے سے رکن شوریٰ منتخب کیا۔ اس کے بعد ۱۳۲۴ھ میں آپ نواب محمد علی اکبر خاں صاں صاحب کے دور اہتمام میں معاون مہتمم منتخب ہوئے۔ اور شعبان ۱۳۲۵ھ تک اس ذمہ داری کو انجام دیا۔ آپ اخیر عمر ۱۳۸۴ھ تک رکن شوریٰ رہے اور چند سالوں کو چھوڑ کر التزام کے ساتھ اجلاس میں شرکت کرتے رہے۔ ۸۴ھ کے رجسٹر کارروائی شوریٰ میں آپ سے متعلق تجویز تعزیت موجود ہے تفصیلی حالات کا علم نہ ہو سکا۔

حضرت مولانا محمد حسن صاحب نواب پوری مرادآبادیؒ

حضرت مولانا محمد حسن صاحب محلہ نواب پورہ مرادآباد کے رہنے والے تھے[2]۔ مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی اور یہیں سے ۱۳۰۳ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے پھر ربیع الاول ۱۳۲۵ھ میں نواب علی اکبر خاں صاحب مہتمم مدرسہ کے استعفا دینے کی بنا پر مجلس شوریٰ نے آپ کو چھ ماہ کے لئے عارضی مہتمم مقرر کیا آپ نے یہ مدت بحسن وخوبی

---

[1] الفرقان مارچ ۱۹۶۶ء [2] مرادآباد میں اس نام کے دو بزرگ گذرے ہیں ایک مولانا محمد حسن صاحب مغلپوری جو مدرسہ شاہی میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے حضرت نانوتوی کے شاگرد تھے اور بعد میں بھوپال کے قاضی بنے دوسرے مولانا محمد حسن نواب پوری یہ مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ تھے اور بعد میں مہتمم بنے۔

پوری کی تو ارباب شوریٰ نے شوال ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مستقل اہتمام کے منصب پر فائز کر دیا۔ آپ نے کم و بیش ۱۵ سال تک پوری تن دہی اور ذمہ داری کے ساتھ ۱۳۴۱ھ تک منصب اہتمام کو سنبھالے رکھا صرف درمیان میں (۱۳۳۰ھ میں) ایک سال کے لئے دیوبند سے حضرت مولانا رحمت العلی صاحب مہتمم بن کر تشریف لائے تھے اور ۱۳۳۵ھ میں آپ حج کو تشریف لے گئے تھے اس دوران حاجی گوہر علی خاں صاحب نے اس ذمہ داری کو انجام دیا تھا۔ آپ کا دور اہتمام بھی مدرسہ شاہی کی تاریخ کے ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا رحمت علی صاحب دیوبندیؒ

۱۳۲۸ھ میں جب جمعیۃ الانصار قائم ہوئی اور یہ تجویز کیا گیا کہ دارالعلوم دیوبند کی تحریک سے وابستہ مدارس اپنا باقاعدہ الحاق دارالعلوم سے کرائیں اور انتظامی معاملات میں بھی دارالعلوم سے رجوع کریں تو ارباب شوریٰ مدرسہ شاہی نے بھی اتفاق رائے سے مدرسہ شاہی کا دارالعلوم دیوبند سے الحاق منظور کیا اور اس وقت کے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کو اس کی باضابطہ اطلاع دی گئی اور یہ درخواست بھی کی گئی کہ وہ دیوبند سے کسی شخص کو مدرسہ شاہی کا مہتمم بنا کر بھیجیں۔ چنانچہ یہ الحاق منظور کیا گیا اور صفر ۱۳۳۰ھ کو حضرت مولانا رحمت علی صاحب مہتمم مقرر ہو کر دیوبند سے مرادآباد تشریف لائے لیکن ایک سال بعد جب بعض وجوہات کی بنا پر جمعیۃ الانصار کے نظام میں اختلال آیا تو مولانا رحمت علی صاحب نے بھی استعفا دے دیا اور دیوبند واپس تشریف لے گئے اور حضرات دیوبند نے بھی دارالعلوم کے نظام کے پھیلاؤ کا عذر کر کے باقاعدہ الحاق سے معذرت کر دی البتہ سرپرستی برقرار رہی۔

حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب رشیدیؒ

آپ مرادآباد کے باشندہ تھے۔ مدرسہ شاہی سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ۹ر شوال ۱۳۲۵ھ کے اجلاس شوریٰ میں آپ کو رکن مدرسہ شاہی منتخب کیا گیا۔ پھر محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

میں باتفاق رائے آپ کو مہتمم بنانا تجویز ہوا۔ اور رمضان ۱۳۵۱ھ میں آپ اس عہدے سے مستعفی ہو گئے البتہ ۱۳۶۵ھ تک مجلس شوریٰ کے رکن بدستور رہے۔ آپ کے دور میں مدرسہ نے ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے ترقی کی۔ خاص کر طلبہ کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ جس کا اندازہ آپ کے زمانہ کی مطبوعہ رودادوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

جناب منشی عبد القیوم صاحب اور جناب مرزا محمود علی بیگ مرادآبادی

یہ دونوں حضرات مدرسہ شاہی کے مخلص اراکین شوریٰ تھے۔ رمضان ۱۳۵۱ھ میں جب مہتمم مدرسہ جناب حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب رشیدیؒ نے استعفا پیش کر دیا تو مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۱ر رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ نے اتفاق رائے سے عارضی طور پر اہتمام کا کام ان دونوں حضرات کے سپرد فرمایا۔ واضح رہے کہ اس مجلس میں منشی عبد القیوم صاحب پنشنر کو رکن شوریٰ منتخب کیا تھا۔ جبکہ مرزا محمود علی بیگ صاحب ۱۳۴۲ھ سے ممبر مدرسہ تھے۔ یہ دونوں حضرات ۲۶ر شوال ۱۳۵۱ھ تک اس عہدے پر رہے۔ اس کے بعد نیا انتخاب ہوا اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحؒ کو مہتمم بنایا گیا۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحؒ کا دور اہتمام مدرسہ شاہی کی تاریخ کا زریں دور کہلانے کا مستحق ہے۔ آپ کی سوانح حیات اور خدمات جلیلہ کا تذکرہ الگ تفصیلی مضمون میں کیا گیا ہے جو صفحہ ــــ پر درج ہے۔ یہاں تو عنوان کی مناسبت سے صرف چند اشارات ذکر کرنے ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی ۱۳۴۶ھ میں جب مرادآباد تشریف لائے تو اولاً مدرسہ امدادیہ میں قیام فرمایا ۱۹۳۰ء کی تحریک میں اساتذہ مدرسہ شاہی کی گرفتاری کی بنا پر آپ نے مدرسہ شاہی کا خلا پر کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش فرمائیں جسے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب نے قبول فرما لیا۔ کچھ دن بعد آپ نے امدادیہ سے تعلق منقطع کر لیا اور پورے طور پر حسبۃً للہ شاہی سے وابستہ

ہو گئے۔ شاہی مسجد میں ترجمہ بھی شروع فرمایا جس سے عوام آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ رمضان ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ شاہی کے مہتمم حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب مستعفی ہو گئے تو نئے مستقل مہتمم کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ۱۹ر شوال ۱۳۵۱ھ کو مدرسہ کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں تقرر مہتمم کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اہتمام کے لئے کل پانچ حضرات کے نام پیش ہوئے۔ (۱) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ (۲) مولانا حکیم اظہر الدین صاحب عمر وی (۳) حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ (۴) قاضی جلال الدین صاحبؒ (۵) اور مولانا سید فاہم علی صاحبؒ امام شہر۔ اور یہ طے ہوا کہ انتخاب مہتمم کے لئے آئندہ ۲۶ر شوال کو شوریٰ کا مکمل اجلاس بلایا جائے۔ چنانچہ ۲۶ر شوال ۱۳۵۱ھ کو درجۂ فارسی مدرسہ شاہی کی عمارت میں بعد نماز مغرب شوریٰ کا معرکۃ الآراء اجلاس شروع ہوا۔ بقیہ حضرات . . . . نے اپنے نام واپس لے لئے صرف دو نام رہ گئے۔ مولانا سید فاہم علی صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ۔ ان دونوں ناموں پر بحث شروع ہوئی۔ ہر نام کے مؤیدین نے اپنے اپنے دلائل دئے۔ اجلاس کے صدر حضرت مولانا غالب علی صاحب خلیفہ حضرت مولانا قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ فیصلہ کی کوئی صورت نہیں نکل رہی تو انھوں نے زبانی وتحریری ووٹنگ کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ باقاعدہ ووٹنگ ہوئی۔ کل ۲۷ ارکین شوریٰ میں سے ۱۴ ارکین نے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رح کے حق میں ووٹ دیا جبکہ ۱۳ حضرات نے مولانا سید فاہم علی صاحب کے حق میں رائے دی۔ جس پر صدر جلسہ مولانا غالب علی صاحب نے ارشاد فرمایا:

> "میں مولانا عبدالحق صاحب مدنی کے اہتمام کا اعلان کرتا ہوں۔ کل بذریعہ تحریر مولانا صاحب ممدوح کو اطلاع دی جائے کہ آپ اعزازی مہتمم مقرر ہوئے ہیں کل صبح کو آکر چارج لے لیجئے"۔ [1]

---

[1] رجسٹر کارروائی شوریٰ ص۱۹۰

جس وقت مولانا عبدالحق صاحب منصب اہتمام پر فائز ہوئے تو مدرسہ کی مالی حیثیت بحرانی کیفیت سے دوچار تھی آٹھ آٹھ مہینہ کی تنخواہیں واجب الادا تھیں۔ آپ نے آکر اس گلشن قاسمی کو سنبھالا اور اپنے حسن تدبر سے پروان چڑھایا۔ آپ نے دفتری نظام اور حساب وکتاب کی باقاعدگی پر پوری توجہ دی۔ مدرسہ کا جدید اور جامع دستور مرتب کیا۔ تعلیمی نظام بہتر بنایا۔ بوسیدہ عمارت کی تجدید و مرمت کا فریضہ انجام دیا تحریکات آزادی کے دور میں مدرسہ شاہی نے جو سرگرم کردار ادا کیا اس میں مولانا عبدالحق صاحب مدنی رح کے خیالات اور جذبات کو بھی بڑا دخل ہے اس لئے کہ جب تک ادارہ کا مہتمم کسی سرگرمی کا حامی نہ ہو اس ادارہ میں وہ سرگرمی جاری نہیں رہ سکتی۔

آپ شاہی مسجد میں روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن کریم دیتے تھے جس میں شہر کے ہر حصے سے لوگ آکر شریک ہوتے تھے۔ روزانہ ۳۰۰ سے ۵۰۰ افراد تک کا مجمع رہتا تھا۔ کئی بار ترجمہ میں قرآن پاک کا دور ختم فرمایا اور ختم کے موقع پر اکابر علماء ملت کو مدعو کیا۔ یہ ترجمہ مرادآباد میں صحیح فکر پھیلنے اور بدعات پر روک لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوا۔ آج بھی لوگ آپ کے مقبول ترجمہ کو یاد کرتے ہیں۔

۱۳۷۴ھ میں آپ کی دیوبند میں وفات ہوئی مزار قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحب

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رح کے وصال کے بعد مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۴ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ میں فخر المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رح صدر مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد کو مہتمم مقرر کیا۔ اور آپ کی نیابت کے لئے مولانا منظور حسین قاسمی سہسپوری رح کو مقرر کیا گیا۔ پھر ۱۳۷۷ھ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اس لئے اہتمام کا منصب خالی ہوگیا (آپ کی بلند پایہ علمی و دینی خدمات دوسرے مضمون مکتوبہ ص ۔۔۔ پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مولانا مفتی محمد نقی صاحب دیوبندی (المتوفی ۱۳۸۱ھ)

حضرت مولانا

مفتی محمد نقی صاحبؒ دیوبند کے رہنے والے نہایت خاموش طبع، حلیم بردبار اور باخدا بزرگ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور امام العصر حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں کافی عرصہ تک علمی ودینی خدمات انجام دیں۔ اور پورے علاقہ کو اپنے روحانی فیوض سے مستفیض فرمایا۔

شوال ۱۳۷۷ھ میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے اصرار اور ہدایت پر آپ نے مدرسہ شاہی کی مسند اہتمام کو رونق بخشی۔ اور پوری دل جمعی کے ساتھ اس گلشن قاسمی کی آب یاری میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے دور اہتمام میں مختلف داخلی وخارجی فتنے نمودار ہوئے۔ تیز وتند مخالف ہوائیں چلیں۔ بدخواہوں نے آپ کو زک پہنچانے اور اہتمام سے دست بردار ہونے کی کوششیں کیں لیکن آپ پہاڑ کی طرح جمے رہے اور آپ کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی۔ آپ کے دور اہتمام میں مدرسہ کی مالی حالت کافی حد تک سدھر گئی تھی جس میں آپ کی انتھک محنت اور جد وجہد کا دخل تھا۔

افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور تقریباً ۵ سال مدرسہ شاہی کی خدمت کرنے کے بعد ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کو دیوبند میں آپ نے وفات پائی۔ مزارِ قاسمی میں مدفون ہیں۔

آپ کی وفات پر مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی منعقدہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ میں جو تجویز تعزیت منظور کی گئی اس کا متن حسب ذیل ہے:

"جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس حضرت محترم مولانا مفتی محمد نقی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی کے حادثۂ وفات پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ ان کا انتقال ایسے وقت ہوا جبکہ شوریٰ کے اجلاس کے چند ہی دن باقی تھے۔ اس لئے بھی یہ اجلاس آج مولاناؒ کو اپنے درمیان نہ پاکر ایک بہت بڑی کمی محسوس کررہا ہے۔ مہتمم صاحب مرحوم جید عالم اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت

نیک نفس اور بہت ہی بامروت اور نرم دل واقع ہوئے تھے۔ مدرسہ شاہی ان کے ظاہری انتظام کے علاوہ باطنی فیوضات سے بھی مستفیض ہوتا رہا تھا جس سے اب محروم ہو گیا۔ مجلس شوریٰ ان کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے ایک بار پھر ان کی وفات پر اپنی قلبی تکلیف کا اظہار کرتی ہے یہ اجلاس مولانا رح کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے ان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ ارحم الراحمین ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل اور مدرسہ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ اور مولانا مرحوم کو اپنی آغوش رحمت میں لے کر جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رح

۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا مفتی محمد نقی صاحب رح کے وصال فرمانے کے بعد مدرسہ شاہی کے عظیم محسن اور خیر خواہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رح کو مدرسہ کا صدر مہتمم تجویز کیا گیا۔ آپ اس وقت دہلی میں مقیم تھے۔ بریں بنا آپ کی نیابت کے طور پر مولانا حکیم انظار احمد صاحب مرادآبادی اور مولانا منظور حسین صاحب قاسمی کارا ہتمام انجام دیا کرتے تھے۔ (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب پر تفصیلی مضمون ص پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت مولانا حکیم انظار احمد صاحب مرادآبادی رح

آپ محلہ فیل خانہ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اکابر کے شیدائی اور مدرسہ شاہی کے مخلص بہی خواہ تھے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۵۱ھ کو آپ مجلس شوری مدرسہ شاہی کے رکن بنائے گئے۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رح کو مہتمم بنانے میں جن حضرات نے سرگرم رول ادا کیا ان میں ایک آپ کا بھی نام تھا۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رح سے خصوصی ربط تھا۔ حضرت موصوف جب رسالہ قائد نکالتے تھے تو اس کے مدیر منتظم حکیم انظار احمد صاحب ہی تھے۔ مہتمم مدرسہ حضرت مولانا مفتی

محمد نقی صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کو مدرسہ شاہی کا قائم مقام مہتمم بنایا گیا اس لئے کہ صدر مہتمم حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحؒ دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپنے ۱۳۸۷ھ تک اس ذمہ داری کو پوری دل چسپی کے ساتھ انجام دیا۔ اور اسی منصب پر برقرار رہتے ہوئے ۲۲ر محرم ۱۳۸۷ھ کو وصال فرمایا۔

حضرت مولانا مظفر الدین صاحبؒ گھڑی والے

آپ مراد آباد کے مشہور صاحب ورع و تقوی بزرگ تھے۔ آپ کی احتیاط اور صفائی معاملات ضرب المثل ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد رشید اور دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ ۱۴ر شوال ۱۳۶۶ھ کے اجلاس شوریٰ میں آپ کو مدرسہ شاہی کا رکن شوریٰ منتخب کیا گیا۔ اور شوال ۱۳۸۴ھ میں آپ کو مدرسہ کے ارباب اہتمام میں شامل کیا گیا۔ مدرسہ کے معاملات میں آپ کی دل چسپی قابل رشک تھی۔ مزاج اصولی اور تعمیری تھا۔ شاہی بلڈنگ امروہہ گیٹ اور دار الطلبہ لال باغ کی عمارتیں آپ کی ہی توجہ کی دین ہیں حساب کتاب کا نہایت اہتمام اور ملکہ تھا۔ مدرسہ شاہی کے محاسبی نظام میں آپنے کافی اصلاحات فرمائیں۔ رمضان ۱۳۸۹ھ تک آپ سے یہ منصب متعلق رہا۔ پھر حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہوی کے تشریف لانے کی وجہ سے اگرچہ آپ باقاعدہ مہتمم نہیں رہے لیکن نگرانی فرماتے رہے۔ ۱۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ کو وصال فرمایا۔

حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہویؒ

آپ مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ امروہہ کے ساکن تھے۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی ۱۳۶۰ھ سے ۱۳۷۷ھ تک مدرسہ شاہی میں مدرس رہے پھر ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو مدرسہ شاہی کے منصب اہتمام پر فائز کئے گئے۔ اور ۱۱ر شوال ۱۳۹۳ھ تک اس مسند کو رونق بخشی اس کے بعد دار العلوم حسینیہ چلہ امروہہ تشریف لے گئے۔ مدرسہ شاہی میں آپ حدیث کی اعلیٰ کتابوں کا درس بھی دیتے تھے۔

حضرت مولانا منظور حسین صاحب قاسمیؒ

محلہ قاضیان سہسپور کے رہنے والے نہایت مرنجان مرنج اور منصوبہ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ جمعیۃ علماء اور اکابر دیوبند کے پیدائشی فدائی اور مدرسہ شاہی کے بے لوث خادم تھے۔ کم وبیش ۲۵ سال تک مدرسہ شاہی کے دیوار و در ان کی سرگرمیوں کا محور بنے رہے۔ اس طویل عرصہ میں بارہا ایسے احوال پیش آئے، فتنے کھڑے ہوئے اور سازشیں رچائی گئیں جن سے اچھے اچھے حوصلہ رکھنے والوں کے حوصلے پست ہوگئے مگر مولانا منظور حسین قاسمی ان حالات سے دبنے کے بجائے مرد آہن بن گئے۔ شاہی مسجد کی تولیت ارباب مدرسہ شاہی کو دلانے میں آپنے جو بے مثال کدو کاوش کی ہے وہ آپ کی زندگی کا زریں کارنامہ ہے حضرت مولانا انصار الحق صاحب کی شوال ۱۳۹۳ھ میں تشریف بری اور حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی کی شوال ۱۳۹۶ھ میں تشریف آوری کے درمیان ۳ سالہ وقفہ میں آپ اہتمام کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے قائم مقام مہتمم بھی رہے۔ جبکہ نیابت اہتمام کا منصب آپ سے ۱۳۷۴ھ سے ۱۴۰۲ھ تک متعلق رہا۔ اس کے بعد معذوری اور مرض کی بنا پر آپ کو سبک دوش کردیا گیا اور پنشن جاری کردی گئی۔

آپ جمعیۃ علماء کے سرگرم کارکن تھے۔ مرادآباد ضلع وشہر جمعیۃ کی سرگرمیاں آپ ہی کی ذات سے وابستہ تھیں۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے ۱۴۰۳ھ میں طویل علالت کے بعد اپنے رب حقیقی سے ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ

شوال ۱۳۹۶ھ میں مدرسہ شاہی کا منصب اہتمام موجود مہتمم اور روح رواں حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی کے سپرد ہوا اس وقت مدرسہ کی مالی حالت دگرگوں تھی۔ کئی مہینوں کی تنخواہیں اصحاب خیر سے قرض لے کر ادا کی گئی تھیں۔ اور ذخیرۃ الخیر کی مد کی رقم بھی دیگر مصارف

میں خرچ کی جا چکی تھی۔ ایسی حالت میں مدرسہ کا اہتمام سنبھالنا در اصل کانٹوں کا تاج پہننے کے مرادف تھا۔ لیکن حضرت مولانا رشید الدین صاحب نے اپنے اسلاف کی اس عظیم امانت کا بارگراں پورے تحمل سے اپنے کاندھے پر رکھنے کا عزم فرمایا۔ اور اپنی حکمت عملی اور حسن انتظام سے جلد ہی سارے حالات روبہ اصلاح ہو گئے۔ مدرسہ شاہی راہِ ترقی پر گامزن ہونا شروع ہوا۔ تعمیرات میں بے مثال اور قابل قدر اضافے ہوئے۔ تعلیمی ماحول اور معیار میں سدھار آیا وغیرہ وغیرہ (آپ کے بارے میں طویل مضمون جس میں آپ کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آخر میں "آج کا مدرسہ شاہی" کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)۔

اللہ رب العزت آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور بیش از بیش دینی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

نیز حکیم عبدالجلیل صاحب دہلوی مالک صدیقی دواخانہ دہلی کی روایت ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ سے کراچی تشریف لائے تو اس دوران آپ کی آمد و رفت اپنے آبائی وطن دیوبند بھی ہوتی رہی، تو اس وقت آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درسِ بخاری میں شرکت فرماتے تھے، اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ موصوف کو دورانِ درس اپنے برابر بٹھاتے تھے، اس طرح آپ کو علامہ کشمیریؒ سے بھی استفادہ کا شرف حاصل ہے۔

سلسلۂ بیعت وارشاد جب آپ ہندوستان تشریف لائے اور حضرت تھانویؒ سے ملاقات ہوئی تو طبیعت کا رجحان حضرت تھانویؒ کی جانب ہوا، کیونکہ اصول پسندی، صاف گوئی اور ردّ بدعات ان تینوں چیزوں میں دونوں نے یکساں طبیعت پائی، اسی طبعی مناسبت کی بنا پر اس جانب میلان ہوا، اور حضرت تھانویؒ کے سامنے بیعت کی درخواست پیش کی، مگر چونکہ مطلوب کی طرح طالب کی طبیعت میں جلال تھا اس لئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بھائی تمہاری نبھے گی نہیں اس لئے تم مولانا حسین احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوجاؤ۔ لہٰذا حضرت تھانویؒ کے فرمان کے مطابق آپ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوگئے، اور آپ ہی کے زیر تربیت رہ کر سلوک کی تکمیل فرمائی۔ اور آپ ہی نے اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی، مگر چونکہ طبیعت میں انتہاء درجہ کا اخفاء تھا اس لئے کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ اگر کوئی بیعت ہونے کی درخواست کرتا اس کو انکار فرمادیتے تھے، البتہ اگر کوئی سر ہی پڑگیا اور کسی طرح پیچھا چھوڑنے کو تیار ہی نہ ہوا تو انتہائی پوشیدگی کے ساتھ مجبوری اس کو بیعت کرلیتے، اسی لئے پورے ہندوستان میں معتقدین کی کثرت کے باوجود مریدین کی تعداد آٹھ دس سے تجاوز نہ کرسکی۔ اور آپ کا نام بھی شیخ الاسلامؒ کے مجازین کی فہرست میں شامل نہ ہوسکا اور ہم اہلِ خانہ کو بھی اس اجازت کا علم انتقال سے ایک دو سال قبل ہی ہوا، اور وہ بھی اس طور پر کہ ایک روز آپ مکاتیب شیخ الاسلام کا مطالعہ فرمارہے تھے تو اس میں ایک صاحب کے نام حضرت کی جانب سے عطاکردہ اجازت نامہ نظر پڑا جو غالباً ان صاحب کی خواہش یا کم از کم رضامندی سے شائع ہوا تھا، تو اس پر انتہائی تعجب سے فرمانے لگے کہ لوگوں کو شہرت کا کتنا شوق ہے ہمیں تو اجازت ملے ہوئے عرصہ ہوگیا ہم نے تو کسی سے

اساتذہ جب آپ سنِ شعور کو پہونچے، اور آپ کے والد بزرگوار کو آپ کی تعلیم کی فکر لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس خاص بندہ کے لئے مخصوص انتظام فرمایا، اور اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے والد مرحوم کے ساتھ مدینہ طیبہ پہونچ گئے، اور آپ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سلسلہ درس جاری فرمایا، گویا حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندے کے لئے ایک ولی کامل اور شیخ کل کو ہندوستان سے بھیجدیا۔ لہٰذا ڈاکٹر رفاقت علی مرحوم نے اس نعمت غیر مترقبہ کو غنیمت جان کر شیخ الاسلامؒ کے سامنے درخواست پیش کردی کہ آپ میرے بچے عبدالحق کو اپنے حلقہ تلمذ میں شامل فرمالیں۔ لہٰذا شیخ الاسلام بھی جو گویا بظاہر اسی لئے ہندوستان سے مدینہ منورہ بھیجے گئے تھے کس طرح انکار فرما سکتے تھے آپنے فوراً قبول فرمالیا۔ مگر دو شرطوں کے ساتھ، اوّل یہ کہ آپ کا بچہ بھی دیگر طلبار کی طرح مسجد نبوی میں حاضر ہوا کرے گا اور دوسرے یہ کہ اس کی تعلیم پر کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا جائیگا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کے لئے پہلی شرط بھی گراں تھی، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی خواہش یہ تھی کہ ان کے اکلوتے بچہ کی تعلیم کا نظم گھر پر ہی ہو، مگر شیخ کے اصرار پر اس شرط کو تو ڈاکٹر صاحب نے قبول کرلیا، مگر دوسری شرط پر ان کا دل آمادہ نہ ہوا، کیونکہ ایک طرف تو وہ اپنے بچہ کو بلامعاوضہ تعلیم دلوانا نہیں چاہتے دوسرے شیخ الاسلامؒ اور ان کے گھر والوں کی تنگدستی بھی ان کے سامنے تھی، اس پر ڈاکٹر صاحب نے انتہائی اصرار فرمایا، مگر شیخ الاسلام کے عزم وثبات کے سامنے ان کو سپر ڈالنی پڑی، بہرحال اس طرح حضرت شیخ الاسلامؒ سے حصول تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

اور تعلیم کی تکمیل بھی آپ کے ہی پاس ہوئی۔ اس طرح مولانا عبدالحق صاحبؒ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے ہزاروں شاگردوں میں تنہا اس خصوصیت کے مالک ہوئے کہ الف۔ بارسے بخاری تک مکمل تعلیم شیخ الاسلامؒ ہی سے حاصل کی، اس لئے مولانا عبدالحق صاحبؒ کے اساتذہ میں انتہائی جستجو کے بعد بھی آپ کے سوا کسی کا نام نہیں ملتا۔ البتہ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے خاص طور پر آپ کو حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔

تذکرہ بھی نہیں کیا۔

آپ کی علمی زندگی اور سفرِ شام آپ نے اپنی عمر کے تقریباً ۲۹ سال حجاز مقدس میں گذارے اور اسی دوران چونکہ والد بزرگوار کا انتقال ہو چکا تھا، اور کئی بہنوں اور والدۂ محترمہ کی کفالت کا بار سر پر آپڑا تھا۔ اس لئے اس دوران آپ نے تجارت بھی کی، اور مدینہ طیبہ کے پوسٹ آفس میں بھی کام کیا۔ اور آخر میں آپ نے کچھ عرصہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں حدیث کا درس دیا، مگر جب ۱۳۳۴ھ میں دولتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت شروع ہوگئی اور مدینہ منورہ کا امن وامان مختل ہوگیا تو ترکی حکومت نے تمام اہلِ مدینہ کو بغرض حفاظت مختلف مقامات پر بھیجدیا تھا۔ اس وقت مولانا کو بھی مع اہل خانہ شام بھیجدیا گیا، اور آپ وہاں تقریباً تین سال قیام فرمارہے۔ وہاں پہنچتے ہی ایک مدرسہ میں آپ کو خدمت تدریس سپرد کر دی گئی، جہاں آپ نے اپنی علمی خدمات سے بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل کی۔ تمام اساتذہ وطلبہ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ ان کی گرویدگی کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب حضرت مولانا اس دوران چند دن کے لئے علیل ہوگئے تو صحت یابی پر تمام طلبہ نے باقاعدہ جشنِ صحت منایا، جس کو حضرت مولانا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔

واپسی مدینۂ طیبہ اور سفر ہندوستان جب مدینہ منورہ میں بالکل امن وامان ہوگیا تو آپ ۱۳۳۸ھ میں پھر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اور دو سال قیام کر کے ۱۳۴۰ھ میں ینبع کا سفر کیا مگر وہاں زیادہ قیام نہیں فرمایا، اور ۱۳۴۱ھ میں آپ ہندوستان تشریف لے آئے۔

ہندوستان آکر پہلے حیدر آباد اور وہاں سے سہارنپور ہوتے ہوئے اپنے آبائی وطن دیوبند پہنچکر اقامت پذیر ہوگئے۔

دارالعلوم کھڈہ کراچی میں خدمتِ حدیث وتفسیر مگر ابھی آپ کو دیوبند تشریف لائے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں ہوگئی، اور کراچی سے حضرت مولانا محمد صادق صاحب مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے درخواست کی کہ مولانا کو کراچی میں خدمت حدیث وتفسیر کے لئے راضی کریں، لہٰذا حضرت شیخؒ کے حکم سے آپ نے کراچی جانا منظور فرمالیا، اور وہاں دارالعلوم کھڈہ میں

چھ سال تک مسندِ حدیث وتفسیر کو رونق بخشتے رہے، اور اہلِ کراچی آپ کے فیوض علمی و روحانی سے مستفیض ہوتے رہے۔

عقدِ ثالث جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو اس سے قبل ایک اہلیہ کا مدینۂ طیبہ میں وصال ہوچکا تھا، اور دوسری اہلیہ آپکے ہمراہ تھیں جن کا وصال کراچی کے دورانِ قیام ہوگیا۔ تو آپ نے اب مجرد زندگی گذارنے کا ارادہ کرلیا، مگر شیخ الاسلامؒ کے اصرار بلکہ حکم پر عقدِ ثالث کے لئے تیار ہوئے، تو مناسب یہی خیال کیا کہ اپنے آبائی وطن دیوبند ہی میں یہ رشتہ قائم کیا جائے، لہٰذا اس سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ کی والدۂ محترمہ نے اپنا حق بزرگی ادا فرمایا، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے برادر خورد مولانا حامد حسن مرحوم کی صاحبزادی سے رشتہ لگایا جو آپ نے بخوشی منظور کرلیا۔ اور ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ کو یہ مبارک تقریب عقد عمل میں آئی۔ اور اس تقریب کے موقع پر حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر ایسی خوشی تھی گویا حافظ صاحب کے ہی کسی صاحبزادے کی شادی ہے اور یہاں تک کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ کی والدہ مرحومہ نے دلہن کو اپنے گھر پر ہی اتارا، اور جب تک آپ دیوبند رہے مولانا کی اہلیہ کو اپنی دلہن کی طرح رکھا، مگر مولانا چونکہ کراچی میں قیام پذیر تھے اس لئے چند ہی روز میں اہلیہ کو لیکر کراچی تشریف لے گئے۔

مرادآباد میں آمد ابھی اہلِ کراچی آپکے فیوض وبرکات سے سیراب نہیں ہوپائے تھے کہ مرادآباد میں مدرسہ امدادیہ کے لئے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی ضرورت پیش آئی، اور چونکہ دُور دُور آپ کا شہرہ ہو ہی چکا تھا تو اہلِ مرادآباد کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی، اور آخرکار مدرسہ امدادیہ کے مہتمم جو مرادآباد کی بہت ہی متمول برادری کے متمول ترین شخص تھے۔ بذاتِ خود مولانا کی خدمت میں کراچی تشریف لے گئے، اور مولانا سے مدرسہ امدادیہ کی مسندِ حدیث کو رونق بخشنے کی درخواست کی، جس کی منظوری کو مولانا نے اپنے اُستاذ اور شیخ مولانا سید حسین احمد صاحبؒ کے مشورہ سے اور اجازت پر معلق فرمادیا۔ لہٰذا ان حضرات نے شیخ الاسلامؒ سے درخواست کی اور شیخ الاسلام کے حکم اور مشورہ سے آپ مرادآباد تشریف لے آئے — اور یکم فروری ۱۹۳۰ء سے آپ مدرسہ امدادیہ کے شیخ الحدیث بنادیئے گئے۔ لہٰذا

بحیثیت شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ میں درس دیتے اور باشندگانِ مرادآباد کے اصرار پر بعد فجر مدرسہ امدادیہ میں ترجمۂ قرآن پاک کا درس دینا شروع کر دیا، جس میں دُور دراز علاقوں کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے اور مولانا کے فیوض و برکات سے سیراب ہوتے۔

مدرسہ امدادیہ سے علیحدگی

ابھی اس سلسلہ کو چند ہی روز گذرے تھے کہ تحریک خلافت میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے اساتذہ حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحبؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند جو اس وقت جامعہ قاسمیہ کے شیخ الحدیث تھے، اور حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی جو اس وقت جامعہ قاسمیہ میں شیخ الادب والفقہ تھے۔ اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی گرفتار کر لئے گئے۔ جس کے نتیجہ میں مدرسہ شاہی یتیم ہو گیا، اور طلباء جامعہ قاسمیہ بے یار و مددگار رہ گئے۔

حضرت مولانا کا دردمند قلب ان کی پریشانی کی تاب نہ لا سکا، اور ان طلباء کو دلاسا دیا، اور ان کے تمام اسباق خود پڑھانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور مدرسہ امدادیہ کے اوقاتِ درس کے علاوہ بغیر کسی معاوضہ کے باقی تمام وقت ان طلبہ کی تعلیم پر صرف فرمانے لگے، مگر مدرسہ امدادیہ کے منتظمین کو یہ بات پسند نہ آئی، اور اوّل تو ان حضرات نے زبانی مولانا سے عرض کیا کہ آپ مدرسہ شاہی کے طلباء کے درس کا سلسلہ موقوف فرمادیں مگر مولانا نے ان کو صاف جواب دے دیا کہ میں آپ کا چند گھنٹہ کا ملازم ہوں، اس میں کوتاہی پر تو آپ کو بازپرس کا حق ہے، مگر اس خدمت کو مکمل طور پر انجام دینے کے بعد میں مختار ہوں جو چاہوں کروں، اور پھر میں تو بغیر کسی معاوضہ کے علمِ دین ہی کی خدمت کر رہا ہوں، لہٰذا آپ کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر منتظمین مدرسہ امدادیہ آپ کے جواب پر مطمئن نہ ہوئے اور بضد ہوئے کہ آپ شاہی مدرسہ کے طلباء کو نہ پڑھائیں، حضرت مولانا کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور ۱۲ اکتوبر ۳۰ء کو استعفاء دیکر مدرسہ امدادیہ سے علیحدگی اختیار کر لی، اور بغیر کسی ظاہری وسیلہ کے مجاہدین آزادی پر اپنے روزگار کو قربان کر دیا۔

فوراً ہی مدرسہ امدادیہ سے علیحدگی کی اطلاع پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ساتھ ہی لوگوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب مولانا مرادآباد چھوڑ دیں گے اور ہم

انکے فیوض وبرکات سے محروم ہو جائیں گے۔

شاہی مسجد میں ترجمۂ قرآن کا افتتاح

ابھی مولانا استعفاء دیکر گھر بھی نہیں پہنچنے پائے تھے کہ لوگوں کا جم غفیر گھر پہ جمع ہوگیا۔ اور ہر ایک چشم تر مولانا سے یہی درخواست کر رہا تھا کہ خدا کے واسطے آپ ہمیں محروم کر کے نہ جائیں، آپ یہیں رہیں، اور اسی طرح اپنے فیوض وبرکات سے ہمارے پیاسے قلوب کو سیراب فرماتے رہیں، اور کل سے بجائے مدرسہ امدادیہ کے شاہی مسجد میں ترجمہ کلام پاک شروع فرمادیں، لہٰذا مولانا ان حضرات کے اصرار پر مجبور ہوگئے۔ اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء سے شاہی مسجد مرادآباد میں ترجمہ کلام پاک کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اب اہالیانِ مرادآباد کو حضرت کے معاش کی فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ ان حضرات نے ایک انجمن اشاعت القرآن کے نام سے ترتیب دی، جس میں حکیم اجمل خاں مرحوم کے تلمیذ خاص اور مرادآباد کے نامور حاذق طبیب حکیم تصدق حسین خاں صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ اور اس انجمن کی جانب سے مبلغ پچھتر روپے ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا، جبکہ مدرسہ امدادیہ سے مولانا کی تنخواہ سو روپے تھی۔

مجاہدین آزادی کے لئے مولانا کا ایثار

اُدھر جب مدرسہ شاہی کے طلباء کو پڑھاتے ہوئے مولانا کو پورا مہینہ ہوگیا تو مدرسہ شاہی کے منتظمین نے شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تنخواہ مولانا کو پیش کی، مگر مولانا نے یہ رقم حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ کے مکان پر بھجوادی اور فرمایا کہ عبدالحق اتنا بے غیرت نہیں ہے کہ ایک شخص جہادِ آزادی کی پاداش میں قید وبند کی صعوبت برداشت کر رہا ہو اور میں اس کی تنخواہ لیکر کھا جاؤں، جب تک مولانا جیل میں رہیں گے میں ان کا کام کرتا رہوں گا اور تنخواہ مولانا کے گھر جاوے گی، لہٰذا یہی ہوا کہ جب تک مولانا فخرالدین صاحبؒ اور ان کے رفقاء جہادِ آزادی جیل میں رہے مولانا ان سب کے اسباق پڑھاتے رہے، اور ان اسیرانِ فرنگ کی تنخواہیں باقاعدہ ان کے مکانوں پر پہنچتی رہیں۔

جامعہ قاسمیہ کا اہتمام

اس واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ جامعہ قاسمیہ کے مہتمم حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب نے استعفاء دیدیا۔ اب ارکانِ شوریٰ کو مدرسہ کے لئے

مہتمم کی فکر لاحق ہوئی، بہت سے لوگ امیدوار تھے، اور مجلس میں بہت سے نام پیش بھی ہوئے، مگر نہ صرف اہل شوریٰ بلکہ پورے باشندگانِ مرادآباد کی ایک ہی آواز تھی کہ اب اس مدرسہ کا اگر کوئی مہتمم ہونے کا حقدار ہے تو وہ صرف مولانا عبدالحق مدنی کی ذاتِ گرامی ہے، اگرچہ مولانا خود شدت کے ساتھ اس سے انکار فرمارہے تھے مگر پورے شہر کی آواز کو کوئی نہ دبا سکا، اور مولانا کو بھی اس کے آگے سپر ڈالنی پڑی۔ اور آخر کار ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ کو جامعہ قاسمیہ کی مسندِ اہتمام بغیر کسی معاوضہ ومشاہرہ کے مولانا کے سپرد کر دی گئی۔

تفویضِ اہتمام کے وقت مدرسہ کے سقیم حالات

جس وقت مولانا کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی اس وقت مدرسہ کی حالت یہ تھی کہ تمام مدرسین کی کئی کئی ماہ کی تنخواہیں مدرسہ پر قرض رہتی تھیں، اور حضرات مدرسین رمضان میں خود سفر کرکے اپنی تنخواہوں کے لئے رقم وصول کرتے تھے، مگر جو رقم وصول ہوتی تھی وہ ان کی سابقہ تنخواہوں کے بقدر یا اس سے بھی کم ہوتی جس کی بنا پر ان حضرات کی آوردہ رقوم میں سے خزانہ مدرسہ میں کچھ داخل ہونا تو درکنار بلکہ اب بھی مدرسہ ہی ان حضرات کا مقروض رہتا تھا، اور اس چکر کے ختم ہونے کا بظاہر کوئی ذریعہ نہیں تھا اور خطرہ تھا کہ یہ چراغ قاسمی زمانہ کی تیز وتند آندھیوں میں خدانخواستہ گل نہ ہو جائے۔

مولانا کا عزم اور توکل علی اللہ

اسی طرح مدرسہ کی عمارت بھی انتہائی بوسیدہ ہو چکی تھی اور ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ کس وقت یہ خستہ عمارت زمیں بوس ہو جائے، مگر مولانا ان حالات سے قطعًا ہراساں وپریشان نہ ہوئے، اور انتہائی عزم واستقلال کے ساتھ مسندِ اہتمام پر رونق افروز ہو کر حالات کا جائزہ لینا شروع کیا، اور اہتمام سنبھالنے کے چند ہی روز بعد اعلان فرمادیا کہ مدرسہ کی عمارت انتہائی بوسیدہ ہو چکی ہے، نیز مدرسہ کی موجودہ عمارت ضروریات مدرسہ کے لئے ناکافی بھی ہے۔ لہٰذا مدرسہ کی تعمیر جدید کی جاوے گی، اس اعلان کا سُننا تھا کہ ہر ایک چھوٹے بڑے پر ایک سکتہ طاری ہو گیا اور ہر ایک محوِ حیرت تھا کہ مولانا نے یہ کیا اعلان کر دیا، اور یہ سب کیسے ممکن ہے سب یہ سوچ ہی رہے تھے اور ظاہری بے سروسامانی سے پریشان تھے کہ مولانا نے مسبّبُ الاسباب کے توکل اور بھروسہ پر مزدوروں کو بُلا کر قدیم بوسیدہ عمارت کو منہدم کرانا شروع کر دیا۔ اب تو ظاہر بیں حضرات کے استعجاب

کی کوئی انتہا نہ رہی، اور سب نے مولانا سے دریافت کرنا شروع کر دیا کہ حضرت یہ آپ کیا کر رہے ہیں، مدرسہ میں تو ایک پیسہ نہیں ہے، یہ اتنا عظیم کام کس طرح انجام پذیر ہوگا، حضرت کہیں ایسا نہو کہ موجودہ عمارت بھی منہدم ہو جائے اور خدا نخواستہ نئی تعمیر نہ ہو سکے، تو اور زیادہ پریشانی ہوگی، مگر مسبب الاسباب پر نظر رکھنے والے اس اللہ کے بندے کا ایک ہی جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ سب انتظام فرما دیں گے۔

توکل علی اللہ کے ثمرات

لہٰذا اگلے ہی دن سے دنیا نے دیکھا کہ مراد آباد کا ہر مسلمان جوق در جوق اس چمنستان قاسمی کی آبیاری میں مولانا کے ساتھ تعاون کرنے میں سبقت لیجانے کی سعی میں مصروف ہے، کوئی اینٹوں کی بات کرتا ہے تو کوئی گاڈر کی پیش کش کر رہا ہے کوئی سمنٹ کے تھیلے پیش کر رہا ہے، تو کوئی سُرخی وچونہ لئے حاضر ہے۔ کوئی تعمیر کے لئے ہزار دے رہا ہے تو کوئی دو ہزار پیش کر رہا ہے۔ اور تیسرا آگے بڑھکر کہتا ہے کہ پوری دارالحدیث کا خرچ میرے ذمہ ہے، عورتیں الگ مولانا کی اپیل پر اپنے زیورات اس گلشنِ قاسمی کے لئے قربان کرنے کو بے چین ومضطرب ہیں۔ بہرحال دنیا نے دیکھا کہ وہ بوسیدہ مدرسہ جس میں بظاہر کوئی استحکام نہ تھا، اور تیز وتند آندھیوں میں ٹمٹماتے چراغ کی طرح اپنے گل ہونے کے خطرہ سے دنیا کو آگاہ کر رہا تھا، چند دن بعد اس کی شاندار عمارت کھڑی ہوگئی، اور اس کا خزانہ ہر قسم کے بار سے سبکدوش ہوکر خزانہ کہلانے کے قابل ہوگیا، اور یہ قاسمی پودہ جو لوؤں کے تھپیڑوں میں جھلس کر مرجھا جانے کی تیاری کر رہا تھا اب وہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی لئے لوگ سچ ہی کہتے ہیں کہ اگر جامعہ قاسمیہ کے اصل مؤسس اور بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ہیں تو اس کی تعمیر وترقی مولانا عبدالحق صاحب مدنی کی مرہونِ منت ہے۔

مولانا کے دورِ اہتمام کی خصوصیت

اور اس کے ساتھ مولانا کے زمانہ اہتمام میں جامعہ نے اپنے اصل سرمایہ یعنی اشاعت علم میں اتنی ترقی اور شہرت حاصل کی کہ پورے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کے بعد تیسرا علمی ودینی مرکز شمار کیا جانے لگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مجاہدین آزادی کی ایک چھاؤنی کی صورت بھی اختیار کر گیا، لہٰذا یہ خصوصیت صرف جامعہ قاسمیہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے ملازمین کو جہادِ آزادی

میں حصہ لینے کی پوری آزادی تھی، اور اس کا کوئی ملازم یا مدرس جہادِ آزادی کی پاداش میں فرنگی قید میں جاتا تو وہ اپنے اہل وعیال کی معاشی ضروریات سے بے فکر اور مطمئن ہوتا، کیونکہ مولانا اس کے اسباق کچھ خود اپنے ذمہ لے لیتے اور کچھ دیگر مدرسین کے سپرد کرکے اس کی مقررہ تنخواہ ماہ بماہ اس کے گھر بھجواتے رہتے، اس طرح مولانا اگرچہ خود کبھی جیل نہیں گئے مگر جیل جانے والوں کی پوری کفالت فرماتے تھے جو خود جیل جانے سے بدرجہا بہتر جہاد ہے، جس کی مثال پیش کرنے سے دُنیا قاصر ہے۔

ملی خدمات

حضرت مولانا مدنیؒ نظریاتی اعتبار سے جمعیۃ علماء ہند اور اسکی تحریک سے وابستہ رہے، اور اس کے پلیٹ فارم سے بیش از بیش خدمات انجام دیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے والہانہ تعلق تھا، آپ نے جمعیۃ کے اجلاس عام منعقدہ دہلی ۱۹۳۸ء کی صدارت بھی فرمائی اور تاریخی خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔

سفرِ قاہرہ

اسی دوران ۱۳۵۷ھ میں جمعیۃ علماء ہند نے ایک وفد حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی زیر قیادت مؤتمر اسلامی قاہرہ میں شرکت کے لئے ترتیب دیا، تو اس میں بحیثیت ترجمان مولانا کا انتخاب کیا گیا، اس وفد کے ساتھ مولانا قاہرہ تشریف لے گئے، اور مؤتمر کے اجلاس میں جمعیۃ علماء کی مؤثر نمائندگی کی جس سے متأثر ہوکر مؤتمر کی جانب سے آپ کو چاندی کا تمغہ پیش کیا گیا۔

ہندوستان سے پہلا سفر حجاز

اس کے بعد ۱۳۵۸ھ میں آپنے تمام اہل وعیال کے ہمراہ سفرِ حج کا ارادہ فرمایا، اس وقت اکثر حضرات کو یقین تھا کہ مولانا اب ہندوستان واپس نہ ہوں گے، لہٰذا جب وقت مولانا روانہ ہونے لگے تو ایک جم غفیر حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کی قیادت میں تانگہ کے سامنے راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور سب کی یہی استدعا تھی اور یہی مطالبہ تھا کہ آپ واپسی کا حتمی وعدہ کریں تب ہم آپ کو جانے دیں گے، لہٰذا جب آپنے قسم کھاکر لوگوں کو واپس آنے اطمینان دلایا تب لوگ راستے سے ہٹے، اور مولانا کے لئے یہ سفر کرنا آسان ہوا۔ اس سفر میں دیگر علماء اور زعماء ہند کے علاوہ مولانا کے شیخ اور

استاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ ساتھ تھے۔ یہ سفر حضرت کی معیت میں تکمیل پذیر ہوا۔ جب باشندگانِ مرادآباد کو معلوم ہوا کہ ہمارا محبوب شیخ دیارِ حبیبؐ کی زیارت سے فارغ ہوکر آرہا ہے، تو یہ تشنگانِ فیوض بے تابی سے مولانا کی آمد کا انتظار کرنے لگے، اور کثیر تعداد میں لوگ پروانہ وار اگلے اسٹیشنوں تک استقبال کے لئے پہونچ گئے، اور جس وقت مولانا کی ٹرین مرادآباد اسٹیشن پر پہونچی تو شاید ہی شہر مرادآباد کا کوئی متنفس بچا ہو جو مولانا کے استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود نہ ہو...... الحمد للہ بخیر وخوبی یہ سفر پورا ہوا۔ اور مرادآباد کے دینی اور روحانی گلشن میں پھر بہار آگئی اور تشنگانِ علوم سیراب ہونے لگے۔

دوسرا سفرِ حج تقسیم ہند کے بعد پاکستان نے تمام ممالک اسلامیہ اور خصوصاً سعودی عربیہ میں بڑے زور وشور سے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ ہندوستان سے مسلمان بالکل ختم کر دئے گئے ہیں اور جو نام کے مسلمان نظر آتے ہیں وہ صرف نمائشی ہیں ورنہ حقیقتاً وہ العیاذ باللہ مرتد ہو چکے ہیں، جس کی بنار پر ہندوستانی حجاج کے ساتھ سعودی عربیہ میں انتہائی ذلت آمیز سلوک ہونے لگا اور "ہندی بطال" زبان زد خاص وعام ہوگیا، اس کے دفعیہ کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک وفد ترتیب دیا جس میں حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ دیوبندی شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ، مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صدر مجلس مشاورت کو شامل کیا گیا، اور اس وفد کا رئیس حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کو بنایا گیا، اس وفد نے مولانا کی قیادت میں ہندوستان کے مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا اور بتایا کہ ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، اور الحمد للہ پوری پختگی کے ساتھ اپنے دین پر قائم ہیں، اور بڑے بڑے دینی مراکز چلا رہے ہیں، البتہ انگریز اور مسلم لیگ کی پیدا کردہ فرقہ واریت کی بنار پر فرقہ پرست غنڈوں کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں، جس کے انسداد کی حکومت امکانی کوشش کر رہی ہے۔

بہر حال وہاں عام طور پر یہ ذہن پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی کہ ہندوستان کا مسلمان لائق نفرت نہیں، بلکہ لائق ہمدردی وغمخواری ہے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے مصائب اور تباہی کی ذمہ داری حکومتِ ہند سے زیادہ مسلم لیگ کے لیڈروں پر ہے۔ جو

فرقہ پرستی کی آگ بھڑکا کر خود چین سے پاکستان جاکر بیٹھ گئے، اس وفد نے شاہ عبد العزیز ابن سعود مرحوم سے بھی ملاقات کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے صحیح احوال ان کے سامنے پیش کئے، جس پر شاہ بہت متعجب ہوئے اور مولانا عبد الحق صاحب مدنی کو بحیثیت رئیس وفد خلعتِ شاہی سے بھی نوازا، اور وہ خلعت بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے خادمِ خاص کے ذریعہ مولانا کے مکان پر ہندوستان بھجوایا۔

تیسرا اور چوتھا سفرِ حج اس کے بعد اگلے ہی سال ۱۹۴۹ء میں اپنی اہلیہ اور داماد مولانا حامد میاں ابن مولانا محمد میاں کو ہمراہ لیکر حج کیا، اور پھر ۱۹۵۰ء میں راقم الحروف کو لیکر حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اس سفر میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ، مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوریؒ مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اعظمی اور دیگر علماء رفیقِ سفر رہے۔ احقر کو پورے سفر میں حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کی خدمت پر مامور فرمادیا تھا، کیونکہ حضرت مولانا بہت کمزور اور نازک طبع واقع ہوئے تھے اس لئے احقر کو بڑا فکر تھا، مگر بحمد اللہ بندہ نے سفرِ حج کے ساتھ حضرت کی خدمت کی بھی خوب سعادت حاصل کی، اور حضرت بھی پورے سفر میں احقر سے بہت خوش رہے۔ اور آخر وقت تک جب بھی ذکر آتا احقر کے لئے کلماتِ تحسین فرماتے، یہ سب صرف اللہ کا فضل اور حضرت کی ذرہ نوازی تھی۔

یہ آپ کا آخری سفر تھا، اس کے بعد آپ اگرچہ تقریباً تین چار سال حیات رہے، مگر یہاں کے مشاغل نے اس طویل سفر کی اجازت نہ دی اور آخر کار جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ کو آپ پر ٹائیفائڈ کا حملہ ہوا جو بظاہر ایک میعادی بخار تھا مگر اس کا سلسلہ شعبان کے آخر تک چلتا رہا جس کی بناء پر نقاہت اور کمزوری اپنی انتہاء کو پہونچ گئی، اسی دوران رجب ۱۳۷۳ھ میں دار العلوم کی مجلس نے آپ کو دار العلوم دیوبند کی ممبری کے لئے منتخب کیا، اور سب خوش تھے کہ اب ہر مجلس میں مولانا کے تجربات سے پورا پورا اٹھانے کا موقع ملے گا۔ اور مولانا کے گرانقدر مشوروں سے مستفید ہوں گے، مگر کسی کو کیا خبر تھی کہ آئندہ ہی مجلس کے موقع پر ہم سب کو مولانا کے جنازہ میں شرکت کرنی پڑے گی، بہر حال علالت کا سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ

شعبان کا عشرہ اخیر شروع ہوگیا، اب مولانا اپنی علالت اور کمزوری کو بالکل بھول گئے اور مولانا کے دماغ پر اپنے سینچے ہوئے چمن کی فکر سوار ہوگئی کہ ہمیشہ کی طرح امسال اس کی آبیاری کے لئے سفر نہ ہوسکے گا، لہٰذا اب مولانا کی صرف ایک دُعا تھی کہ اے پروردگار...... کم ازکم رمضان خیریت سے گذاردے۔ تاکہ چمنستانِ قاسمی کے اس شجرِ پُربہار کی آبیاری تھوڑی بہت اور کرلوں نیز رمضان المبارک کے فیوض وبرکات حاصل کرسکوں، لہٰذا اللہ نے اپنے اس مقرب بندے کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا، اور آپ کے مرض میں ۲۲ ،۲۳ شعبان سے افاقہ کی شکل پیدا ہونی شروع ہوگئی، اور ۲۵ شعبان تک آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے، مگر ایسی حالت بالکل نہ تھی کہ آپ سفر کرسکیں، لہٰذا تمام گھر والوں ہمدردوں اور معالجین نے شدت سے منع کیا کہ آپ سفر بالکل نہ کریں، مگر وہاں تو اپنے پروردگار سے صحت ہی گویا اس مقصد کے لئے طلب کی تھی، لہٰذا باوجود سب کے منع کرنے کے ۲۸ شعبان کو کلکتہ کے لئے روانہ ہوگئے، اور یہ مولانا کے عزم وہمت اور مخلصانہ جذبات کی برکت تھی اور اللہ کا فضل وکرم کہ باوجود اتنے طویل سفر کے مولانا کی صحت بہتر ہی ہوتی چلی گئی، اور حسبِ سابق رمضان کے تمام معمولات انجام دیتے رہے۔

مولانا کے معمولاتِ رمضان جن کی ترتیب یہ تھی کہ دن میں ہر وقت آپ قرآن پڑھتے رہتے، اور چونکہ آپ جیّد حافظ تھے اس لئے آپ کو قرآن پاک سامنے رکھنے کی قطعاً ضرورت نہ ہوتی تھی، مگر پھر بھی آپ تبرکاً دو تین قرآن پاک دیکھ کر اور باقی چلتے پھرتے حفظ پڑھکر پورے کرتے۔ تراویح میں تو ایک قرآن ختم کرتے مگر بعد تراویح وعظ وغیرہ سے فراغت کے بعد نوافل میں دو تین قرآن ختم فرماتے، اور نوافل سے فراغت کے بعد کچھ دیر آرام فرماکر فوراً تہجّد کے لئے اٹھ جاتے، اور تہجد میں دو تین قرآن ختم فرماتے، انہی معمولات کے ساتھ یہ رمضان بھی بخیر وعافیت گذارا مگر اواخر رمضان سے پھر طبیعت خراب ہونی شروع ہوگئی، اسی حالت میں کلکتہ میں حسبِ معمول عید کی نماز پڑھائی، اور عید کے چوتھے پانچویں روز بیماری کی ہی حالت میں مراد آباد کے لئے روانہ ہوئے، مراد آباد آکر بھی برابر مرض بڑھتا رہا، آخر کار جب حضرتؒ اپنی حیات سے ناامید ہوگئے تو ایک دن بڑی حسرت سے فرمایا کہ میرے باپ دیوبند

میں پیدا ہوئے۔ اور اللہ نے ان کو مدینہ نصیب فرمایا، اور میں مدینہ پاک میں پیدا ہوا، ہندوستان میں مر رہا ہوں۔

مدینۂ ہند دیوبند کا قصد لہٰذا کم از کم مجھے ہندوستان کے مدینہ دیوبند ہی لے چلو، اگرچہ اس وقت حضرت کی حالت سفر کے قابل بالکل نہ تھی مگر اصرار و اشتیاق اس درجہ بڑھا کہ اس کے آگے مجبور ہونا پڑا، ۷ ذی قعدہ کو دیوبند تشریف لے آئے۔ دیوبند آنے کے بعد جب بھی کوئی علاج کی بات کرتا تو فرماتے کہ میں دیوبند علاج کرانے نہیں آیا بلکہ مرنے آیا ہوں، علاج کے لئے مراد آباد میں بڑے بڑے ڈاکٹر تھے اگر علاج کرانا ہوتا تو یہاں کیوں آتا، بہر حال دیوبند تشریف لانے کے بعد تیرہ دن حیات رہے، اور تیرہ روز کے بعد ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ بروز جمعرات دوپہر کو تین بجے سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

دارالعلوم کی جس مجلس نے چند ماہ قبل حضرت موصوف کو اپنا رکن منتخب کیا تھا حُسنِ اتفاق سے اس مجلس کا اجلاس ہو رہا تھا لہٰذا وہ پوری مجلس حضرتؒ کے جنازہ میں شریک تھی، اور ہم غمزدوں کی تسلی کے لئے وہ تمام اکابر موجود تھے، لہٰذا ان تمام اکابر کی موجودگی میں بعد عصر حضرت مرحوم کی تمنا کے مطابق حضرت کا جسد پاک مزارِ قاسمی کے نزدیک سپردِ خاک کر دیا گیا رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔



علمِ دین کا رتبہ سب سے بلند ہے

مولانا معزالدین احمد قاسمی

سَیّد الملّت

مدرسہ شاہی کے عظیم محسن سیّد الملّت حضرت مولانا سیّد محمّد میاں دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۹۵ھ) کی زندگی کے چند اوراق

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۱۹۰۲ء ۱۹۷۵ء) کی ذات ستودہ صفات مختلف النوع صفات کی حامل تھی، آپ کی زندگی ہمہ رنگ اور ہمہ صفت زندگی کا ایک مرقع تھی، آپ کے تبحرِ علمی پر نظر ڈالئے تو ایک بحرِ بیکراں نظر آتے ہیں، اور جہد وجہاد کے میدان میں دیکھئے تو "آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی" کا پیکر۔ ایک طرف آپ مسندِ تدریس پر فائز المرام نظر آتے ہیں تو دوسری طرف میدان تصنیف و تالیف کے کامیاب شہسوار، آپ کی راتیں بارگاہِ خداوندی میں الحاح وزاری، مناجات و سرگوشی، تہجد، اوراد و وظائف اور عبادت و ریاضت میں بسر ہوتی ہیں تو دن اسلام اور مسلمانوں کی فلاح وبہبودی اور ملک وملّت کی خیرخواہی میں ہمہ تن مصروف پایا جاتا ہے، یعنی صحیح معنوں میں آپ کی ذات "باللیل رھبان و بالنھار فرسان" کی مصداق ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی، مجاہد ملّت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ متوفی ۱۹۶۲ء اور آپ کے متعلق رقمطراز ہیں۔

"یہ دونوں ہستیاں مسلمانانِ ہند کے لئے قدرت کا خاص عطیہ تھیں، صوفیاء کی اصطلاح میں ایسی ہستیوں کو رجال الغیب اور مردانِ غیب کہا جاتا ہے"۔ [1]

خاندان، ولادت اور تعلیم | آپ سرزمین دیوبند کے قدیم خاندان سادات رضویہ کے چشم وچراغ تھے، آپ کے جدامجد مولانا سید محمد ابراہیمؒ متوفی ۱۰۳۲ھ جہانگیر کے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی و فکری خاندان ص۵

عہد میں اس قصبہ میں تشریف لائے اور محلہ سرائے پیرزادگان میں قیام فرمایا، اسی محلہ میں آپ کا مزار ہے، اس محلہ میں عہد جہانگیری کی ایک مسجد بھی ہے۔

جناب سید منظور محمد مرحوم کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، آپ خود لکھتے ہیں، "محمد میاں ولد سید منظور محمد عرف اچھے میاں مرحوم، والدۂ محترمہ کا نام اکرام النساء بنت سید ریاض احمد، تاریخ پیدائش ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء مسقط راس محلہ پیرزادگان دیوبند ضلع سہارنپور"۔ لہ

تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا، نانی مرحومہ وغیرہا سے قرآن شریف وغیرہ پڑھا، اور پھر درجات فارسی سے دورۂ حدیث تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، جیسا کہ موصوف کا خود بیان ہے۔ والد صاحب محکمۂ نہر میں ملازم تھے، قیام دیہات میں رہتا تھا، احقر بھی مع والدۂ محترمہ انہیں کے ساتھ رہتا تھا، پانچ چھ برس کی عمر ہوئی تو احقر کی تعلیم کی فکر ہوئی، موضع "بچولہ" ضلع بلند شہر جو والد صاحب کا ہیڈ کوارٹر تھا، چھوٹا سا گاؤں تھا، کوئی تعلیمی ادارہ نہیں تھا، تو محترمہ نانی صاحبہ نے شفقت فرمائی اور والدین کی درخواست پر انہوں نے بسم اللہ کرادی، نانی صاحبہ بہت صالحہ صابر و شاکر خاتون تھیں، صوم و صلوٰۃ کے علاوہ اوراد کی بھی پابند تھیں، سونے سے پہلے سورۂ ملک اور غالباً سورۂ واقعہ کے علاوہ ایک طویل مناجات پڑھنے کا معمول تھا، والد صاحب مرحوم کا پھر "ٹنڈھیڑہ" ضلع مظفر نگر تبادلہ ہوگیا، جہاں دینی تعلیم کا مکتب تھا، احقر مکتب میں داخل کر دیا گیا، پھر والد صاحب کا قصبہ "بھونہ" تبادلہ ہوا، وہاں ایک صاحب تھے خلیل احمد صاحب ان کا اسم گرامی تھا، پیشہ حرم دوزی تھا مگر فارسی کی قابلیت بہت عمدہ تھی، احقر قرآن شریف ختم ہونے پر موصوف کے حوالہ کیا گیا کہ فارسی پڑھائیں، مگر یہ عارضی انتظام تھا، پھر غالباً ۱۹۱۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے درجۂ فارسی میں داخل کر دیا گیا۔

لہ ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۱ مضمون بعنوان "اشتات سوانح محمد میاں"، جو آپ ہی کا تحریر فرمودہ ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا ساجد میاں صاحب نے اشاعت کے لئے رسالہ دارالعلوم میں بھیجا۔

درجات فارسی کی تکمیل کے بعد احقر درجات عربی میں داخل ہوا۔ ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء میں فارغ ہوا۔ دورۂ حدیث میں میرے گرامی قدر استاذ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) ہیں۔ جن کے فیوض علمی سے مجھ پر علم و حقیقت کی راہیں کھلیں [1]

محدث العصر علامہ کشمیریؒ کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (م۔ ۱۳۶۹ھ) مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن عثمانی (م۔ ۱۳۴۷ھ) شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ (م ۱۳۷۴ھ) عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ (م ۱۳۶۴ھ) امام المعقولات حضرت مولانا غلام رسول بغوی ہزارویؒ (م۔ ۱۳۲۷ھ) وغیرہم جیسے اساطین فضل و کمال خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بچپن میں حفظ کلام اللہ کی دولت حاصل نہ ہوسکی، پھر درس و تدریس کی مشغولیات نے موقعہ نہ دیا، آخر جہاد آزادی کے زمانہ میں متعدد جیل خانوں میں قیام کے دوران یہ سعادت حاصل ہوئی، اور ۱۹۶۴ء میں تکمیل کے موقعہ پر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا [2]

درس و تدریس

فراغت کے بعد آپ کی جامعیت، اعلیٰ قابلیت اور کمال استعداد کا شہرہ تھا، جوہر شناس اساتذہ کرام نے آپ کو مدرسہ عالیہ کلکتہ کی شاخ مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد بھیجدیا، جہاں سے تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ چند سال قیام کے بعد طبیعت کی عدم مناسبت کی وجہ سے واپس آگئے، جانے اور آنے کا واقعہ آپ ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

"مارچ ۱۹۲۶ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علماء ہند کا ساتواں اجلاس زیر صدارت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوا تھا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند اور دار العلوم دیوبند کے جملہ اکابر اس میں شامل ہوئے — واپسی پر آرہ شاہ آباد کے اسٹیشن پر مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کے ارکان نے صدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت علامہ کشمیریؒ سے ایسے مدرس کی فرمائش کی

---

[1] ماہنامہ دار العلوم مئی ۱۹۷۶ء ص ۱۲ [2] ندائے شاہی اپریل، مئی ۱۹۹۰ء ص ۱۲

جو عربی تقریر و تحریر کی مشق اور خصوصاً فنِ ادب کی اونچی کتابیں پڑھا سکے، حضرت موصوف دیوبند واپس ہوئے تو حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے مشورے سے اس خدمت کے لئے احقر کو منتخب کیا گیا۔ احقر نے تقریباً ساڑھے تین سال آرہ میں قیام کیا۔ اوّل اوّل کچھ مشکلات پیش آئیں، پھر نہ صرف مدرسہ کے حضرات بلکہ شہر کے بھی بہت سے حضرات احقر سے مانوس ہو گئے، صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء اور بزرگوں سے بھی کچھ تعارف ہو گیا، مگر احقر اس مدرسہ سے خاطر برداشتہ رہا۔ کیونکہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی۔ اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی۔ یہ دونوں باتیں دارالعلوم کے اصول کے خلاف تھیں۔ احقر کے اکابر جو دارالعلوم کے با اثر اور با رسوخ حضرات تھے، انہوں نے وقتی طور پر احقر کا انتخاب فرمایا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر احقر وہاں کچھ عرصہ اور قیام کرتا تو شمس الہدیٰ پٹنہ میں پروفیسر ہو سکتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ پروفیسر ہونے کے بعد پرنسپل بھی ہو جاتا،،[۱]

مدرسہ شاہی مراد آباد میں تشریف آوری

مدرسہ حنفیہ آرہ سے علیحدگی کے بعد ۱۹۲۸ء میں آپ زیب دہِ مسند تدریس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی ہوئے۔ واقعہ کی تفصیل مولانا مرحوم سے ہی سنئے۔ لکھتے ہیں کہ ”احقر کسی ایسے مدرسہ کی خدمت کا خواہاں تھا جو دارالعلوم دیوبند کی طرح سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک ہو، حسن اتفاق کہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں ایک ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی جو درجاتِ علیا کی تعلیم دے سکے، تو دیوبند کے اکابر خصوصاً حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے احقر کی سفارش فرما دی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے اس سفارش کی تائید فرمائی۔ اور مجھے تحریر فرمایا کہ اب ایسے مدرسہ میں بھیجا جا رہا ہے جو علم کا مرکز ہے۔ احقر ۱۹۲۸ء کے مارچ میں مدرسہ شاہی پہنچا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سائمن کمیشن[۲]

---

[۱] دارالعلوم مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۲ [۲] برطانوی حکومت کا یہ کمیشن ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو ساحل بمبئی پر اترا اور ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو ناکام واپس ہوا۔ اس کمیشن کا مقصد آمد بقول رئیس احمد جعفری یہ تھا کہ ”ہندوستان کو پھر مجلس آئین و اصلاح و رعایت حقوق کا شیریں مگر خواب آور شربت پلا دیا جائے۔ تا کہ ایک عرصہ دراز تک یہ مرغ زریں بال اسیر دام رہے۔،، (بیس بڑے مسلمان)

ہندوستان پہنچکر ناکام واپس ہوا تھا۔ مدرسہ شاہی کی فضا احقر کے مزاج کے مطابق تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح یہ مدرسہ بھی سرکاری امداد اور سرکاری اثرات سے پاک تھا، اس مدرسہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر ہوئے۔ مولانا موصوف شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے خاص شاگرد اور سیاسی خیالات میں ان کے پختہ معتقد تھے۔ (آپ کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ اور حضرت علّامہ کی تحقیقاتِ علمیہ کا بڑا ذخیرہ آپ کے سینہ میں محفوظ تھا) تحریک خلافت میں اگرچہ جیل نہیں گئے مگر کام بہت کیا۔ زیادہ تر آپ ہی کی خدمات تھیں جن کی وجہ سے مدرسہ شاہی نے سیاسی تحریک کے سلسلہ میں خاص امتیاز حاصل کیا۔[1]

رجسٹر کارروائی اجلاس مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی اور اس کی روداروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بزمانۂ اہتمام الحاج سید مرتضیٰ علی مرحوم ماہ شوال ۱۳۴۷ھ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ اور اجلاس مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں باضابطہ توثیق تقرری ہوئی، پھر مدرسہ شاہی کی علمی اور انقلابی فضا آپ کو ایسی راس آئی کہ یہ وابستگی دوامی ثابت ہوئی، اور اس گلشنِ قاسمی کی بہاروں نے ایسا مسحور کیا کہ تا عمر رشتۂ ارتباط کو باقی رکھا۔ مدرس، مفتی، منتظم، مہتمم اور ممبر شوریٰ وعاملہ کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو تاریخ شاہی کا زریں باب ہے، مدرسہ شاہی کا یہ عہد عہد زریں تھا کیونکہ آپ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالحق مدنی متوفی ۱۳۵۴ھ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا فخرالدین احمد رحمہما اللہ جیسی باکمال ہستیاں اس کو دارالعلوم ثانی بنائے ہوئے تھیں، یہ مدرسہ شہرۂ آفاق کا حامل ہوگیا تھا، طالبانِ علوم کشاں کشاں آکر فیضیاب ہورہے تھے۔ اس درسگاہِ نانوتویؒ میں تقریباً ۱۶ سال علم کے دریا بہاتے رہے، مختلف علوم وفنون کی کتابیں بالخصوص ہدایہ اور مسلم شریف زیر درس رہیں، ایک عرصہ تک فتاویٰ بھی آپ تحریر فرماتے رہے جن کو برادرم مولانا محمد سلمان منصورپوری نائب مفتی

---

[1] ماہنامہ دارالعلوم مئی ۱۹۶۲ء صہ ۱۲

مدرسہ شاہی نے بحکم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب مہتمم مدرسہ ترتیب دیا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب جلوہ آرائے طباعت ہو کر سرمایہ علمی ہوگا۔ درس و تدریس کے ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی، اور "بجرم عشق حریت" قید و بند کا سلسلہ بھی، اوّلاً ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمت کے لئے دہلی تشریف لائے، پھر ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد مستقلاً دہلی کا قیام اختیار کیا۔ جس کی کہانی خود موصوف کی زبانی سنئے۔

"مجاہد ملت (مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند متوفی ۱۹۶۲ء) زمانۂ اسارت[1] میں احقر سے اتنے مانوس ہو گئے تھے کہ پھر احقر کو اپنی قید سے رہا کرنا گوارا نہ کیا، ۱۹۴۵ء میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لیکر مراد آباد پہنچے، اور مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ اور صدر مدرس حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمہما اللہ سے اصرار کرکے مدرسہ شاہی سے چھ ماہ کی رخصت دلوائی اور دہلی لے آئے، حضرت مجاہد ملتؒ تیار نہیں تھے، مگر احقر کو سلسلۂ درس ترک کرنا گوارا نہیں تھا، چھ ماہ بعد واپس ہو گیا۔ لیکن چند روز بعد ۱۹۴۷ء کا مشہور ہنگامہ ہو گیا۔ ابتداء ہنگامہ میں تو حالت یہ تھی کہ دہلی میں کسی طرف سے بھی کسی مسلمان کا آنا خود کشی کے مرادف تھا۔ لیکن جیسے ہی دہلی پہونچنے کا موقع ملا احقر دہلی آ گیا، اور یہاں آکر محسوس کیا کہ اس وقت مجاہد ملتؒ جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہی بہترین خدمت بلکہ افضل ترین جہاد ہے، لہٰذا احقر نے دہلی ہی میں اس وقت تک قیام کا ارادہ کر لیا جب تک مجاہد ملت کو ضرورت ہو رحمہ اللہ۔ اس طرح تقریباً ۱۴ سال گذر گئے مجاہد ملت رحمہ اللہ نے بارہا فرمایا کہ وہ نظامت علیا سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ یہ ذمہ داری احقر منظور کرلے، مگر احقر کا جواب یہی ہوتا تھا کہ احقر اپنی افتاد طبع کے لحاظ سے مدرس ہے۔ آپ کی امداد کے لئے خدمت درس ترک کئے ہوئے ہے۔ نظامت سے طبعاً دلچسپی نہیں ہے۔ آپ کو اگر امداد کی ضرورت نہیں تو احقر کا مقام "مدرسہ شاہی" ہے"

[1] مراد آباد اور بریلی کے جیلوں میں یہ اسارت کی رفاقت اکتوبر ۱۹۴۲ء تا اپریل ۱۹۴۴ء رہی۔

نظامت علیا نہیں۔ بہر حال نتیجہ یہ ہوا "آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"[1]

الحاصل ۱۹۴۷ء کے بعد آپ دہلی کے ہورہے۔ مگر مدرسہ شاہی سے تعلق ختم نہ ہوا، بلکہ اب تک مدرس تھے، اب مجلس شوریٰ کے رکن بنادئے گئے، پھر ۱۳۸۰ھ میں مولانا محمد نقی دیوبندیؒ کے وصال کے بعد آپ کو اعزازی مہتمم بنایا گیا۔ اور تادم واپسیں ۱۳۹۵ھ تک آپنے مدرسہ شاہی کے صدر مہتمم رہ کر مدرسہ کو پروان بخشا[2]

ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس سے انقطاع کے بعد ۱۹۶۲ء میں دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسہ امینیہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے، جس پر زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہے، بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب کے درس کے ساتھ افتاء کی عظیم ذمہ داری کو بھی نبھایا۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

"احقر کا پیشہ مدرسی رہا، اگرچہ بیس سال ایسے گذرے کہ قید وبند یا جمعیۃ علماء کی وجہ سے اس پیشہ پر قائم نہ رہ سکا، مگر پھر خدا نے توفیق عطاء فرمائی کہ پھر قال اللہ وقال رسول اللہ کے حلقہ میں احقر حاضر ہوگیا۔ آخری سال جب حضرت مجاہد ملت بیمار تھے مدرسہ امینیہ کے مہتمم مولانا حفیظ الرحمن واصف[3] نے احقر سے مدرسہ امینیہ کے لئے مدد چاہی کہ مدرسہ کے صدر مدرس بیمار ہیں، ایک مدرس حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں، ایک رخصت پر پاکستان گئے ہوئے ہیں، مدرسہ میں درس حدیث کے لئے کوئی نہیں ہے، احقر سے فرمائش کی کہ یہ خدمت احقر انجام دے، احقر نے اعزازی طور پر یہ خدمت منظور کرلی اور درس شروع کرادیا۔ ایک سال تک اعزازی خدمت انجام دیتا رہا۔ پھر جناب مہتمم صاحب اور حضرات اراکین نے اصرار فرماکر دوامی خدمت کا وعدہ لے لیا[4]"

---

[1] روزنامہ الجمعیۃ دہلی خصوصی اشاعت بموقع اجلاس بست وسوم جمعیۃ علماء ہند ۵ مئی ۱۹۷۲ء ص ۱۳۰ مضمون بعنوان "خودنوشت نوا"۔ [2] از روداد ہائے مدرسہ شاہی مرادآباد۔

[3] آپ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ متوفی ۱۳۷۲ھ کے خلف الرشید اور علم وادب کے استاد تھے، زاہدانہ کردار کے حامل، مزاج میں قناعت پسندی تھی۔ ۱۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو وصال ہوا۔ قبرستان شاہ ولی اللہ میں مدفون ہیں۔ [4] روزنامہ الجمعیۃ خصوصی اشاعت ۵ مئی ۱۹۷۲ء ص ۱۳۰-۱۳۱

اس طرح ان تمام تفصیلات کے ساتھ آپ نے تقریباً ۳۲ سال درس وتدریس میں گذارے تین سال مدرسہ حنفیہ آرہ میں، ۱۶ سال مدرسہ شاہی مراد آباد میں، اور ۱۳ سال مدرسہ امینیہ دہلی میں۔ اس عرصۂ تدریس میں نامعلوم کتنے طالبانِ علوم نے اکتساب فیض کیا، یقیناً یہ تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔

سیاسیات اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ اگرچہ آپ کا رشتہ زمانہ حصول تعلیم ہی میں قائم ہوگیا تھا، اور فراغت کے بعد مارچ ۱۹۲۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس کلکتہ میں اکابر علماء کے ہمراہ آپ نے بھی شرکت فرمائی تھی یہ مگر اس سلسلہ کی سرگرمی مدرسہ شاہی میں تشریف آوری کے بعد شروع ہوئی، جو پھر زندگی بھر ختم نہ ہوئی، اور آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک و ملت اور قوم و وطن کیلئے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں، اور خود جمعیۃ علماء کی وہ خدمت انجام دی جو جمعیۃ علماء کی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ جمعیۃ علماء مراد آباد کی نیابت نظامت سے لیکر جمعیۃ علماء ہند کی نظامتِ علیا تک مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ جن کی کچھ تفصیل خود موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس امروہہ ہوا جس میں شرکتِ کانگریس کا ریزولیشن پاس کیا گیا، اس اجلاس سے کچھ پہلے جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کی مجلس منتظمہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں احقر کو جمعیۃ علماء شہر مراد آباد کا نائب ناظم منتخب کیا گیا، کچھ دنوں بعد نائب کے بجائے ناظم بنا دیا گیا۔ اس وقت نظام جمعیۃ علماء میں صوبہ آگرہ الگ تھا اور اودھ علیحدہ، اور اس زمانہ میں تبلیغ کا سلسلہ بھی جمعیۃ علماء سے وابستہ کیا گیا تھا۔ تو احقر کو جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کا ناظمِ تبلیغ بنا دیا گیا، ناظمِ تبلیغ کے بعد احقر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ۔ پھر پورے صوبہ متحدہ کی جمعیۃ علماء کا ناظم ہوگیا[۲] پھر اجلاس سہارنپور میں "جمعیۃ علماء ہند" کا ناظم منتخب کیا گیا، لکھتے ہیں:

---

[۱] ندائے شاہی اپریل مئی ۹۰ء ص۱۳ [۲] یہ اجلاس مئی ۱۹۳۰ء میں ہوا تھا۔
[۳] خصوصی اشاعت الجمعیۃ دہلی ص ۱۲۹-۱۳۰

۴ مئی تا ۷ مئی ۱۹۴۵ء کو بڑی شان کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس سہارنپور میں ہوا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ناظم اعلیٰ منتخب کئے گئے۔ احقر کا نام زبانوں پر آیا تو احقر نے اسٹیج پر کھڑے ہوکر معذرت کرنی چاہی مگر سیدی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسٹیج پر تشریف فرما تھے خلاف معمول احقر کا دامن جھٹک کر کھینچا اور احقر کو نیچے بٹھادیا، اب بجز تسلیم ورضا چارہ ہی کیا تھا۔ "قہر درویش بر جان درویش"[1]

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے انتقال کے بعد ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ لکھتے ہیں۔ "حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے زمانۂ مرض میں از خود احقر کے قائم مقامی کا اعلان کرادیا تھا، مرحوم کی وفات کے بعد ایک سال تک اس اعلان کا احترام کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دی"[2]

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "پھر یہ منصب اس کے سپرد کیا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی اہلیت عطاء فرمائی تھی، حضرات اراکین اگرچہ احقر کے بھی مخالف نہیں تھے مگر ان کے جذبات اس کے ساتھ تھے جس کو جناب صدر نے اس منصب کے لئے نامزد فرمایا۔ یعنی نوجوان صالح مولانا اسعد صاحب زادت مزایاہ۔ بہرحال یہ درست ہے کہ نظامت کا لیبل احقر پر تقریباً ۳۵ سال چسپاں رہا"[3]

جمعیۃ علماء ہند کی نظامت علیا کے بعد بھی جمعیۃ علماء کے ساتھ رشتۂ انسلاک میں کمی نہ آئی۔ بلکہ آپ اس کی مجلس عاملہ کے رکن رکین، ادارہ مباحث فقہیہ کے مدیر اور جمعیۃ ٹرسٹ کے سکریٹری رہے۔

اجلاس امروہہ میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ متوفی ۱۹۶۲ء نے شرکت کانگریس کی تجویز پیش کی جس کی تائید میں امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

---

[1] مجاہد ملت نمبر ص۵۶ [2] خصوصی اشاعت ص۱۳۰ [3] ایضاً ص۱۲۹

متوفی ۱۳۸۱ھ نے شعلہ بار تقریر کی جس کا سلسلہ تین گھنٹے تک جاری رہا جس نے بہت سے دلوں کی دنیا بدل دی، مولانا محمد میاں صاحبؒ لکھتے ہیں:

"جن سے خود یہ راقم الحروف بھی ہے کہ پہلے صرف ایک گوشہ نشین مدرس تھا اور اب جنگ آزادی کا سپاہی بن گیا جس کو قید و بند اور دار و رسن کے خواب آنے لگے" [1]

اسی اجلاس کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ متوفی ۱۳۷۷ھ کے مشورہ سے ہندوستان کی مشہور سیاسی جماعت کانگریس میں شریک ہوئے۔ پھر جمعیۃ علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے جہادِ آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔

جمعیۃ علمائے کے پلیٹ فارم سے قومی وملّی خدمات

آپ نے ملک و ملت کے لئے جو خدمات اور قربانیاں پیش کی ہیں ان سب کو احاطۂ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اور اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش بھی نہیں، تاہم ان خدمات کا ایک سرسری خاکہ پیش کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) آزادی کے اس متوالے کو "بجرم عشق حریت" پانچ بار قید و بند کی آزمائش میں ڈالا گیا، مرادآباد، دہلی، میرٹھ، بریلی، فیض آباد کی جیلوں میں سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا۔ موصوف خود لکھتے ہیں۔

"کانگریس کا باقاعدہ ممبر بننے کے چند ہفتے بعد ہی احقر گرفتار ہوا، اس وقت حضرت مولانا سید فخر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیۃ علماء ہند) نے بھی احقر کا ساتھ دیا، اس کے بعد احقر ۱۹۳۲ء میں پہلے دہلی پھر مرادآباد میں گرفتار ہو کر سزایاب ہوا، پھر ۱۹۴۰ء میں یہ شرف حاصل ہوا، ۱۹۴۲ء کی تحریک میں آخری بار گرفتار ہوا" [2]

---

[1] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص۴۳ [2] روزنامہ الجمعیۃ خصوصی اشاعت ص۱۳۰

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر گرفتاریوں کی تفصیل بیان کروں مگر مضمون کی تنگ دامانی اجازت نہیں دے رہی ہے، تاہم ایک واقعہ موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے سول نافرمانی ۱۹۳۲ء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "احقر دہلی سے رہا ہو کر دیوبند پہنچا۔ جہاں والدہ صاحبہ اور احقر کے متعلقین تھے، پھر فوراً ہی مرادآباد چلا گیا۔ جہاں صوبہ یوپی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے گرفتاری کا پروگرام طے تھا۔ سی آئی ڈی احقر کی تفتیش میں رہی ہوگی، اور ممکن ہے اس کو حیرت ہوئی ہو جب احقر دفعۃً مرادآباد کے چوک بازار میں اس حالت میں نمودار ہو گیا کہ ایک ہاتھ میں کانگریس کا جھنڈا تھا دوسرے میں جمعیۃ علماء ہند کا۔

ایک عزیز دوست پنجابی سوداگر حافظ محمد شفیع صاحب نے آگے بڑھ کر سنہری ہار گلے میں ڈالا جس کو احقر نے منظور کیا۔ کیونکہ ہار پہننے اور پہنانے کے لئے اس سے بہتر وقت کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چند منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ حاضرین کے اجتماع نے جلوس کی شکل اختیار کر لی۔ اور اب یہ جلوس جس کی قیادت محمد میاں کر رہا تھا (جس کے دونوں ہاتھ اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ ایک میں ایک جھنڈا تھا اور دوسرے میں دوسرا اور گلے میں قرآن شریف)، امروہہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگا ابھی تقریباً ایک فرلانگ چلا تھا کہ پولیس کے دستہ نے آکر محاصرہ کر لیا۔ احقر کو گرفتاری کا حکم سنا کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور مجمع کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ احقر حوالات میں پہنچا تو تھوڑی دیر بعد حافظ شفیع الدین صاحب بھی درآمد ہوئے، جرم یہ تھا کہ کانگریس اور جمعیۃ کے ڈکٹیٹر کو ہار کیوں پہنایا تھا، پھر ابھی انگریزی حساب سے تاریخ ختم نہیں ہوئی تھی یعنی رات کے بارہ نہیں بجے تھے کہ مرادآباد کانگریس کے تمام سربراہ جن کی تعداد سترہ تھی گرفتار کر کے احقر کے ساتھی بنا دیئے گئے، چند روز مقدمہ ہوا، چھ ماہ کی سزا با مشقت کلاس "سی" اور مشقت میں احقر اور موجودہ کیبن ڈوپلمنٹ منسٹر یوپی (داؤ دیال کھنہ) کو چکی دی گئی[1]" جس سے چند دنوں کے بعد حکیم انتظار صاحب وغیرہ

---

[1] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص۸۰-۷۹

کی مساعی سے نجات مل گئی۔ اور کلاس "سی" کے بجائے "بی" کر دیا گیا۔[۱] یہ جوش و ولولہ اس وقت تھا جب کہ ابھی دہلی حوالات سے رہا ہو کر آئے تھے۔ جہاں تکلیف و مشقت کا جو حال تھا وہ بھی مرحوم ہی کی زبانی سنیئے۔"

غالبًا اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی، حوالات سب طرف سے بند، نہ روشن دان نہ کھڑکی، صرف ایک جانب دروازہ کے دو طرف جنگلے تھے مگر سامنے چوڑا برآمدہ تھا، جس کی وجہ سے یہ جنگلے بھی ہوا سے نا آشنا رہتے تھے، پیشاب پاخانہ کے لئے صبح کو آٹھ بجے ایک گھنٹہ کے لئے کھولا جاتا تھا، باقی ۲۳ گھنٹے اسی کمرہ میں بند رہتے تھے۔ یہیں وضو بھی کیا جاتا تھا۔ پانی نکلنے کی کوئی نالی نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وضو کا پانی کمرہ ہی میں بھرتا رہا۔ حسن اتفاق یہ تھا کہ کمرہ میں ڈھال کافی تھا، پانی اسی ڈھال میں رہتا تھا، رفتہ رفتہ صورت یہ ہو گئی کہ کمرہ کے نصف حصہ میں پانی بھر گیا، اور نصف حصہ میں ہمارے چھ یا سات ساتھیوں کے بستر تھے ...... اس حبس بے جا کا اثر یہ ہوا کہ تمام ساتھیوں کو عوارض لاحق ہو گئے احقر کو پیچش ہو گئی۔"[۲]

مگر یہ قید و بند، زنداں و سلاسل اس مرد حق آگاہ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہ دے سکے، کیونکہ میدانِ سیاست کی اس خارزار وادی میں جسم و جان کو داؤں پر لگا کر ہی اس للکار کے ساتھ داخل ہوا تھا ؎ دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

(۲) ۱۹۳۲ء میں جب تحریک سول نافرمانی شباب پر تھی، پورے ملک میں سول نافرمانی اور خلاف ورزی قانون کے نظام کو زندہ رکھنے کے لئے کانگریس نے جنگی کونسل اور جمعیۃ علماء ہند نے "ادارہ حربیہ" قائم کیا تھا اور اس نظام کی کلید حضرت مولانا ابو المحاسن سجاد صاحبؒ کے ہاتھ میں تھی، جن کی ہدایت پر مولانا محمد میاں صاحب مرحوم کا یہ کام تھا کہ ہر ہفتہ جمعہ کی صبح کو مراد آباد سے چل کر دہلی پہنچا کریں اور نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد میں تقریر کر کے واپس ہو جایا کریں، اس طرح انتہائی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ چند جمعے گذرے، پھر ایک جمعہ کو پولیس کی حراست میں آ گئے، ایک ہفتہ حوالات میں

---

[۱] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص۲۸ [۲] ایضاً ص۲۸

رکھ چھوڑے گئے، اور چھ ماہ کے لئے دہلی میں داخلہ ممنوع قرار دیدیا گیا، اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے ڈکٹیٹر شپ کا نظام قائم کیا تھا جس کے آپ نویں ڈکٹیٹر تھے، اور اتر پردیش کانگریس کمیٹی کے بھی ڈکٹیٹر ہونے کا شرف حاصل تھا۔[1]

(۳) ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو انڈین نیشنل کانگریس نے "کوئٹ انڈیا (ہندوستان چھوڑو) کی تجویز پاس کی، جس کی پاداش میں رہنمایانِ وطن کی داروگیر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس اقدام کی حمایت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے ناظمِ عمومی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی متوفی ۱۹۶۲ء نے مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس بُلایا جو ۱۷، ۱۸ اگست ۱۹۴۲ء کو دہلی میں بصدارت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ نائب صدر جمعیۃ علماء ہند ہوا۔ کیونکہ صدر جمعیۃ علماء ہند شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ۲۵ جون ۱۹۴۲ء کو گرفتار ہوچکے تھے، اس اجلاس میں مولانا محمد میاں صاحب کیسی کیسی صعوبتیں اٹھا کر شریک ہوئے۔ اور پھر حسبِ ہدایت ملک کے گوشہ گوشہ میں مجلسِ عاملہ کی تجویز کو پہنچایا، اس کی کہانی خود مرحوم کی زبانی سنیئے۔ مولانا مرحوم کا یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اوران کے جذبۂ آزادی کی ایک تابناک مثال۔ لکھتے ہیں

"اس زمانہ میں احقر کا تعلق مدرسہ شاہی مرادآباد سے تھا۔ مگر جب رفقاء محترم کو بجُرمِ عشقِ حریت ۸ اگست کو مرادآباد سے گرفتار کیا گیا تو احقر نے فوراً ہی روپوش ہوجانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ پولیس گرفتاریوں میں مصروف تھی اور احقر تاریک اور غیر معروف گلیوں کوچوں میں ہوتا ہوا مرادآباد سے نکل رہا تھا، میرے نسبتی بھائی حافظ سادات حسن صاحب ازراہِ ہمدردی احقر کے ساتھ ہولئے۔ ہم دونوں ۸ میل پاپیادہ طے کرکے قصبہ حکیم پور پہنچے، جب چند گھنٹہ بعد دہلی جانے والا پسنجر حکیم پور پہنچا تو احقر اس سے روانہ ہوا۔ لیکن ٹرین میں زیادہ دیر تک بیٹھنا بھی مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا سمبھاؤلی اسٹیشن پر اتر گیا اور موضع ویٹ میں جو اسٹیشن سمبھاؤلی سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید محمد اعلیٰ صاحب صدر مدرس مدرسہ اعزازیہ[2] قصبہ ویٹ کے

---

[1] الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص ۲۶، ۴۷ ماخوذ [2] مدرسہ اعزاز العلوم

یہاں دو تین روز قیام کیا، پھر کچھ پاپیادہ اور کچھ بس سے سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچنا چاہتا تھا کہ جمنا کے پل پر راستہ روک دیا گیا کہ شہر میں کانگریسیوں نے فساد برپا کر رکھا ہے، فساد کا تماشہ میں خود بھی جمنا پار سے دیکھ رہا تھا، کیونکہ پیلی کوٹھی کو جس میں ریلوے کا ریکارڈ تھا آگ لگا دی گئی تھی۔ اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ شعلے جمنا پار بلکہ شاہ درہ سے نظر آ رہے تھے، اس وقت جمنا برج سے واپس ہو کر غازی آباد پہنچا پھر غازی آباد سے دہلی پہنچنے کی داستان طویل ہے[۱]۔ الحاصل دہلی پہنچکر بحیثیت مدعو خصوصی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شریک ہوئے، مجلس عاملہ نے انڈین نیشنل کانگریس کے اقدام کی حمایت کرتے ہوئے ایک تجویز منظور کی اور یہ طے کیا کہ اس کو کثیر تعداد میں طبع کرا کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچا یا جائے۔ اور یہ خدمت مولانا محمد میاںؒ اور مولانا عبدالماجد دہلویؒ کے سپرد کی گئی۔ دہلی سے مشرقی ہندوستان کے آخری کنارہ تک پہنچانا مولانا مرحوم کے ذمہ کیا گیا، حسب ہدایت ارکین عاملہ تجویز اور اعلان کا بنڈل لیکر کلکتہ روانہ ہو گئے، سفر کی داستان آپ ہی سے سنئے۔

دو جگہ جگہ ہڑتالیں ہو رہی تھیں، پولیس اور فوج کی گولیاں موت کی بارش برسا رہی تھیں۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑی جا رہی تھیں، ٹیلیفون اور ٹیلی گراف کے تار کاٹ کر نظامِ حکومت خصوصًا ریلوے کے نظام کو معطل کیا جا رہا تھا اور بارش کی مسلسل جھڑیوں نے جس طرح پولیس اور سی آئی ڈی کے کام کو دشوار کر دیا تھا مسافروں کے لئے بھی صعوبتیں پیدا کر دی تھیں، بہرحال ان حالات کو انگیز کرتے ہوئے دہلی سے روانہ ہو کر مغل سرائے تک تو رسائی ہو گئی، لیکن مغل سرائے کے بعد سفر کی تمام صورتیں ناممکن ہو گئیں، کیونکہ ریلوے کی پٹریاں تو تحریک کی نذر ہو گئی تھیں اور عام راستوں اور سڑکوں کو سیلاب نے ناقابل عبور بنا دیا تھا مجبورًا احقر جونپور واپس ہوا، اور محترم حاجی ولی محمد صاحب مرحوم کے ایک مکان میں گوشہ نشیں ہو کر اس لٹریچر کو مختلف صورتوں سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کا انتظام کیا،،[۲]

---

[۱] مجاہد ملت نمبر ص۵۳ [۲] ایضاً ص۵۴

یہ ہیں آپ کے مجاہدانہ عزائم اور کارنامے۔ نہ معلوم اس تحریک میں اس طرح کے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔

(۴) تحریک ۱۹۴۲ء کے موقع پر گرفتار شدہ بزرگوں کی جانب سے آپ موقع بموقع باغیانہ سرکلر جاری کیا کرتے تھے، ایک سرکلر جو سراسر باغیانہ تھا اس کو پشاور کالج کے طلبہ نے پشتو میں ترجمہ کرکے شائع کیا، اور مولانا مرحوم کا نام بھی لکھ دیا جس کی پاداش میں گرفتار ہوئے اور اکتوبر ۱۹۴۲ء تا اپریل ۱۹۴۴ء مرادآباد اور بریلی کے جیلوں میں رہے۔ اس موقع پر مرادآباد جیل میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی رفاقت اور معیت حاصل ہونے کے ساتھ مدرسہ شاہی مرادآباد کے بہت سے اساتذہ اور طلبہ بھی شریکِ اسارت رہے جن کی تفصیل علماء حق جلد دوم میں ملاحظہ کی جائے۔

(۵) ہنگامہ ۱۹۴۷ء کے بعد وہ علاقے جو مسلمانوں کی آبادی سے خالی ہوکر کمزور ہوگئے تھے ان علاقوں کے بچے کھچے مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کے لئے مولانا مرحوم نے انتھک جد وجہد کی، اور ہماچل پردیش، راجستھان، اور میوات کے پہاڑی وریگستانی علاقوں میں دن ورات دورے کئے، ان کو ڈھارس بندھائی، دینی مکاتب قائم کئے، مجدد الف ثانیؒ کے مزار کو شرنارتھیوں سے محفوظ رکھنا آپ ہی کا کارنامہ ہے۔

(۶) آزادی کے بعد فوراً نئی نسلوں میں دین کی حفاظت کا کام بنیادی تھا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سولہویں اجلاس منعقدہ لکھنؤ ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۴۹ء میں دینی تعلیم کی مہم کو اپنا سب سے اہم پروگرام قرار دیا۔ اس تحریک کو چلانے کا کام مولانا مرحوم کے ہاتھ میں تھا اور آپ نے کامیابی کے ساتھ چلایا، اور مجوزہ نصاب کی ترتیب وتدوین کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی اور آپ نے دینی تعلیم کے رسالے تحریر فرمائے۔

(۷) جب جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اجلاس اجین منعقدہ ۹ تا ۱۱ دسمبر ۱۹۶۰ء میں شرعی پنچایتوں کے نظام کو جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ نے ہی اس کا ضابطۂ عمل اختیارات وفرائض اور احکام تیار کئے۔

(۸) ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر آپ کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند

نے مباحث فقہیہ کا شعبہ قائم کیا تو آپ ہی اس کے مدیر بنائے گئے، اور آپ نے "رویت ہلال"، حقوق طبع، کوآپریٹو سوسائٹیوں وغیرہ پر بحث وتحقیق کا کارنامہ انجام دیا۔

(۹) ۱۹۴۷ء کے بعد مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے الجمعیۃ کو دوبارہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ ہی نے اس کی ذمہ داری کو سنبھالا، مولانا مرحوم لکھتے ہیں

"ابھی ۱۹۴۷ء کا پر آشوب دور ختم نہیں ہوا تھا کہ لکھنؤ میں ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کی تاریخیں آزاد کانفرنس کے لئے طے کر دی گئیں، وسط دسمبر میں احقر چند ضرورتوں سے دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، ۲۰ دسمبر کو سہارنپور میں مجاہد ملت کا تار پہنچا اور احقر خطرناک راستے طے کرتا ہوا خدا کے فضل سے دہلی پہونچ گیا۔ یہاں مجاہد ملت روزنامہ الجمعیۃ کے جاری کرنے کا عزم فرما چکے تھے اور احقر کو اسی لئے طلب فرمایا تھا کہ بلا توقف روزنامہ جاری کر دیا جائے، چنانچہ ۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء سے یہ روزنامہ پھر جاری ہوگیا، جو ۹ سال پہلے برطانوی حکومت کے ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی نوازشوں کا شکار ہو چکا تھا، فرق یہ ہوا کہ پہلے سہ روزہ تھا اور اس مرتبہ مجاہد ملت کے حوصلۂ عالی نے اس کو روزنامہ قرار دیا"[۱]

(۱۰) آپ کے قلم نے جمعیۃ علماء ہند کے دستاویز کو محفوظ کر دیا، اور علماء حق کے کارناموں کو زندہ جاوید کر دیا، جمعیۃ علماء کے پاس آج جو بھی تاریخ ہے وہ مولانا مرحوم کی رہین منت ہے۔ یقیناً آپ جمعیۃ علماء کی قلم تھے اگر مجاہد ملتؒ زبان تھے۔ "تلك عشرة كاملة" یہ "مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔

تصنیف وتالیف درس وافتاء کی مصروفیتوں اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں کیساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی آپ نے جاری رکھا، یہ آپ کا کمال ہے کہ طوفانی سیاسی زندگی کے باوجود متعدد اہم تصانیف یادگار چھوڑیں۔ آپ اپنی تصنیفات میں ایک مشاق مصنف اور صاحب قلم، تحریر وانشاء پردازی میں ایک صاحب طرز ادیب، تحقیق ودرایت میں ایک نکتہ رس فقیہ اور صاحب بصیرت مورخ نظر آتے ہیں، آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے کثیر التصانیف فضلاء میں ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سَو کے قریب ہے۔

---

[۱] مجاہد ملت نمبر ص۸

جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) علماء ہند کا شاندار ماضی ۴ جلد۔ یہ آپ کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس کتاب نے سامراجی طاقت کے کالے کرتوت اور ظلم و تشدد کی داستانوں کو واشگاف کرکے اس حکومت کو جھنجوڑ ڈالا جس کی فرماں روائی میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ یہ کتاب مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ متوفی ۱۰۳۴ھ سے لیکر ۱۸۵۷ء کے مجاہدین حریت کے مجاہدانہ کارناموں پر مشتمل ہے۔ اولاً مدرسہ شاہی کے قیام کے دوران ۱۹۳۹ء میں تحریر فرمائی جس کو جابر حکومت نے ضبط کرلیا، اور مصنف کو گرفتار کرکے مقدمہ چلایا۔ دوبارہ آزادی کے بعد غالباً ۱۹۵۷ء میں از سرِ نو اضافوں کے ساتھ ترتیب دیا۔

(۲) علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۲ جلد۔ یہ کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" کا تکملہ ہے۔ جس میں ۱۸۵۷ء کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک مجاہدین حریت کے کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مجاہدانہ کردار کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۳) جمعیۃ علماء کیا ہے؟ دو حصے مع ضمیمہ۔ اس کتاب میں جمعیۃ علماء ہند کی خدمات اور اس کی تجاویز کو مرتب کیا گیا ہے، تاریخ جمعیۃ میں یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۴) حیات شیخ الاسلام۔ (۵) مجاہد جلیل۔ ان دونوں کتابوں میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ اول الذکر میں تفصیلی اور ثانی الذکر میں اجمالی۔ آپ کی سوانح میں یہ کتابیں بنیادی اور ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۶) اسیرانِ مالٹا۔ اس کتاب میں اسیران مالٹا شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ، مولانا حکیم نصرت حسینؒ، مولانا وحید احمد مدنیؒ اور مولانا عزیر گلؒ کے حالات مرقوم ہیں۔

(۷) تحریک شیخ الہند۔ انڈیا آفس لندن کی سی آئی ڈی رپورٹ کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہے۔ جس کی رسم اجراء صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد مرحوم کے دستِ مبارک سے ۵ جولائی ۱۹۷۵ء کو عمل میں آئی، اس کتاب میں جنگ آزادی کی ایک اہم کڑی ریشمی رومال تحریک کا مفصل ذکر ہے۔ اس زمانہ میں مولانا مرحوم کی سیاسی و علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے

حکومتِ ہند نے آپ کو تامبر پتر عطا فرمایا اور وظیفہ، مکان کی سہولیات کی پیش کش کی، آپ نے تامبر پتر کا اعزاز یہ کہہ کر قبول کرلیا کہ اس سے جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی خدمات کا ریکارڈ قائم ہوگا، باقی سہولیات قبول نہیں کیں، یہی عمل حضرت شیخ الاسلامؒ کا تھا[1]

(۸) مختصر تذکرہ خدمات جمعیۃ علماء ہند ۲ حصے۔ (۹) صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت (۱۰) جمہوریت اپنے آئینہ میں۔ (۱۱) ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء مسلم علماء کا کردار۔ (۱۲) ترکِ وطن کا شرعی حکم (۱۳) حیات مسلم (۱۴) چاند، تارے اور آسمان۔ (۱۵) آنے والے انقلاب کی تصویر۔ (۱۶) خطرناک نعرے اور جمعیۃ علماء ہند کا طرزِ مستقیم۔ (۱۷) مسئلہ تعلیم اور طریقۂ تعلیم (۱۸) سیاسی اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و ارشادات (۱۹) ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں (۲۰) پانی پت اور بزرگانِ پانی پت (۲۱) دین کامل (۲۲) اسلام اور انسان کی حفاظت و عزت۔ (۲۳) مشکوٰۃ الآثار عربی حدیث۔ جو دارالعلوم دیوبند جیسے مدارس میں داخل نصاب ہے۔ (۲۴) نور الاصباح ترجمہ و شرح نور الایضاح (۲۵) عہد زریں۔ ۲ جلد (۲۶) سیرت مبارکہ (۲۷) شواہد تقدس۔ مودودی صاحب کی خلافت و ملوکیت کا جواب ہے۔ (۲۸) تاریخ الاسلام۔ ۳ حصے (۲۹) دینی تعلیم کے رسائل ۱۲ حصے (۳۰) روزہ نماز۔ (۳۱) ہمارے پیغمبر۔ وغیرہم۔

مذکورۃ الصدر تصنیفات کے علاوہ ہندوستان کے مشہور جرائد۔ الجمعیۃ۔ مدینہ، برھان، دارالعلوم وغیرہ میں آپ کے علمی و تحقیقی مقالات برابر شائع ہوتے رہے۔ جن کو اگر جمع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں۔ اس وسعتِ تالیف و کثرت تصنیف کیوجہ سے شیخ الاسلامؒ آپ کو مزاحاً "حیوان کاتب" فرمایا کرتے تھے۔

مدرسہ شاہی کے دورانِ تدریس شاہی کمیٹی قائم کرکے اس کی طرف سے مارچ ۱۹۲۸ء میں "قائد" نامی رسالہ جاری فرمایا جس کے قائد التحریر خود آپ تھے، مدیر مسئول مولانا اختر الاسلام صاحبؒ صاحبزادہ حضرت مولانا فخر الدین احمدؒ شیخ الحدیث

---

[1] ندائے شاہی اپریل مئی ۱۹۹۰ء ص ۱۶-۱۵

دارالعلوم دیوبند" اور منیجر حکیم انظار احمد مرحوم۔

ان درسی، تصنیفی وسیاسی مشاغل کے ساتھ دیگر اہم ملی مصروفیات بدستور جاری رہیں ۱۳۷۰ھ سے تادم وفات ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کے رکن رکین رہے۔ پابندی کے ساتھ ان مجالس کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے، مسائل میں پوری دلچسپی لیتے۔ اور ان مجالس کی تجاویز بالعموم موصوف ہی قلمبند کرتے، کارروائی کی رپورٹ ایسے چست انداز میں لکھتے کہ قیل وقال کی گنجائش نہ رہتی، مجلس ہمیشہ مولانا مرحوم کی رائے کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتی، دارالعلوم کے علاوہ بہت سے مدارس اور اداروں کے رکن، نگراں اور سرپرست رہے۔ مدرسہ حسین بخش دہلی کی نشأۃ ثانیہ آپ کی مرہون منت ہے۔

المختصر مولانا مرحوم نے جس ہمت واستقلال اور قربانیوں کے ساتھ قوم وملت کی خاموش خدمات انجام دی ہیں، ان کو اجاگر کرنے کے لئے ان کے جیسے ہی کسی مورخ کی ضرورت ہے۔ آپ کے علمی، مذہبی اور تاریخی کارنامے ہمیشہ یاد کئے جاتے رہیں گے ؎

فنا کے بعد زندہ ہے شانِ رہبری تیری ہزاروں رحمتیں ہوں اے میر کارواں تجھ پر

خصائل واوصاف تبحر علمی اور شانِ جامعیت کے ساتھ اخلاق ومروت، فیاضی وایثار تقویٰ وطہارت میں آپ اپنی مثال تھے، بہت ہی سادہ طبیعت، خوش طبع، ملنسار، عالم باعمل اور منکسر المزاج تھے، اخلاص وجفاکشی شعار تھا، تواضع وانکساری، عاجزی وفروتنی آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کی طبیعت میں خود بینی کی خاموش دلفریبی کا گذر کبھی نہ تھا۔ ۱۹۴۹ء میں جب آپ الجمعیۃ کے نگراں تھے اس وقت کارکنان سے فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ "سید ملت" نہ لکھا جائے، صرف مولانا حسین احمد مدنی کے نام کے ساتھ "شیخ الاسلام" اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے نام کے ساتھ "مجاہد ملت" لکھا جائے اب تک الجمعیۃ کے آرڈر بک میں یہ آرڈر محفوظ ہے۔ نام ونمود سے اس قدر اجتناب تھا کہ آپ کی یہ خواہش رہی کہ عام لوگوں سے الگ دفن بھی نہ کیا جائے، بلکہ گور غریباں میں دفنایا جائے، اس خواہش کا احترام بھی کیا گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

فروتنی است دلیلِ رسیدگانِ کمال کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

مولانا مرحوم قطب دوراں، شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے، اوراد و وظائف کے نہایت پابند تھے، باجماعت نماز مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، اپنے پیر و مرشد کی طرح اتباعِ سنت آپ کا شیوہ تھا۔ یقیناً آپ اسلاف کی یادگار تھے۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کا بیان ہے۔

"ہم خدام نے مولانا مرحوم کے اخلاص اور جفاکشی، اور دن کو زبان و قلم کی سرگرمی اور رات کو عبادت گذاری کے وہ منظر دیکھے ہیں جن کی داستانیں اسلاف کے تذکروں میں پڑھی تھیں، مولانا احمد سعید صاحبؒ مولانا مرحوم کو جمعیۃ علماء کا "ذوالنون مصری" کہا کرتے تھے۔"[1]

وصال ۶ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز چہار شنبہ شام ساڑھے ۶ بجے آسمانِ علم و فضل کا یہ آفتاب عالمتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ اور پوری علمی دنیا کو ماتم کناں چھوڑ کر یہ مرد باصفا دہلی کے "گور غریباں" میں ابدی نیند سو گیا۔

بر تو باشد رحمتِ باری مدام
پس سخن کوتاہ باید والسّلام

الراقم معزّ الدین احمد غفرلہٗ

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی و فکری خاندان ص۵

ایک مثالی شخصیت

حضرت مولانا مظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا بدر الدین قاسمی عربی ریڈر ہندو یونیورسٹی بنارس

پہاڑوں اور سمندروں کی تہ سے معدنیات اور ہیرے جواہرات کی انمول نعمتوں کو عطا کرنے والا خدا کبھی بزرگ و برتر کبھی نہایت بے کس و بے بس مفلس و نادار گھرانوں میں ایسے افراد کو پیدا فرماتا ہے جو نہ صرف اپنے خاندان کو زینت بخشتے ہیں بلکہ ملک و قوم کے لئے اپنے افکار و اعمال کی نہ مٹنے والی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔ مولانا مظفر الدین مرحوم بھی ان ہی میں سے ایک تھے۔

آپ مراد آباد کے ایک متوسط صدیقی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آبائی مکان جزیرہ محلہ کسرول میں واقع تھا، سن پیدائش ۱۹۰۳ء بتایا جاتا ہے۔ آپ کے والد منشی محی الدینؒ سرکاری ملازمت سے وابستہ تھے اور پٹواری کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ابتدائی زمانہ نہایت تنگ دستی اور عسرت کی حالت میں گذرا قلیل آمدنی کی وجہ سے کبھی کبھی گھر میں فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ ان نامساعد حالات کے باوجود مولانا مرحوم نے پہلے تحصیل اسکول مراد آباد سے مڈل اسکول پاس کیا اس کے بعد مدرسہ امدادیہ میں فارسی عربی کی تعلیم شروع کی اس دور کے مشہور عالم اور مناظر مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہو

۱۹۱۸ء میں آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور درس نظامی کی باقی تعلیم مکمل کی۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح کے زمانہ میں آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی۔ دیوبند کے زمانہ قیام میں جن رفقا کا آپ تذکرہ فرماتے تھے ان میں مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا معظم علیؒ اور مولانا حبیب احمد مراد آبادی کے نام قابلِ ذکر ہیں زمانہ طالبعلمی میں آپ کا پہلا عقد میری بڑی پھوپھی مرحومہ سے کر دیا گیا تھا اور آپ کو اسی وقت سے ذریعہ معاش کی فکر بھی دامن گیر رہنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کے لئے آپ نے

خود اپنے شوق سے ایک ذریعہ یہ اختیار کیا کہ چھٹی میں دہلی کے تھوک بیوپاریوں سے گھڑی کے فاضل پُرزے لے جاتے اور گھڑی سازوں میں گھوم پھر کر فروخت کرتے اس کے لئے آپ نے ہندوستان کے دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا اور بڑی مشقتیں برداشت کیں۔

اس ذریعۂ معاش کی تگ ودو کے ساتھ آپ کو یہ بھی فکر تھی کہ علمی مشغلہ باقی رہنا چاہئے چنانچہ مراد آباد آکر آپنے والدِ بزرگوار کی مدد سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں اعزازی طور پر تدریس کی اجازت چاہی اور آپ کو اس کا موقع مل گیا چند ماہ یہ سلسلہ چلتا رہا اور طلبا میں بہت جلد مقبولیت حاصل ہو گئی مگر یہ مقبولیت ہی آپ کی علٰحدگی کا سبب بنی کیوں کہ بعض اساتذہ کو یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ یہ نیا مقامی مدرس کہیں قدیم لوگوں پر فوقیت نہ حاصل کر جائے۔

اس طرح آپ نے مدرسہ سے تو علٰحدگی اختیار کرلی مگر طلبا آپ کے پاس گھر آنے لگے اور اب آپ نے یہ معمول بنایا کہ دوپہر تک گھر پر طلبا کو پڑھاتے اور شام کو گھڑی کا سامان فروخت کرنے شہر میں نکل جاتے اور دکانوں پر جاکر سامان فراہم کرتے اس طرح آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ نہ دین دنیا کی مساعی میں حائل ہے نہ دنیا دین کے لئے رکاوٹ ہے۔

اس دوران آپ کو اپنی تجارتی توسیع کا برابر خیال تھا مگر مالی وسائل کی کمی اس میں مسلسل حائل تھی اس کے لئے آپ نے اپنے تین عزیزوں اور ایک دوست مولانا حبیب احمد سے ۲۵، ۲۵ روپے کا قرضہ لیا اور ایک سو روپے کی رقم سے تجارت کو فروغ دینے کا پروگرام بنایا الحمد للہ اس کام میں اللہ نے ایسی برکت دی کہ دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی صرف ایک سال میں آپ نے اپنے عزیزوں کا قرض ادا کر دیا اور پرزوں کے ساتھ اب دستی وجیبی گھڑی اور ٹائم پیس کلاک کا کام بھی شروع کر دیا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے جرمنی سے کلاک منگائے جن پر آٹھ آنے کا منافع لگا کر ۴ روپے عدد کے حساب سے فروخت کر دیئے یہ کلاک میں نے ۱۹۶۰ء تک مراد آباد کی بعض مساجد

ہیں دیکھے ہیں۔ اس کے بعد سوئٹزرلینڈ سے مستقل آپ گھڑیاں درآمد کرنے لگے اور ہندوستان کے بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگا۔

مذہبی اور سیاسی خیالات

مولانا خالص شاہ ولی اللہی مسلک کے آدمی تھے علماء دیوبند سے خصوصی عقیدت رکھتے تھے سیاسی لحاظ سے جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس سے تعلق تھا اگرچہ پورا محلّہ کسرول تقریباً مسلم لیگی اور بریلوی ذہن کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا مگر مولانا کا گھرانہ لوگوں کے طعن و تشنیع کے باوجود اپنے مسلک پر مضبوطی سے قائم تھا۔ غالباً ۱۹۴۷ء کے آس پاس مرادآباد میں کوئی خاص جلسہ ہوا تھا جس میں جمعیۃ علماء کے اکابر تشریف لائے تھے اس موقعہ پر مولانا مظفر الدین رحؒ نے تمام حضرات کو ایک عشائیہ میں اپنے غریب خانہ پر مدعو کیا یہ بڑا روح پرور منظر تھا جس میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحؒ حضرت مولانا فخر الدین مولانا عبدالحق مدنی رحؒ مولانا حفظ الرحمٰن رحؒ مولانا سید محمد میاں صاحب رحؒ اور دیگر مشاہیر کے علاوہ شہر کے بہت سے سرکردہ لوگوں نے تشریف آوری کی سعادت بخشی تھی دوسرے دن مولانا لقاء اللہ پانی پتی رحؒ بھی مولانا مظفر الدین رحؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور کافی دیر ٹھہرے مولانا لقاء اللہ رحؒ سے مولانا مظفر الدین رحؒ کو اس لئے خصوصی عقیدت تھی کہ وہ مردِ مجاہد تن تنہا ۱۹۴۷ء کے فسادات میں پانی پت میں قیام پذیر رہا سارا پانی پت مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا مگر مولانا کسی قیمت پر پاکستان جانے کیلئے تیار نہ ہوتے۔

مدرسہ شاہی سے دلچسپی

۱۹۴۷ء سے قبل مولانا مظفر الدین کو مدرسہ شاہی کے انتظامی معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی مولانا عبدالحق مدنی رحؒ اور بعض دوسرے مدرسین حضرات یہاں تشریف لایا کرتے تھے مگر مولانا عبدالحق مدنی رحؒ کے وصال کے بعد گویا مدرسہ شاہی ایک باصلاحیت، مخلص مہتمم کی سرپرستی سے محروم ہو گیا پھر مولانا فخر الدین دیوبند تشریف لے گئے تو شیخ الحدیث کا اہم منصب بھی خالی ہو گیا۔ مولانا محمد میاں صاحب جمعیۃ علما کی مصروفیات کی وجہ سے دہلی

منتقل ہو گئے منطق و فلسفہ کے امام عجب نور صاحبؒ پاکستان سے واپس نہ آسکے تو ایسا محسوس ہوا کہ اب یہاں درسی اور انتظامی صلاحیت رکھنے والے حضرات کا فقدان ہو گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں اس گلشن قاسمی کی آبیاری کیلئے دوسرے حضرات کو منتخب فرمایا اور ان ہی میں مولانا منظفر الدین کا بھی شمار کیا جاتا ہے آپ نے سب سے پہلے مدرسہ کے حسابی معاملات کی طرف توجہ دی اور خصوصی اصلاحات فرمائیں اس کے بعد مدرسہ کی جائیداد کی توسیع میں آپ نے اہم خدمات انجام دیں ۔ ان میں امروہہ گیٹ کی شاہی بلڈنگ لال باغ میں مولانا حفظ الرحمن ادارہ تعلیم و تربیت کا قیام اور اس کے لئے وسیع و عریض زمین کی خریداری، ابتدائی تعمیرات، بڑی درسگاہیں اور طلباء کی قیام گاہیں مولانا کی زندگی میں تعمیر ہو چکی تھیں اس کے بعد توسیع و اضافہ کا کام ہنوز جاری ہے ۔

مدرسہ شاہی کے انتظامی معاملات کی درستگی اور اصلاحات میں جو لوگ مولانا مرحوم کے دست راست رہے ان میں مولانا حکیم انظار احمد رح منشی عبد القیوم مولانا محمد اسحاق سنبھلی، حاجی ابراہیم مرحوم سابق چیئرمین میونسپل بورڈ مراد آباد اور ان کے برادر عزیز حاجی محمد اسحاق مرحوم کے نام مجھے یاد ہیں ہو سکتا ہے کوئی اور صاحب بھی ہوں جن کا نام میری یادداشت میں نہ رہا ہو جس زمانہ میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب مدرسہ شاہی کے صدر مہتمم تھے اور دہلی میں مقیم تھے تو مدرسہ شاہی کی روزمرہ نگرانی کے لئے ایک اہتمام کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے اصل ذمہ دار مولانا منظفر الدین صاحبؒ ہی تھے اس کمیٹی نے شوال ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۸۹ھ تک کام کیا آپ ۱۳۶۶ھ سے تاحیات مجلس شوریٰ کے اہم رکن بھی رہے ۔

تہجد گذاری

۱۹۵۵ء میں ان کے والد بزرگوار منشی محی الدین رح کا وصال ہوا تو میں جامعہ ملیہ دہلی میں زیر تعلیم تھا اور تدفین میں شرکت نہ کر سکا جب مولانا نے مجھے وفات کی اطلاع دی تو یہ لکھا ،، والد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم سب کو بھی اپنے وقت پر جانا ہے مگر مجھے ان کی وفات سے زیادہ اس بات کا صدمہ ہے کہ اب ہمارے گھر میں کوئی تہجد گذار نہیں رہا ۔

اس کے بعد مولانا نے خود تہجد کی نماز شروع کی اور تاحیات اس کے پابند رہے

علمی ذوق

عصر کی نماز کے بعد اگر مصاحبین میں کوئی موجود نہ ہوتا تو کسی دینی یا تاریخی کتاب کا مطالعہ فرماتے آخری عمر میں مولانا حمید الدین فراہی رح کے تفسیری رسائل کا مطالعہ فرماتے تھے اور گاہے گاہے اُن کے اسلوب کی تعریف بھی کرتے۔ ندوۃ المصنفین دہلی کے مستقل ممبر بھی تھے اور اس ادارہ سے شائع ہونے والی تمام کتابیں ان کے پاس آیا کرتی تھیں جن سے مجھے بھی استفادہ کا موقع ملا ماہانہ مجلات میں، معارف اعظم گڈھ، برہان دہلی مستقل آتا تھا اخبارات میں ۱۹۴۷ء سے قبل زمزم لاہور اور مدینہ بجنور آتے تھے جب الجمعیۃ جاری ہُوا تو پابندی سے آنے لگا مولانا محمد میاں مرحوم کی تقریبًا تمام کتابیں ان کے پاس موجود تھیں اور کبھی کبھی مطالعہ کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کی خود نوشت سوانح حیات میں نے اُن ہی سے لے کر دیکھی تھی مولانا بدر عالم میرٹھی کی ترجمان السنۃ جب شائع ہوئی تو مولانا نے منگائی اور اکثر مطالعہ فرماتے تھے مولانا ابو الکلام آزاد کے انتقال کے بعد مولانا نے مجھ سے فرمایا، اگر مولانا آزاد کی کوئی کتاب دہلی میں مل سکے یا نئی شائع ہو تو ضرور لے لینا چنانچہ میں نے غلام رسول مہر کی مرتب کردہ ان آیات کی تفسیر کا مجموعہ خرید کر ان کی خدمت میں پیش کیا جو ترجمان القرآن کے دو حصوں میں شامل نہیں ہیں مولانا کی بڑی مصروف زندگی تھی مگر اس میں وہ گھر کے بچوں کے لئے بھی وقت نکالتے تھے صبح کو جب ناشتہ کے لئے گھر میں آتے تو حاجی غضنفر الدین مرحوم کے بچوں کو ناظرہ قرآن کریم پڑھاتے بچوں کے اسکول کا کام بھی دیکھتے اور حساب میں ان کی خاص مدد کرتے تھے خود مجھے بھی نحو میر کا کافی حصہ ان سے پڑھنے کا شرف حاصل ہُوا۔

وفات

بتاریخ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شب کو علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے حزم و احتیاط اور ورع و تقویٰ کے زرّیں نقوش چھوڑ گیا۔ یکم جنوری کی صبح کو آبائی قبرستان میں تدفین

عمل میں آئی آپ کے وصال فرمانے پر مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی نے اپنے اجلاس منعقدہ ، رصفر ۱۳۹۲ھ میں درج ذیل تعزیتی تجویز منظور کی جس کے لفظ لفظ سے آپ کی مدرسہ شاہی کے لئے بے مثال جاں فشانی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تجویز کا پورا متن حسب ذیل ہے۔

"جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا یہ اجلاس مدرسہ کے رہنمائے عظیم اور اس گلشن کی آبیاری کرنے والے سراپا اخلاص، علم وعلماء کے قدرداں ملت کے دردمند اور پیکرِ علم وعمل اور بے شمار صفاتِ حسنہ سے موصوف حضرت مولانا محمد مظفر الدین صاحب مرحوم ومغفور رکن رکین وخزانچی مدرسہ شاہی کے اچانک سانحۂ ارتحال پر اپنے رنج وغم کے لئے اپنے پاس الفاظ نہیں پاتا حضرت مولانا مرحوم کی وفات مدرسہ شاہی کا خصوصاً اور ملتِ اسلامیہ کا عموماً نقصانِ عظیم ہے۔

قدرت کے اختیار میں سب کچھ ہے مگر بظاہر اس نقصان کی تلافی مشکل نظر آتی ہے مجلس شوریٰ آج انہیں اپنے درمیان نہ پاکر انتہائی کمی محسوس کر رہی ہے ان کی مدرسہ سے وابستگی اُن کی جرأتِ ایمانی ان کی ہمدردیاں ان کی فراست ان کا ایثار اس دورِ انحطاط میں کہاں نصیب ہوگا؟

فالی المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ ارحم الراحمین مولانا مرحوم کو اپنے آغوشِ رحمت میں لیکر جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے اور ان کے جملہ صدقاتِ جاریہ کو قبول فرمائے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو

مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس مولانا مرحوم کے برادرِ عزیز حاجی غضنفر الدین صاحب اور مولانا مرحوم کی اہلیہ محترمہ وہمشیرگان اور عزیز محترم مولانا بدرُالدین صاحب اور جملہ پس ماندگان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ (رجسٹر کارروائی شوریٰ ۳)

آخری یادگار تحریر

اب آخر میں مولانا کے ایک آخری خط پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں یہ انہوں نے ۲۲ر نومبر ۱۹۷۱ء کو مجھے لکھا تھا غالباً اس کے بعد ان کا کوئی خط مجھے نہیں ملا:

مراد آباد ۲۹ر رمضان

عزیزم! السلام علیکم! کارڈ ملا حالات اور خیریت معلوم ہوئی میں الحمد للہ ٹھیک ہوں جو امراض ہیں وہ عمر کا تقاضہ ہے کم و بیش حالات سے ہوتے رہتے ہیں دوا آج کل اختر صاحب کی کر رہا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ عید بعد بالکل تکلیف جاتی رہے گی۔ اللہ مالک ہے تکلیف تو ایک دن جانی ہے اب تو ایک ہی آرزو ہے توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین خدا قبول فرمائے آمین

والسلام محمد مظفر الدین

قطعۂ وفات

آپ کی وفات پر اخبار الجمعیۃ بابت ۲ر جنوری ۷۲ء میں ایک قطعۂ تاریخ چھپا ہے جو ذیل میں پیش ہے۔

هو الواحد السلام المیت الذی لا یموت

۷۲ ء 19

سال وصال ابدی مولانا مظفر الدین مرحوم

حامی ملت و فیاض زمال سوئے عقبیٰ چوں سفر فرمودہ

راغب زار بایمائے سروش عازم خلد مظفر گفتہ

۷۲ ء 19

تاریخ گو: حکیم سید نور العین حسن راغب چھتاردی۔

مدرسہ شاہی کے

ارکین انتظامیہ

ارباب اہتمام — ارکانِ شوریٰ — ارکانِ عاملہ

تاسیس مدرسہ شاہی ۱۲۹۶ھ سے ۱۴۱۳ھ تک جن حضرات نے سرپرست، مہتمم، رکنِ مجلسِ شوریٰ یا رکنِ مجلسِ عاملہ کی حیثیت سے مدرسہ کی انتظامی ذمہ داریوں کو نبھایا ہے ان کی فہرست ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ ساتھ میں کوشش کی گئی ہے کہ ہر ایک کا مختصر تعارف بھی آجائے۔ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا اسلئے ان کا صرف نام ذکر کردیا گیا ہے (مرتب)

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ مچھرالوی	رکن سرپرست	۱۲۹۶ھ	۱۳۰۴ھ	آپ اپنے دور کے زبردست مناظرِ اسلام تھے ہندوؤں اور آریہ سماجوں سے مناظرہ میں اپنے فن کے امام سمجھے جاتے تھے۔ پنڈت اندرمل سے مرادآباد میں آپ کا مناظرہ مشہور ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے معاصر تھے اور حضرت کے ساتھ میلہ خداشناسی چاندا پور شاہجہاں پور میں شریک تھے۔
حضرت مولانا منصور علی خاں صاحبؒ مرادآبادی	رکن صدر مدرس	۱۲۹۶ھ	۱۳۰۳ھ	حضرت نانوتویؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت محدث امروہویؒ کے تشریف لے جانے کے بعد ایک سال تک مدرسہ کے صدر مدرس بھی رہے۔ بعد ازاں حیدرآباد تشریف لے گئے۔ پھر مکہ مکرمہ ہجرت فرمائی۔ وہیں وفات پائی۔
حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحبؒ خلیفہ حضرت گنگوہیؒ، مرادآبادی	رکن مہتمم	۱۲۹۶ھ	۱۳۴۶ھ	حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ رشید حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				خلیفہ اور مدرسہ شاہی کے اولین اراکین شوریٰ میں تھے اور سنہ ۱۳۲۲ھ سے سنہ ۱۳۲۵ھ تک اہتمام کے منصب پر فائز رہے۔ سنہ ۱۳۴۶ھ میں وصال فرمایا۔
حضرت مولانا محمد روشن خانصاحبؒ مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۰۲ھ	آپ پر اکثر استغراقی کیفیت طاری رہتی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اور اعلیٰ درجہ کے بزرگ تھے۔ مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ دور دور تک آپ کا فیض پہونچا ہے۔
حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحبؒ عظیم آبادی	مہتمم اول	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۲۲ھ تا وصال	مدرسہ کے مہتمم اول اور نہایت صاحب ورع و تقویٰ اور سادہ بزرگ تھے۔ اکابر دیوبند سے خاص تعلق تھا۔ پورے ۲۶ سال تک اہتمام پر فائز رہے۔
حضرت مولانا مظفر شاہ خانصاحبؒ مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۰۲ھ	آپ مجلس شوریٰ میں نائب میرمجلس کے مقام پر فائز تھے جس سے آپ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اصابت رائے اور تدبر و فراست میں ممتاز تھے۔
مولانا قاضی محی الدین خانصاحبؒ مرادآبادی	رکن مہتمم	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۲۹ھ	آپ حضرت نانوتویؒ کے خاص شاگرد اور حضرت گنگوہیؒ کے فیض یافتہ تھے۔ مدرسہ شاہی کے عظیم روح رواں رہے۔ سنہ ۱۳۱۲ھ سے سنہ ۱۳۱۸ھ تک مدرسہ کے مہتمم رہے اور اخیر عمر سنہ ۱۳۴۷ھ شوریٰ کے رکن رہے۔ آپ بھوپال میں قاضی کے منصب پر بھی فائز تھے۔
جناب حاجی گوہر علی خانصاحبؒ مرادآبادی	رکن مہتمم	سنہ ۱۲۹۶ھ	سنہ ۱۳۳۹ھ	مدرسہ شاہی کے اراکین تاسیسہ میں سے ہیں۔ کئی بار آپ کو قائم مقام مہتمم بنایا گیا۔

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				مدرسہ شاہی سے آپ کو نہایت دلچسپی تھی ۔ شوریٰ کے اجلاس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے ۱۳۱۵ھ میں آپ کو مجلس انتظامیہ مدرسہ کا صدر بھی بنایا گیا ۔
جناب حاجی محمد اکبر صاحبؒ شمسی مرادآبادی	رکن مہتمم	۱۲۹۶ھ	۱۳۴۸ھ	پنجابی برادری کے مشہور و معروف صاحب خیر بزرگ تھے ۔ ابتدار سے ۱۳۰۸ھ تک مدرسہ کے منصب اہتمام پر بھی فائز رہے ۔ ۱۳۴۸ھ میں ایک اختلاف کی بنا پر شوریٰ سے علیحدہ ہو گئے ۔ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا ۔
حضرت مولانا محمد نبی صاحب بیگؒ مرادآبادی	رکن مہتمم	۱۲۹۶ھ	۱۳۱۸ھ	آپ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۱۰ھ تک باقاعدہ باتنخواہ مدرسہ کے مہتمم رہے ۔ انتہائی اعلیٰ انتظامی صلاحیت کے مالک تھے ۔ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا ۔
مولوی عبدالرب صاحبؒ وکیل مرادآبادی	رکن	۱۳۰۰ھ	۱۳۲۴ھ	مرادآباد کے مشہور وکیل تھے ۔ دینی امور اور علمار کے حلقہ سے وابستہ تھے ۔ مرادآباد میونسپل کے ممبر تھے
مولوی سید محمد ابوالحسن صاحبؒ وکیل مرادآبادی	رکن	۱۳۰۱ھ	۱۳۰۳ھ	آپ بھی وکیل تھے اور مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے ۔
مولوی منشی انوار الحق صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۰۳ھ	۱۳۲۴ھ	شہر مرادآباد کی باا ثر شخصیت تھے ۔ اکابر دیوبند سے عقیدت مندانہ تعلق تھا ۔
مولوی اسرار الحق صاحبؒ وکیل مرادآبادی	رکن	۱۳۰۴ھ	۱۳۲۶ھ	آپ بھی مرادآباد کی مشہور شخصیت تھے ۔ کارروائی شوریٰ کے رجسٹروں میں آپکے

مختصر تعارف	تا سنہ	از سنہ	عہدہ	اسمائے گرامی
ہاتھ سے لکھی ہوئی نہایت خوشخط تحریرات موجود ہیں۔				
مدرسہ شاہی کے عظیم سرپرستوں میں تھے۔ اکثر اجلاسہائے شوریٰ میں شرکت فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ سنہ ۱۳۲۵ ھ کی روداد میں آپ کا نام نامی ارکان شوریٰ کی فہرست میں لکھا گیا ہے۔	سنہ ۱۳۳۹ ھ	سنہ ۱۳۰۷ ھ	رکن سرپرست	حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی
مدرسے کے نہایت خیرخواہ اور ہمدرد تھے۔ اکابرِ دیوبند کے شیدائی اور حق پرست علماء میں سے تھے۔ مدرسہ شاہی سے ہی فراغت حاصل کی تھی آپ سنہ ۱۳۲۲ ھ میں رکن بنائے گئے۔ سنہ ۱۳۲۲ ھ سے سنہ ۱۳۲۵ ھ تک منصبِ اہتمام بھی آپ سے متعلق رہا۔ وفات سنہ ۱۳۸۳ ھ تک مجلس شوریٰ کے رکنِ رکین رہے۔	سنہ ۱۳۸۳ ھ	سنہ ۱۳۲۲ ھ	رکن مہتمم	مولوی عبید اللہ صاحب بچھرایونیؒ
مراد آباد کی مقتدر شخصیتوں میں تھے۔ اخیر عمر میں ضعیفی اور کم بینائی کی وجہ سے شوریٰ میں شرکت سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔	سنہ ۱۳۵۰ ھ	سنہ ۱۳۲۲ ھ	رکن	جناب حکیم ایوب علی صاحبؒ مراد آبادی
انتظامی صلاحیت سے مالامال تھے۔ کئی سال مدرسہ شاہی کے منصبِ اہتمام پر فائز رہے	سنہ ۱۳۲۵ ھ	سنہ ۱۳۲۲ ھ	رکن مہتمم	جناب نواب علی اکبر خان صاحبؒ مراد آبادی
مدرسہ شاہی کے مخلص بہی خواہوں میں تھے۔	سنہ ۱۳۳۰ ھ	سنہ ۱۳۲۵ ھ	رکن	قاضی محمد ابرار احمد صاحبؒ خاں بہادر مراد آبادی

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
منشی امداد علی صاحب ڈپٹی مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۳۲ ہجری	شہر مراد آباد کی با اثر اور بارعب شخصیت تھے۔ مدرسہ امدادیہ آپ ہی نے قائم کیا۔
قاضی عبدالرزاق صاحب وکیل	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۳۰ ہجری	تعلیم یافتہ اور ذی وجاہت شخص تھے۔
مولوی حکیم ہدایت علی صاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۳۶ ہجری	مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن تھے۔ اصلاً لکھنوی تھے۔ بعد میں سکونت مراد آباد میں اختیار کر لی تھی۔ ترک تقلید کے پرجوش موید تھے۔ اسی بنا پر اجلاس شوریٰ منعقدہ رمضان سنہ ۱۳۳۶ ہجری میں مدرسے سے علیحدگی عمل میں آئی
مولوی یعقوب علی خانصاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۴۲ ہجری	مراد آباد کے مشہور اور متدین وکیل تھے۔
مرزا محمد اسفندیار بیگ صاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۲۶ ہجری	
جناب منشی محمد شاکر علی صاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۲۶ ہجری	
مولوی محمد اسمٰعیل صاحب وکیل سنبھلی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۲۶ ہجری	
مولوی سید حسن صاحب وکیل مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۲۶ ہجری	مراد آباد بار ایسوسی ایشن کے صدر تھے ہر دلعزیز سیاسی رہنماؤں میں تھے، سنہ ۱۹۱۵ء میں بعمر ۴۲ سال وفات ہوئی۔
قاضی محمد جلال الدین صاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	ریاضی کے بہت بڑے عالم تھے، علی گڑھ میں پروفیسر رہے سنہ پیدائش سنہ ۱۸۶۵ء اور سنہ وفات سنہ ۱۹۳۲ء ہے۔
قاضی فہیم الدین صاحب مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۵ ہجری	سنہ ۱۳۲۶ ہجری	محلہ قاضی ٹولہ کے رہنے والے تھے۔
حضرت مولانا محمد حسن صاحب قاضی بھوپال مراد آبادی	رکن	سنہ ۱۳۲۲ ہجری	سنہ ۱۳۶۵ ہجری	حضرت گنگوہیؒ کے تلمیذ خاص اپنے وقت کے اکابر علماء میں تھے۔ سنہ ۱۳۱۵ ہجری سے سنہ ۱۳۲۲ ہجری تک آپ مدرسہ شاہی کے صدر مدرس رہے۔ پھر رکن بنائے گئے۔ بھوپال کے منصب قضاء

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				پر بھی فائز ہوتے۔ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ میں وفات ہوئی۔
مولوی الیس این علی صاحب مرادآبادی ایڈیٹر نیر اعظم،	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۴۸ھ	مرادآباد کے مشہور اخبار "نیر اعظم" کے ایڈیٹر اور ملک کے مشہور صحافی تھے۔ ۱۳۴۸ھ میں ایک خلفشار میں مدرسہ کے خلاف حصہ لینے کی بنا پر آپ کا نام ممبری سے خارج کیا گیا۔
مولوی حاجی سید مرتضیٰ علی صاحب رشیدی مرادآبادی	رکن مہتمم	۱۳۲۵ھ	۱۳۶۶ھ	عالم فاضل اور اکابر دیوبند سے پوری طرح وابستہ تھے، نظم و انتظام کی عمدہ صلاحیت تھی۔ جس کا اندازہ آپ کے دور کے کارروائیوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ۱۳۴۰ھ سے ۱۳۵۱ھ تک مہتمم رہے۔
جناب حافظ عبدالواحد صاحب مرادآبادی	رکن عوضی	۱۳۲۵ھ	۱۳۲۶ھ	جب رکن مدرسہ حاجی محمد اکبر صاحب حج کو ۱۳۲۵ھ میں تشریف لے گئے تو آپ کو ان کی جگہ عوضی رکن شوریٰ بنایا گیا۔
جناب امداد حسین صاحب مرادآبادی	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۳۲ھ	مدرسہ شاہی کے مخلص ہمدردوں میں تھے۔
قاضی محمد شوکت حسین خان صاحب مرادآبادی	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۵۱ھ	مرادآباد کی مشہور ترین شخصیت تھے۔ شوکت باغ آپ ہی کے نام سے موسوم ہے، ۲۶ سال رکن شوریٰ رہے۔
حافظ عبدالرحمن صاحب پیر غیبی مرادآبادی	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۴۸ھ	مدرسہ کے مخلص فدائیوں میں تھے وفات تک رکن رہے۔ مدرسہ رحمانیہ پیر غیب کے بانی تھے۔
حاجی محمد ابراہیم صاحب مرادآبادی	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۳۰ھ	

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
مولوی محمد ابراہیم صاحب سنبھلیؒ	رکن	۱۳۲۵ھ	۱۳۳۰ھ	مدرسہ شاہی کے فاضل اور واعظ الاسلام کے لقب سے مشہور تھے وعظ و تقریر میں یدطولیٰ حاصل تھا۔
مولوی اظہر الدین صاحب مراد آبادیؒ	رکن	۱۳۳۰ھ	۱۳۶۱ھ	عمری کے رہنے والے معروف بزرگ تھے آپ کے صاحبزادے مولانا مصلح الدین صاحبؒ مدرسہ شاہی کے اولین مفتی بنے ۱۳۶۱ھ میں آپ کو شوریٰ سے سبکدوش کر دیا گیا اور ۱۳۶۷ھ میں وفات پائی۔
منشی محمود خانصاحبؒ مراد آبادی	رکن	۱۳۳۶ھ	۱۳۴۲ھ	
جنابؒ حافظ علی نظر بیگؒ صاحبؒ مراد آبادی	رکن	۱۳۳۷ھ	۱۳۴۷ھ	
منشی واجد علی صاحبؒ مراد آبادی	رکن	۱۳۴۲ھ	۱۳۶۱ھ	
حاجی عبدالسلام صاحبؒ سوداگر مراد آبادی	رکن	۱۳۴۲ھ	۱۳۴۸ھ	حاجی محمد اکبر صاحب کے صاحبزادے تھے ۱۳۴۸ھ میں آپ مجلس شوریٰ سے علیحدہ ہوگئے۔
جناب محمود علی بیگ صاحبؒ مراد آبادی	رکن مہتمم	۱۳۴۲ھ	۱۳۵۲ھ	مدرسہ کے معاملات سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ سے قبل عارضی اہتمام آپ سے بھی متعلق رہا ہے۔
حاجی حافظ سید سعادت علی صاحبؒ سب انسپکٹر مراد آبادی	رکن	۱۳۴۲ھ	۱۳۵۲ھ	
منشی عزیز احمد خانصاحبؒ رئیس مراد آباد۔	رکن	۱۳۴۲ھ	۱۳۵۱ھ	

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
منشی نورالحسن صاحبؒ رئیس مرادآبادؒ	رکن	۱۳۴۲ھ	۱۳۵۲ھ	
مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ بچھرایونی	رکن	۱۳۴۶ھ	۱۳۵۷ھ	مردم خیز قصبہ بچھرایوں کے باشندے اور مدرسہ شاہی کے وابستگان میں سے تھے۔
جناب حافظ حمیداللہ بیگ صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۷۸ھ	
جناب قاضی محمد ثروت حسین صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ ۱۳۶۹ھ	۱۳۵۱ھ تا وفات ۱۳۸۸ھ	قاضی شوکت حسین صاحب کے صاحبزادے اور شہر کی بااثر شخصیت تھے۔
عبدالمجید خاں صاحبؒ وکیل مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۵۱ھ	سنبھور کے رہنے والے مرادآباد کے مشہور و معروف دیوانی کے وکیل تھے ۱۹۷۵ء میں وفات پائی۔
محمود علی خاں صاحبؒ وکیل مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۶۱ھ	
شیخ عبدالقیوم صاحبؒ سوداگر مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۶۲ھ	
حافظ عبداللہ صاحبؒ عرف حافظ ننھے صاحبؒ سوداگر مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۵۱ھ	
مولوی صوفی محمد غالب علی صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۵۱ھ	اعلیٰ درجہ کے صوفی اور حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحبؒ منگلوریؒ کے خلیفۂ اجل تھے۔ عموماً اجلاسہائے شوریٰ آپ ہی کے زیرِ صدارت منعقد ہوتے تھے۔ صاحبِ حال، پاک نفس، شب بیدار، متواضع، اور جملہ اوصاف میں نمونۂ سلف تھے۔ ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ بروز جمعرات وفات ہوئی۔

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
قاضی محمد تسلیم صاحبؒ رئیس مرادآبادی	رکن	۱۳۴۹ھ	۱۳۵۱ھ	
جناب منشی محمد ہدایت علی خاں صاحبؒ رئیس گھیر سید خاں مرادآبادی	رکن	۱۳۴۵ھ	۱۳۵۱ھ	بڑے زمیندار تھے، جمعیۃ علماء سے تعلق تھا سنہ ۴۳ء میں وفات ہوئی۔
جناب عبدالقیوم خاں صاحبؒ پنشنر	رکن، مہتمم	۱۳۵۰ھ	۱۳۵۱ھ	آپ مدرسہ کے عارضی مہتمم بھی رہے۔ بعد میں رکن بھی بنائے گئے۔
جناب حکیم مقبول حسین صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۴۹ھ	۱۳۵۱ھ	مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ تھے، مسلم لیگ سے تعلق تھا۔
جناب حافظ الطاف حسین صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۵۱ھ	
مولانا سید قاسم علی صاحبؒ امام شہر مرادآبادی	رکن	۱۳۴۸ھ	۱۳۷۷ھ	حضرت مولانا سید عالم علی صاحب کے پوتے اور مولانا قاسم علی صاحبؒ کے صاحبزادے تھے۔ مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ تھے۔ امام شہر ہونے کی بنا پر شہر میں بے پناہ اثر و رسوخ رکھتے تھے۔
حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی دیوبندی	رکن، مہتمم	۱۳۵۱ھ	۱۳۷۴ھ تاوصال	مدرسہ شاہی کے عدیم المثال مہتمم اور متبحر عالم باعمل تھے ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۷۴ھ تک مسلسل ۲۴ سال مدرسہ شاہی آپ کی خدمات سے مستفید ہوتا رہا (آپ کے تفصیلی احوال دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دیوبند	رکن، سرپرست	۱۳۵۱ھ	۱۳۷۷ھ	ملت اسلامیہ ہند کا آسرا، ابتلاکشان حریت

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				کا رہنما اور تشنگان علوم نبوت کا ساقی، جس نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر اپنے کارناموں کے زریں نقوش کندہ کرکے چھوڑے ہیں۔ مدرسہ شاہی کو پروان چڑھانے میں آپ کی توجہات عالیہ کو بہت بڑا دخل ہے
حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ مرادآبادی	رکن مہتمم	۱۳۵۱ھ	۱۳۹۲ھ	آپ نے مدرسہ شاہی کی اپنی زندگی کا بہترین وقفہ صرف کرکے آبیاری کی ہے۔ مدرسہ شاہی کی تاریخ آپ کے ذکر کے بغیر ادھوری ہے۔ ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۹۲ھ تک آپ مدرس، صدر مدرس یا مہتمم اور رکن شوریٰ کی حیثیت سے مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے۔
جناب منشی عبد القیوم صاحب قریشیؒ اصالتپوری مرادآبادی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۹۱ھ	قریشی برادری کے رہنمائے اعظم تھے۔ مدرسہ شاہی سے والہانہ تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اصالت پورہ کے عوام بھی مدرسہ شاہی سے پرخلوص رشتۂ مودت رکھتے ہیں۔
حاجی عبد السلام صاحبؒ تاجر مرادآبادی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۶۱ھ	
حاجی مختار احمد صاحبؒ تاجر مرادآبادی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۶۸ھ	مرادآباد کے مشہور تاجر اور جمعیۃ علماء کے سرگرم رکن تھے۔ ۷۵ سال کی عمر میں وصال ہوا۔
مرزا حسین یار بیگ صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۷۳ھ	بڑے زمیندار تھے مدرسہ شاہی سے تعلیم حاصل کی تھی

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
جناب امیر حسن خاں صاحبؒ نامی مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۶۱ ہجری	ریاست ہینپور کے نواب تھے۔
جناب محمد یٰسین صاحبؒ قریشی مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۹۱ ہجری	آپ بھی قریشی برادری کی باوجاہت شخصیت تھے
جناب منشی خلیل احمد صاحبؒ باڑہ شاہ صفا مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۶۱ ہجری	برتن کے بہترین نقاش تھے۔
جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحبؒ مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۶۱ ہجری	
جناب مولانا حکیم محمد آفاق صاحبؒ مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۸۹ ہجری	مرادآباد کی مشہور سیاسی اور سماجی شخصیتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔
مولانا حکیم انظار احمد صاحبؒ مرادآبادی	رکن مہتمم	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۸۷ ہجری تا وصال	مدرسہ شاہی کے سرگرم بہی خواہ تھے۔ کئی سال اہتمام میں بھی شریک رہے۔ رسالہ قائد مرادآباد کے منتظم تھے محرم ۸۷ھ میں وفات پائی
مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ مرادآبادی	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۶۸ ہجری	نظم وضبط کے پابند اور مدرسہ شاہی کے مخلص خادم تھے سنہ ۱۳۵۱ھ سے سنہ ۱۳۵۶ھ تک نائب مہتمم بھی رہے۔
جناب عبد الحفیظ صاحبؒ اندیری مجسٹریٹ، بچھرایوں	رکن	سنہ ۱۳۵۱ ہجری	سنہ ۱۳۶۹ ہجری	تحریک آزادی کے عظیم رہنما تھے خلافت کی تحریک کے دور میں اپنی مجسٹری سے استعفاً دیدیا تھا۔ بھٹی محلہ میں آپ کی کوٹھی تھی بعض مرتبہ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ آپ کے

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				ہما دولتکدے پر منعقدہ ہوتی تھی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ اور جمعیۃ علماء سے گہرا تعلق تھا۔ (بروایت جناب مولانا قاری فضل الرحمن صاحب ناظم مدرسہ جامع مسجد امروہہ)
منشی معین الدین صاحب سنبھلیؒ	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۹۸ھ	تحریک آزادی کے رہنما تھے ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۲ء کی تحریکات میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں حضرت شیخ الاسلامؒ کے شیدائیوں میں تھے۔
حکیم اقبال احمد صاحبؒ رئیس چندوسی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۴۱۱ھ	تحصیل چندوسی کے باوجاہت فرد تھے۔
مولوی معظم حسین صاحب امروہویؒ	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۶۵ھ	جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے روح رواں رہے اور امروہہ کے بااثر افراد میں تھے۔
جناب سمیع اللہ خانصاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۶۱ھ	
مولوی حکیم محمد یوسف خانصاحبؒ حسنپوری	رکن	۱۳۵۱ھ	۱۳۶۱ھ	
مولانا مظفر الدین صاحبؒ گھڑی والے مرادآبادی	رکن	۱۳۶۶ھ	۱۳۹۱ھ	حضرت علامہ کشمیریؒ کے شاگرد اور صاحب حزم و احتیاط بزرگ تھے۔ تجارت میں دیانت اور امانت کی پاسداری اور اصولوں کا لحاظ آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ مدرسہ شاہی کو گویا کہ اپنے خون دل سے آپ نے سینچا ہے۔

اسمائے گرامی	رکن	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ناظم عمومی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند سیوہاروی	رکن	۱۳۶۶ھ	۱۳۸۳ھ	مجلس شوریٰ کے رکن رکین مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی، پارلیمنٹ کے ممبر اور ملت اسلامیہ ہند کے عظیم قائد تھے۔ (تفصیلی احوال دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں)
جناب نواب زادہ ساجد حسین صاحب سنبھلی	رکن	۱۳۶۶ھ	۱۴۰۱ھ	مذہبی شخصیت کے حامل علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اکابر دیوبند کے شیدائی ہیں دس سال سنبھل کے چیرمین رہے
منشی محمد یٰسین صاحب رئیس مراد آباد	رکن	۱۳۶۶ھ	۱۴۰۱ھ	
مولانا عمر دراز بیگ صاحبؒ مالک اخبار جدت	رکن	۱۳۶۹ھ	۱۴۰۹ھ	۴۰ چالیس سال تک مسلسل رکن شوریٰ رہے۔ صحافت کا مشغلہ تھا۔ سنہ ۱۴۰۹ھ میں سوا سو سال کی عمر میں انتقال ہوا۔
حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ دیوبندی ناظم جمعیۃ علماء ہند	رکن مہتمم	۱۳۶۹ھ	۱۳۹۵ھ تا وصال	مدرسہ شاہی کے عظیم محسن تھے (آپ کے احوال دوسری جگہ دیکھیں)
جناب محترم حاجی منشی سراج الدین خاں صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۶۹ھ	۱۳۷۲ھ	
جناب عبد الہادی خاں صاحبؒ رئیس چندوسی	رکن	۱۳۶۹ھ	۱۳۸۰ھ	چندوسی کی قابل قدر شخصیت تھے
حاجی محمد ابراہیم صاحبؒ بیڑی والے لالباغ مرادآبادی	رکن	۱۳۶۹ھ	۱۳۷۴ھ	نایاب بیڑی فیکٹری کے مالک اور مجاہد آزادی تھے زندگی بھر جمعیۃ العلماء اور شاہی سے وابستہ رہے، حافظ صدیق صاحب کے والد تھے
حاجی محمد اسمٰعیل صاحبؒ مرادآبادی	رکن	۱۳۷۴ھ	۱۳۹۳ھ	حاجی محمد ابراہیم صاحب کے والد اور مجاہد آزادی تھے۔ علماء دیوبند اور جمعیۃ علماء کے شیدائیوں میں تھے۔
مولانا راشد حسن صاحبؒ عثمانی دیوبندی	رکن	۱۳۷۲ھ	۱۳۸۹ھ	تحریک آزادی کے مجاہد جمعیۃ علماء کے مخلص خادم اور مدرسہ شاہی کے ابتدائی فیض یافتگان

اسمائے گرامی	رکن	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				میں سے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ سے والہانہ تعلق تھا۔ "تذکرہ شیخ مدنی" آپ کی مشہور تصنیف ہے۔
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند	رکن	۱۳۷۸ھ	۱۴۰۳ھ	دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، بانی مدرسہ شاہی حضرت نانوتویؒ کے خانوادہ کے چشم و چراغ اور قدرت کی بے شمار فیاضیوں سے مالا مال تھے گلشن قاسمی مدرسہ شاہی سے فطری تعلق تھا۔ ۱۳۷۸ھ سے وفات تک رکن شوریٰ رہے۔ آخری مرتبہ آپنے اجلاس شوریٰ منعقدہ ۱۳۹۹ھ میں شرکت فرمائی ہے۔
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ اعظمی	رکن شوریٰ عاملہ	۱۳۸۱ھ	۱۴۰۹ھ تا وصال	مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث، حضرت شیخ سہارنپوریؒ کے خلیفۂ اجل اور ملک کے معروف و مشہور عالم باعمل تھے، علمی اور روحانی فیوض عالیہ سے ایک عالم مستفیض ہوا ہے (تفصیلی احوال صدر مدرسین کے ذیل میں دیکھیں)
جناب منشی اشفاق حسین صاحبؒ انصاری محلہ پیرزادہ مراد آباد	رکن	۱۳۸۴ھ	۱۴۰۵ھ	محلہ پیرزادہ مراد آباد کے مشہور اور باوجاہت شخص تھے۔
حضرت مولانا انصار الحق صاحبؒ امروہوی	رکن مہتمم	۱۳۹۰ھ	۱۳۹۳ھ	امروہہ کے مشہور عالم تھے۔ مدرسہ شاہی میں کافی عرصہ تک مدرس بھی رہے ہیں
حاجی غضنفر الدین صاحبؒ (گھڑی والے) کسرول مراد آباد	رکن شوریٰ و عاملہ	۱۳۹۲ھ	۱۴۱۱ھ	مولانا مظفر الدین کے برادر اصغر اور مدرسہ شاہی کے مخلص شیدائی تھے۔ مدرسے کے داخلی اور خارجی امور سے گہری دلچسپی لیتے تھے۔

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
حضرت مولانا قاضی زین العابدینؒ صاحبؒ سجادؔ میرٹھی	رکن	۱۳۹۹ھ	۱۴۱۱ھ	قاضی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے لائق و فائق فرزند اور معروف صحافی، مصنف اور انشاپرداز تھے۔ قومی و ملی سرگرمیوں سے بھی دلچسپی تھی۔ شہر میرٹھ کے قاضی اور امام عیدین تھے۔ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن، اور عالمی مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔
حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحبؒ فریدی امروہوی	رکن	۱۴۰۳ھ	۱۴۰۸ھ	اپنے دور کے زبردست مؤرخ، شاعر، انشاپرداز، مصنف اور صوفی تھے۔ تواضع و انکساری مثالی تھی، علم اور قوت حافظہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مطالعہ، تحقیق و تفتیش اور خدمت دین کے لئے جفاکشی گویا طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ آپ کی ذات نہ صرف شہر امروہہ بلکہ پورے علاقہ کے لئے مرجع انام کی حیثیت رکھتی تھی، اکابر دارالعلوم دیوبند جمعیۃ علماء ہند اور مدرسہ شاہی سے عشق کے درجہ کی محبت تھی۔ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کے خلیفہ اور حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ ۵ صفر ۱۴۰۹ھ کو وفات ہوئی۔ جامع مسجد امروہہ میں جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدظلہ مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی مسجد جھنڈا شہید کے ایک حجرہ میں مدفون ہیں۔
حضرت مولانا عبدالصمد صاحبؒ واکانیری	رکن	۱۴۰۳ھ	۱۴۰۹ھ	شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ، جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن اور دارالیتامی

اسمائے گرامی	عہدہ	از سنہ	تا سنہ	مختصر تعارف
				بھڑوچ گجرات کے مہتمم تھے۔
جناب وفارالرحمٰن صاحبؒ جامعی	رکن	سنہ ۱۴۰۳ھ	سنہ ۱۴۱۰ھ	ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور کی مشہور سیاسی و سماجی شخصیت، جمعیۃ علماء ہند کے مخلص اور سرگرم رکن اور مدرسہ شاہی کے شیدائی تھے۔ عرصہ تک ٹانڈہ کے چیرمین بھی رہے۔ جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ اور مسلم فنڈ کے روح رواں تھے
حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی	رکن نائب مہتمم	سنہ ۱۴۰۱ھ سنہ ۱۴۱۱ھ	سنہ ۱۴۰۲ھ سنہ ۱۴۱۱ھ	سنہ ۱۴۰۱ھ میں نائب مہتمم کی حیثیت سے اور سنہ ۱۴۱۱ھ میں صدر مدرس کی حیثیت سے رکن رہے۔ اسکے بعد دارالعلوم دیوبند منتقل ہوگئے (سوانحی خاکہ صدر مدرسین کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

موجودہ ارکان شوریٰ وعاملہ

مختصر تعارف	اسمائے گرامی
جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں، امارت شرعیہ ہند کے امیر، بے شمار دینی مدارس و مراکز اور ملی تنظیموں کے سرپرست، خدمت قوم وملت میں ہمہ تن مصروف، اور نہ جانے کتنے بندگان خدا کے روحانی مرشد و رہبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے مثال عزم و حوصلہ، جرات و حمیت اور اصابت رائے سے نوازا ہے۔ ۱۳۷۸ھ یعنی مسلسل ۳۶ سال سے مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے رکن رکین ہیں اور اس وقت سرپرست مدرسہ بھی آپ ہی ہیں۔ مدرسہ کی ترقی کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں اور برابر اپنی توجہات عالیہ سے نوازتے رہتے ہیں۔	امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند سرپرست ابتداء رکنیت : ۱۳۷۸ھ
دار العلوم دیوبند ہی نہیں بلکہ برصغیر کے مفتی اعظم، منبع رشد و ہدایت اور علم و تفقہ میں سند کے مقام پر فائز ہیں۔ ذہانت و فطانت اور قوت حافظہ بے نظیر ہے۔ سنہ ولادت ۱۳۲۵ھ اور دار العلوم دیوبند سے سند فراغت ۱۳۵۰ھ ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہیں اور آپ ہی سے اجازت بیعت بھی حاصل ہے۔ مظاہر علوم سہارنپور، جامع العلوم کانپور اور دار العلوم دیوبند میں رہ کر علوم نبوت کے گوہر لٹائے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ ۱۲ جلدوں میں فتاویٰ محمودیہ کے نام سے شائع شدہ ہیں۔ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کے ۱۳۹۵ھ سے رکن رکین ہیں اور اپنی ادعیہ مستجابہ سے نوازتے رہتے ہیں۔	فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند رکن مجلس شوریٰ ابتداء رکنیت : ۱۳۹۵ھ

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند رکن مجلس شوریٰ **ابتدارِ رکنیت** : ۱۳۹۵ھ	دار العلوم دیوبند کے باوقار اور پر عظمت مہتمم، حلم و تدبر، معاملہ فہمی اور فہم و فراست میں یکتا ہیں۔ دار العلوم دیوبند کی موجودہ ترقیاں، استحکام اور تعمیری سرگرمیاں آپ کی ہی توجہات کی رہین منت ہیں۔ جس وقت آپ مسند اہتمام پر فائز ہوئے تو دار العلوم کا سالانہ بجٹ ۵۰ لاکھ روپیہ سے متجاوز نہ تھا۔ آپ کے زمانہ میں یہ بجٹ دو کروڑ روپے سالانہ تک پہنچ چکا ہے۔ ۱۳۹۵ھ میں آپ نے مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کو اپنی رکنیت سے اعزاز بخشا اور ہر موقع پر مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے ہیں۔
حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی مہتمم، رکن شوریٰ و عاملہ **ابتدارِ رکنیت** : ۱۳۹۶ھ	مسند اہتمام کی رونق ہونے کے اعتبار سے مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ مدرسہ شاہی کے دستوری رکن ہیں۔
حضرت مولانا عبد السلام صاحب ناظم تعلیمات، رکن شوریٰ و عاملہ **ابتدارِ رکنیت** : ۱۴۱۲ھ	مدرسہ شاہی کے ناظم تعلیمات ہونے کی حیثیت سے آپ مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے ہیں۔
جناب مولانا محمد اسحاق صاحب سنبھلی (رکن شوریٰ و عاملہ) مشاورتی بورڈ ندائے شاہی) **ابتدارِ رکنیت** : ۱۳۸۰ھ	دار العلوم دیوبند کے فاضل حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب سنبھلی (خلیفہ اجل حضرت تھانوی) کے صاحبزادے اور ملک کے معروف سیاسی لیڈر ہیں۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم سنبھل میں حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے شروع ہی سے سیاسیات سے دلچسپی تھی۔ جمعیت علماء اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے قومی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۰ء میں کانگریس سے الگ ہوکر سیاسی اعتبار سے کمیونسٹ پارٹی سے وابستگی قائم کرلی اور اس کے ٹکٹ پر ۱۹۵۸ء میں ایم، ایل، سی منتخب ہوئے اور ۱۹۶۷ء سے

۱۹۷۷ء تک امروہہ سے ممبر پارلیمنٹ بھی رہے۔ اسی دوران پارلیمنٹ کی مجلس صدارت کے رکن بھی بنائے گئے۔ آپ حج کمیٹی بمبئی، یوپی وقف بورڈ اور جمعیۃ علماء ہند کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ اس وقت اترپردیش جمعیۃ علماء کے نائب صدر ہیں۔

۱۳۸۰ھ سے آپ کو مدرسہ شاہی کی رکنیت کا اعزاز بخشا گیا۔ مدرسہ کے معاملات سے آپ خصوصی دلچسپی لیتے ہیں۔ مجلس عاملہ اور مشاورتی بورڈ ندائے شاہی کے رکن بھی ہیں۔ نیز حضرت مہتمم صاحب کی غیر موجودگی میں اہتمام کمیٹی کے بھی ممبر رہتے ہیں۔

حضرت مولانا جلیل احمد صاحب سیوہاروی

(رکن شوریٰ و عاملہ)

ابتداء رکنیت : ۱۳۸۸ھ

جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کے مستقل صدر اور وضع دار شخصیت کے مالک ہیں اپنے والد ماجد مشہور رہنما مولانا بشیر احمد صاحبؒ "بھٹہ" کے زیر سایہ رہ کر تربیت حاصل کی۔ مدرسہ شاہی کے قدیم فیض یافتہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کا شرف حاصل ہے۔ اپنے علاقے کی بااثر شخصیت ہیں۔ ۱۳۸۸ھ میں مجلس شوریٰ کے رکن بنائے گئے۔ مجلس عاملہ کے بھی رکن رکین ہیں اور حضرت مہتمم صاحب کی غیر موجودگی میں اہتمام کمیٹی میں شامل رہتے ہیں اور ضعف و معذوری کے باوجود اجلاسوں میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔ ۱۴۰۷ھ میں حضرت مہتمم صاحب کے سفر میں تشریف لے جانے کے بعد آپ کو قائم مقام مہتمم بھی بنایا گیا تھا۔

جناب حافظ محمد صدیق صاحب

(رکن شوریٰ و عاملہ و طابع و ناشر ندائے شاہی)

ابتداء رکنیت : ۱۳۸۷ھ

مراد آباد کے مشہور سیاسی اور سماجی ورکر، خدمت قوم کے جذبہ سے سرشار اور بے نفس شخصیت کے مالک ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن اور جمعیۃ علماء اترپردیش کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے کانگریسی اور جمعیتی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔

شروع ہی سے علماء دیوبند سے وابستگی رہی۔ فسادات مراد آباد کے زمانہ میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک ایم' ایل' اے اور یوپی کے وزیر رہے اور ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۰ء تک ممبر پارلیمنٹ کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۳۸۷ھ سے آپ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کے رکن اور مدرسہ کے مخلص بہی خواہوں میں ہیں۔ مجلس عاملہ کے رکن رکین اور ماہنامہ ندائے شاہی کے طابع و ناشر بھی ہیں۔ مدرسہ کے لئے آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔

جناب سید احمد شاہ صاحب مراد آبادی
(رکن شوریٰ وعاملہ)
ابتدار رکنیت: ۱۳۹۹ھ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے خلیفۂ اجل' صاحب ورع و تقویٰ بزرگ اور ہزاروں فرزندان توحید کے مرشد و رہبر ہیں۔ تقریباً ۱۹۱۳ء میں مراد آباد کے محلہ فیض گنج میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مراد آباد ہی میں حاصل کی۔ ہائی اسکول کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انٹر پاس کیا۔ پھر محکمہ ریلوے میں ملازم ہو گئے تقریباً ۱۳ سال اس سے متعلق رہے اور ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۸ء تک مسلم انٹر کالج بجنور کے استاذ رہے۔ آج کل مدرسہ مدینۃ العلوم جامع مسجد بجنور کے مہتمم ہیں۔

۱۳۹۹ھ میں آپ کو مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کا رکن منتخب کیا گیا اور ۱۴۰۱ھ سے مجلس عاملہ کے ممبر بھی بنائے گئے۔ مدرسہ شاہی آپ کی توجہات عالیہ سے برابر مستفیض ہوتا رہتا ہے۔ کتب خانہ اور اردو سیکشن کی نگرانی بھی آپ گاہے بگاہے فرماتے رہتے ہیں۔

حاجی محمد یاسین صاحب عرف بوتا خان
(رکن مجلس شوریٰ)
ابتدا ر رکنیت: ۱۳۹۹ھ

اصالت پورہ کی بااثر اور مشہور شخصیت ہیں۔ ابتداء ہی سے اکابر دیوبند اور مدرسہ شاہی سے وابستگی رہی ہے۔

جناب قاضی جواد حسین صاحب کرتپوری (رکن مجلس شوریٰ) ابتدار رکنیت ۱۳۹۹ھ	کرتپور کی باا ثر شخصیت ہیں۔
جناب منشی عین الدین صاحب سنبھلی (رکن مجلس شوریٰ) ابتدار رکنیت ۱۳۹۹ھ	مشہور مجاہد آزادی منشی معین الدین صاحب سنبھلی کے صاحبزادے ہیں۔ مدرسہ شاہی سے خاص لگاؤ ہے۔ کچھ عرصہ تک مجلس عاملہ کے بھی رکن رہے ہیں۔
جناب حکیم حفیظ الرحمن صاحب دھامپوری (رکن مجلس شوریٰ) ابتدار رکنیت : ۱۴۱۰ھ	دار العلوم دیوبند کے قدیم فاضل، حضرت مدنی کے شاگرد رشید اور مدرسہ شاہی سے مخلصانہ تعلق رکھنے والوں میں ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ جمعیۃ علماء کی سرگرمیوں میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ میں آپ کو رکن مجلس شوریٰ منتخب کیا گیا۔ اس وقت آپ رکن شوریٰ ہونے کے ساتھ ماہنامہ ندائے شاہی کے مدیر اور گریڈ کمیٹی کے بھی رکن ہیں۔
جناب حکیم عبد الجلیل صاحب کرتپوری (رکن شوریٰ وعاملہ) ابتدار رکنیت : ۱۴۱۰ھ	بسی کرتپور کی باا ثر شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی وجاہت سے نوازا ہے۔ مدرسہ شاہی سے محبت رگ وپے میں بسی ہوئی ہے۔ بے تکلفی اور سادگی مثالی رکھتے ہیں۔ محرم ۱۴۱۰ھ میں رکن مجلس شوریٰ مقرر ہوئے اور صفر ۱۴۱۳ھ میں مجلس عاملہ کے رکن بنائے گئے۔ آپ گریڈ کمیٹی کے رکن بھی ہیں۔
جناب قاری عبد الستار صاحب میرٹھی (رکن مجلس شوریٰ) ابتدار رکنیت ! ۱۴۱۰ھ	اکابر سے تعلق رکھنے والے میرٹھ کی معروف شخصیت ہیں۔ شعر و ادب سے بھی دلچسپی ہے۔ فہیم تخلص ہے۔
جناب حاجی امیر احمد خاں صاحب (رکن مجلس شوریٰ) ابتدار رکنیت : ۱۴۱۰ھ	مراد آباد کے مشہور تاجر اور "پروگریسو ٹریڈ لنکرس" کے مالک ہیں۔

وابستہ یادیں

۱۹۴۲ء کا مدرسہ شاہی

ایک تاریخی تعلیمی رپورٹ

رشحۂ قلم : شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ صدر مدرس
و ناظم تعلیمات جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

سنہ ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑو تحریک" نے پورے ملک کے حریت پسندوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا کشمیر سے لیکر کنیا کماری تک محبان وطن کفن بر دوش ہوکر وطن عزیز کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے میدان میں نکل پڑے تھے انگریزی حکومت کی جیلیں مجاہدینِ قوم وملت سے بھری پڑی تھیں ۔ اس تحریک میں مدرسہ شاہی کے ارباب حل وعقد بھی نہ صرف فکری بلکہ عملی طور پر شریک تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ سنبھلیؒ اور حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب رحؒ دو دو سال کے لئے قومی سلامتی ایکٹ کے تحت نظر بند کر دئے گئے تھے ۔ مدرسہ شاہی میں تاریخ کا یہ وقفہ بڑی اہمیت کا حامل اور نہایت تدبر کا محتاج تھا۔ اس نازک موقع پر مدرسہ کی کیا حالت تھی اور اسکا نظام کیسے چلایا گیا۔ اسپر کافی تفصیلی روشنی زیر نظر تاریخی رپورٹ سے پڑتی ہے جو نہ صرف ایک تاریخی دستاویز بلکہ شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کی بے مثال انتظامی صلاحیت اور تجربہ کاری و دانشمندی کی کھلی تصویر ہے اس رپورٹ کے بین السطور سے موجودہ مدارس کی نظامت تعلیمات پر فائز حضرات بھی مستفید ہو سکتے ہیں کیونکہ اسمیں بعض ان نقائص کی نشاندہی بھی کیگئی ہے جنمیں عموماً مدارس اور ارباب مدارس مبتلا نظر آتے ہیں اس طرح یہ تحریر ایک مستند تاریخ غیر جانبدارانہ تبصرہ اور احساس ذمہ داری کے خوبصورت مرقع کی حیثیت رکھتی ہے۔
(مرتب)

رپورٹ ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی مسجد بابت ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۲ء

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امابعد۔ آج پہلا موقع ہے کہ احقر ناظم جدید نظام اساسی کے ماتحت ایک مختصر رپورٹ متعلقہ تعلیمات مدرسہ شاہی ارکان شوریٰ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ اس بات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ رپورٹ میں حدود نظامت سے تجاوز ہو، نہ ادائے فرض میں قصور!

معزز اراکین! مجھے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے اور اخلاقی کمزوریوں کے باعث بسا اوقات ادائے فرض میں قاصر رہتا ہوں۔ بایں ہمہ جو کچھ اس رپورٹ میں پیش کروں گا وہ متعلقہ اصحاب کی مخالفت وموافقت سے الگ ہو کر واقعات کی روشنی میں پیش کروں گا کہ مجھے امید ہے کہ حضرات اراکین اس کو اسی نظر سے دیکھیں گے۔

محترم حضرات! تعلیم وتعلم کا کام بہت ہی زیادہ فراغ خاطر اور اطمینان کو چاہتا ہے تاوقتیکہ فریقین کو پوری یکسوئی اور دلجمعی نہ ہو، کامیابی کا تصور خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

جناب کو معلوم ہوگا کہ گذشتہ سال آپ کے مدرسہ کے تعلیمی اعضاء حکومت کی خوش فہمی کی بدولت دو حصوں پر منقسم کر دیئے گئے تھے۔[1] اور اس لحاظ سے تعلیمی محاذ میں غیر معمولی وسعت پیدا ہوگئی تھی جس کے نظم کا قائم رکھنا احقر ناظم اور دیگر بیرونی حضرات کے لئے سخت دشوار تھا۔ احقر ناظم کا ایک لمحہ بھی خالی [illegible]ت نہ تھا۔ اسوقت ایک طرف سیاسی پوزیشن کا تحفظ پیش نظر تھا تو دوسری جانب [illegible]ں قاسمی دربار کو جملہ خطرات سے مصون اور محفوظ رکھتے ہوئے اس کی کامیابی کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ اپنا حال اس شعر کا مصداق تھا۔ ؎

---

[1] اس جملہ سے حضرات اساتذہ کی گرفتاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

ع
درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

احقر نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر کس قدر کمزوریوں کے الزامات لئے اور کس قدر اندرونی جذبات کو دبایا اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

بہرحال موجودہ اعضاء پر کتب تقسیم کی گئیں اور کام کو جاری رکھا۔ جناب قاری صاحب سے دو خدمات متعلق تھیں امامت جس میں نیابت کا فرض قاری عبداللطیف صاحب مدرس مدرسہ ہذا نے انجام دیا اور تعلیم اس کی نیابت قاری امیر علی صاحب نے فرمائی یہ دونوں حضرات قاری صاحب کے تلمیذ ہیں اور اس طرح قاری صاحب کے لئے جیل کی زندگی سہل ہوگئی۔ مولانا محمد میاں صاحب کی ترمذی شریف اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کی مشکوٰۃ شریف احقر نے اپنے ذمہ لیں۔ بقیہ کتب دوسرے حضرات اور حضرت صدر مہتمم مدظلہ العالی نے تقسیم فرمائیں۔ اس طرح سے تعلیمی کام جاری رہا یہ ظاہر ہے کہ اپنی متعلقہ کتب کے ساتھ مزید کتب کا بار مشکلات میں اضافہ کا موجب تھا اور اس لحاظ سے بعض کتب کا نصاب تک نہ پہونچنا کوئی قابل تعجب امر نہیں لیکن اگر ان کتب کو امتحان سے خارج کر دیا جاتا تو اس عام دورِ ابتلاء میں طلباء کے لئے مزید ابتلاء اور ہیجان کا باعث بن جاتا جس سے مدرسہ کی ساکھ کو عظیم نقصان کا خطرہ تھا۔ ادھر دارالعلوم دیوبند کا طرزِ عمل بھی سامنے موجود تھا، نظر براں وہ غیر مکمل کتب بھی امتحان میں داخل کر لی گئیں اور کار تعلیم و امتحان بآسانی انجام کو پہونچ گیا اور چونکہ آئے دن کی منوحش خبروں اور ماحول کے حالات سے طلباء میں بے حد اضطراب تھا جس پر قابو پانا سخت دشوار ہوگیا تھا احقر ناظم نے بمشکل اوائل شعبان تک طلباء کو روکے رکھا۔ جس پر بھی متعدد طلباء اپنے گھر والوں کے تقاضوں سے مجبور ہوکر قبل ہی چلے گئے۔ کاغذ کی گرانی کے باعث حضرت مہتمم صاحب کی منظوری پر کتب دورۂ حدیث اور چند دیگر کتب کے علاوہ جملہ کتب کا امتحان تقریری ہوا جس میں بیشتر کتب کا امتحان بیرونی حضرات نے لیا۔ بحمداللہ نتیجہ امتحان بہتر رہا اور طلباء کرام تھوڑے وقت میں اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوکر

خوش وخرم مکانوں کو واپس ہوئے ۔ فللّٰہ الحمد ۔ یہ سب کچھ حضرت مہتمم صاحب کے کے حسن توجہات کا اثر تھا ۔ ورنہ ان حالات میں بقاء مدرسہ ہی دشوار تھا چہ جائیکہ کامیابی ۔ قدرت نے آپ کے مدرسہ میں اساتذۂ کرام کے قابل قدر افراد کو جمع کر دیا ہے ۔ ہر ایک مدرس اپنے درجہ کے لحاظ سے ایک خاص موز ونیت رکھتا ہے اس مدرسہ کے متعدد اساتذہ اسی مدرسے کے فارغین ہیں اور یہی اس کی اعلیٰ کامیابی ہے اسی میں ترقی کا راز مضمر ہے ۔ افہام وتفہیم کے لئے قوت گویائی ازبس ضروری ۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کو تقریر کے پھیلاؤ میں ید طولیٰ حاصل ہے ۔ مولوی اختر الاسلام کو سہل اور مختصر الفاظ میں تفہیم کا ملکہ ہے اور مولانا محمد میاں صاحب ادبیات اور حدیث کے ماہر ہیں اور تحریر عربی اردو کے منشی ، مولانا عجب نور صاحب ریاضی ، ہیئت ، ہندسہ ، اصطرلاب میں منفرد ہیں اور معقولات کے مسلم امام ، مولوی واحد رضا صاحب کا مخصوص طرز کتاب کے الفاظ سے کتاب کا مطلب نکالنا ہے ، جو قوت مطالعہ کی دلیل ہے ۔ تقریر میں توسط کے ساتھ تفہیم کی سعی بلیغ کرتے ہیں ۔ مولوی نذیر احمد صاحب بھی پرانے مدرس ہیں ۔ اور طبیعت میں ترقی کی کافی امنگ رکھتے ہیں اور درجۂ وسطیٰ کی طرف اچھل رہے ہیں ۔ اور مولوی محمد شاہ صاحب طبیعت کے تیز اور کارکردہ ہیں متوسط درجہ کی کتابیں اچھی پڑھا سکتے ہیں ۔ مولوی انصار الحق امروہوی دیوبند کے فارغ ہیں ۔ غالباً آپ کا تقرر مولوی اختر کی گرفتاری پر عارضی ہوا تھا اور ابھی تک عارضی ہی ہے ابتدائی درجہ کے مناسب ہیں ۔ درجات ابتدائی کے نظم ونسق اور دیکھ بھال میں مولوی محمود صاحب نائب الاہتمام کی مساعی قابل تشکر ہیں مولانا موصوف نے احقر کے زیر نگرانی ان خدمات کو کافی حد تک انجام دینے میں احقر ناظم کی امداد فرمائی ہے ۔

احقر ناظم بلحاظ درجات اسباق کی تقسیم میں حتی الوسع معلم اور متعلم دونوں جانب کی سہولت کا لحاظ رکھتا ہے کہ مدرس کا درجہ بھی محفوظ رہے اور کتاب بھی اچھی ہو ، طلبہ کو معقول شکایات کا موقع بھی نہ ملے ، جا و بیجا شکایتیں تو قریب قریب ہر معلم کی احقر کو پہونچتی رہتی ہیں ۔ اس بارے میں تو مولانا عجب نور صاحب اور مولانا محمد میاں صاحب

ہی کو خوش نصیب کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تعلیمی شکایت کچھ بھی نہیں۔ لیکن مشکوالیہ کا فرض ہے کہ شکایات کے اسباب اور شاکی کے حالات پر غور کرے۔ نہ ہر شکایت قابل سماعت ہے اور نہ ہر شاکی تہمت سے بری۔ چند کتب ہیں جن کے متعلق احقر کا نظریہ دوسرے حضرات کے نظریات سے مختلف رہا ہے احقر کو اس میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ جب کہ وہ اپنے نظریہ کے ماتحت اس کو ایک طرف رکھتا ہے اور دوسرے حضرات دوسری جانب کھینچتے ہیں۔ احقر کے نزدیک تعلیمی کمزوری کا سب سے بڑا سبب بھی نظریات کی کشاکش ہے اس کی بناپر احقر کو اپنی متعلقہ کتب میں بے حد مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک دوسری دشواری اور بھی ہے کہ بعض مدرسین تقسیم سے قبل ہی بعض کتب کی فرمائش کر دیتے ہیں۔ احقر کو ان کی فرمائشات کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ اس میں دو قسم کے نقصانات پیدا ہو جاتے ہیں ایک یہ کہ وہ کتاب ان کے درجہ کی نہیں ہوتی۔ کبھی نیچے اوپر کی ہوتی ہے۔ اور احقر بلحاظ درجہ و بلحاظ تعلیم انکے لئے وہ کتاب موزوں نہیں دیکھتا۔ مگر وہی اخلاقی کمزوری آڑے آجاتی ہے۔ اور کتاب کو معرض خطر میں ڈال دیا جاتا ہے اور اگر جرأت کر کے انکار کر دیا جائے تو مخالفت کے خطرات مول لینے پڑتے ہیں۔

دوسرا نقصان صاحب درجہ کی حق تلفی، کیونکہ ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی لہذا باہمی منافست شروع ہو جاتی ہے اور شکایات کا ایک طولانی طومار تیار ہو جاتا ہے جس کی جوابدہی میں احقر کو بڑی دقت ہوتی ہے۔ ادھر طلبہ کی پیہم شکایات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ غرض ایک مصیبت ہوتی ہے جو خواہ مخواہ احقر پر پڑ جاتی ہے اور وہ حضرات بے فکر رہتے ہیں ۔ جائے غور ہے کہ جب کتب خواہشات کے ماتحت دی جائیں تو ناظم کس چیز کا نظم کرے اور اس کی ذمہ داری کیا رہ جاتی ہے مصالح مدرسہ کی رعایت کیا ہوئی، درجات کا کھیل کیوں کھیلا گیا۔

تعلیم اور کتب خانہ

تعلیم کا انحصار کتابوں پر ہے اور حسن تعلیم کا مدار شروح اور حواشی پر غرض متعلم اور معلم

دونوں کا سہارا کتب خانہ ہے۔ بسا اوقات مدرس کو اپنے درس کے خاطر فوری کسی شرح یا حاشیہ کے دیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور کتب خانہ بند ہونے سے اس کو سخت دھکا لگتا ہے اور نا کام رہ جاتا ہے اثنائے درس میں نقل مذاہب کے سلسلہ میں حوالہ جات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتاب کتب خانہ میں بند ہے درس تشنہ رہ جاتا ہے۔ طالب علم اعتراض کرتے ہوئے کسی کتاب کا حوالہ دیتا ہے مدرس کہتا ہے کتاب لاؤ۔ وہ بیچارہ دروازہ بند دیکھ کر مجبور رہ جاتا ہے مدرس کا جواب صحت حوالہ پر موقوف اور طالب علم کی تشفی جواب پر موقوف۔

اثنائے درس میں کوئی صاحب استفتاء لائے اور کہا کہ جواب ابھی درکار ہے ٹالو تو ٹلتے نہیں یا ٹالنا مصلحت نہیں کتاب دیکھنے کی ضرورت ہے مگر دروازہ بند۔ کیا کیا جائے ــــ یہ تو احقر نے اپنے تجربات پیش کئے۔ دیگر مدرسین کو کیا ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ جدید دستور سے دفعہ ۵۲ کے ماتحت ہر شخص کو کتب خانہ کے احاطہ میں کتاب دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے اس پر عمل کس طرح ہو مجلس شوریٰ کے فرائض میں ناظم کتب خانہ کا تقرر رکھا گیا۔ مدرسہ کی شان اور حفظ سرمایہ کتب کی مصلحت اور تقاضائے ضرورت پر نظر رکھتے ہوئے کتب خانہ کا اوقات مدرسہ میں کھلا رہنا ضروری ہے۔

یہ مختصر امور درجات عربیہ کے متعلق گذارش ہوئے مختصر نقشہ تعلیم و امتحان آگے ملاحظہ ہو۔

ابتدائی درجات میں دس ۱۰ مدرس کام کر رہے ہیں۔ درجات حفظ قرآن میں تین ۳۔ درجات ناظرہ میں دو ۲۔ درجہ الف اولیٰ میں ایک ۱۔ الف ثانی میں ایک ۱۔ درجہ شعبہ دینیات میں ایک ۱۔ درجہ ریاضی میں ایک ۱۔ فارسی میں ایک ۱۔ درجہ ریاضی کی حالت ایک عرصہ سے کمزور چلی آتی تھی۔ بارہا تفہیم و تنبیہ کے باوجود بھی حالات درست نہ ہوئے۔ بالآخر مدرس صاحب کو استعفاء دینا پڑا اور ایک دوسرے صاحب کا جو نہایت قابل اور تجربہ کار ہیں عارضی تقرر فرما دیا گیا۔ مولوی صاحب

جن سے الف ثانی کا تعلق ہے وہ بھی احقر کی نظر میں اس درجہ کے اہل نہیں پیہم ہدایات کے باوجود ان کا احساس فرض شناسی بیدار نہ ہوا۔ ممکن ہے آئندہ کچھ اصلاح ہوجائے۔ مولوی امیر علی صاحب جن سے کلیتہً درجہ ب کا تعلق ہے، ان کا کام ایک حد تک قابل اطمینان ہے انھوں نے درجہ ب کا کام قاری صاحب کی رہائی کے بعد اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ مدت کارکردگی ڈیڑھ ماہ سے زائد نہیں۔

درجات حفظ قرآن وناظرہ کی اعلیٰ ترین کامیابی نقشہ جات ذیل سے معلوم ہوگی جو رپورٹ کے خاتمہ پر مندرج ہیں۔

درجہ فارسی میں طلباء کی تعداد کم ہے مگر درجہ کامیاب ہے فارسی کی دلچسپی یوماً فیوماً کم ہوتی چلی جارہی ہے حالانکہ عربی کے لئے اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر کافی توجہ فرمائی جائے۔ درجہ قرأت آپ حضرات کی توجہات سامیہ کا سخت محتاج ہے۔ ایک قاری اور تمام مدرسہ، پھر دو کام، مشق اور درس۔ پھر جدید آئین کی رو سے پارۂ عم کی تجوید ہر شریک دورہ پر لازم کردی گئی۔ اس کی عدم تکمیل پر سند سے محرومی، اس کی تمامتر ذمہ داری قاری صاحب پر آتی ہے۔ پھر ایک شخص اتنی بڑی ذمہ داری کو کس طرح پورا کرسکتا ہے۔ میرے نزدیک ایک نائب کی ضرورت ہے جو قاری صاحب کا کام بٹا سکے۔ قاری صاحب کو شکایت ہے کہ ان کا گریڈ کم رکھا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شکایت بجا ہے۔ انھیں حق پہونچتا ہے کہ وہ افزونی گریڈ کا مطالبہ فرمادیں احقر بحیثیت ناظم پرزور سفارش کرتا ہے کہ ان کا گریڈ مناسب مقدار تک بڑھا دیا جائے۔

تیسرے اجلاس شوریٰ میں درجات حفظ وناظرہ کے متعلق گریڈ بڑھانے کی سفارش کی تھی۔ میں اس مجلس میں پھر اس سفارش کا اعادہ کرتا ہوں کہ میرے نزدیک حفاظ کا آخری گریڈ ۱۵ (پندرہ روپئے) قرین صواب نہیں، حفاظ کا آخری گریڈ ۲۵ (پچیس روپئے) اور ناظرہ کا گریڈ ۲۰ (بیس روپیہ) ہونا چاہئے۔ مجلس سے پرزور درخواست ہے کہ وہ پھر مکرر غور فرمائے۔

آخر میں اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ انتشار خاطر کا اثر خدمات مفوضہ پر ایک امر طبعی ہے۔ مجلس کو اس بارے میں فراخ حوصلگی اور عالی ہمتی کا ثبوت دینا چاہئے اور توکلاً علی اللہ اس سلسلہ میں کوئی مؤثر قدم اٹھانا چاہئے تاکہ متعلقہ اصحاب کو فی الجملہ طمانینت حاصل ہو اور کارہائے مفوضہ باحسن وجوہ انجام پا سکیں ۔ اس سلسلہ میں جملہ مدرسین ملازمین مدرسہ کی ایک متفقہ درخواست آپ کی خدمت میں پیش ہونے والی ہے[له]۔ کیا ہی اچھا ہو کہ درخواست پر غور فرماتے وقت اپنی اپنی ضروریات کو بھی سامنے رکھ لیا جائے ۔ وظائف طلبہ کا معاملہ بھی بیش از بیش توجہات کو چاہتا ہے ۔ اس دور گرانی میں للعہ (چار روپئے) کی قلیل مقدار نصف ماہ کے لئے کافی نہیں ۔ چہ جائیکہ پورا مہینہ اس پر بسر کیا جائے ۔

درجات عربی میں تعداد طلبہ پانچ سو اکسٹھ ۵۶۱ ۔ شرکاء امتحان ۵۴۰ ۔ کتب امتحان ۵۱ ۔ کامیاب ۴۷۱ ۔ ناکام ۶۹ ۔ غیر حاضر و رخصت ۲۱ ۔ درجہ قرأت ۷۲ طلباء ۔ شریک امتحان ۶۴ ۔ کامیاب ۶۴ ۔ غیر حاضر ۸ ۔

له ۔ درخواست بابت اضافہ تنخواہ کی طرف اشارہ ہے ۔

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

استاذی حضرت مولانا

سید محمد میاں دیوبندی علیہ الرحمۃ

سے میرا تعلق

از حضرت مولانا قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارکپوری

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری دورِ حاضر کے مشہور مصنف اور اسلامی مورخ ہیں۔ خاص کر ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر آپ کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں مدرسہ شاہی اور اس کے اساتذہ کا کتنا دخل ہے۔ اسکی ایک جھلک خود حضرت قاضی صاحب کی زبانی درج ذیل مقالہ میں ملاحظہ کیجاسکتی ہے۔

(مرتب)

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ ✣ ذرۂ آفتاب تابانیم

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اپنے مقاصد وخدمات کے اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کا مثنیٰ یا اس کا ایک حصہ ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۹۶ھ میں شاہی مسجد میں اس کی تاسیس فرماکر اس کا نام مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم رکھا جو بعد میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تاسیس پر تقریباً ۱۱۶ سال گذر چکے ہیں۔ اس مدت میں اس سے استفاضہ و استفادہ کرنیوالوں کی تعداد بلامبالغہ لاکھوں سے زیادہ ہے۔ جن میں ساڑھے چار ہزار سے زائد علماء وفضلاء ہیں، جن میں محدث، فقیہ، مفتی مفسر، مصلح، مدرس، مصنف، قائد، وزیر، قاضی، متکلم، سب ہی

شامل ہیں اور ان فرزندانِ جامعہ قاسمیہ نے اپنے اپنے دور میں دینی علوم و فنون اور مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔

راقم الحروف بھی اسی درسگاہ اور تربیت گاہ کا فیض یافتہ ہے اور اس کی علمی و فکری نشو ونما میں یہاں کے اساتذہ و شیوخ کی خصوصی عنایت و توجہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہیں سے میرے حوصلے کو بڑھاوا ملا، میری ہمت افزائی ہوئی اور یہاں کے شیوخ و اساتذہ کی شفقت و محبت نے ذرّے کو آفتاب کی روشنی دی اور ان بزرگوں کی نسبت نے بڑا کام کیا۔

جامعہ قاسمیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ اور حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی وغیرہ رحمہم اللہ سے میں نے خصوصی فیض پایا ہے اور ان حضرات کی خورد نوازی اور شفقت و محبت نے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا ہے ان تمام حضرات کا اور دیگر علمی و دینی محسنوں اور مربیوں کا علمی و دینی شکریہ اور ذکر خیر اور ان کے حق میں مغفرت لازم ہے۔ اپنے اساتذہ کا ذکر خیر اور استفاضہ کا اظہار اور ان کے حق میں دعائے خیر علم کی زیادتی کا باعث ہے۔ اور ان کی طرف سے غفلت اور اس کا اخفاء احسان فراموشی اور کفران نعمت ہے۔ اسلاف نے خاص طور سے اپنے تلامذہ کو اس کی تاکید کی ہے۔ اندلس کے مشہور محدث امام ابو محمد رزق اللہ بن عبد الوہاب تمیمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

يقبح بكم ان تستفيد وا منا ثم تذكرونا ولا تترحموا علينا۔	تمہارے حق میں یہ برا ہے کہ ہم سے علمی دینی فائدہ حاصل کرتے ہو اور ہم کو یاد کر کے ہمارے حق میں دعائے خیر نہیں کرتے۔

٭ ٭ ٭ ٭

وہ حضرات اپنے شاگردوں کے حق میں بھی دعائے خیر کیا کرتے تھے۔ امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محمد بن اسحٰق نے اپنے والد کا

بیان نقل کیا ہے۔

قل لیلۃ الا دانا ادعو لمن کتب عنا وکتبنا عنہ،	تقریباً ہر رات میں ان لوگوں کے لئے دعا کرتا ہوں جنھوں نے ہم سے پڑھا ہے اور ہم نے جن سے پڑھا ہے۔

(برنامج الشیخ الرعینی ص۵)

میں اس وقت مدرسہ شاہی کے اساتذہ میں سے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۱۲ رجب ۱۳۲۱ھ، ۴ اکتوبر ۱۹۰۳ء، وفات چہارشنبہ ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ، ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء) کا ذکر کر رہا ہوں جن کی خصوصی شفقت و محبت اور توجہ نے میرے علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے ذوق کو جلا بخشی ہے۔ اور میری علمی زندگی پر ان کا احسانِ عظیم ہے۔

۱۳۵۷ھ میں جمعیۃ الطلبہ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کے اجلاس کی صدارت کے لئے مولانا مرحوم تشریف لائے تھے اس وقت میں غالباً ہدایہ وغیرہ پڑھ رہا تھا۔ مولانا کی زیارت کا یہ پہلا موقع تھا۔ میرے دوست مولانا محمد عثمان صاحب نے مولانا کو میری ایک نظم سنائی جس کو مولانا نے بہت پسند فرمایا اور رسالہ قائد کے سالگرہ نمبر ۱۳۵۸ھ میں "رحمۃ للعالمین ﷺ کا انقلابی کارنامہ" کے عنوان سے شائع فرمایا۔ اسکے بعد میں یہاں سے مضامین اور نظمیں بھیجتا رہا اور مولانا شائع فرماتے رہے مولانا کی اس عنایت اور توجہ سے میری ہمت و حوصلہ میں بڑی توانائی پیدا ہوگئی اور قلم مضمون نگاری میں اور دماغ شاعری میں رواں دواں ہوگیا۔ مولانا مرحوم اس رسالہ کے قائد التحریر تھے۔ ان کی نگاہِ شفقت میں میرے مضامین بہت بلند پایہ ہوتے تھے۔ اپنے خطوط میں خوب خوب تشجیع و تشویق فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھ کو "مولانا قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارک پوری فاضل دیوبند" کے الفاظ سے نواز کر لکھا کہ آپ کے مضامین اعلیٰ درجہ کے اور معیاری ہوتے ہیں زیادہ تعریف اس لئے نہیں کی جاتی کہ کہیں آپ رسالہ قائد کو ان کیلئے نا اہل نہ سمجھنے لگیں۔ میں نے نہایت ادب و احترام سے جواب دیا کہ میں

طالب علم ہوں اور ہدایہ وغیرہ پڑھتا ہوں۔

میں پہلی بار ۱۳۵۴ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی گیا مگر چند ماہ کے بعد واپس چلا آیا تھا اس وقت میں نے مولانا مرحوم سے مقامات زمخشری اور دیوان حماسہ کا پہلا باب پڑھا تھا۔ پھر شوال ۱۳۵۸ھ میں دوبارہ گیا۔ یہ میری تعلیم کا آخری سال تھا۔ مولانا سے سنن ترمذی وغیرہ پڑھی۔ ان ہی ایام میں ایک مرتبہ میں نے مولانا سے امام قاضی ابویوسف رح کی کتاب الخراج کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا نے بڑی محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے کتاب عنایت فرمائی اور چند دن کے بعد میں نے کتاب کے اوپر عمدہ کاغذ کا غلاف چڑھا کر اور کتاب کا نام، مصنف کا نام اور مولانا مرحوم کا نام عربی رسم الخط میں جلی، اور خوشخط لکھ کر کتاب واپس کی تو مولانا نے ہاتھ میں لیتے ہی فرمایا کہ میں نے سمجھا کہ آپ نے یہ کتاب لکھی ہے۔ میں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں۔ اور جب اس واقعہ کے تقریباً بیس سال کے بعد ۱۳۷۷ھ میں میری کتاب "رجال السند والہند" بمبئی میں چھپی اور میں نے مولانا مرحوم کی خدمت میں بھیجی تو اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے لکھا کہ یہ آپ کی دعا اور توجہ کی برکت ہے کہ میں اس لائق ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ تصنیف و تالیف میں مولانا مرحوم میرے اولین محسن و مربی ہیں اگر ان کی توجہ نہ ہوتی اور رسالہ قائد میں میرے مضامین شائع نہ ہوتے تو شاید میں تصنیف و تالیف کے لائق نہ ہوتا۔

میں نے اسی زمانہ میں حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے حالات و اسماء میں تقریباً ڈھائی سو اشعار پر مشتمل ایک نظم لکھی تھی جس کو مولانا کی خدمت میں پیش کیا اور مولانا نے اس کی کور کسر درست کرنے کے لئے حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رح کے پاس بھیج دیا اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ نظم مجھے عنایت فرمادی۔ اور بعد میں بمبئی کے ایک مشہور تاجر کتب کو میں نے دیا۔ مگر

افسوس کہ اس کا پتہ اب تک نہ چل سکا۔ خاصے کی چیز تھی۔

یہ زمانہ بڑا پر آشوب تھا۔ اور ہندوستان کی آزادی کی منزل قریب آرہی تھی۔ ان ہی ایام میں مولانا مرحوم نے یوپی کے مشرقی اضلاع میں جمعیۃ علماء کا تنظیمی دورہ فرمایا۔ تو اعظم گڈھ، بنارس، غازی پور، بلیا اور گورکھپور کے سفر میں راقم خادم کی حیثیت سے ساتھ ساتھ رہا۔ مگر مولانا کی شفقت و محبت نے خدمت کا موقع ہی نہیں دیا اور پورے سفر میں اپنے سے زیادہ مجھے آرام پہونچایا۔

فراغت کے بعد میں نے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں شوال ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء) تک مدرسی کی۔ اس کے بعد نومبر ۱۹۴۴ء میں مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر میں ملازمت کی اور ۱۹۴۵ء میں وہاں سے لاہور گیا اور زمزم کمپنی کے زیر اہتمام ساڑھے نوسو صفحات میں "منتخب التفاسیر" مولانا محمد عثمان فارقلیط کی زیر نگرانی لکھنا شروع کی۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۴۷ء میں روزنامہ "زمزم" لاہور میں شریک ادارت ہوا اور مولانا فارقلیط صاحب سے صحافت سیکھی۔ تقسیم ملک کے بعد ایک سال ہفتہ وار "انصار" بہرائچ کی ادارت کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمت انجام دی۔ پھر یہاں سے ترک تعلق کر کے نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی پہونچا۔

۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۸ھ تک کا یہ نو دس سالہ دور میرے حق میں بڑے ابتلاء کا تھا۔ تقریباً یہ پورا دور "صبر ایوب اور گریۂ یعقوب" میں گذرا ہے۔ اور آخر میں مولانا مرحوم کی توجہ سے میرا قیام بمبئی میں ہوا۔ جہاں بڑے سکون و اطمینان اور شان کے ساتھ رہ کر علمی کام کیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ہر طرف سے مایوسی کے بعد میں نے اپنے ایک نادیدہ بزرگ اور قدر دان جناب حکیم اعظمی صاحب مرحوم ناظم جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کو لکھا کہ بمبئی میں کوئی مناسب جگہ ہو تو مجھے مطلع کریں (مولانا حکیم فصیح اللہ خاں صاحب حمید پور ندوا سرائے ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے اور بمبئی میں مستقل طور سے قیام کرتے تھے۔) میرا یہ خط جمعیۃ علماء کے دفتر

میں ایسے موقع پر پہونچا جب کہ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحبؒ حج کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ان حضرات نے حکیم اعظمی صاحب سے میرے بارے میں شفارش کی اور مجھے بمبئی بلا لینے پر زور دیا۔ خاص طور سے مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے۔ اس کے بعد حکیم اعظمی صاحب نے مجھے بلا لیا اور میرے طائر علم کے بازو پھیلنے لگے۔ یہاں نومبر ۱۹۴۹ء میں آنے کے بعد سب سے پہلے میں نے اخبار "زمزم" لاہور کے اپنے اخلاقی اور دینی مضامین کو جمع کر کے "حیات جمیلہ" کے نام سے چھپوایا۔ جس کا مقدمہ مولانا مرحوم نے دسمبر ۱۹۴۹ء میں لکھا۔ مولانا اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم کی حیثیت سے بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ یہ مقدمہ خورد نوازی اور خصوصی عنایت کا مظہر ہے۔ ۱۵؍ جون ۱۹۵۰ء کو جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی کے اراکین و متعلقین کی ایک کمپنی کی طرف سے روزنامہ جمہوریت جاری ہوا۔ مولانا حامد الانصاری غازی صاحب کو اس کا ایڈیٹر اور راقم کو نائب ایڈیٹر بنایا گیا۔ مگر ادارۂ تحریر کی طرف سے میرے خلاف ایسے حالات پیدا کئے گئے، کہ اخبار جمہوریت میں میرا رہنا مشکل ہو گیا۔ میں کئی ماہ تک ذہنی پریشانیوں میں مبتلا رہا۔ میں نے مولانا مرحوم کو لکھا ہے کہ آپ مجھے دہلی بلا لیں۔ مگر چونکہ اسوقت وہاں کوئی مناسب جگہ نہیں تھی اسلئے مولانا نے سخت تاکید کے ساتھ لکھا، کہ حالات کا مقابلہ کر کے آپ کو بمبئی ہی میں رہنا ہے۔ اور میں حسب الحکم ۲۳؍ فروری ۱۹۵۱ء کو روزنامہ انقلاب بمبئی سے منسلک ہو گیا جس سے چالیس سال سے زائد مدت تک منسلک رہ کر اسی سال اپریل ۱۹۹۱ء میں علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ قیام بمبئی کا پورا دور میرے علمی و تحقیقی کاموں کا دور شباب ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ سے پہلے مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ دارالعلوم کے ترجمان کی حیثیت سے ایک پندرہ روزہ اخبار نکالا جائے ادارت کے لئے راقم کا نام تجویز ہوا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہتمام کی طرف سے مجھے اس کی باقاعدہ اطلاع دی حضرت مولانا محمد میاں صاحب

کی خواہش تھی کہ میں دارالعلوم میں آجاؤں۔ مگر میرے حالات اس سے مانع تھے۔ میں ان ہی ایام میں بمبئی سے دہلی آیا اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا نے پہلی فرصت میں دریافت فرمایا؛ کہاں سے آرہے ہیں، دیوبند یا بمبئی سے؟ میں نے عرض کیا بمبئی سے حاضری ہو رہی ہے۔ پھر میں نے اپنا عذر بیان کر کے کہا کہ دارالعلوم میں فلاں صاحب ہیں اخبار کا کام ان کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کی اردو زبان غیر معیاری ہے۔

مولانا مرحوم سے آخری ملاقات وصال سے تقریباً دو ماہ پہلے شعبان ۱۳۹۵ھ میں ہوئی۔ میں بمبئی سے دہلی آیا اور ملاقات کے لئے مکان پر پہونچا۔ ان کو بواسیر کے مرض نے کافی نحیف اور کمزور کر دیا تھا۔ کھانا کھلایا، گھر میں نماز پڑھی۔ مجھ کو آگے بڑھایا۔ میں نے عرض کیا حضرت کیا اس حال میں تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری ہے؟ فرمایا ہاں تین کتابوں کی کتابت ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی اس بے پناہ شفقت اور خورد نوازی کے باوجود میں ان سے جتنا ڈرتا تھا اپنے کسی استاذ سے اتنا نہیں ڈرتا تھا۔ ان کا رعب مجھ پر چھایا رہتا تھا۔ کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ بعض اوقات بھرے مجمع میں مولانا مجھے سخت انداز میں ڈانٹ دیا کرتے تھے اور میں خاموشی سے سن لیتا تھا۔ اور معلوم ہو جاتا کہ یہ عتاب بھی اظہار تعلق کا ایک ذریعہ ہے۔

مولانا اپنے معاصرین میں کئی باتوں میں ممتاز تھے۔ زہد و تقویٰ، استغناء و بے نیازی، عزتِ نفس و خودداری کے ساتھ پوری زندگی تدریس و تعلیم، تصنیف و تالیف، علمی و دینی خدمات اور ملی و قومی کاموں میں بسر کی۔ مولانا مرحوم محدث فقیہ، مفتی اور مصنف سب کچھ تھے۔ ان کے مختلف الجہات علمی و دینی کارنامے خصوصاً تصنیفی و تالیفی خدمات ایک اکیڈمی کی کارکردگی کے برابر ہیں۔

آخر میں راقم کے نام مولانا مرحوم کے چند مکاتیب درج کیے جاتے ہیں جن کی سطر سطر سے مولانا کی خورد نوازی، عجز و انکساری اور علم دوستی

کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ جمعیۃ علمائے ہند دہلی، ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ - ۱۹ اکتوبر ۶۸ء

محترم قاضی صاحب دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی!

گرامی نامہ سے کئی روز ہوئے مشرف ہو چکا تھا۔ مگر کتابیں آج پہونچیں[1]۔ مبارکباد قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور یہ خود آپ کے لئے بھی ہر طرح نافع ہو اور اہلِ علم کے لئے بھی۔ آمین۔

مولانا فارقلیط صاحب کے نام کی کتاب ان کی خدمت میں بھیج دی ہے اور اگرچہ وہ خود آپ سے قلبی تعلق رکھتے ہیں مگر پھر بھی احقر نے بہتر تقریظ کی سفارش کر دی ہے۔ ان کی تقریظ اسی سنڈے ایڈیشن میں شائع ہو جائے گی جو ۲۶ یا ۲۷ اکتوبر کو شائع ہوگا۔ اس کے بعد احقر بھی اتباع و اقتدار کی کوشش کریگا۔ مکرر مبارکباد عرض ہے۔ احباب اور رفقائے حاضرین کی خدمت میں سلام عرض ہے۔

نیازمند: محمد میاں

۲۔ دہلی ۲۸ جمادی الثانی ۸۳ھ، ۱۶ نومبر ۶۳ء

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

محترم مولانا صاحب دام لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی!

خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔ عرصہ ہو گیا ملاقات نہیں ہوئی۔ اس وقت ایک تکلیف دے رہا ہوں۔ احقر مدرسہ شاہی مرادآباد کے سالانہ جلسہ میں مرادآباد گیا تھا۔ فتحپوری لائبریری سے شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ـــ

[1] "رجال السند والہند" طبع بمبئی کے نسخے ۱۲

"تدریب الراوی" مستعار لے رکھی تھی۔ واپسی کے وقت راستہ میں اس کا مطالعہ کرتا رہا کئی اقتباسات بھی نقل کئے۔ جب شاہدرہ سے گاڑی گذری تو سامان درست کرنے کے لئے کتاب اوپر تختہ پر رکھ دی۔ پھر سامان کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ کتاب یاد نہ رہی۔ جب مکان پر پہونچ کر پھر باقی حصہ کے مطالعہ کا خیال آیا تو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور سخت صدمہ ہوا۔ اب یہ کتاب لائبریری کو دینی ہے۔ کتاب کی قیمت سے لائبریری والے مطمئن ہوسکتے ہیں۔ مگر خود احقر کو اطمینان اسی صورت میں ہوگا کہ کتاب ہی دی جائے۔ مہربانی فرماکر آپ یہ کتاب تلاش کریں اور بہتر تو یہ ہے کہ دو نسخے احقر کے نام وی پی کردیں۔ ورنہ ایک تو لامحالہ فراہم ہونا چاہئے۔ جو قیمت بھی ہو۔ احقر ادا کردے گا۔ احقر اس لائبریری کا چیئرمین بھی ہے۔ اسلئے اور بھی زیادہ ذمہ داری کا احساس ہے۔ اور ناکامی میں بہت ندامت ہوگی۔ متن امام نووی کا ہے۔ اس پر شرح شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے جس کا نام "تدریب الراوی" ہے۔

خالد میاں سلمہٗ سے آپ واقف ہیں، ان کو جرمنی پڑھنے کا شوق ہوا، تین سال جرمنی زبان پڑھی۔ یہاں جرمنی سفارتخانہ میں اس کی کلاس ہوتی ہے اس سال ان کو جرمنی جانے کا اسکالرشپ مل گیا۔ لہذا ۵ رنومبر کو وہ جرمنی روانہ ہوگئے۔ مگر نہ ہوائی جہاز سے نہ بحری جہاز سے بلکہ بس کے ذریعہ، جو غالباً لندن سے آئی ہوئی تھی۔ آج کل ایران میں ہوں گے۔ ایران سے ترکی، پھر بلغاریہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے پہونچائے۔ دماغ پر اس کا اثر بھی ہے باقی اور کیا عرض کروں، جواب کا منتظر۔

نیازمند، محتاجِ دعا، خادم قدیم،

محمد میاں عفی عنہ

۳ - الجمعیۃ بکڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی ، ۷ ذی قعدہ ۹۲ھ
۱۴ دسمبر ۷۲ء

محترم مولانا زادت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔ مزاج گرامی ! خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں ۔ ابھی "صدق جدید" مورخہ ۸ دسمبر میں فتاوی عزیزی[1] قلمی کے متعلق آپ کا بیان نظر نواز ہوا ۔ مختصر یہ کہ الجمعیہ بکڈپو اس کو طبع کرائے تو آپ کی شرائط کیا ہوں گی ۔ جواب سے جلد مطلع فرمائیے ۔ والسلام

نیازمند محمد میاں

۴ - الجمعیہ بکڈپو قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۔
۲۲ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ ، ۲۹ دسمبر ۷۲ء

محترم مولانا دام لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج گرامی ! خلافِ توقع اپنے عریضہ کے جواب سے بہت جلد مشرف ہوگیا ۔ جزاکم اللہ ۔ وہ صاحب ذوق ذی استعداد فاضل ہیں تعجب ہے انھوں نے اقوال اکابر اور افعال زریں شائع کئے اور اس متاع گرانمایہ کو طشت از بام نہیں فرمایا ۔ غالبًا اس لئے کہ گراں مایہ ہے مگر متاع علم تو انفاق ہی کے لئے ہے اس میں تقتیر و احتکار ناجائز ۔ یہ حکم آپ پر بھی نافذ ہوتا ہے لہذا آپ دونوں کا فرض ہے کہ پہلی فرصت میں ان کی اشاعت کا اہتمام

---

[1] فتاوی عزیزیہ کا کچھ حصہ میرے ننہال میں تھا ۔ مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب بنارسی کے کتب خانہ میں اس کا ایک کامل و مکمل نسخہ نہایت خوشخط ہے اسکی اشاعت کیلئے "صدق جدید" میں مراسلہ شائع ہوا تھا ، بعد والے مکتوب میں مولانا ابراہیم صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد اسحٰق صاحب بنارسی کی کتاب "کلمات اکابر" کا ذکر ہے ۔ اور یہ کہ وہ اور میں فتاوی عزیزی کے نسخوں کا مقابلہ کریں ۔

کریں، دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا جائے، فرق ہو تو ظاہر کر دیا جائے۔
یہ آپ دونوں کی بڑی خدمت ہوگی۔ اتنا تعاون احقر بھی کرے گا کہ الجمعیۃ بکڈپو کے ارباب بسط وکشاد کو متوجہ کرے گا کہ معقول تعداد میں اسکے نسخے خرید لیں اور روزنامہ الجمعیۃ میں اس کی تشہیر کریں۔

کنونشن میں حاضری سے معذور رہا۔ زیادہ تر اپنے عوارض کے باعث کہ چلنا پھرنا اور سفر کرنا بہت مشکل ہوگیا۔ اور کچھ اس لئے کہ کنونشن کا منشاء مشتبہ رہا۔ لہذا یکسوئی کو بہتر سمجھا۔ والسلام

نیازمند: محتاج دعا: محمد میاں

۵ـ

۲۰ ربیع الاول ۹۳ھ، ۲۴ اپریل ۷۳ء

محترم مولانا مبارکپوری صاحب دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

رجسٹرڈ پارسل کے ذریعہ ایک کتاب "سیرت مبارکہ" ارسال خدمت ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ پھر تنقید تحریر فرماکر اپنے اخبار میں شائع کریں۔ یا تقریظ۔ اس کو آپ تبصرہ کا عنوان بھی دے سکتے ہیں۔ پھر جس پرچے میں شائع ہو احقر کے نام ارسال فرمادیں تو نوازش ہوگی۔ ہمرشتہ اشتہار بھی ملاحظہ فرمالیں اس سے تبصرہ کرنے میں سہولت ہوگی۔ کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا نہیں پڑے گا۔ اگرچہ درخواست یہ ہے کہ تبصرہ سے پہلے یا تبصرہ شائع کرنے کے بعد بالاستیعاب مطالعہ ضرور فرمائیں اور غلطیوں سے احقر کو متنبہ فرمائیں۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ ہمرشتہ اشتہار اخبار "انقلاب" میں بااجرت شائع کرادیں، دو مکمل کالموں میں یہ اشتہار آجائے گا۔ اجرت (بشرط رعایت) سے پہلے مطلع فرمائیں تو احقر بذریعہ منی آرڈر بھیج دے، یا بعد کو مطلع فرمائیں۔ احقر بھیج دے گا۔ الجمعیۃ میں یہ اشتہار دو کالموں میں شائع ہوا ہے

بشارت عظمیٰ کا اضافہ احقر کے قلم سے کیا ہے، وہ بھی شائع ہوگا۔ خیریت اور حالات سے مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔ والسلام

نیازمند محتاج دعا: محمد میاں

۶۔

دہلی کتابستان گلی قاسم جان

۲۴ ربیع الاول ۹۳ھ، ۲۸ اپریل ۷۳ء

محترم مولانا مبارکپوری صاحب دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! "سیرت مبارکہ" کا پارسل پہونچ چکا ہوگا۔ تبصرہ فرمائیے۔ عریضہ کے ساتھ اشتہار بھی بھیجا ہے کہ اخبار میں شائع کرادیجئے۔ جو اجرت ہوگی۔ احقر ادا کرے گا۔ رعایت کی ضرور رعایت رہے۔ اس اشتہار کے آخر میں مدارس عربیہ کے لئے اعلان ہے کہ صرف محصول ڈاک بھیجنے پر ان کو کتاب مفت دی جائے گی۔ اگر ابھی اشتہا شائع نہ ہوا تو یہ حصہ خارج کر دیجئے۔ کیونکہ فرمائشیں اتنی آگئی ہیں کہ تعمیل کی گنجائش نہیں رہی۔ فرمائشیں مدارس عربیہ کی آئی ہیں۔ اس رعایت کی بنا پر، ورنہ اصل کتاب کے آرڈر ابھی پانچ بھی نہیں آئے۔ بہرحال یہ حصہ ضرور خارج فرمادیجئے۔ والسلام

نیازمند، محتاج دعا: محمد میاں

۷۔

۱۹ رجب ۹۳ھ، ۱۹ اگست ۷۳ء

محترم مولانا دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی! عزیز نامہ باعث مسرت ہوا۔ اور تبصرہ مستوجب شکریہ۔ جزاکم اللہ۔ دیر آید درست آید۔ مگر آپ نے استاذ محترم لکھ کر تبصرہ کا وزن کم کر دیا۔ استاذ کی تصنیف

کی تو تعریف کی ہی جاتی ہے۔ بہرحال آپ کا تبصرہ باوزن ہے۔ پھر آپ نے خصوصیات تحریر فرماکر اشتہار بھی مفت میں شائع کر دیا۔ اور اس کا کوئی .. مطالبہ ہو سکتا ہے تو مطلع فرمائیے۔ تاکہ پیش کیا جائے۔

اچھا آپ کا بمبئی سے دل گھبرا گیا؟ اب کیا ارادہ ہے؟ وطن میں دل لگتا ہے تو کیا پارچہ بافی کا کارخانہ قائم کریں گے یا مدرسہ احیاء العلوم میں تعلیمی اور تدریسی خدمت انجام دیں گے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بمبئی سے دل گھبرا جانا مبارک، اگر شاید یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر کیا؟ صرف مطالعہ کریں گے یا مطالعہ کا کوئی حاصل بھی پیش کر سکیں گے؟

احقر کے ذہن میں آپ کے مناسب چند کام ہیں۔ (۱) انسائیکلوپیڈیا آف انڈیا بہت بڑا کام ہے اور اگر وسائل مہیا ہوں تو حکومت سے اس میں امداد بھی مل سکتی ہے۔ مگر عربی اور فارسی کی واقفیت سے کام نہیں چلے گا ہندی سے بھی واقفیت ہونی چاہئے۔ اور انگریزی سے بھی۔ مگر کام بہت بڑا ہوگا۔ ہندوستان کی تمام اہم لائبریریوں کو کھنگھالنا پڑے گا۔

(۲) اگر یہ نہ ہو تو دوسرا کام ہے "تاریخِ مذاہبِ ہند" یہ پہلے کے مقابلے میں آسان ہے۔ ابوریحان بیرونی کے "الہند" سے بہت مدد مل سکتی ہے مگر کم از کم ہندی کی واقفیت بھی اس میں ضروری ہے۔

(۳) تیسرا کام جو ان کے مقابلے میں آسان ہے وہ "تاریخ علماء اور مشائخِ ہند"۔ اس میں بہت مواد آپ کو مل سکتا ہے مگر یہ استیعاباً ہونا چاہئے۔ ایسی اتنا اضافہ اور کر لیں اور ان کے سیاسی وسماجی ماحول یعنی "تاریخ علماء و مشائخِ ہند' ان کے سیاسی اور معاشرتی ماحول اور خدمات" "علمائے ہند کا شاندار ماضی" اسی انداز پر مرتب کیا گیا ہے مگر وہ صرف سلسلۂ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حدود میں محدود ہے۔ وہ آپ کو نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔ مگر مبارکپور میں یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے بھی آپ کو قدیم کتب خانوں

سے استفادہ کے لئے سفر کرنے پڑیں گے، تب وہ قابلِ قدر چیز ہوگی تینوں کام کے لئے جانفشانی اور ہمت مردانہ کی ضرورت ہے۔ کیا بمبئی میں کوئی گانٹھ کا پورا مل سکتا ہے؟

تقریباً ایک ماہ ہوا ابواسیر کا شدید دورہ ہوا۔ کم از کم دو بوتل خون نکل گیا۔ چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ مگر الحمدللہ قلم چلتا رہا۔ چند روز کے علاوہ سلسلۂ درس بھی جاری ہے الحمدللہ۔ بخاری شریف کی پریشانی ہے۔ والسلام

قدیم دعاگو، محتاج دعا محمد میاں

۸۔ ۲۷ء کتابستان گلی قاسم جان دہلی

عزیز محترم مولانا اطہر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی! صدق جدید، مورخہ ۵؍ نومبر آپ کی جدید تصنیف "خلافت راشدہ اور ہندوستان" پر تبصرہ پڑھا مسرت ہوئی۔ مگر یہ بھی خیال ہوا کہ آپ پر اخفائے واردات کا جرمانہ کیا جائے۔ آپ اپنی ہر ایک تصنیف احقر کے نام بھیجا کرتے ہیں۔ یہ تصنیف آپ نے نہیں بھیجی۔ تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ وی، پی کر دیجئے۔ نوازش ہوگی۔ خدا کرے، آپ بمبئی ہوں۔ اور یہاں بھی قیام طے کر رکھا ہو۔ والسلام۔

نیاز مند محتاج دعا۔ محمد میاں

۹۔

۲۹ ربیع الثانی ۹۴ھ، ۲۲ مئی ۷۴ء

محترم قاضی صاحب دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۲۴ ربیع الاول نے جس ہدیہ مبارکہ کی بشارت دی تھی، "خلافت راشدہ اور ہندوستان" اس سے مشرف ہوا۔

پھر دفعتًہ ایک اور علمی ہدیہ نے شاد کام کیا یعنی " جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" دونوں ہدیے بیش بہا، گرانقدر، مستحق صد شکریہ و ہزار تحسین و آفریں۔ احقر فرصت کا منتظر ہے کہ دونوں کا از اول تا آخر مطالعہ کرلے اور پوری طرح مستفیض ہو۔ آج کل کچھ ایسے ہیچ در ہیچ مشاغل درپیش ہیں کہ یہ عریضہ بھی کئی روز کے وقفہ کے بعد لکھ سکا۔ بہرحال ان ہدیوں پر آپ کا بھی اور صاحبزادہ عزیز کا بھی بہت بہت شکریہ۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

نیاز مند / محتاج دعا: محمد میاں

۱۰ -

رجب ۹۴ھ ، ۲۶ جولائی ۷۴ء

محترم مولانا! زادت مزایاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ مزاج گرامی!

گرامی نامہ مورخہ ۸ جولائی میں جو بشارت دی گئی تھی بفضلہ تعالیٰ وہ پوری ہوگئی۔ عزیزم ظفر مسعود صاحب نے تینوں کتابیں بھیج دیں اور احقر کو موصول ہوگئیں۔ " اسلامی ہند کی عظمت رفتہ"، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" اور " عرب و ہند عہد رسالت میں"۔ کیا ہدیہ میں صرف جزاک اللہ کافی ہے۔ صرف جزاک اللہ پہ قناعت مناسب نہیں، اجازت دیجئے کہ قیمت پیش کرسکوں۔

آپ کو شکایت تھی کہ آپ کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ یہ شکایت شاید ہلکی ہوگئی ہو، آپ کو ممکن ہو اس کا احساس نہ ہو، مگر مجھے تو بڑی خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کا جو مضمون "عربوں کے عہد میں سندھ میں علم و ادب" ماہ جولائی کے " برہان" میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس میں آپ کی تصنیف سے استفادہ کیا ہے اور علامہ بلاذری، ابن اثیر، اور ابن بطوطہ جیسے مشاہیر کے ناموروں کے ساتھ آپکا نام نامی

بھی حوالوں میں درج کیا ہے ۔ اللّٰھم زد فزد ۔

" قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری "

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو تینوں کتابیں محفوظ ہیں ۔ اب ان سے استفادہ کے لئے فرصت کا انتظار ہے ۔

نیازمند محتاج دعا ! محمد میاں

۱۱۔

۱۱ر جمادی الثانیہ ۹۴ھ ، ۲۰ر جولائی ۷۴ء

محترم مولانا ! دام لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مزاج گرامی ! احقر پر ہدیہ علمی "خلافت راشدہ اور ہندوستان" کا شکریہ واجب تھا ۔ "شجرۂ مبارکہ" نے دوسرا شکریہ لازم اور واجب بلکہ فرض کر دیا ۔۔۔ "خلافت راشدہ اور ہندوستان" کو احقر نے از اول تا آخر پڑھا ۔ بہت محظوظ ہوا اور اس نے اس سلسلہ کی باقی تصنیفات "عرب و ہند عہد رسالت میں" "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" "اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" کے مطالعہ کا بھی شوق پیدا کرا دیا ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ۔

ماشاء اللہ اس سلسلے میں آپ کو عبقریت حاصل ہے ۔ معلومات باحولہ اور تاریخ کے ساتھ جغرافیائی معلومات کا دامن بھی وسیع ۔ ماشاء اللہ ، و بارک اللہ ، اللّٰھم زد فزد ۔ مگر ایک گذارش قابلِ توجہ ہے کہ آپ نے نقل روایات میں امام بخاریؒ کا طرز اختیار کیا ہے ۔ مثلاً مکران و قندابیل وغیرہ کے سلسلے میں حکم بن ابی العاصؓ کی تحقیق کا جہاں بھی ذکر آیا ، پورا قصہ نقل کر دیا اس سے مضامین میں تکرار ہو گیا ۔ اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے ۔ باقی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیش از بیش توفیق بخشے اور آپ کے اخلاف آپ کے صحیح جانشیں اور خدا کرے آپ سے بالا اور برتر ہوں آمین

محافظینِ بیت المال کا قتل احقر کے خیال میں سبائیوں کا فعل ہے اور اس کو حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا، فی الواقع المیتہ بن گیا۔ اس کی تحقیق ہونی چاہئے۔ یہ واقعہ کب ہوا؟ جنگِ جمل زیادہ عرصہ نہیں چلی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دن شہید ہو گئے۔ وہ کوفہ یا بصرہ کب گئے؟ احقر کے پاس کتابیں نہیں ہیں دہلی کے کتب خانوں میں بھی زیادہ کتابیں نہیں ہیں۔ صرف بلاذری، ابن سعد، البدایہ والنہایہ وغیرہ چند کتابیں ہیں۔ آپ نے سب کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ آپ کا مطالعہ وسیع ہے۔ اس معاملے کی تحقیق کیجئے۔

والسلام نیازمند محتاج دعا محمد میاں

مدرسہ شاہی

کچھ یادیں، کچھ باتیں

جناب مولانا
نظام الدین صاحب
اسیرادروی
مدیر "ترجمان الاسلام"
بنارس

جب میں
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی
مرادآباد شوال میں حاضر ہوا، اسوقت
حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
مرادآباد کی جیل میں تھے۔ بھیرایوں میں کی گئی ایک تقریر کی
بنیاد پر مرادآباد کی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا۔ کانگریس ہائی کمان کے ایک معزز رکن مشہور قانون داں مسٹر آصف علی بیرسٹر بحث کے لئے بلائے گئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے عدالت میں جو بیان دیا، اس کو مرتب کرنے والے شاہی کے ایک معزز استاذ تھے جن سے میں ناواقف اور نا آشنا تھا۔ لمبا قد، گورا چٹا رنگ، چہرے پر کچھ اس طرح کی سرخی جیسے بھٹی میں سے سرخ انگارہ بنا ہوا لوہا، آنکھوں پر زیادہ پاور کا چشمہ، بڑی مگر چھدری داڑھی اونچی دیوار کی ٹوپی، دبلا پتلا جسم، چہرے پر ایک خاص طرح کا جلال، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چہرہ مسکراہٹ سے ہمیشہ نا آشنا رہتا ہے۔ پہلی ہی نگاہ میں مرعوبیت کا احساس ہوتا تھا۔ یہ تھے مشہور اہل قلم صاحب ادیب، درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ جو بعد میں ترمذی شریف کے ہمارے استاذ ہوئے۔

یہ پہلی ملاقات کا تاثر تھا۔ لیکن ان کی شفقت وعنایت حاصل ہوئی تو دل نا عاقبت اندیشی پر شرمندہ ہوا۔ اب اسی دل نے کہا کہ جسم ضرور فولاد کا ہو سکتا ہے لیکن سینہ میں جو دل ہے وہ یقیناً موم کا بنا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو عدالت میں جو بیان دینا تھا اس کو مرتب کرنے کی ذمہ داری استاذ محترم ہی کو دی گئی تھی۔ آپ کو حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات سے والہانہ شیفتگی وعقیدت ہی نہیں تھی بلکہ ان سے تعلق ومحبت کے سلسلہ میں وہ حد جنوں تک پہونچے ہوئے تھے اس لئے وہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے صحیح مزاج داں بھی تھے۔ دونوں شخصیتوں میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی زبان میں انگریزی حکومت کے خلاف تقریر کرتے ہوئے تلوار کی کاٹ تھی تو استاذ محترم کے قلم کی نوک برطانوی اقتدار کے خلاف لکھتے ہوئے زہر میں ڈوب ڈوب جاتی تھی۔ اس لئے جو بیان انھوں نے مرتب کر دیا حضرت شیخ الاسلامؒ نے وہی عدالت میں پڑھا اور داخل بھی کیا۔ یہ ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس بیان کو نقل کرنے کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہوئی۔

" فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا "

ارادہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھنے کا تھا لیکن قسمت مدرسہ شاہی لائی۔ تدبیر مضمحل قدموں سے پیچھے پیچھے چل رہی تھی اور تقدیر کے گھوڑے کی لگام ڈھیلی تھی اور وہ پوری رفتار سے چل رہا تھا اور ہم کو شاہی مرادآباد میں لاکر اتار دیا۔ اس زمانہ میں نہ طلبہ کے لئے دارالاقامہ تھا اور نہ مطبخ۔ اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ مدرسہ شاہی میں طلبہ کا اژدحام تھا۔ دورۂ حدیث میں ۴۵ طلبہ تھے ہم بقول میر پورب کے رہنے والے تھے۔ ہم نے نہ پشاوریوں کو دیکھا تھا۔ نہ پنجابیوں سے کبھی راہ ورسم رہی اور ہمارے ساتھیوں میں ایک درجن سے زیادہ پشاوری د

پنجابی طلبہ تھے، لحیم شحیم، قدآور، چہرے پر بھری بھری داڑھیاں، حضرت شیخ الحدیثؒ کی سامنے والی سیٹیں انھوں نے اپنے لئے ریزو کر رکھی تھیں۔ انھیں ساتھیوں میں محمود ڈیروی بھی تھے جو بعد میں ریاست قلات کے قاضی القضاۃ بنائے گئے، عبدالرحمٰن پشاوری تھے اور ایک سن رسیدہ بخاری جن کے سیاہ بالوں میں چاندی کے سفید تاروں کی آمیزش شروع ہوچکی تھی۔ ان کے علاوہ بجنور اور ضلع مرادآباد کے طلبہ کی کثرت تھی جنہیں ایک نام اب تک میرے حافظہ پر نقش ہے وہ نام ہے مولانا اشفاق حسین قاسمی کا، جو میرے بڑے کرم فرما تھے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے جاں نثاروں اور فداکاروں میں تھے، بہار کے متعدد طلبہ بھی تھے جنھوں نے بعد میں چل کر اپنے اپنے علاقوں میں ملک و ملت کی نمایاں خدمت انجام دیکر مدرسہ شاہی کی عزت و وقار میں اضافہ کیا۔

مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے قد بلند و بالا، جسم بھرا بھرا، رنگ بہت صاف، بہت ہی وجیہ و شکیل، لب ولہجہ کچھ کچھ عربوں جیسا اور مزاج کھرا، جو بات کہہ دی پتھر کی لکیر، انکی وجاہت جاہ وجلال لئے ہوئے تھی، جو دیکھتا و فورِ مرعوبیت سے اس کی گردن جھک جاتی، شاہانہ کر و فر سے رہتے تھے۔ کسی زمانے میں بڑے رئیس تھے، لیکن ہندوستان میں جب سے قیام کیا تھا معاشی سکون عنقا تھا۔ پھر بھی وضعداری قائم تھی۔ مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخرالدین احمد نوراللہ مرقدہ تھے۔ چہرہ اتنا دمکتا ہوا جیسے پیشانی سے نور کی کرنیں نکل رہی ہوں۔ سرخی مائل سفید رنگ جیسے کچے دودھ میں سفید میدہ گوندھ کر خمیر بنایا گیا ہو اور گلاب کی پنکھڑیوں سے نچوڑ کر اس خمیر میں ہلکا گلابی رنگ ملا دیا گیا ہو، جامہ زیب، باریک کپڑے کا سفید صاف وشفاف کرتا، سر پر لکھنوی طرز کی کشیدہ کاری والی

دوپلی ٹوپی، قد میں ہلکا سا خم جو وقار میں اضافہ کرتا تھا۔ آواز قدرت کا عطیہ خاص۔ تین گھنٹے مسلسل بخاری اور ابو داؤد کے درس کی تقریر میں کہیں کوئی تغیر، کوئی اضمحلال، تھکان کا احساس یا کسی طرح کا تغیر پیدا ہو جائے یہ ناممکن تھا۔ ابتداء درس میں جو نشست اختیار فرمالی، کیا مجال کہ نشست بدلی جائے۔ یہ درس حدیث کا غایت احترام تھا۔ ہر طالبعلم حضرت شیخؒ کا دیوانہ، عظمت و احترام کا عالم یہ تھا کہ دل چاہتا تھا کہ دیدۂ و دل آپ کی راہوں میں بچھا دیئے جائیں۔ کوئی حکم فرمائیں اور ہم تعمیل حکم کرکے سرخ رو ہوں۔ بخاری شریف اور ابو داؤد ہم نے آپ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

مدرسہ شاہی کی تیسری شخصیت حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ کی تھی۔ قدرے دبتا ہوا قد، بھری بھری داڑھی، آنکھوں پر چشمہ، کسا ہوا بدن، دیدہ زیب لباس، بہت ہی رواں اور بہت تیز بولنے والے۔ جب سلسلۂ گفتگو شروع فرماتے تو نہ کہیں کاما، نہ ڈیش، نہ فل اسٹاپ۔ مگر ہر بات مدلل، لب و لہجہ مناظرانہ، جب خاموش ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے ابھی کوئی تیز رفتار ٹرین آکر نکل گئی۔ عام گفتگو کے موقع پر مسکراتا ہوا چہرہ، سنجیدگی و متانت، رکھ رکھاؤ و وضعداری آپ کی خصوصیات تھیں۔ فن مناظرہ کے امام، گمراہ فرقوں کے داؤ پیچ سے خوب واقف اور خوب مزاج داں تھے۔ ان کو فریق مخالف فریب دے کر صحیح و سلامت نکل جائے یہ ممکن نہ تھا۔ عوامی جلسوں میں جب بولتے، سیرت پاک کے موضوع پر تقریر فرماتے تو مجمع پر اس طرح سناٹا چھا جاتا کہ سوئی گرنے کی بھی آواز سنائی دے جائے۔ سیاسیات سے ایک دور میں تعلق تھا۔ ایک بار الکشن میں جیت کر اسمبلی تک ہو آئے تھے۔ لیکن مزاج علمی تھا اور مناظرانہ اور درس و تدریس وظیفۂ زندگی، اس لئے سیاست کی پر فریب زندگی سے بہت جلد دست کش ہو گئے زندگی کے اخیر لمحوں تک درس و تدریس ہی کا مشغلہ رکھا۔ آپ

ہماری کتاب مسلم شریف کے استاذ تھے۔

طلبہ کے کھانے کا نظم اہل محلہ کے یہاں تھا۔ جو طلبہ گھروں پر جانا پسند نہیں کرتے تھے ان کو تین روپئے ماہوار وظیفہ دیا جاتا تھا راقم الحروف بھی ان وظیفہ خواروں میں شامل تھا ہماری ہی طرح نوابان اودھ کے ورثاء کو انگریزی سرکار کی طرف سے دو دو چار چار روپئے وظیفے ملتے تھے۔ جس دن نواب زادوں کو کچہری وظیفہ لینے کے لئے جانا ہوتا تھا تو صبح ہی سے لباس کی تیاری میں لگ جاتے تھے۔ بال سنوارے جاتے۔ اچکن پر پریس کیا جاتا، جوتوں پر پالش کر کے چمکایا جاتا۔ اس سج دھج سے کرایہ پر تانگے کر وہ کچہری وظیفہ لینے کے لئے جاتے تھے۔ وظیفہ ملتے ہی کچھ تانگے کے کرائے میں خرچ ہو جاتا اور کچھ اس دھوبی کا حصہ تھا جس سے اچکن کرائے پر لے آئے ہیں۔ اسی دن متفرق اخراجات کے بعد چند آنے جیب میں بچتے تھے۔ اور پھر پہلی تاریخ کا انتظار شروع ہو جاتا ہم بھی شاہی کے شاہی وظیفہ خوار تھے۔ ہمارا حال بھی ان نواب زادوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ پھر بھی ہم مطمئن تھے، کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

ابھی قیام کا مسئلہ باقی ہے۔ مدرسہ نے محلہ اصالتپورہ میں ایک کرایہ کا مکان لے رکھا تھا۔ اس میں چھ سات کمرے تھے البتہ صحن خوب بڑا تھا۔ یہی ہمارا دارالاقامہ تھا۔ اسی دارالطلبہ میں مشرقی اترپردیش اور بہار کے طلبہ رہتے تھے۔ صرف ایک جاوی اور ایک آسامی طالب علم تھا۔ بقیہ تمام طلبہ شہر کی مختلف مسجدوں میں بکھرے ہوئے تھے اور وہ اپنی اپنی قیامگاہوں سے ہر موسم میں اپنے وقت مقررہ پر مدرسہ پہونچ جاتے تھے اسباق کے ناغے شاذ و نادر ہی ہوتے کیونکہ اساتذہ کرام بہت کم سفر کرتے تھے۔ اس لئے پورے سال ایک لگن کے ساتھ اسباق جاری رہتے

اور ساری کتابیں نصاب تک پوری ہوگئیں۔ ہم طلبہ کبھی کبھی سبق نہ پڑھنے کے لئے بہانے تلاش کرتے تھے۔ ایک واقعہ اب بھی مجھے یاد ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ پر مرادآباد کی عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا، عدالت نے سزا کا حکم سنایا اور آپ کو الہ آباد نینی جیل بھیج دیا گیا۔ نینی جیل سے کچھ ہی دنوں بعد یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ کہ نینی جیل کے اینگلو انڈین جیلر نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی کی ہے۔ اس کے خلاف پہلے تو نینی جیل میں قیدیوں نے مظاہرہ کیا اور جب اخباروں میں خبر آئی تو ہم طلبہ نے بھی احتجاج میں جلوس نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرات اساتذہ تک بات پہونچی، کسی نے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالی بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ ہماری خوشی کا کیا ٹھکانا؟ اگر استاد طلبہ سے کہدے کہ آج تم لوگوں کو پتھر ڈھونا ہے سبق نہیں ہوگا تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ گویا ایک مشکل کام کے بجائے بہت آسان کام کہدیا گیا۔ کچھ طالب علمانہ مزاج ہی ایسا ہوتا ہے۔

شاہی کے گیٹ سے نکل کر طلبہ سڑک پر جب آگئے تو ٹریفک رک گیا اور جب انقلاب زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے، تو آناً فاناً شہریوں کا ایک بڑا ہجوم طلبہ کے ساتھ شامل ہوگیا۔ پھر گرما گرم نعروں کا سلسلہ شروع ہوا تو مرادآباد کے درودیوار سے بھی انقلاب زندہ باد کی صدائے بازگشت آنے لگی۔ اور برطانوی پولیس کا ایک خونخوار جتھہ بھی ہمارے آگے پیچھے ہمارا اعزاز بڑھانے کے لئے چلنے لگا۔

اسی طرح کبھی کبھی سیاست کے سمندر میں تموج و تلاطم، مدوجزر اور جوار بھاٹا جب آجاتا تو شہر میں شاہی کے طلبہ کی طرف سے سب سے پہلے بانگ جرس بلند ہوتی تھی اور پھر سارے شہر سے آواز آنے لگتی تھی۔

"ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا"

ویسے عام طور سے تعلیمی لحاظ سے یہ سال اطمینان بخش گذرا۔ ہم طلبہ میں مشہور تھا کہ ابوداؤد مظاہر علوم سہارنپور میں، ترمذی دارالعلوم دیوبند میں اور بخاری شریف صرف جامعہ شاہی مرادآباد میں پوری تحقیق کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔ صحاح ستہ میں صحیح بخاری کا جو مقام ہے اسے ساری علمی دنیا جانتی ہے۔ اسلئے شاہی آکر ہم لوگ اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگے اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث نہ پڑھنے کا ملال جاتا رہا۔ یہ اس وقت تو صرف طالبعلمانہ جوش عقیدت معلوم ہوتا تھا لیکن جب ہمیں خود حدیثوں کے سمندر میں کبھی کبھی اترنا پڑا تو یقین ہوگیا کہ اگر فخر المحدثین استاذ محترم حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا ناخدا ہمیں میسر نہ آتا تو ہماری کشتی ساحل ہی پر غرقاب ہوجاتی۔

ہمارے بعض دوستوں کے پاس حضرت الاستاذ کی درسی تقریر موجود ہے جو انھوں نے بڑے اہتمام سے دوران درس قلمبند کی ہے۔ آج وہ ہماری علمی سرگرمیوں میں ہماری سب سے زیادہ قابل اعتماد راہ نما ہے آج جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس تحریر میں وسعت مطالعہ اور اسلاف کے علوم کا نور جھلک رہا ہے۔ متقدمین کی تمام طول طویل بحثوں کا عطر کشید کرلیا گیا ہے اور علمی الجھنوں کے مواقع پر سب سے زیادہ تسکین قلب عطا کرنے والی ثابت ہوتی ہے۔ ساری تقریر مثبت انداز میں ہے۔ سوال وجواب کی ہنگامہ آرائیوں کا اس میں کم دخل ہے لیکن ہر جملہ کسی اعتراض سے بچنے کے لئے ہے، کسی پیچیدہ مسئلہ کا حل ہے یا کسی غلط فہمی کا ازالہ ہے، کسی معارض حدیث کا جواب ہے۔ صورت حال کچھ ایسی ہے کہ اگر حضرت الاستاذ کی تقریر کے ایک جملہ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹادیا جائے تو کوئی نہ کوئی اعتراض باقی رہ جائے گا، کوئی مسئلہ تشنہ رہ جائے گا۔ اور تشریح حدیث میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جائے گی۔ پوری تقریر مربوط

اور جوہری کی مرصع کاری کا مکمل نمونہ ہے۔ اگر کسی نگینہ کو چھوڑ دیا جائے تو زیور کے حسن میں نقص پیدا ہو جائے گا۔ کچھ ایسا ہی حال حضرت الاستاذ کی درس بخاری کی تقریر کا ہے یہ کمالِ فن کی دلیل ہے۔ متقدمین کی ساری بحثوں سے حاصل شدہ نتائج کا ایسا جامع مانع انتخاب ہے کہ اس میں نہ کسی طرح کی کمی کی جا سکتی ہے اور نہ اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

درسی تقریر کی جامعیت کا مشاہدہ تو ہم لوگ درس میں برابر کرتے رہے دورانِ درس اکثر اعتراضات پشاوری اور پنجابی طلبہ کرتے تھے بلا استثناء طلبہ کے ہر سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرماتے تھے کہ آپ نے میری تقریر توجہ سے نہیں سنی۔ میں نے اس موقع پر فلاں جملہ کہا تھا وہی آپ کے اعتراض کا جواب تھا۔ طالب علم اپنی غفلت اور بیجا جسارت پر شرمندہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ حضرت الاستاذ کی درس بخاری کی تقریر کچھ اس طرح کی جامع مانع ہوتی تھی، آپ کی درسی تقریر قلمبند کر کے رکھنے والے آج بڑے بڑے اداروں میں اسی کی بدولت شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ جن طلبہ میں صلاحیت اور استعداد تھی، طلب علم کی لگن اور جوش تھا، انھوں نے حضرت شیخؒ سے خوب خوب فیض اٹھایا اور ہمارے جیسے بد شوق سمندر میں رہ کر پیاسے کے پیاسے ہی رہے۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم لوگوں کو ترمذی شریف پڑھاتے تھے۔ استاذ موصوف رواں دواں بولنے والے نہیں تھے کچھ مستثنیات کو چھوڑ کر بالعموم یہی دیکھا گیا ہے کہ صاحبِ قلم اچھا مقرر نہیں ہوتا تقریر یا افہام و تفہیم میں اس کی زبان اتنی رواں دواں نہیں ہوتی جتنا رواں دواں اس کا قلم ہوتا ہے۔ استاذ موصوف کا درس ترمذی بھی

اتنا ہی سادہ تھا۔ البتہ شمائل ترمذی میں ان کی تقریر بہار آفریں اور ان کی زبان پھول برساتی تھی کیونکہ وہ عربی ادب کا شاہکار ہے اور آپ اردو ادب کے ماہر اور صاحبِ طرز اہلِ قلم تھے۔ اس وقت مولانا موصوف کے تصنیفی مشاغل شباب پر تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شب و روز ان کا قلم برق رفتاری سے چلتا رہتا ہے۔ آپ اردو تحریر میں ایک خاص طرزِ تحریر کے مالک تھے۔ چھوٹے چھوٹے جملے ادب و انشاء کے شاہکار، اور تحریر میں ادب کی چاشنی لطف دے جاتی تھی۔ ان کا ایک مختصر سا مضمون "اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا؟" اتنا مقبول ہوا کہ ہم جیسے طلبائے اس کو زبانی یاد کرلیا۔ لیکن یہی شاہکار اس کو جیل خانے تک لے گیا۔ چونکہ جمعیتہ علمائے ہند کے ایک اہم رکن تھے۔ اسلئے انگریزی حکومت سے خدائی بیر رکھتے تھے۔ انگریزی حکومت کا تذکرہ ہوتے ہی ان کا چہرہ سرخ ہوجاتا تھا ایسے موقعوں پر ان کی تحریروں میں ایک جوش سا ابلتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس سے پہلے آپ کی متعدد کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" طبع ہوکر عام ہوچکی تھی جو کئی حصوں میں شائع ہوئی۔ تین حصوں تک تو سی آئی ڈی کے دفتر میں پڑھ کر ڈسک میں ڈال دی جاتی تھی۔ لیکن جب چوتھی جلد شائع ہوئی جو ۱۸۵۷ء سے شروع ہوتی ہے تو حضرت استاد کا قلم شعلہ بار ہوگیا اور آگ اگلنے لگا، نوک قلم سے الفاظ نہیں چنگاریاں نکلتی تھیں۔ یہ چنگاریاں اڑ کر انگریزی حکومت کے خلعتِ فاخرہ تک پہونچ گئیں۔ اور اس کو داغ داغ کردیا۔

جب "شاندار ماضی" کا یہ چوتھا حصہ سی آئی ڈی آفس میں پڑھا گیا۔ تو تابِ ضبط نہ رہی۔ فوراً جاہ وجلال کا پارہ اوپر چڑھ گیا۔ نادر شاہ نے اپنی جابر و قاہر فوج کو الرٹ رہنے کا حکم بھیج دیا اور اس نے آگے بڑھ کر حضرت استاد کو زندانِ حوادث کے حوالے کردیا۔ اسلامی ہند کے دور آخر کی

تاریخ ان کا خاص موضوع تھا ان کی بیشتر کتابیں اسی دور کی تاریخ سے وابستہ ہیں۔ آزادی کے بعد اسلامیات کو آپ نے اپنا موضوع سخن بنایا۔ اور کئی اہم ترین اور شاہکار کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ جمیعۃ علمائے ہند کی صف میں جماعت کے بھرپور تعارف کے سلسلے میں اگر کوئی اپنی تحریروں کے ذریعہ زندہ جاوید ہوگیا تو یہی ہمارے استاذ محترم مولانا محمد میاںؒ ہیں۔ یہ جماعت آپ کے زرنگار قلم کے احسانات سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

استاذ محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ ہمیں مسلم شریف پڑھاتے تھے۔ وہ مایہ ناز مقرر اور بہترین مناظر تھے۔ جامعہ رضویہ بریلی کے قلعہ کو جن بزرگوں نے فتح کیا اس لشکر میں آپ کا رول قائدانہ تھا۔ اتنا تیز اور رواں بولتے تھے کہ ماہر سے ماہر شارٹ ہینڈ لکھنے والا بھی اپنی بے بسی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ہونے والے بڑے بڑے اجتماعات اور کانفرنسوں میں شرکت فرماتے تھے۔ ان کی تقریریں معرکۃ الآراء ہوتی تھیں مسلم شریف میں کتاب الایمان کی بحثوں میں آپ کا جوہر کھلتا تھا کیونکہ عقائد کی بحث میں آپ کا ذہن پوری طرح تیار رہتا تھا۔

مدرسہ شاہی میں گذرے ہوئے یہ ایام ہماری زندگی کے سنہرے دن تھے۔ اساتذہ کے الطاف وعنایات کے انوار برستے تھے۔ دل و دماغ کی بند گرہیں کھلتی جارہی تھیں۔ ذہن علمی تحقیق کے سلسلے میں بلند سے بلند مقام کے تجسّس میں سرگرداں تھا۔ عظیم شخصیتوں کے زیرِ سایہ گذرنے والے سلسلۂ روز وشب دل ودماغ سے لاعلمی وجہالت کے پردے اٹھانے میں مسلسل مصروف تھے۔ ان عظیم اور بلند شخصیتوں کے زہد وتقدس، ورع وتقویٰ، جوشِ عمل، جوشِ کردار کا ہر نوطلبہ پر پڑنا قدرتی

تھا اور ہر طالب علم اپنی صلاحیت و استعداد کے لحاظ سے کم و بیش مستفید رہتا تھا۔ چونکہ دورۂ حدیث کے ہر استاذ کی اپنی اپنی منفرد خصوصیات تھیں اسلئے طلبہ پر تین سمتوں سے آنے والی... تین مختلف رنگ کی کرنوں کا پرتو پڑتا تھا۔ اور بتدریج غیر محسوس طور پر طالب علم اپنی انفعالی و انجذابی صلاحیت و استعداد کے لحاظ سے کسی ایک شخصیت سے زیادہ متأثر ہوکر اسی رنگ میں رنگ جاتا تھا، دوسرا رنگ اس کے مقابلے میں دب جاتا تھا۔ لیکن ایک جذبہ ہمارے سارے اساتذہ میں مشترک اور یکساں تھا۔ یہ تمام حضرات جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ ہی نہیں تھے بلکہ معزز عہدوں پر فائز تھے۔ یہ اعزاز و منصب رسمی نہیں تھا بلکہ برطانوی اقتدار سے نفرت اور اس کے خلاف غم و غصہ سے بلا استثناء ہر دل ہر دماغ بھرا ہوا تھا۔ اپنے دور طالب علمی میں اس کا بار بار تجربہ ہوا۔ اور تعلیمی سال ختم ہوتے ہوتے دل و دماغ میں.. کروٹیں لیتا ہوا یہ جذبہ موسلا دھار بارش کی طرح برس پڑا اور آتش فشاں کا لاوا ابل پڑا۔

شعبان آگیا تھا، بخاری شریف ختم ہو رہی تھی۔ سالانہ امتحان کی باتیں شروع ہوگئیں تھیں کہ ۹ر اگست ۱۹۴۲ء کی تاریخ آگئی۔ ۹ر اگست کی صبح شور و محشر بن کر مدرسہ شاہی میں آئی۔ طلبہ اپنی اپنی قیامگاہوں سے جوں ہی گیٹ سے داخل ہوکر ترمذی شریف کے درس کے لئے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی درسگاہ میں پہونچے جو شمالی جانب تھی تو حضرت استاذ پہلے سے موجود تھے۔ چہرے پر گہرے تفکرات کا سایہ تھا۔ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ رات کو سکون سے سو نہیں سکی ہیں.... حرکات و سکنات سے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آپ بڑی عجلت میں ہیں اور بہت اہم اور ضروری امور

پیش نظر ہیں اور وقت بہت ہی کم ہے اسلئے وہ جلد از جلد اس بات کو بتا دینا چاہتے تھے جسے بتانے کے لئے وہ کانٹوں پر چل کر آئے تھے۔ کیونکہ شہر میں پولیس کو چوکنا کر دیا گیا تھا کسی بھی لمحہ انگریزی پولیس گرفتار کر سکتی تھی۔ آپ نے فرمایا!

"میں آپ لوگوں سے ایک غیر معینہ مدت تک کے لئے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔ آپ حضرات کے کندھوں پر قوم، ملک اور ملّت کی بہت بڑی ذمہ داریاں آرہی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کی جد وجہد میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے۔ انگریزی اقتدار کو ہندوستان سے ختم کرنا ہمارے فرائض میں سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اچھا خدا حافظ"

اور پھر حضرت استاذ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو برسوں کے بعد ہی آپ کی خیریت کی خبر مل سکی۔

کوئٹ انڈیا کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ ابھی اس کے آغاز پر چند ہی گھنٹہ گذرے تھے۔ لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بگل بج گیا ہے فوجیں ابھی بارک سے باہر آرہی ہیں، تلواروں کی جھنکار ابھی فضا میں بلند ہونے والی ہے اور ہر محاذ میں جنگ چھڑ جانے والی ہے اور پورا ملک جوالا مکھی بنا ہوا ہے۔ پھر ہوا بھی ایسا ہی۔

مراد آباد شہر میں سڑکوں پر آکر سب سے پہلے میدان جنگ میں جو لوگ کودے وہ مدرسہ شاہی کے طلبہ ہی تھے۔ جنھوں نے شہر کی پرسکون فضا میں "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ لگا کر تموج ہی نہیں پیدا کیا بلکہ زلزلہ ڈال دیا پھر دوسرے اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ اس قافلہ میں آکر شریک ہوئے اور آخر میں پورا شہر اس تحریک میں شامل ہو گیا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

شعبان کا مہینہ تھا۔ مدرسہ شاہی میں سالانہ امتحان کی ہماہمی رہنی چاہئے تھی۔ لیکن کئی اساتذہ انڈر گراؤنڈ کوئٹ انڈیا کی تحریک کو پورے ملک میں پھیلانے کے لئے جا چکے تھے۔ اور بعض اساتذہ جیلوں میں سرکاری مہمان بنائے جا چکے تھے، تنہا حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ کی ذات گرامی سمندر میں بنے ہوئے روشنی کے مینار کی طرح ہمارے درمیان موجود تھی۔ طوفان کے بعد جس طرح ایک مہیب سناٹا چھا جاتا ہے کچھ ایسا ہی سناٹا پورے شہر کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ مدرسہ شاہی کی بھی فضا سائیں سائیں کرنے لگی تھی۔ اسی فضا میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے ہمیں بخاری شریف کا آخری درس دیا۔ نصیحتیں فرمائیں۔ ہدایات دیں اور دعا فرمائی اور پھر دوسرے دن امتحان شروع ہوگیا۔ یہ شاہی کی پوری تاریخ میں شاید پہلی مثال تھی کہ دورۂ حدیث کا امتحان تقریری ہوا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے ساری کتابوں کے امتحان لئے۔ امتحان ختم ہوتے ہی طلبہ اپنے اپنے وطن کو باحسرت و یاس اپنی مادر علمی سے بادیدۂ نم رخصت ہوگئے۔

دس مہینے ہمارے مدرسہ شاہی میں گذرے، اسکے در و دیوار سے جو محبت و وابستگی پیدا ہوگئی تھی۔ آج بھی دل کے ایک گوشے میں امانت ہے شاہی سے جدا ہوئے عرصہ گذر گیا، زمانہ بیت گیا۔ پھر بھی سینے میں یہ تمنا پرورش پا رہی ہے کہ کبھی مدرسہ شاہی میں اپنا گذر ہو اپنی محبوب و محترم شخصیتوں کی علامات اور نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ اور جوش عقیدت اور فرط محبت سے دوڑ دوڑ کر اس کے در و دیوار کو چوموں جن کو میرے بزرگوں اور محبوب شخصیتوں سے نسبت حاصل رہی اور اس عربی شاعر کا ہمنوا اور ہم زبان بن جاؤں جس نے کبھی کہا تھا۔ ؎

؎ امر علی الدیار دیار لیلیٰ ⁂ اقبل ذا الجدار وذا الجدار

مدرسہ شاہی کے بیس سال

۱۹۷۱ء تا ۱۹۹۱ء

ایں سلسلۂ طلائے ناب است ایں خانہ ہمہ آفتاب است

از قلم: مولانا عبدالرحمن ساجدالاعظمی ایم۔اے۔ فاضل مدرسہ شاہی استاد تاریخ و ادب فارسی مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

ایک انڈونیشی ضرب المثل ہے کہ "اگر اچھائی کو سمندر میں پھینک دیا جائے تو جزیرے اُگ آتے ہیں" یہ ضرب المثل عالمگیر حقیقت (GENEREL TRUTH) کا مصداق ہو یا نہ ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قدم باغ و راغ کے جن حصوں پر پڑے وہ اپنی منزل معراج پا گئے، جہاں کچھ نہیں تھا وہاں آج سب کچھ ہے۔

ویرانوں میں آبادیاں، آبادیوں میں تہذیب و تمدن کی پاسداری، تہذیب و تمدن میں عرب کے بادیہ نشینوں کا سادہ و باوقار عکس، سچ ہے ؎ کارِ مرداں روشنی و گرمی است

بلاشبہ ہماری پوری تاریخ ہمیشہ ایسے مردانِ خود آگاہ و خداشناس سے معمور رہی ہے۔ جو معاشرے کا دماغ اور اولوا بقیۃٍ کا مصداق تھے۔

تاریخ اقوامِ عالم کی گذرگاہ، اس کے حدود اور سنگہائے میل سے عبارت ہے، تاریخ آئینہ بھی ہے اور نشانِ راہ بھی، تاریخ قوم کا حافظہ بھی ہے اور موڑ بھی، اور ہر موڑ ایک نئی منزل پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

اگر کسی قوم کی تاریخ گم ہو جائے یا اس پر ادوار کی دبیز تہہ جم جائے، یا گردشِ لیل و نہار کے گرد و غبار سے اس کی تصویر دھندلی ہو جائے، یا دیدہ و دانستہ اس کی تاریخ کو پردۂ گمنامی میں دھکیل دیا جائے تو اس کا حقیقی مفہوم اور عبقری وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے بعد جب مسلمانوں پر ستم رانیاں حد سے بڑھ گئیں، فرزندانِ اسلام کے لہو سے جب سرزمین ہند لہولہان ہو گئی، مسلم قائدین اور علماء پر جب فرنگی

موت بن کر جھپٹ پڑے، اسلامی تہذیب و روایات کا دامن جب تار تار ہوتے لگا۔ تو مردانِ خدا گوشۂ عافیت سے نکل کر میدانِ عمل میں آگئے، قافلۂ حجازی کی سینکڑوں سالہ اسلام کی پاکیزہ تہذیب و معاشرت، جس کی ہندوستان میں محمد بن قاسم نے تخم ریزی کی تھی اور خانوادۂ فکرِ ولی اللّٰہی نے جس کی آبیاری کر کے سرسبز و شاداب کیا تھا، اس کو مغربی بادِ صرصر ہبآءً منثورًا کر دینے پر تلی ہوئی تھی۔ ایسے حوصلہ شکن عہد میں وقت پھر کسی ابن قاسم کو کھوج رہا تھا، فکرِ ولی اللّٰہی کی گرمی اور روشنی مانگ رہا تھا، جو حالات کے بہتے ہوئے دھارے کو موڑ کر اسلامی تہذیب و ثقافت کو مغربی قزاقوں سے بچائے، سسکتی، دم توڑتی، لہولہان انسانیت کے کاری زخموں پر مرہم و پنبہ رکھے۔ اور خانماں برباد، بے در، بے گھر لوگوں کی فریادرسی کرے۔ ایسے پُرآشوب وقت میں نانوتہ کا وہ لالۂ صحرائی، عزم و یقین کی طاقت، فکرِ ولی اللّٰہی سے روشنی و حرارت لیکر تازشِ حریت میں رُفقۂ حریت کے ساتھ مردانہ وار شریک ہوگیا۔

فاتح سندھ محمد بن قاسم ثقفی نے سندھی قزاقوں سے "حجاج المدد" کی صدا لگانے والوں کو ہی نہیں بلکہ سندھ کی مظلومیت انسانیت کو راجہ داہر کے ظلم سے گلوخلاصی دلائی تھی، تو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مغربی قزاقوں سے وطن کی خاک کو پاک کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور مغربیت کی روح پھونکنے والے راہبوں اور پادریوں کے قافلہ کو رجعتِ قہقری پر مجبور کرنے، عیسائی مشنریوں کو ناکارہ بنانے اور مادی طاقت کے سہارے تیزی سے پھیلتی ہوئی فرنگی تہذیب کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے افکار و تدابیر و تدبّر سے کام لیا۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی ؎ یا لالۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

انسان میں جب افکار کی تینوں صورتوں یعنی افکارِ ایماں (علوم الٰہی) افکار جذبات (فنون لطیفہ) افکار فلسفہ (سرچشمۂ عقل) کا خوشگوار اعتدال ہوتا ہے تو ایک متوازن شخصیت بنتی ہے، یہی چھوٹا سا طبقہ سوسائٹی کا ضمیر اور معاشرہ کا دماغ ہوتا ہے، اور یہ طبقہ ہر دور میں رہتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی ذات میں یہ تینوں افکار جمع تھے، حال کے آئینے میں مستقبل کی کج مج لکیریں نمایاں ہو چکی تھیں، آنکھیں موند کر یا بچ کر کیسے گذر جاتے، ممکن ہی نہ تھا؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے ؎ وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

چنانچہ مغربی تہذیب کے زہرآب کا زہر مہرہ اور رحیقِ نبوی کا سرچشمہ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں تلاش کیا، تو پھر کچھ دنوں بعد علومِ نبوی کا نخلِ طوبیٰ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم (المعروف جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی) مرادآباد کی صورت میں قوم کو دیا۔

جس کی آبیاری ابتداء ہی سے وارثینِ نبوت، قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مظفر الدین صاحب مرادآبادیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار الاعظمیؒ نے کی، اور جس کے برگ و بار اور روشوں کو سجانے اور سنوارنے میں حاملینِ علومِ مصطفوی نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور یہ سلسلۂ طلائے ناب ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا سید عبدالرشید صاحبؒ سے شروع ہو کر پورے ایک صدی بعد ۱۳۹۶ھ میں رشید ثانی حضرت مولانا الحاج الحافظ سید رشید الدین حمیدی مدظلہ العالی (خلیفہ و مجاز حضرت شیخ سہارنپوریؒ) سے مل جاتا ہے۔

درحقیقت تاریخ کی اہمیت کا احساس اور اس سے دلچسپی ان باضمیر اور روشن دماغ اشخاص کا حصہ ہیں جن کا ماضی شاندار اور تابندہ رہا ہو۔

تاریخی تذکروں سے اگر روح کو تازگی، ایمان کو بالیدگی، قلوب کو گرمی، نفوس کو حوصلہ (INCOUREGE) ملتا ہے تو مستقبل کے کارواں کو سمتوں کے تعین میں مدد بھی ملتی ہے، حسنِ اتفاق سے حجۃ الاسلام کا طرح افشاندہ جامعہ اور جامعہ کے موجودہ مہتمم دونوں کا ماضی عظیم و پروقار ہے۔ ممکن ہے یہی نقطۂ اتصال جامعہ قاسمیہ کی ایک سو سولہ ۱۱۶ سالہ سنہری تاریخ کی ترتیب و اشاعت کا سبب ہو۔ تاہم وثوق کے ساتھ اتنا تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک اثاثۂ ماضی کی حفاظت کا ایک حصہ اور قابلِ ستائش قدم ضرور ہے۔ اور ہر قدم سے نئی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

شوال ۱۳۹۰ھ میں راقم الحروف جب حصولِ علم کی غرض سے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی فضاؤں میں آیا اور کتابوں کے اوراق پر انگلی رکھی تو محسوس ہوا کہ ؎

ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ یہاں علوم نقل و عقل کے ماہرین اور سلوک و معرفت

کے حاملین کی نابغۂ روزگار جماعت ہے۔ جو اسرارِ دین اور رموزِ علم پر دسترس کے باوصف لغات عرب کے مزاج سے بھی پوری طرح واقف ہے۔ جو پھول چننا بھی جانتی ہے اور گلدانوں میں سجانا بھی، مگر سچ یہ ہے ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ٭ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اس وقت ہمارے لئے تو یہاں اَن گنت رازی و غزالی تھے، مگر افسوس اپنا حال ، "دامان نگہ تنگ" اور ان کی مثال "گل حسن تو بسیار" جو چمن درچمن پھولوں کی طرح مہکے اور خوشبو بن کر سما گئے، جو نور کی طرح پھیلے اور چاندنی بن کر بکھر گئے ؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ ان پاک طینت اساتذہ کا مختصر تذکرہ جہاں تک میں نے دیکھا، سمجھا اور سنا "تاریخ شاہیؒ" کے حوالہ سے قارئین کی جناب تک صرف اس خیال سے پہنچا رہا ہوں کہ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔

حضرت مولانا عبدالجبّار الاعظمیؒ والد کا نام الحاج عبدالرشید صاحب، ولادت ۱۹۰۷ء جائے ولادت: پورہ معروف ضلع[1] اعظم گڈھ۔

تعلیمی و تربیتی ادارے :- مدرسہ معروفیہ پورہ معروف، احیاء العلوم مبارکپور، دارالعلوم مئو، پھر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، جو بظاہر آپکے تعلیمی سفر کا حسنِ اختتام بنا، یہیں سے آپ کو سندِ فراغت حاصل ہوئی، اور یہیں پر آپ کو آپ کے شیخ محترم حضرت شیخ سہارنپوری مہاجر مدنیؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریسی ادارے :- مظاہر علوم سہارنپور معین مدرس، ادری ضلع مئو، مدرسہ قائم العلوم ہرسیا ضلع دیوریا، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈھابیل (گجرات) احیاء العلوم مبارک پور، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈھابیل (گجرات) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد۔

آپ مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا نقی صاحب، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے پیہم اصرار پر حضرت شیخ سہارنپوری سے استصواب رائے

[1] ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء میں جب مئو کو ضلع بنایا گیا تو پورہ معروف ضلع مئو کی حدود میں آگیا۔

کے بعد ماہِ شوال ۱۳۷۹ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین اور ناظمِ تعلیمات کے اہم عہدوں کی ذمہ داری کے ساتھ مرادآباد تشریف لائے، اور تقریباً ۳۱ سال تک شبستانِ قاسمی مدرسہ شاہی میں علومِ یزدانی اور کلامِ عرفانی کی گہرافشانی کرتے رہے۔

اللہ رب العزت نے آپ کو بسطۃً فی العلم والجسم کی دولت سے نوازا تھا، کلامِ الٰہی واحادیثِ نبوی سے شغف، خوش قامت، توانا جسم، بارعب نورانی صورت، انتہائی شفیق، ستودہ صفات، اخلاقِ حمیدہ ایسا کہ آپ سے تعلق رکھنے والے ہر ایک شخص کی داستان میں ایک جملہ قدرے مشترک کہ "حضرت شیخ کو مجھ سے بہت محبت تھی، یا مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے، خلوت وجلوت میں اتباعِ سنت کا اہتمام، طبیعت میں انکساری اور تواضع اس قدر کہ جب میں نے کہا حضرت اگر آپ درس میں لکھی ہوئی تقریر پر نظر ثانی فرمالیں تو ممکن ہے کہ طبع کی کوئی صورت پیدا ہوجائے تو آپ کا یہ جواب تھا کہ میں اس قابل کہاں ؟ جب میں نے مزید اصرار کیا تو فرمایا کہ میں اردو ادب سے ناواقف ہوں، تو میں نے چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق جسارت کی "کہ میں دیکھ لیا کروں گا" مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اس عظیم کام کے لئے تیار ہوجائیں۔

ورنہ نصف صدی تک احادیث نبوی کی خدمت کرنے والی ذات جو الفاظ کے زیروبم اور رموز ونکات سے واقف ہو اس کے سامنے زبان کھولنا ہی بے ادبی تھی، ایک دنیا آپ کے علوم وفیوض سے بہرہ ور ہوئی، اسرار وحکم، علوم ومعارف سے نہ جانے کتنوں نے اپنے دامن بھرے، مگر وہ ذات خود کو یہی سمجھتی رہی کہ "میں اس قابل کہاں"

مگر اللہ کی مرضی، جب ۱۴۰۱ھ میں مرادآباد میں بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اور آپ حضرت شیخ سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تائید غیبی اور حضرت شیخ کی توجہ نے اس عظیم دینی کام کے لئے آپ کے سینۂ گنجینۂ علم کو کھول دیا، اور آپ مرادآباد واپس آکر تالیف امداد الباری میں مشغول ہوگئے۔ اور تقریباً ۷ سال ۹ ماہ کی مدت میں امداد الباری شرح بخاری کی چوتھی جلد کتاب الایمان پر مکمل ہوئی، اس کے بعد جب لوگوں نے کتاب کے طویل ہونے کا شکوہ کیا تو آپ نے ابتدائی تین جلدوں کی تلخیص کرکے اس کا نام جامع الدراری

تجویز فرمایا، جو آپ کے کوچ و رحلت کے اعلان سے تھوڑی دیر پہلے عروس البلاد دہلی سے چھپ کر آئی تھی، جس کو دیکھ کر آپ نے اظہارِ مسرّت فرمایا تھا، مگر کیا خبر تھی کہ یہ مسرّت زادِ سفر کے تکملہ کا اظہار اور ربِّ حقیقی سے ملاقات کے سفر کا ابتدائیہ ہے۔ امداد الباری کی تالیف ہی کے زمانے میں آپ کے دُو رسالے "تحفۂ مودودیہ" اور "معیارِ حق" المعروف بحقیقتِ مرزا شائع ہوئے۔ امداد الباری کی پانچویں جلد کا مسوّدہ زیرِ ترتیب تھا، مگر قدرت کی ترتیب کچھ اور تھی ؎ آپ ترتیب ہی دیتے رہے تاریخِ جنوں ؛ وقت دیوانے کو مٹی میں ملا بھی آیا

ایک دیوانۂ حبِ نبی، اقوالِ نبیؐ کے گل، بوٹوں کو چن چن کر جس طرح حدیثِ عشق کی ترتیب دے رہا تھا، اس سے صاف ظاہر تھا کہ گام بگام، منزل بمنزل چلنا، ٹھہرنا، اسکی سرشاری، تاپاکی، شیفتگی و وارفتگی کے شاید منافی ہے۔ بلکہ وہ تو جذبۂ محبت میں جنوں کے اس مقام پر ہے جہاں منزل خود آگے بڑھ کر اس کے لئے اپنی آغوش وا کر دیتی ہے اور ہوا یہی ؎

جوشِ جنوں میں توڑ دیئے اس نے خود کمند

حدیثِ عشق کی ترتیب ادھوری رہ گئی، اور ۹ نومبر ۱۹۸۹ء شب جمعہ ۱۱ بجکر ۴۵ منٹ پر یہ اللہ کا ولی قاسم العلوم الاسلامیہ کی عظیم تاریخی، نورانی محفل سے اٹھ کر دیوانہ و مستانہ وار اپنے رب سے ملنے کے لئے آخرت کے سفر پر روانہ ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت الحاج الحافظ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بچھراونی، مفتی مدرسہ شاہی

والد: حافظ محمد ادریس صاحب، ولادت ۱۹۱۴ء
جائے ولادت: قصبہ بچھراوں ضلع مراد آباد۔

آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت شاہ اعظم صاحبؒ، حضرت شاہ باقی باللہ دہلوی کے خلیفۂ اوّل تھے، جو اپنے پیر و مرشد کے حکم پر لاہور سے بچھراوں تشریف لائے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب (جو تاہنوز موجود ہے) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

تعلیمی و تربیتی ادارے:۔ ابتدائی تعلیم و تربیت مدرسہ مفتاح العلوم قصبہ بچھراوں میں شیخ الاسلامؒ کے معاصر، مرشدِ کامل حضرت مولانا سید ظہور علی صاحبؒ کی آغوشِ شفقت میں ہوئی۔ پھر اپنے استاد کے حکم پر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں حضرت شیخ الاسلام کے سایۂ عاطفت میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ شیخ الاسلامؒ کے ایماء

پر دارالعُلوم سے آپ کو خصوصی وظیفہ دیا گیا، اور یہ شیخ الاسلامؒ کی ہی محبّت کا فیض تھا کہ دارالعلوم کے کتب خانہ سے فراغت کے بعد بھی آپ کو مطالعہ کے لئے کتابیں لینے کی اجازت حاصل تھی۔

سَند فراغت حاصل کر لینے کے بعد بھی علمی پیاس باقی تھی، اور سچ یہ ہے کہ لیلائے علم کے شیدائی کو کبھی آسودگی ملتی بھی نہیں، منہومان لایشبعان طالب علمٍ وطالب مالٍ۔ علم اور مال کے طلبگار کبھی آسودہ نہیں ہوتے، اس لئے آپنے چاہا کہ علوم وفنون کے ساتھ فنِ تفسیر کی بھی تکمیل کرلوں، مگر شیخ الاسلام نے آپ کی علمی استعداد اور دقتِ نظر کو دیکھ کر خدمتِ علم کا مشورہ دیا۔ آپ اپنے استاد حضرت مولانا سیّد ظہور علی صاحب کی خواہش پر مدرسۂ عباسیہ میں مدرس ہوگئے، جہاں آپ نے تقریباً ۲۸ سال دیگر علوم وفنون کے ساتھ بخاری شریف کا درس دیا، وہاں سے آپ چلّہ امروہہ تشریف لائے، پھر دارالعلوم حسینیہ چلّہ امروہہ سے فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحبؒ کی خواہش پر ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی مسند تدریس وافتاء کو زینت عطا کی۔

محبّت الٰہی جب ماورائے جسم وجان ہوجائے تو ولایت بن جاتی ہے، ذکر جب سانس کی دھڑکنوں میں شامل ہوجائے تو کلام میں الہام کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور الہام کلام کی لطافت اور زبان کی خوشبو ہے۔ یہ اپنا ایک فکری تصوّر ہے۔ اور اس تصوّراتی کینوس پر حضرت مفتی صاحب کی تصویر کامل ولی اور قطب کی صورت میں اُبھرتی ہے۔

ہلکا پھلکا جسم، رفتار مائل بسُرعت، تقریر میں روانی کی لذّت، انداز بیان میں ندرت انتہائی سادہ، منکسر المزاج، متواضع، پُروقار شخصیت کے مالک، معقولات ومنقولات میں علم کے بحرِ ناپیدا کنار، چنانچہ جب اپنے صاحبزادے حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب کے داخلہ کے سلسلے میں آپ دیوبند تشریف لے گئے، اور حضرت علّامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے ملنے گئے تو علامہ نے مفتی صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ ہمارا علمی پہلوان آرہا ہے، جس پر علامہ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ ہنس پڑے، پھر علامہ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن کیا تو نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ سے آج تک ہم تم کو دُبلا پتلا ہی دیکھتے ہیں۔

بلاشبہ حضرت مفتی صاحب نحیف و ناتواں تھے، مگر بحر العلوم کے ماہر شناور تھے۔ تلاوت قرآن کریم ان کا عشق، کتاب کا مطالعہ ان کی غذا، نوافل ان کا مذاق، باللیل رہبان ان کی صفت، تفسیر و ترجمہ کلام اللہ ان کی اوّلین خواہش، افتاء اور حدیث نبویؐ کی خدمت ان کی زندگی کا حاصل۔

ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا تحریمھا التکبیر و تحلیلھا التسلیم پر رموز و نکات بیان کرتے کرتے فرمایا اگر ایک شخص کھڑے ہونے پر اتنی قدرت رکھتا ہے کہ کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اس کے لئے فرض و واجب میں کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہنا شرط ہے۔ اگر بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا، یا بعض لوگوں کی عادت ہے کہ امام رکوع میں ہے دوڑتے دوڑتے آئے اور جھکتے جھکتے تکبیر تحریمہ کہہ لیا تو ان دونوں صورتوں میں نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے قیام شرط ہے۔ اور جب شرط فوت ہوجائے گی تو مشروط بھی فوت ہوجائیگا۔

ترمذی شریف کا گھنٹہ ختم ہوچکا تھا حضرت مفتی صاحب کی تقریر جاری تھی، جماعت کے لڑکوں نے کہا حضرت وقت پورا ہوگیا، سَر اُوپر اٹھایا اور فرمایا "وقت کس کو کہتے ہیں"؟ اب تو ہر ایک حیران و پریشان، ہمہ وقت استعمال ہونے والا لفظ، مگر تعریف کسی کو معلوم نہیں، سوال انتہائی آسان، مگر جواب اتنا مشکل کہ ہر ایک کی بساط سے باہر، پھر فرمایا تم میبذی میں پڑھ چکے ہو "فلک الافلاک کی مقدار حرکت کا نام وقت ہے"۔

وقت بھی عجیب شئ جو خود تو گذر جاتا ہے مگر اپنے پیچھے یادوں کی کسک اور ایک عجیب دنیا چھوڑ جاتا ہے۔ ایک انداز جو ابھی تک یاد ہے۔

بچے اور بچی کے پیشاب کو نضح و رش کیا جائے گا یا غَسل، امام شافعیؒ کی طرف سے عقلی دلیل پیش فرماتے ہیں، آدم علیہ السّلام مٹی سے پیدا ہوئے اور حوّاء آدم کی پسلی سے۔ یعنی خون و گوشت سے، اور خون ناپاک ہے۔ لہٰذا بچی کے پیشاب میں نجاست کا عنصر بچّے کے مقابلہ میں زیادہ ہوا، اس لئے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ بچی کے پیشاب کو غُسل (دھویا) کیا جائیگا، اور بچے کے پیشاب کو رَش (چھینٹا مارنا) کردیا جائیگا۔ اس کے بعد جواب کا انداز! ہاں!! اب تو دونوں ایک ہی طرح پیدا ہو رہے ہیں۔

نجاست ہی کا بیان چل رہا تھا۔ سوال: حضرت! ڈرائی کلین وغیرہ میں پٹرول کے ذریعہ کپڑے دھوئے جاتے ہیں، اور اس میں غیر مسلموں کے پینٹ بھی دُھلے جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے یہاں استنجاء پاک کرنے کا تصوّر بھی نہیں ہے، لہٰذا ان کا پینٹ وغیرہ ناپاک ہوتا ہے۔ اور تھوڑے سے پٹرول میں جب ناپاک کپڑا ڈال دیا جائے گا تو پٹرول بھی ناپاک ہوجائیگا، لہٰذا ایسے پٹرول سے دُھلا ہوا کپڑا پاک ہوگا یا ناپاک؟ فرمایا: پٹرول حامِل نجاست نہیں ہے۔ لہٰذا پٹرول ناپاک نہیں ہوتا۔

تعلیمی سال کا آخر ہے، ترمذی شریف کی حدیث پڑھی جارہی ہے، ایک طالب علم باہر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے سَر اوپر اٹھایا، اتفاق سے اسپر نظر پڑگئی، پوچھا کہاں سبق ہورہا ہے؟ اب وہ پریشان، پھر بولے اس سے "کان" کہاں ہے۔ جب ایک دو دفعہ کہا تو اس نے ایک کان کی لَو پکڑ کر اشارہ کیا، پھر بولے دوسرا کان کہاں ہے؟ تو اس نے دوسرا کان دوسرے ہاتھ سے پکڑا، اسے تنبیہ کا خوبصورت انداز کہیئے، یا کان پکڑوانے .. کا منطقی طریقہ۔

کس قدر سادگی اور تواضع تھی، مدرسہ شاہی کی مدرسی کے زمانے میں بارہا ایسا ہوا کہ کسی کام سے حضرت مفتی صاحب کے پاس جانا ہوتا تو فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اور اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ فرماتے، اگر کوئی شخص ان کو دعوت دیتا تو قبول فرمالیتے، لینے کے لئے ایک بچہ بھی آجاتا تو اٹھتے، کندھے پر رومال رکھتے اور اس کے ساتھ چل دیتے، عجیب ذات تھی مفتی صاحب کی، روزانہ سَو رکعت نفل ادا فرماتے تھے، جب ان کے صاحبزادے حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب نے ان سے کہا میاں جی! آپ اس قدر نفلیں پڑھتے ہیں، تو فرمایا میں اپنے بزرگوں، استاذوں، عزیزوں اور محبت رکھنے والوں کو جو دنیا سے جاچکے، ان کو نفل کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرتا ہوں، نفل پڑھنے میں انہماک کا حال یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ کے پاس جاکر ملاقات کی غرض سے بیٹھ جاتا تو بیٹھا ہی رہ جاتا، تاوقتیکہ وہ سلام کرکے مفتی صاحب کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلے، نفل پڑھنے سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے۔

شیخ الاسلام سے بیعت کا شرف آپ کو حاصل تھا، ذکر وفکر اور خشیتِ الٰہی

کا یہ حال تھا کہ جب شیخ الاسلامؒ نے حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ خلافت لے لو، تو آپ کا جواب تھا، حضرت ڈر لگتا ہے، مجھ سے اپنا بوجھ نہیں اٹھتا تو دوسروں کا بوجھ کیسے اٹھاؤنگا۔

حضرت مفتی صاحب بچپن ہی سے سیدھے اور نیک طبع واقع ہوئے تھے، بقول حضرت مولانا انصار الحق صاحب سابق مہتمم مدرسہ شاہی ایام طالب علمی میں نماز، تکرار، مطالعہ، اور اسباق میں حاضری کے سوا اور کوئی مشغلہ نہیں تھا، حضرت مولانا عمران صاحب مبلغ اعظم تاج المساجد بھوپال نے فرمایا کہ اگر مفتی صاحب کو موتیوں میں تول دیا جائے تو بھی ان کی قیمت ادا نہ ہوگی، بلا شبہ حضرت مفتی صاحب کی ذات اللہ رب العزت کی طرف سے ایک عطیہ تھی جس کو وقت نے ہم سے چھین لیا ۔ ساعت بسیار می باید کشیدن انتظار

تاکہ در جوف صدف باراں شود در عدن

۱۳ سال گیارہ ماہ چار دن جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں علم و حکمت کے گوہر لٹا کر ۱۰ شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۹۸۳ء بروز پنجشنبہ داعی اجل کو لبیک کہا، اور سوگواروں میں اہلیہ اور ۶ صاحبزادے، مولانا فضل الرحمن صاحب، ماسٹر نور الرحمن صاحب، مولانا الطاف الرحمن، ماسٹر محفوظ الرحمن صاحب، ماسٹر خیر الرحمن صاحب، مولوی حافظ خشی الرحمن صاحب اور تین صاحبزادیاں، شائستہ خاتون، شاہی خاتون، شاذیہ خاتون کو چھوڑا۔ اور اپنی وصیت کے مطابق اپنے آبائی قبرستان درگاہ اعظمی میں شفیق باپ اور بڑے بھائی منشی محمد صدیق صاحب کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔

حضرت مولانا اختر اسلام مراد آبادیؒ والد: فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین رحمہ اللہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، جائے ولادت: اگلاس ضلع علی گڈھ، آپکا نام محی الدین، تاریخی نام اختر اسلام تھا، تاریخی نام کے اعداد و شمار سے تاریخ ولادت ۱۳۳۲ھ نکلتی ہے، سلسلۂ نسب، حسنی اور حسینی (نجیب الطرفین) وجیہ، خوش قامت، کم گو، سادہ طبیعت تھے، تعلیم و تربیت: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی اور دار العلوم دیوبند، آپ کی شادی حکیم سید جمیل الدین محلہ جھنڈا کلاں شاہجہان پور کی صاحبزادی کے ساتھ زمانہ طالب علمی میں ہوئی حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کے لئے یہ رشتہ طے فرمایا، اور خود آپ ہی نے نکاح

بھی پڑھایا۔

دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کا اعزاز لیکر مُراد آباد واپس آئے۔ اور یکم محرم ۱۳۵۶ھ سے آپ مدرسہ شاہی میں درس کی خدمت انجام دینے لگے۔ دس سال تک غیر مؤظف خدمت انجام دیتے رہنے کے بعد حضرت مولانا کی والدہ نے آپ کے والد حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اب آپ (مولانا) اختر کی تنخواہ مقرر کرادیں، کیونکہ اس کی بھی ضروریات ہیں، مگر حضرت مولانا سید فخر الدین، حضرت مولانا عبد الحق مدنی مہتمم مدرسہ شاہی سے صاحبزادہ کیلئے تنخواہ کی سفارش نہ کرسکے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ بیمار ہوئے، اور حضرت مولانا عبد الحق مدنیؒ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو آپ کی والدہ نے پردہ سے حضرت مولانا عبد الحق مدنیؒ کو مولانا اختر الاسلام صاحب کی ضروریات کی طرف توجہ دلا کر تنخواہ مقرر کرنے کی سفارش کی، چنانچہ حضرت مدنیؒ نے آپ کی دس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر فرمادی۔

مولانا درس و تدریس کے ساتھ صحافت و سیاست دونوں کے مردِ میدان تھے۔ ۱۹۴۰ء میں جب کانگریس نے ستیہ گرہ کیا تو مولانا بھی اس تحریک میں شامل تھے، ٹاؤن ہال مراد آباد میں وجے لکشمی پنڈت کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام تھا، حضرت مولانا بھی ایک مقرر کی حیثیت سے مدعو تھے، گھر سے نکلے، ٹاؤن ہال پہنچے اور گرفتار ہوگئے، ایک ماہ مراد آباد جیل میں قید و بند کی زندگی گذارنے کے بعد فیروز آباد بھیج دیا گیا، وہاں ۹ ماہ زنداں میں اسیر رہ کر رہا ہوئے۔ اس وقت مولانا حسامی وغیرہ پڑھا رہے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا ماہنامہ "قائد" مراد آباد کے مدیر مسئول تھے۔ حالات کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے "قائد" کی بے باک صحافت کی چند سطریں ملاحظہ کیجئے۔

"افسوس ہمیں کبھی اس چیز پر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ زمین کس کی ہے، خلافت و حکومت کس کا حصہ ہے؟ دنیا کی قیادت و سیادت کس کا حق ہے؟ مالک الملک کون ہے اور اس کا خلیفہ کون؟...... ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے ہمیں آج جھجک پیدا ہوگی، لیکن اسی دنیا نے اور اسی زمین و آسمان نے ان مسلمانوں کو دیکھا ہے جن کو پورا یقین تھا کہ زمین صرف انہیں کی ہے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہیں۔

اور ان کو دنیا میں صرف اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ نوکِ شمشیر سے دنیا کے فساد کو مٹائیں
نیزہ کی نوک سے اپنا رزق حاصل کریں۔ اور تلواروں کے سائے میں اپنے لئے جنّت تعمیر
کریں۔ (قائد جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ)

حضرت مولانا: مولانا آزاد کے نام سے مدرسہ شاہی میں یاد کئے جاتے تھے۔ کبھی وہ جمعیۃ علماء کے ضلعی ناظم رہے اور کبھی صوبائی ناظم رہے، جس وقت حضرت مولانا عُبید اللہ سندھی جلاوطنی کی زندگی گذار کر شہر در شہر ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچے تو اس وقت آپ صوبہ کے ناظم تھے۔

مولانا کا نازو انداز دیکھ کر یہ خیال مشکل ہی سے کیا جا سکتا تھا کہ مولانا ایک جانباز مجاہد، سیاسی مبصر و مقرر، آزادی کی راہوں کے شہسوار اور ماہنامہ "قائد" کے خامہ بردار بھی رہے ہوں گے۔ میں نے مولانا کے برادرِ عزیز حکیم معین الدین صاحب سے کہا کہ مولانا کی ذات و گفتار، ادا و انداز میں ایسا کوئی جوہر، ایسی کوئی جھلک دیکھنے کو نہیں ملتی تھی، تو بولے! ہاں: مولانا اندر سے کچھ اس قدر ٹوٹ چکے تھے کہ جس نے ان سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کبھی کبھی ہنسی کی کوئی بات آجاتی تھی تو ہنسی مولانا کے ہونٹوں کے کناروں پر آکر اس طرح ڈوب جاتی تھی جیسے کوئی بچنے کی کوشش میں اُبھرے اور ابھر کر ڈوب جائے۔

۴۲ سال دو ماہ ۷ دن مدرسہ شاہی کے در و بام کو زینت دیکر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کو خرامِ ناز فرماتے ہوئے اس طرح مدرسہ شاہی پہنچے کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، اور ان کا سَراپا حسرتوں، یادوں اور غموں کی آخری زیارت گاہ تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے قند میں زہر اور ساز میں سوز ملا کر یہ دُھن مچادی ہو۔

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصرؔ ❊ اُداسی بال کھولے سو رہی ہے

حضرت مولانا مفتی سیّد واحد رضا صاحبؒ

والد: حضرت مولانا سیّد حامد رضا صاحب، ولادت: ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء
جائے ولادت: محلہ قاضی ٹولہ مراد آباد۔ زمیندار گھرانے سے آپکا تعلق تھا، آپ کے والد مولانا سیّد حامد رضا صاحب ایک زمیندار تھے، ان کا محبوب مشغلہ خطّاطی، آپ کے دادا مولانا سیّد ضیاء علی صاحب باأثر شخصیت کے مالک، علوم و فنون میں یکتائے وقت تھے۔

مفتی صاحب کی ابتدائی تعلیم حکیم مولوی سیّد نورالعین حسن صاحب کے یہاں چھتاری ضلع بلند شہر میں ہوئی، نورالعین حسن صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے پروفیسر تھے جو راغب چھتاروی سے مشہور رہے۔ چھتاری سے واپسی کے بعد تین سال مدرسہ عربیہ امدادیہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد چمنستانِ قاسمی مدرسہ شاہی میں داخل ہوئے۔

فخرالمحدثین حضرت مولانا فخرالدین علیہ الرحمۃ کے اوّل شاگردوں میں سے ہیں، مفتی صاحب اپنی تقریر کے اتار و چڑھاؤ اور اندازِ نقل وحرکت میں رعد و برق تھے، حضرت مولانا فخرالدینؒ ان کو "بجلی" فرمایا کرتے تھے، ۲۰ سال کی عمر میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے آپ نے فراغت حاصل کی — مدرسہ شاہی سے جو علم کے جواہر و لآلی آپ نے چنے تھے، اور جو کچھ کسبِ فیض کیا تھا، اس کے بارے میں قدرت کا فیصلہ یہ ہوا کہ اس کو نانوتویؒ کے لالہ زار میں لگا دیا جائے چنانچہ رجب ۱۳۴۷ھ سے آپ نے پوری عمر شاہی کے گلہائے بوقلمونی کے سجانے، سنوارنے اور عطر فشاں بنانے میں گذار دی۔ ۱۵ سال عربی کا درس دینے کے بعد آپ کو شاہی کے افتاء کی خدمت سونپی گئی، تدریس کے ساتھ ساتھ طویل عرصہ تک آپنے افتاء کی خدمت انجام دی۔

مفتی صاحب کے اندازِ گفتار میں یہ عنصر غالب تھا کہ جو بات کہتے تھے پوری قوّت کے ساتھ کہتے تھے۔ طحاوی شریف پڑھاتے وقت جب فیہ نظرٌ پر پہنچتے تو عجیب کلاسیکیت اور فاتحانہ طرزِ ادا کے ساتھ امام صاحب کے مسلک پر کلام فرماتے تھے۔

اکثر اوقات کی نمازیں رحیم اللہ والی مسجد محلہ کسرول میں ادا فرماتے، اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے، جمعہ کی نماز شاہی مسجد میں ادا فرماتے، اور کبھی کبھی ضروری مسائل بیان فرماتے۔ درس میں ردِّ بدعت ان کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا۔

قریب قریب ۶۰ سال مدرسہ شاہی کے در و دیوار اُن کی آواز سے گونجتے رہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد ضعیفی کے سبب جامعہ کی خدمت سے سبکدوش ہوگئے۔ اور ۲۵ جولائی ۱۹۸۷ء جمعرات کے دن اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ (انا للہ وانّا الیہ راجعون)

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے

حضرت مولانا انصار الحق صاحب امروہوی

مصحفی کی سرزمین امروہہ میں پیدا ہوئے۔ سانولی رنگت، دبلا پتلا دراز قد جسم، نرم گفتار، زبان شستہ اور سلیس، شاعرانہ صفت ذوق طبع، محلہ ٹھوال امروہہ میں آپ کی رہائش تھی، تعلیم وتربیت کی ابتدائی نشوونما امروہہ میں ہوئی، پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور علوم فقہ وحدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنون میں مکمل دسترس حاصل کی۔

۱۹۴۰ء میں جب برٹش حکومت نے حضرت مولانا اختر اسلام صاحب کو گرفتار کیا۔ تو ان کی جگہ حضرت مولانا انصار الحق صاحبؒ کا عارضی تقرر ہوا۔ اس کے بعد آپ پھر امروہہ چلے گئے۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اہتمام کے لئے آپ کا حُسنِ انتخاب عمل میں آیا، اہتمام کے ساتھ ساتھ تدریسی خدمت بھی انجام دیتے رہے، تقریر مختصر مگر انتہائی جامع اور وقیع ہوا کرتی تھی، افہام وتفہیم کا انداز بے مثال ولاجواب تھا، پیچیدہ اور طویل مباحث کو چند لفظوں میں بیان کر دینا آپ کی انفرادیت اور امتیازی علامت تھی۔ میزان، جلالین شریف اور مسلم شریف اکثر آپ کے پاس رہا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ مسلم شریف کے درس میں مسئلہ تقدیر پر بندے کے جبر واختیار پر گفتگو فرما رہے تھے کہ اگر بندہ مجبور ہے تو حساب وکتاب، جزاء وسزا کے کیا معنی؟ اور اگر مختار ہے تو مشیت ایزدی اور مرضی الٰہی کے بغیر بندے سے عمل کا صدور ممکن ہوجاتا ہے جو محال ہے۔ پھر یہ شعر سنایا ؎

ناحق ہم مجبوروں پہ تہمت ہے مختاری کی ÷ جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

اس کے بعد کچھ اس طرح گویا ہوئے کہ بندہ ہر عمل اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اور سوچنے، سمجھنے، عمل کرنے میں مختار ہے۔ بندہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے یا فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ بندے کے ارادہ کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے۔ اس طرح بندے کا عمل اس کے اختیار سے بھی ہوتا ہے اور مرضی مولیٰ کے بغیر بھی نہیں ہوتا، پھر ایک مثال سے اس کی وضاحت کی۔ جب بچہ چلنے کے قابل ہوتا ہے اور چلنا چاہتا ہے تو باپ اس کو اپنی انگلی پکڑا دیتا ہے، بچہ باپ کی انگلی کے سہارے جب چلنے لگتا ہے تو بچہ جدھر جانا چاہتا ہے باپ اس کو

انگلی کا سہارا دیتا ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ اور بندے کا معاملہ ہے، جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اللہ کا ارادہ اسکے ارادے کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے۔

۱۱ شوال ۱۳۹۳ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۷۳ء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کو خیرباد کہکر دارالعلوم حسینیہ چلّہ امروہہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے کرتے امروہہ میں پیوند خاک ہوگئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا — اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے

حضرت مولانا منظور حسین قاسمیؒ

والد: منشی ابوالحسن صاحب، محلہ قاضیان سہسپور ضلع بجنور آپ کا مولد، حصولِ علم سے فارغ ہوکر اور علومِ متداولہ سے اپنا دامن بھر کر عمری کلاں پھر نگرام پہونچے، وہاں سے علمی خدمت کا قرعۂ نیک فال دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شکل میں نکلا، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے رختِ سفر باندھ کر ۱۶ صفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۵۵ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی پہنچے اور یہیں پر اپنی عمر کے باقی ماندہ بیش قیمت لمحات بسر فرمائے۔

حضرت مولانا منظور حسین قاسمیؒ مدرسہ شاہی کے نائب مہتمم کی حیثیت سے زندگی کی آخری سانس تک مدرسہ شاہی کی خدمت فرماتے رہے۔ حضرت مولانا انصار الحق صاحبؒ کے اہتمام کے زمانے میں بھی آپ نائب مہتمم رہے۔ شوال ۱۳۹۳ھ میں جب حضرت مولانا انصار الحق صاحب دارالعلوم حسینیہ تشریف لے گئے تو اہتمام کمیٹی تشکیل پائی جو شوال ۱۳۹۶ھ تک نگراں رہی۔ اور اس پوری مدت میں مولانا قائم مقام مہتمم رہے۔

حاضر جوابی آپ کا امتیازی وصف تھا، موقع شناسی میں طاق، انتظامی امورجات میں مستعد، پروگرام سازی میں ماہر۔

حضرت مولانا جامعہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ مؤطا امام محمد کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور سیاست مدنی پر ان کی گرفت مضبوط تھی، جس زمانے میں ہیم وتی نندن بھوگنا اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ تھے مولانا اسوقت شہر مرادآباد کے کانگریس کے صدر تھے۔

مولانا کو تحریر و تقریر دونوں میں کامل ملکہ حاصل تھا، علی الصبح جب مدرسۂ شاہی میں آتے تو دن بھر کے کاموں کا چارٹ تیار کر کے اپنے سامنے رکھ لیتے، تاکہ کوئی کام بھول سے نہ رہ جائے۔
۲۷ سال ۳ ماہ ۸ دن مدرسۂ شاہی کی خدمت کر کے ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو عالمِ آخرت کا سفر فرمایا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

حضرت مولانا محمد شاہ صاحبؒ

والد: احمد شاہ صاحبؒ، غالباً رامپور کے کسی علاقہ سے آپ کا تعلق تھا، حضرت مولانا بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کی کفالت اور تربیت حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے کی، حضرت مولانا عجیب نور صاحبؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، معقولات و فلسفہ میں یدِطولیٰ حاصل تھا، وقت کی پابندی کا حد سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ شہر مرادآباد کے قاضی ہونے کا ان کو اعزاز حاصل تھا، علمی استحضار اس درجہ تھا کہ کوئی سوال خواہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو جواب فوراً عنایت فرما دیتے۔ محلہ گوئیاں باغ مرادآباد میں آپ کی رہائش تھی، میبذی، شرح عقائد، مشکوٰۃ ثانی اور ابن ماجہ جیسی کتابیں ان کے پاس رہا کرتی تھیں، انتہائی خوش مزاج اور ظریف الطبع تھے۔ ان کا درس علمی حقائق و فلسفہ کے باوجود انتہائی خوشگوار و پُربہار ہوا کرتا تھا، قرأت خلف الامام اور رفع یدین جیسے مسائل پر ایک رسالہ کے مؤلف تھے۔
یکم ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ میں مدرسۂ شاہی کے لئے آپ کا تقرر عمل میں آیا، اور ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ میں عقائد، فقہ، تفسیر و حدیث کی خدمت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔
یہ وہ عظیم اساتذہ تھے جن سے مدرسۂ شاہی میں رہ کر راقم الحروف نے علمی شعور حاصل کرنے کی کوشش کی، ان اساتذہ کی فہرست میں ایک نام میرے لئے اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس کی عنایت کی بدولت راقم الحروف مدرسۂ شاہی کی عظیم درسگاہ میں مدرس کی حیثیت سے منتخب کیا گیا اور وہ نام ہے شیخ الاسلامؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی کا، جو اس وقت ایشیاء کی شہرۂ آفاق درسگاہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں استاذِ حدیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر کو دراز فرمائے۔
اور اللہ رب العزت حضرت مولانا اشفاق حسین قاسمی مرادآبادی کو بھی صحت و سلامتی

کے ساتھ رکھے کہ ان کی سرپرستی میں تقریر و تحریر کی مشق کا موقع ملا، ان اساتذہ اور بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے عظیم بزرگوں کی یادیں مدرسہ شاہی کی چہار دیواری اور آنگن سے وابستہ ہیں جن میں حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحب افضل گڑھی، جو یکم صفر ۱۳۶۴ھ سے وفات ۱۵ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ تک جامعہ میں قرارت کے استاذ رہے۔

حضرت مولانا مستحسن الدین صاحب مرادآبادی جو ۱۳۴۸ھ سے وفات یکم جمادی الاول ۱۴۰۵ھ تک جامعہ میں فارسی کے استاذ رہے، حضرت مولانا محمد شعیب صاحب سہنسپوری جو، ربیع الاول ۱۳۸۷ھ کو جامعہ میں شعبہ عربی کے مدرس ہوئے، حضرت مولانا حکیم فاضل حسین مرادآبادی جو یکم ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ سے وفات ۶ شعبان ۱۴۰۰ھ تک، مدرسہ میں نائب ناظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان حضرات کے علاوہ نئے اساتذہ شاہی کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن کا ذکر کرنا طوالت سے خالی نہ ہوگا، اس لئے ان سے صرف نظر کرنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ البتہ جامعہ کے موجودہ مہتمم کی خدمات کا ذکر نہ کرنا ناانصافی پر مبنی ہوگا، اس لئے آخر میں ان کی خدمات کا مختصر تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

الحاج الحافظ مولانا سید رشید الدین حمیدی
مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد

مدرسہ شاہی کے مدار المہام ہر دور میں دور اندیش، تجربہ کار، نبض شناس لوگ رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنے حسن انتظام اور اپنی مساعی جمیلہ سے جامعہ کو برصغیر میں ایک عظیم درسگاہ کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

اسلاف کی محنتوں سے سنورتا، نکھرتا یہ ادارہ ایک صدی بعد جب حضرت الحاج الحافظ مولانا سید رشید الدین حمیدی مدظلہ العالی کے زیر انتظام آیا تو شاہی کے در و بام بدل گئے، شاہی قدیم، صالح اور جدید نافع کا ایک خوشگوار منظر پیش کرنے لگا۔

وہ اس تعمیری تحریک کے روح رواں کی حیثیت سے ہزاروں آفریں کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں مزید حوصلہ اور طویل زندگی عطا فرمائے۔ آمین

۲۳ صفر ۱۴۱۳ھ

(نوٹ: حضرت مہتمم صاحب کی تفصیلی خدمات دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں۔)

طلبۂ مدرسہ شاہی سرگرمیاں

ایک عینی شاہد کی زبانی

حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب قاسمی استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

• تحریک آزادی میں شرکت • انجمن اصلاح البیان کا قیام • حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا بے مثال استقبال • تعلیمی کانفرنس

مدرسہ شاہی میں تحریکِ آزادی کے دور... میں ایسے حضرات اساتذہ کرام موجود تھے جو حریت پسند، آزادی کے شیدائی، انگریزی عروج کے سخت مخالف اور اخلاص کے پیکر تھے۔

حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ۔ یہ حضرات تحریک آزادی کے روحِ رواں تھے۔ جن کا حال یہ تھا کہ دن کو درس وتدریس میں مشغولیت، اور اوقات فارغہ میں مرادآباد کے محبان وطن کے ساتھ مشوروں میں شرکت اور تحریک آزادی کو کامیاب بنانے میں مشغول، شب کو محلوں میں وعظ و تقریر، سیاسی جلسوں میں شرکت وتقریریں۔

غرضیکہ یہ ایسی دُھن تھی جس میں دن و رات انہماک اور مشغولیت تھی۔ ادھر اوقات درس میں طلباء کے اندر آزادیٔ وطن کا جذبہ پیدا کرنے والی اور طلباء کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانیوالی ولولہ انگیز تقریریں ہوتی تھیں جس نے طلباء کے دلوں کو گرما دیا تھا۔

حضرات اساتذۂ کرام کے حکم پر اپنی جانوں کو قربان کر دینے کے جذبات پیدا ہو گئے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا معمول تھا کہ روزانہ ہی کسی نہ کسی انداز سے طلباء کی سیاسی تربیت اور ذہن سازی فرماتے تھے۔ چنانچہ طلبہ وطن عزیز کی آزادی کو اپنا فریضۂ مذہبی سمجھنے لگے تھے۔ اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

۳۲،۱۹۳۰ء کی تحریک

مراد آباد میں ۳۲،۱۹۳۰ء کا زمانہ تحریک آزادی کا نقطۂ عروج ہے۔ مدرسہ شاہی اس تحریک کا مرکز ہے اور اساتذہ و طلباء تحریک آزادیٔ وطن کے قائد اور نمائندہ کی حیثیت سے ضلعی اور صوبائی سطح پر سامنے آتے ہیں اور وطن کو غلامی سے گلو خلاصی کی جد وجہد میں گرفتار ہو کر جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مراد آباد میں میونسپلٹی کی انتخابی مہم شروع ہوئی تو کانگریس اور جمعیۃ علماء مراد آباد نے اس الیکشن کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور ٹاؤن ہال پہونچ کر ووٹروں کو ووٹ دینے سے باز رکھنے کی کوشش کی تو حکام نے گولیاں چلانے کا حکم صادر کر دیا۔ ٹاؤن ہال کے میدان میں اس وقت حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا قاری عبد اللہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ موجود تھے۔ اسلحوں کے دہانے آتشیں شعلے اگلنے لگے۔ جس کی وجہ سے لوگ زخمی ہوئے حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ زخمیوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر ہسپتال پہونچا رہے تھے۔ اسی درمیان میں مدرسۂ شاہی کے قابل اعتماد فرزند جناب مولانا فضل الرحمٰن ککئی متعلم مدرسۂ شاہی زخمی ہو گئے۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مرحوم نے ایک مضمون لکھا۔ "اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا؟" جس کو جامع مسجد دہلی میں ایک نمائندہ جلسہ میں پیش کرنا تھا۔ اس سے قبل مراد آباد جامع مسجد میں مولانا محمد میاں صاحب انگریزوں کے خلاف تقریر کر چکے تھے۔ اور اس مضمون کی بھنک بھی حکام کے کان میں پڑ چکی تھی۔

اسکے بعد آپ دہلی جانے کے لئے جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے تو شاہی مسجد سے کچھ آگے چوراہہ گلی پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت کھدر کی شیروانی زیب تن کئے ہوئے تھے اور ہلکے بادامی رنگ کا عمامہ سر پہ باندھے ہوئے تھے اور گلے میں حمائل شریف ڈال رکھی تھی۔ آپ نے کسی نہ کسی طرح حکام کی نظروں سے بچتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن کنکلی (جو اس وقت مدرسہ میں زیر تعلیم تھے اور حضرت مولانا کے سیاسی تربیت یافتہ جوشیلے نوجوان تھے) کو بلایا اور یہ مضمون ان کے حوالہ کیا کہ کسی طرح بھی ممکن ہو سکے آپ تاریخ مقررہ میں دہلی جامع مسجد پہونچ کر یہ مضمون سنا دیں۔ چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے یہ ذمہ داری بحسن و خوبی انجام دی اور آپ دہلی پہونچے۔ وہاں منتظمین جلسہ حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کے منتظر تھے کیونکہ آپ جمعیۃ علماء کی طرف سے ڈکٹیٹر بنائے گئے تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ان کی گرفتاری کی اطلاع دی اور یہ کہا کہ مولانا نے مجھے اپنی جگہ ڈکٹیٹر بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ آپ نے جمعہ کی نماز کے بعد حکومت برطانیہ کے خلاف ایک جوشیلی تقریر کی اور اس کے بعد حضرت مولانا مرحوم کا مضمون "اسلام کو کس کی چھری نے ذبح کیا" سنایا۔ اس مضمون کا پڑھنا تھا کہ عوام میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ حکام کی غضبناک نگاہیں مولانا پر پڑ رہی تھیں کہ کب تقریر ختم کریں اور کب دروازہ سے نکلیں۔ چنانچہ مولانا جلسے سے فارغ ہو کر جیسے ہی دروازہ پر پہونچے۔ انھیں گرفتار کر کے ملتان جیل بھیج دیا گیا یہ عجب اتفاق ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحبؒ کو بھی مراد آباد سے گرفتار کر کے ملتان بھیج دیا گیا تھا۔ وہاں اس وقت اکابرین ملت، زعماء اسلام اور جمعیۃ علماء کے کلیدی عہدہ داران نظر بند تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو دو سال بامشقت قید ہوئی۔ چنانچہ دو سال کے بعد آپ رہا ہو کر مراد آباد پہونچے۔ اور وہاں سے آزادی وطن عزیز کا نیا جذبہ لے کر آئے۔ آپ نے آکر اپنی بقیہ تعلیم پوری کی۔

انجمن اصلاح البیان

آپ کے دل میں ایک تڑپ اور جوش تھا کہ طلباء کی ایک تنظیم کی جائے اور طلباء کو

تقریر و تحریر کی مشق کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اور ان میں سیاسی شعور پیدا کیا جائے چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھی طلباء سے مشورہ کیا جن میں راقم الحروف اشفاق حسین اور جناب مولانا سجاد احمد صاحب حال مدرس مدرسہ امدادیہ اور مولوی مدرس علی مرحوم اور مولوی میرک شاہ بنوی امام شاہ کوہاٹی شامل تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ موسس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد و بانئے دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اداروں کی بنیاد الہامی طور پر رکھی اور ان کو ایک مکمل تحریک بنا کر پیش کیا اور اس کے بنیادی مقاصد میں یہ بات رکھی کہ یہاں طلباء عزیز اس طرح تعلیم پائیں کہ ایک طرف مسندِ درس کی زینت اور میدانِ علم کے شہسوار بنیں۔ تو دوسری طرف مجاہد قوم اور ملک وملت کے علمبردار بن کر نکلیں اور یہ جب ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ طلباء کے اندر آزاد خیالی اور اظہارِ فکر ورائے کا ماحول پیدا ہو اور تقریر وتحریر کی مشق کر کے اپنی صلاحیتوں کو نکھار سکیں اور ملک کے طول وعرض میں ملک وملت کی خدمت کر سکیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انجمن کا قیام عمل میں آئے "۔

اس تجویز کا راقم الحروف اور دیگر احباب نے خیر مقدم کیا اور انجمن اصلاح البیان کے نام سے (جس کا نام راقم الحروف نے تجویز کیا تھا) قیام عمل میں آگیا اسکی نگرانی اور سرپرستی کیلئے استاذ العلماء حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کی گئی جس کو حضرت نے نہایت ہی خوشی سے قبول فرمالیا۔ اول اول اس انجمن کی زینت مدرسہ شاہی کے تمام طلبہ رہے لیکن بعد میں انجمن اصلاح البیان طلباء صوبو پی کے نام سے موسوم ہوگئی۔

اس انجمن کے ساختہ پرداختہ اگر ایک طرف فقید المثال مقرر بنے تو دوسری طرف افقِ صحافت پر مہر ونجوم بن کر چمکے۔ اگر ان عندلیبانِ چمن، پاسبانِ قلم، اور مجاہدینِ وطن کی فہرست رقم کی جائے تو مقالہ بہت طویل ہو جائے گا۔ اور کاغذ کے صفحات ناکافی اور محدود ہو جائیں گے۔

کتنے کو تو نے بنایا طوطیٔ ہندوستاں
ملک میں پیدا کئے کتنے قلم کے پاسباں

انجمن اصلاح البیان کے پروردہ چند نام بطور نمونہ پیش ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب سرحدی

حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب سرحدی سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد، میرے دورۂ حدیث کے ساتھی تھے نہایت جوشیلے، لیڈرانہ مزاج پایا تھا۔ یہ بہت بڑے معقولی اور فلسفی تھے۔ عربی کے شاعر تھے اور عربی ادب پر کافی عبور تھا۔ نیز حدیث وفقہ سے بھی کافی مناسبت تھی۔ آگے چل کر وہ لیڈر بنے اور صوبہ سرحد اپنے وطن ڈیرہ اسمٰعیل خان پہونچ کر تحریک آزادی میں جان ڈالی۔ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس جب سہارنپور میں ہوا۔ جہاں طلباء مدرسہ شاہی نے اپنا ایک شاندار کیمپ اجلاس کو کامیاب بنانے اور مہمانان کرام کی خدمت کرنے کے لئے لگایا تھا اس میں صوبہ سرحد سے مفتی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے، میری ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا، کہو محمود اب کیا گل کھلا رہے ہو۔ کیا صوبہ سرحد پہونچ کر سارے جذبات ٹھنڈے ہو گئے۔ جواب میں کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ شاہی نے جو سبق حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ کے ذریعہ ہم کو پڑھایا ہے اور ہمارے جذبات میں جو گرمی پیدا کر دی ہے وہ کسی طرح ٹھنڈی نہیں ہو سکتی اس میں اضافہ ہی ہوا ہے۔

میں نے خان عبدالغفار خان کی پارٹی کے ساتھ پورا تعاون کیا اور ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہوں۔" اجلاس صد سالہ کے موقع پر جب دیوبند آئے تو راقم الحروف کو یاد کیا۔ میں حاضر ہوا۔ اسی طالب علمانہ انداز سے پیش آئے۔ اور ہنسی مذاق رہا۔ اجلاس صد سالہ کے بعد جب مرادآباد تشریف لائے تو تمام ان جگہوں پر جہاں جہاں ان کی سرگرمیوں کے مراکز تھے، تشریف لے گئے۔ دارالحدیث میں بخاری شریف کی دو حدیثوں کا درس بھی دیا۔ افسوس کہ ۱۴۰۱ھ

میں آپ ایسے وقت وصال فرما گئے جب کہ اہل پاکستان کو آپ کی بڑی ضرورت تھی ۔

مولانا عبد الغفور صاحب غزنوی

دوسرا جو اسم گرامی ہمارے سامنے آتا ہے وہ استاذ محترم حضرت مولانا عبد الغفور صاحب غزنوی قاضی القضاۃ کابل کا ہے ۔ انجمن اصلاح البیان کی سرگرمیوں میں طالب علمی کے زمانہ میں شریک رہتے تھے ۔ حضرت مولانا امام شاہ کوہاٹی، مولانا محمد جان کوہاٹی بھی انجمن کے جلسوں میں شریک ہو کر تقریر و تحریر کی مشق کرتے تھے ۔

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندی مدظلہ میرے رفیقِ درس ہیں طالب علمی کے زمانہ میں انجمن کے جلسوں میں شریک رہتے تھے ۔ آپ اس زمانہ میں بھی بہت پاکیزہ ذہن رکھنے والے اور متقی تھے جن کا فیض نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند میں بھی جاری ہے ۔ علمی تبحر کے ساتھ ساتھ باطنی علوم بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت کئے ہیں ۔

قاضی اطہر صاحب مبارکپوری

مدرسہ شاہی اور انجمن اصلاح البیان کے درخشاں ستاروں میں حضرت مولانا قاضی عبد الحفیظ صاحب اطہر مبارکپوری بھی ہیں ۔ یہ مدرسہ شاہی کے فارغ ہیں ۔ اور مولانا محمد میاں صاحبؒ کے شاگرد رشید، بہترین قلم کے مالک اور عربی کے بہت بڑے ادیبؒ اور شاعر ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ۔ آپ کی تصانیف نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان اور عرب ممالک میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں ۔ نہایت ہی سادہ مزاج اور خوددار اور غیور واقع ہوئے ہیں ۔ بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور مضامین نویسی اور تصانیف کا سلسلہ ہنوز جاری ہے ۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے ۔ میرے بہت بڑے کرم فرما اور مخلص دوست ہیں ۔ انجمن اصلاح البیان نے تحریر کی مشق کرنے کے لئے ایک رسالہ قلمی نکالا جس کے ایڈیٹر مولانا اطہر صاحب تھے ۔ آپ نے اپنے

مضامین سے رسالہ کے اندر جان ڈالی اور یہ قلمی رسالہ معیاری حیثیت رکھتا تھا ۔

دیگر احباب

مولانا عبدالستار صاحب اعظمی، مولانا عبدالرب صاحب اعظمی مولانا محمد عثمان صاحب اعظمی، مولانا نظام الدین صاحب اسیرادروی، مولانا محمد صاحب اعظمی مرحوم، مولانا محمد حنیف صاحب رہبر صاحبزادۂ مکرم جناب مولانا شکراللہ صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا جلیل احمد سیوہاروی

مولانا جلیل احمد صاحب سیوہاروی (خلف اکبر حضرت مولانا بشیر احمد صاحب مرحوم) جمعیۃ علماء یوپی کے صدر ہیں۔ ملک و ملت کی خدمت کا جذبہ مدرسہ شاہی کی طالب علمی کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ بحمداللہ تا ایں دم موجود ہے ۔ جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ اور مدرسہ شاہی کی مجلسِ شوریٰ اور عاملہ کے ممبر ہیں۔ میری طالب علمی کے زمانہ کے ساتھی ہیں۔ لیکن تعلقات کی نوعیت کچھ اس طرح ہو گئی ہے جس طرح چھوٹے اور بڑے بھائی کے درمیان ہوتی ہے۔ میرے اور ان کے درمیان مخلصانہ خانگی تعلقات ہیں۔ باوضع ہیں۔ سیاسی تربیت اور ذہن کی تعمیر کچھ تو مدرسہ شاہی کی دین ہے اور کچھ وراثت پدری کی بھی۔

مولانا عبدالرحیم صاحب بجنوری

مولانا عبدالرحیم صاحب مدرسہ شاہی کے فارغ اور انجمن اصلاح البیان کے تربیت یافتہ ہیں بہترین تقریر کرتے ہیں ۔ علمی صلاحیت اور استعداد بہت اچھی ہے ۔ ضلع بجنور کی مقبول شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیال

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیال قاسمی سہنپور ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں آج کل گجرات میں کسی مدرسہ میں مدرس ہیں ۔ شاہی مدرسہ کے فارغ ہیں۔ میرے بے تکلف احباب میں سے ہیں ۔ اصلاح البیان میں رہ کر انھوں نے تقریر کی بہت مشق کی اور حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر

تقریر کرتے ہیں۔ گجرات میں ان کی تقریر کافی مقبول ہے۔ یہ انجمن اصلاح البیان کا فیض ہے۔

بھاگلپور کے دو دیوانے

مولانا غلام حسین صاحب بھاگلپوری اور مولانا منصور علی صاحب بھاگلپوری مدرسہ شاہی کے فارغین ہیں اور تحریک آزادی میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کے حکم پر جیل جاچکے ہیں۔ انجمن اصلاح البیان میں تقریر و تحریر کی مشق کیا کرتے تھے۔ نہایت خاموش مزاج اور ذہنی طور پر نہایت متحرک ہیں۔ اس طرح مولانا منصور علی صاحب نے بھی مرادآباد میں تحریک آزادی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہ بھی میرے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں سے ہیں

قاری عبدالرشید صاحب پٹوی

مولانا قاری عبدالرشید صاحب پٹوی مرحوم مدرسہ شاہی کے فارغ تھے۔ نہایت خوش مزاج احباب نواز تھے۔ علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وطن عزیز کی آزادی کا جذبہ رکھنے والے اور انجمن اصلاح البیان کے تربیت یافتہ اور میرے دورہ کے ساتھی اور مخلص دوست تھے

مولانا ساجد الاعظمی

مولانا عبدالرحمٰن صاحب ساجد الاعظمی ایم، اے مدرس مدرسہ امدادیہ سابق مدرس تاریخ وکتابت مدرسہ شاہی مرادآباد، آپ مدرسہ شاہی کے فارغ ہیں انجمن اصلاح البیان کے یہ بھی چمکتے ہوئے ستاروں میں سے ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں بڑی لگن اور توجہ کے ساتھ مضمون نگاری اور تقریر کی مشق کی۔ ماشاءاللہ قادرالکلام ہیں۔ بہترین مقرر ہیں اور تاریخ دانی میں کافی ملکہ رکھتے ہیں، فن کتابت میں ید طولیٰ۔ علم کے شائقین میں ان کا شمار ہے۔ مطالعۂ کتب ان کا مشغلہ ہے۔ موصوف میرے کرم فرما ہیں۔

مولانا سجاد احمد صاحب مرادآبادی

میرے مخلص دوست اور قابلِ احترام ساتھی جناب مولانا سجاد احمد صاحب مرادآبادی حال مدرس مدرسہ امدادیہ، مدرسہ شاہی میں

آپ نے تجوید کی مکمل تعلیم کے بعد عربی شروع کی، جس میں راقم الحروف اور مولانا قاری مختار احمد صاحب شریک تھے۔ شرح جامی تک مولانا میرے ہم سبق رہے اس کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں ایک سال پڑھ کر دیوبند چلے گئے دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ امدادیہ میں ایک کامیاب اور قابل ترین مدرس کی حیثیت سے درس وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن اصلاح البیان کے روح رواں اور مخلص رکن محترم رہے اور اس کے اجلاسوں میں شریک ہوکر تقریر وتحریر کی مشق کی

مولانا محمد مرزا صاحب میرٹھی وغیرہ

مولانا مرزا صاحب میرٹھی نہایت جوشیلے نوجوان طالب علم تھے۔ آج کل پاکستان میں ہیں۔ جب چوراہہ گلی (مرادآباد) پر مولانا محمد میاں صاحبؒ گرفتار ہوئے اور جب پولیس والے نے گرفتاری کا وارنٹ دیا، تو ان کو برداشت نہ ہوسکا اور فوراً جوش میں آکر ایک طمانچہ رسید کیا یہ ان کے جوش کا انداز تھا۔ مولانا فخرالدین صاحب اعظمی مرحوم، مولانا اشتیاق علی صاحب سندیلوی، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا اشتیاق علی صاحب رسالہ البیان کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ مولانا شہاب الدین صاحب سرحدی، مولانا عبدالستار صاحب لہٹی، مولانا ابوالحسنات صاحب محشر صادقی اعظمی انھوں نے انجمن میں رہ کر دلچسپی کے ساتھ تقریر کی مشق کی۔ جوشیلی تقریر کرتے تھے۔ محنت کرکے سیاسی شعور پیدا کیا۔ بہترین شاعر تھے۔

انجمن اصلاح البیان کے تربیت یافتہ افراد خطابت وصحافت، شجاعت، وحمیت کے علاوہ شعبہ ہائے زندگی کے تمام قابل قدر میدانوں میں نمایاں نظر آتے ہیں، حق کے لئے، حق کی اشاعت کے لئے، جیل کی آہنی سلاخوں سے لے کر قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس تک، خانقاہیت سے لے کر شاہنشاہیت تک، خطابت سے لے کر صحافت تک، ہر میدان میں انھوں نے اپنی صلاحیت کا لوہا منوالیا۔

اہلِ وطن کو پیغام دیا، جگر کی آواز میں

؎ "میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے"

محبت کا یہ پیغام کبھی تاریخ کے صفحات کا مقدر بن جاتا ہے تو کبھی صوت ونغمہ کی صورت میں یادِ پارینہ ہو جاتا ہے ایسی بہت سی تاریخیں اور یادیں اس انجمن کے ساتھ وابستہ ہیں۔

طلباء مدرسہ شاہی کی طرف سے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا فقید المثال استقبال

جب حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ خادم خاص اور معتمد علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پچیس سال جلاوطنی کی زندگی گذار کر تقریباً ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے تو جمعیۃ علماء مرادآباد نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کی دعوت حضرت صدر محترم جمعیۃ علماء ہند کی خدمت میں پیش کی جو منظور ہوئی۔ اور اس اجلاس کی صدارت حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمائی۔

اراکین انجمن اصلاح البیان اور طلباء مدرسہ شاہی میں ایک عجیب قسم کا جوش تھا چونکہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے وطن عزیز کی آزادی میں جو شاندار خدمات انجام دی تھیں۔ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ہندوستان سے کابل تشریف لے گئے تھے اور انھوں نے آزاد گورنمنٹ کابل میں قائم کرلی تھی۔ اور ہوم منسٹر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے متعلق حکومت برطانیہ کی یہ رپورٹ ہے۔

"مولانا سندھی ہندوستانیوں میں بہترین سیاستدان اور ہوم منسٹر بنائے جانے کے لائق تھے"

حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ سارے کارنامے اور ان کی مجاہدانہ زندگی پر حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے درس میں تقریر فرماتے رہتے تھے جس کی وجہ سے حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھنے کا اشتیاق بہت زیادہ

پیدا ہو گیا تھا اور جب طلباء کو معلوم ہوا کہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ مراد آباد جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کی صدارت کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو اراکین انجمن اصلاح البیان اور طلباء مدرسہ شاہی میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوا کہ ہم طلباء مدرسہ شاہی حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شایانِ شان استقبال کرینگے اور یہ استقبال ایک مثالی استقبال ہو گا

استقبالیہ کمیٹی چنانچہ اس استقبال کو کامیاب بنانے کے لئے ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان مولانا قاری عبدالرشید صاحب مولانا محمد مرزا صاحب اور اشفاق حسین قاسمی غفرلہٗ، مولانا عاشق علی صاحب، مولانا محمد جان کوہاٹی، مولانا عبدالستار صاحب سلہٹی اور مولانا سجاد احمد صاحب منتخب ہوئے اور اس کمیٹی کے کنوینر مولانا محمد مرزا صاحب منتخب ہوئے۔ کام کی تقسیم اور طریق کار پر غور کرنے کے لئے اس استقبالیہ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں یہ طے کیا گیا کہ تمام طلبۂ مدرسہ شاہی کے سروں پر ایک ہی قسم کی ٹوپیاں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ٹوپیاں بنانے کی ذمہ داری مولانا قاری عبدالرشید صاحب نے اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ انھوں نے سرخ کپڑا جس میں دھاری سفید بجلی نما تھی، خریدا۔ اور خود انھوں نے انور کیپ کے نام سے ٹوپیاں تیار کیں۔ چونکہ انور پاشا ہی تحریک آزادیٔ ہند کے مؤید تھے اس بنا پر انکے نام پر یہ ٹوپیاں تیار کی گئیں نیز طے ہوا کہ طلبہ کے گلوں میں پرتلے سبز رنگ کے ہوں اور اس میں سفید پٹی جس میں ابنائے جامعہ قاسمیہ لکھا ہوا ہو۔ چنانچہ یہ کام بھی قاری صاحبؒ نے اپنے ذمہ لیا۔ اس طرح پر پرتلے تیار ہوئے جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو کی تعداد میں تھے اسی تعداد کی ٹوپیاں بھی تیار کی گئیں۔ اور یہ طے کیا گیا کہ پچاس طلبہ کا دہ جتھہ ہو جو باوردی ہو اور ننگی تلواروں کے سایہ میں حضرت سندھی کو ٹرین سے اس گاڑی تک جوان کی سواری کے لئے اسٹیشن کے باہر کھڑی ہو لایا جائے۔ وردیاں فراہم کرنیکا کام راقم الحروف اشفاق حسین نے اپنے ذمہ لیا چونکہ اس زمانہ میں جمعیۃ علماء مراد آباد کے والنٹیر اور رضاکاروں کی کافی تعداد تھی اور

ان کی وردیاں سبز رنگ کی تھیں انھیں سے یہ وردیاں ییں اور تلواریں فراہم کرنے کا کام مولانا محمد مرزا صاحب نے لیا اور ہیں نے ان کے ساتھ پورا تعاون کیا تلواریں مراد آباد کے رؤسا اور قاضی صاحبان کے یہاں سے فراہم کی تھیں۔ مولانا محمد مرزا صاحب اور اشفاق حسین قاسمی اس استقبال کے کمانڈر مقرر ہوئے اسطرح پر استقبال کی تیاریاں مکمل کی گئیں اور ایک جھنڈا جو کہ تقریباً تین گز لمبا اور دو گز چوڑا تھا۔ کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے جھنڈے کی پٹیاں شامل کیں اور طلباء کا اپنا جھنڈا سفید اور سرخ پٹی کا تھا۔ وہ بھی شامل کیا۔ یہ جھنڈا نہایت شاندار تھا۔

جلوس کی ترتیب

چنانچہ جلوس کی ترتیب اس طرح دی گئی، باوردی جتھہ جو کہ تلواریں آویزاں کئے ہوئے تھے، سب سے آگے تھا۔ یہ جھنڈا مولانا احمد گل مسعودی جو کہ دراز قد تھے ان کے ہاتھ میں تھا اور یہ بات اچھی طرح طلبا کے ذہن نشین کر دی گئی تھی کہ جب تک کمانڈر کا حکم نہ ہو اس وقت تک طلبا اپنی جگہ پر کھڑے رہیں۔ بالکل حرکت نہ کریں۔

طلباء کا یہ جلوس مدرسہ شاہی سے بن کر چلا اور شہر میں گشت کرتا ہوا وقت مقررہ پر اسٹیشن پہونچا۔ باوردی طلبہ کا جتھہ دورویہ کھڑا کیا گیا جو کہ انٹر کلاس گیٹ تھا، اشفاق حسین اور مولانا محمد مرزا صاحب ریل کے اس ڈبہ کے قریب کھڑے ہوئے جس میں حضرت سندھی صاحب تشریف فرما تھے۔ بقیہ وہ طلبہ جن کے گلوں میں پر تلے تھے گیٹ کے باہر دورویہ اس گاڑی کے قریب کھڑا کیا جو حضرت سندھی صاحب کو لے جانے کے لئے آئی تھی یہ دو گھوڑوں کی ٹمٹم تھی۔

مولانا سندھی کی آمد

ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ کی صبح کو پنجاب میل سے علامہ سندھی اسٹیشن مراد آباد پر رونق افروز ہوئے۔

تو حسب اعلان طلباء مدرسہ شاہی نے شاندار استقبال کیا۔ پچاس سرخ پوش طلباء جو کہ تلواروں سے مسلح تھے، دورویہ صف باندھے کھڑے تھے۔ حضرت سندھی جب گیٹ پر پہونچے تو طلباء مدرسہ شاہی نے سلامی دی۔ پریڈ کے مخصوص

اشارات کے بموجب تلواروں کو دونوں طرف سے بلند کر کے ان کی نوکیں ملائیں۔ اب تقریباً ۵۰ گز لمبا راستہ تلواروں کے سایہ میں تھا۔ جس پر حضرت سندھی تواضع اور انکسار کے ساتھ سر جھکائے ہوئے خاموشی کے ساتھ گذر رہے تھے۔ یہ منظر نہایت عجیب تھا جسے دیکھنے والوں نے نہایت حیرت اور دلچسپی سے دیکھا اس طرح پر تلواروں کے سایہ میں حضرت سندھی اس گاڑی تک پہونچے جو ان کی سواری کے لئے اسٹیشن کے گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ طلباء مدرسہ شاہی اسی طرح اپنی جگہ نہایت نظم و ضبط کے ساتھ کھڑے رہے۔ جب آپ کی گاڑی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئی تو طلبہ کے دستہ کے کمانڈر نے سیٹی بجائی جو اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ وہ اپنی تلواریں میان میں رکھ لیں جو اس سیٹی میں مخصوص اشارہ تھا۔ کمانڈر نے دوسری سیٹی بجائی جو اس طرف اشارہ تھا کہ یہ دستہ اپنی جگہ چھوڑ کر شہر میں گشت کریں۔ چنانچہ طلبہ کے دستہ نے شہر میں مسلح اور باوردی گشت کیا جس سے عوام میں بہت زیادہ دلچسپی ہوئی۔ جامع مسجد میں جلسہ ہوا۔

پھر عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد سے حضرت سندھی علیہ الرحمۃ کا جلوس روانہ ہوا، یہ جلوس عجیب نرالے انداز کا تھا۔ اس سے قبل ایسا جلوس اہلِ مرادآباد نے اپنی نہیں دیکھا تھا۔

اس جلوس کی ترتیب اس طرح پر تھی، سب سے آگے جمعیۃ الانصار کے سبز پوش باوردی رضاکاروں کا دستہ تھا۔ اس کے پیچھے جمعیۃ القریش اور پھر انجمن اعانت المسلمین اور پھر مجلس احرار اسلام وغیرہ جماعتوں کے دستے تھے۔ سب سے اخیر میں طلباء مدرسہ شاہی کا سرخ پوش دستہ تھا۔ جو برہنہ تلواروں سے مسلح تھا۔ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی گاڑی کے گرداگرد خوبی سے حلقہ کئے ہوئے تھا جو فاصلہ ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا اول سے اخیر تک بدستور باقی رہا اور بازاروں کا بڑے سے بڑا ہجوم اس میں خلل نہ پیدا کر سکا۔ گاڑی کے پیچھے معززین شہر اور عام باشندگان شہر کا بہت بڑا ہجوم چل رہا تھا مغرب کے قریب یہ جلوس ٹاؤن ہال پر ختم ہوگیا۔ پھر عشاء

کی نماز کے بعد جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کا اجلاس زیر صدارت جناب مولانا محمود الفاروقی الہ آبادی شروع ہوا یہ جلوس اور علامہ سندھی کا استقبال شہر مراد آباد میں ایک مثالی تھا جو پورے ہندوستان میں مشہور رہا۔

طلبہ مدرسہ شاہی کے دستہ کے کمانڈر مولانا محمد مرزا صاحب اور راقم الحروف اشفاق حسین تھے اور تمام جلوس کے جنرل کمانڈر جناب منشی علیم الدین صاحب مرحوم تھے۔ جنھوں نے جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے حکم پر انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں شرکت کی اور سخت سے سخت مشقتیں برداشت کیں اور کئی مرتبہ گرفتار ہوئے اور جیل کی سخت سزاؤں سے دوچار ہوئے۔ جمعیۃ علماء مراد آباد کے جنرل سکریٹری رہ چکے تھے۔ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اور حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب رحمہم اللہ کے خصوصی معتمد علیہ تھے۔ محلہ طویلہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے صاحبزادے معین الدین بھی جب کہ سنہ ۴۲ء میں مراد آباد منڈی چوک پر گولی چلی تھی، اس میں زخمی ہوئے تھے۔ باپ کی طرح ملک کی آزادی کے شیدائی تھے۔

جمعیۃ کے اجلاسوں میں رضاکاری

جمعیۃ علماء ہند کے متعدد اجلاسوں میں جو مختلف شہروں میں ہوئے شاندار کیمپ لگائے اور مہمانان کرام کی خاطر و مدارات ان کی شایان شان کی اور ہر قسم کی سہولتیں فراہم کیں اور اجلاسوں کو کامیاب بنانے میں پورا پورا تعاون کیا۔

تعلیمی کانفرنس

طلباء مدرسہ شاہی نے ایک اور کارنامہ انجام دیا جس کو حضرات اساتذۂ کرام نے بہت پسند کیا اور اس کا چرچا پورے ہندوستان میں ہوا۔ طلباء مدرسہ شاہی نے غور کیا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد کانفرنس بھی ہونگی لہذا اس کی تربیت ضروری ہے۔ چنانچہ اراکین اصلاح البیان نے طلبہ مدرسہ مدرسہ شاہی کی دو روزہ تعلیمی کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا اور طے پایا کہ کھلے اجلاس رات کو کتبخانہ مدرسہ شاہی کی چھت پر ہوں اور مجلس مذاکرات

کے اجلاس دن میں ہوں اور اس میں اصلاح تعلیم، درس نظامی سے بعض معقولی اور فلسفی کتابوں کے علیحدہ کرنے پر غور ہوا اور کچھ کا اضافہ ہو۔ داخلہ ٹکٹ سے طے کیا گیا استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ راقم الحروف استقبالیہ کا جنرل سکریٹری منتخب ہوا۔ طلبہ کی ڈیوٹی اجلاس کے شروع ہونے پر لگائی اور حضرات اساتذہ کرام کو شرکت اجلاس کے لئے ٹکٹ دیئے گئے۔

لطیفہ

حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اجلاس کی کارروائی دیکھنے کے لئے تشریف لائے تو درجہ فارسی کے گیٹ پر جب پہونچے تو وہ طالب علم جو اس گیٹ پر ٹکٹ چیک کرنے کے لئے مقرر تھا اس نے مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ سے ٹکٹ مانگا۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے پاس ٹکٹ نہیں، میں بھول آیا۔ اس طالب علم نے کہا آپ اندر نہیں جا سکتے جب تک ٹکٹ نہ ہو اس پر مولانا مسکرائے اور اس نظم پر مبارکباد دی۔ چونکہ ضابطہ سب کے لئے برابر تھا اگر میرے ساتھ رعایت کی جائے تو ہر نظم بے کار ہو جائیگا۔ میں اجلاس گاہ میں جلسہ کی کارروائی کی ترتیب میں مشغول تھا۔ مجھے اطلاع دی گئی کہ مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ گیٹ پر تشریف فرما ہیں اور ٹکٹ داخلہ نہ ہونیکی وجہ سے ان کو روک دیا گیا ہے۔ میں نے فوراً کہا کہ دوسرا ٹکٹ بنا کر دیدیا جائے گمشدہ ٹکٹ کے دستخط لے لئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ دونوں بزرگ ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوئے اور اجلاس کی کارروائی کا مشاہدہ کرتے رہے

ایجنڈے میں ترمیم نصاب کی تجویز تھی۔ اور اس وقت مدرسہ شاہی میں ہدایہ اولین ایک ہی جگہ اور مشکوٰۃ شریف کی دونوں جلدیں اور ایسے ہی جلالین نصف اول اور آخر ایک ہی استاد کے پاس ہوتی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ کتابیں نصاب تک پوری نہیں ہوسکتی تھیں۔ نیز امتحانات سہ ماہی اور ششماہی تقریری ہوا کرتے تھے۔ صرف سالانہ امتحان تحریری ہوا کرتا تھا اس پر بھی ایک تجویز تھی۔

ترمیم نصاب پر مسلسل دو دن تک بحث ہوتی رہی اور طلباء صوبہ سرحد

کسی طرح بھی نصاب کی ترمیم کے حق میں نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رائے شماری ہوئی رائے شماری میں ترمیم نصاب کی تجویز رد ہوگئی البتہ یہ تجویز کہ مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ اولین الگ الگ دو استادوں کے پاس زیرِ درس رہیں۔ اور امتحان سہ ماہی و ششماہی تحریری ہوا کریں۔ یہ تجویز باتفاق منظور ہوئی۔ یہ تجویز حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ جس کو حضرت مہتمم صاحب مرحوم نے بخوشی قبول فرماکر اس پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

یہ کانفرنس اپنے نظم وضبط کے اعتبار سے ایک مثالی کانفرنس تھی جس پر حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ نے اظہار خوشی فرمایا۔ اور پورے ہندوستان میں یہ کانفرنس مشہور ہوئی۔ حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحبؒ نے نہایت شاندار الفاظ میں مبارکباد دی اور حوصلے بلند فرمائے اس طرح پر کانفرنس کرنے اور اس میں تجاویز پر بحث کرنے کی اور اپنے آپ کو نظم وضبط کا عادی بنانے کا حوصلہ پیدا کیا۔ یہ صرف حضرات اساتذہ کی سیاسی بصیرت اور ان کا علمی فیض تھا۔ اور ان کی اخلاقی اور سیاسی ذہن سازی کا ثمرہ تھا ان حضرات اساتذہ کرام کی خدمات جلیلہ اور تحریک آزادی کی جد وجہد میں بے مثال قربانیوں کی وجہ سے مدرسہ شاہی پورے ہندوستان میں تحریک آزادئ ہند کا مرکز بنا اور اسی کے ساتھ ساتھ شاندار علمی خدمات بھی انجام دیں۔ جن کے تلامذہ میں محدثین، مفسرین فقیہ اور ادیب پیدا ہوئے۔

حضرت مولانا اختر شاہ خاں قاسمی سنبھلی

(المتوفی ۱۳۸۸ھ)

از: مولانا اطہر شاہ خاں صاحب قاسمی سنبھلی خلف الرشید حضرت مولانا اختر شاہ خاں صاحب رح

ولادت اور خاندان

شیخ فتح اللہ ترین رح خلیفہ اجل شیخ سلیم چشتی رح کے خانوادہ میں غالباً ۱۹۲۰ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی وطن مالوف محلہ سرائے ترین سنبھل ہے جو ایک تاریخی قصبہ ہے اور مردم خیزی میں خطۂ شیراز کا ہم پلہ ہے والد گرامی کا اسم گرامی منور شاہ مرحوم تھا۔

آپ ایک صاحب بصیرت عالم، ممتاز عربی داں اور بلند پایہ خطیب و ادیب تھے۔ زہد و قناعت، تواضع و انکساری خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی، صبر و رضا اور شکر و توکل میں نمونۂ اسلاف تھے۔

حلیہ

درمیانی قد، گندم گوں رنگ، آنکھوں میں سیاہی، کثرت مطالعہ اور عجز و انکساری سے کمر دہری۔ سنت کے مطابق باوقار چال۔ سر پر دوپلی ٹوپی۔ کاندھے پر سفید رومال۔ صاف و شفاف لباس جو شرافت نجابت اور قناعت کا غماز۔

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم۔ پرائمری، حفظ قرآن کریم اور کافیہ تک عربی کتابیں سرائے ترین کی قدیم درسگاہ شمس العلوم میں حافظ خدا بخش قریشی رح اور مولانا عبدالرشید سنبھلی رح وغیرہما جیسے مشفق اساتذہ سے پڑھیں۔ اور شرح جامی سے موقوف علیہ تک مدرسۃ الشرع المعروف کٹرہ موسیٰ خاں محلہ میاں سرائے سنبھل میں آپ کی تعلیم ہوئی جہاں ماہر علم و فن مولانا عبدالمجید سنبھلی رح اور مولانا عبدالغفار

ـه یہ درسگاہ ۱۳۰۵ھ میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح بانی دارالعلوم دیوبند وجامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے ایما پر قائم ہوئی۔

سنبھلیؒ جیسے اساتذۂ عظام سے شرف تلمذ حاصل ہوا اس کے بعد ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ کی فطری ذکاوت اور زہد وورع کے باعث اساتذۂ کبار بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ امام المعقولات علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور استاذ العلماء حضرت مولانا فخر الحسن رحمہم اللہ کی خصوصی توجہات مرکوز رہیں۔ جس نے آپ کو علم وعمل کا سرتاج بنادیا۔

درس وتدریس

فراغت کے بعد حضرت شیخ الادبؒ کے حکم وایماء پر ۱۹۴۷ء یا ۱۹۴۹ء میں یوسف پور ضلع غازی پور کے مدرسہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے جہاں ۶، ۷ سال تک تشنگان علوم کو سیراب کیا ابتدائی کتب سے مشکوٰۃ شریف تک کتابوں کا درس دیا پھر حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے ایماء پر مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں مہاراشٹر صدارت تدریس کے منصب پر فائز ہو کر تشریف لے گئے ۴ سال قیام رہا۔ جہاں دیگر کتب کے علاوہ بخاری شریف اور ترمذی شریف موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ زیر درس رہیں درس وتدریس کے علاوہ مسجد رسول پور میں تفسیر بیان کرنے کا معمول بھی تھا۔ ۱۹۵۹ء میں والدگرامی منور شاہ خاں مرحوم کی بیماری اور کمزوری کے باعث معہد ملت کی تدریسی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی اور وطن سے قریب مدرسہ جلہ امروہہ میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلیؒ کے ایماء پر درس وتدریس کی ذمہ داری سنبھال لی جہاں صرف ایک سال کچھ ماہ قیام رہا بعدہٗ ۱۹۶۰ء میں مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں حضرت مولانا فخر الحسنؒ کے ایماء پر مسند درس کو رونق بخشا جہاں آپ کو دوسرے سال شیخ الحدیث اور صدر مدرس کا منصب سپرد کر دیا گیا تین سال قیام رہا بعد ازاں یکم رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ سے تا دم واپسیں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں بحیثیت مدرس علیا تدریسی خدمات انجام دیں دیگر کتب کے علاوہ ترمذی شریف زیر درس رہی اور حضرت مولانا عبد الجبار اعظمی شیخ الحدیثؒ کی عدم موجودگی میں بخاری شریف جلد ثانی کے اسباق بھی متعلق رہتے تھے اور بعد نماز فجر شاہی مسجد میں تفسیر کلام پاک بھی سپرد ہو جاتا تھا جس کو آپ

بحسن و خوبی انجام دیتے۔ درس و تدریس کے ساتھ ۱۹۶۷ء میں مولانا مفتی سید واحد رضا مرحوم کے دار الافتاء سے سبکدوشی اختیار کر لینے کے بعد مدرسہ شاہی کے منصب افتاء کی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق ہو گئیں اس طرح تشنگان علوم کی سیرابی کے ساتھ منصب افتاء پر جلوہ افروز ہو کر ہزاروں فتاویٰ تحریر فرماتے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا عبد الرحیم سنبھلیؒ استاذ دار العلوم دیوبند۔ مولانا محمد زکریا سنبھلی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مولانا نصیر احمد ملی مالیگاؤں۔ مولانا عبد اللطیف سنبھلی۔ مولانا اطہر سنبھلی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تصنیف و تالیف

درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی تھا۔ "الکہف المتین من منہج الرسول الامین" آپ کی شاہکار تصنیف ہے اس کے علاوہ متعدد قلمی مسودے بھی موجود ہیں۔

بیعت و سلوک

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت و ارادت کا تعلق تھا آپ کے بعد سلوک کی تعلیم حافظ عبد الرحیم نقشبندی ردولویؒ سے حاصل کی اور حافظ صاحب کے حیات تک ہر معاملہ میں رجوع کرتے رہے۔

حج بیت اللہ

قیام مدرسہ امدادیہ کے دوران ۱۹۶۰ء میں حاجی محمد علی مالیگاؤں کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے آپ کا یہ سفر عشق ہنگامہ آرائیوں سے پاک تھا حتیٰ کہ اکثر احباب کو نہ جانے کا علم ہوا اور نہ آنے کا۔

عادات و خصائل

زہد و اتقاء، ورع و پرہیزگاری میں آپ اپنی نظیر آپ تھے طبیعت میں بے ساختگی، تکلف و تصنع سے دوری تھی۔ ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا ریا و سمعہ کا دور دور گذر نہ تھا۔ خوف خدا اور خشیت الٰہی چہرہ سے عیاں تھا عشق الٰہی اور حب رسول سے دل ہمہ وقت سرشار دل کی کیفیت چہرہ سے ہویدا تھی۔ مہمان نوازی میں آپ اپنے شیخ مدنیؒ کے قدم بقدم تھے۔ مہمان کی صورت دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے، مہمان کو اللہ کا فضل و تحفہ سمجھتے تھے والدہ مرحومہ کا بیان ہے

کہ جب تک مراد آباد میں کرایہ کے مکان میں رہے کوئی دن ایسا خالی نہ گذرا کہ آپ کے ساتھ دستر خوان پر مہمان نہ ہو بعض بعض دن آٹھ دس مہمان ہو جاتے اکثر مدرسہ سے جاتے ہوئے کسی نہ کسی طالب علم کو کھانے کے لئے ساتھ لے لیتے ۔ آپ کے زہد و اتقاء اور احتیاط و تقویٰ سے متعلق چند واقعات پیش خدمت ہیں جس سے آپ کی شخصیت کی بلندی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے مولانا اشفاق حسین صاحب استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت والا ایک مسجد میں امام کی اشد ضرورت ہے تنخواہ بھی مناسب ہے آپ امامت قبول فرمائیں حضرتؒ نے کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا کہ اللہ میاں کے لئے ایک نماز ہے وہ بھی پیسہ لے کر پڑھائیں اچھا نہیں لگتا" ، اسی طرح مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ " شاہ صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ جب مدرسے تنخواہ لیتے تو آٹھ دس روپئے مدرسہ میں جمع کرا دیتے میں نے ایک بار حضرتؒ سے کہا کہ آپ پریشان رہتے ہیں پھر آپ کا یہ ایثار کیوں ہوتا ہے ! فرمایا مت پوچھو خاموش ہو گیا پھر دوسرے مہینہ بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ اسباق سے فارغ ہونے کے بعد جب گھنٹہ خالی رہتا ہے تو میں نوافل اور تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہو جاتا ہوں یا کوئی صاحب تشریف لے آتے ہیں تو ان سے گفتگو کرتا ہوں اس طرح مدرسہ کا وقت اپنے کام میں صرف ہوتا ہے اب خطرہ یہ ہے کہ خدا کے یہاں مواخذہ نہ ہو جائے اس کی تلافی کے لئے ایسا کرتا ہوں " ، مولانا بدر الدین قاسمی مراد آبادی پروفیسر بنارس یونیورسٹی کا بیان ہے کہ " ایک دفعہ گرمیوں کی چھٹی میں شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا آپ درسگاہ میں تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے میں داخل ہوا تو آپ نے کھڑے ہو کر تپاک کے ساتھ ملاقات کی پھر بٹھلا کر علمی باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس دوران اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلتے رہے قریب پندرہ بیس منٹ کے بعد گھنٹہ شروع ہو گیا طلبہ پہونچے تو آپ اٹھے اور الماری کھولی پنکھے کا بٹن دبایا پنکھا چلنے لگا میں بیٹھا رہا حضرت درس میں مشغول ہو گئے مجھ سے فرمایا تشریف رکھیں سبق سے فراغت کے بعد تفصیلی گفتگو ہو گی سبق سے فارغ ہونے کے بعد مولانا پھر اٹھے اور پنکھا بند کر دیا میں نے پوچھا حضرت پنکھا کیوں بند کر دیا ! فرمایا کہ یہ طلبہ کے آرام کے لئے نہ کہ میرے

لئے طلبہ کے طفیل میں میں بھی آرام حاصل کر لیتا ہوں "۔ یہ ہے آپ کے احتیاط و تقویٰ کی شان جس کی نظیر اس دور اخیر میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔ مولانا عبدالرحیم سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ " میں مدرسہ امدادیہ میں تعلیم کے دوران شاہ صاحبؒ کے ساتھ کھانا کھاتا تھا ایک دفعہ دوپہر میں غسل کر کے آیا کھانے کا انتظار تھا آیا اور جلدی سے دسترخوان بچھایا کھانا شروع ہو گیا تو فرمایا کہ عبدالرحیم تم علم دین سیکھ رہے ہو اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر رہے ہو میں نہیں سمجھ سکا پھر فرمایا کہ سر پر ٹوپی اوڑھو ننگے سر کھانا دسترخوان کی خیر و برکت کو ختم کر دیتا ہے پھر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ مجھے یاد نہیں کہ پھر ننگے سر کھانا کھایا ہو" اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جس سے آپ کے اتباع سنت اور زہد و ورع کا پتہ چلتا ہے

سفر آخرت

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء بروز شنبہ بعد نماز فجر صبح ۶ بج کر ۵۴ منٹ پر علم و عمل رشد و ہدایت زہد و صلاح کے آسمان کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا آپ کو محلہ دربار سرائے ترین میں شاہ فتح اللہ ترین کے قریب سپرد خاک کیا گیا نماز جنازہ مدرسہ شاہی میں قاری محمد کاملؒ نے۔ اور دوبارہ سنبھل میں، قاری فضل الرحمن صاحب امروہہ نے پڑھائی ذوات کے کچھ عرصہ کے بعد پانی آنے کی وجہ سے آپکی قبر مبارک کھل گئی تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود آپکا چہرہ اور داڑھی کے بال بالکل ترو تازہ تھے کفن صحیح سلامت تھا اور ایک عجیب قسم کی خوشبو محسوس کی جا رہی تھی اس طرح کا واقعہ ۳ سال میں دوبار رونما ہوا۔ اس سے آپ کی قبولیت عنداللہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جگر گوشۂ شیخ الاسلامؒ

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہٗ العالی

مدرسہ شاہی کو ماضی قریب میں جن اساطین علم و فضل کی خدمات حاصل رہی ہیں ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی کا نام بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ آپ نے ۱۴ سال مسلسل گلشن قاسمی کو پروان چڑھانے میں حصہ لیا۔ مدرسہ کی تعلیمی نظام کی اصلاح میں آپ کی جدو جہد سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

آپ کا سنہ ولادت ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۱ء ہے۔ ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن کریم دیوبند ہی میں حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسپوری (فاضل مدرسہ شاہی) کے زیر نگرانی حاصل کی۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۸۲ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب سے بخاری شریف پڑھ کر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جامعہ قاسمیہ "گیا" میں مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد شوال ۱۳۸۹ھ میں آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کی ایماء پر مدرسہ شاہی میں خدمت تدریس پر مامور کیا گیا۔ یہاں رہ کر آپ نے کتب متوسطہ کے علاوہ مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف اور موطا امام مالک وغیرہ اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ ۲۱ر ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ کو مدرسہ کی مجلس تعلیمی کے کنوینر بنائے گئے۔ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ء کو نائب ناظم تعلیمات کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ آپ ہی نے تگ و دو فرما کر ۱۳۹۶ھ میں درس نظامی کی درجہ بندی مجلس شوریٰ میں منظور کرائی اور مدرسہ کے امتحانات نصاب، اور تعلیمی امور میں بے مثال اصلاحات فرمائیں۔ جن کی بنا پر مدرسہ کا تعلیمی معیار بہت بلند ہوا اور ادارہ کو دور دور تک نیک نامی ملی۔ ۱۴ر شعبان ۱۳۹۶ھ کو مجلس شوریٰ نے تقرر کمیٹی میں بھی آپ کو رکن کی حیثیت سے شامل کیا۔ دار العلوم دیوبند کی نشاۃ ثانیہ کے بعد دار العلوم کے ارباب حل و عقد کی طلب پر آپ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ میں دار العلوم دیوبند کی مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ وہاں

درس نظامی کی اعلیٰ کتابوں میں مسلم شریف، ترمذی شریف جلد ثانی اور مشکوۃ شریف کے اسباق آپ سے متعلق رہے ہیں۔ اس درمیان تقریباً دو سال دارالعلوم کے نائب ناظم مجلس تعلیمی بھی رہے اور انتظامی خدمات انجام دیں۔

آپ کو قومی و ملی سرگرمیوں سے بھی دلچسپی ہے۔ جمعیتہ علماء ہند کی مرکزی مجلس عاملہ اور امارت شرعیہ ہند کی مجلس شوریٰ کے سرگرم رکن ہیں۔

آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ "قرآن مجید کے ترجمہ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی" کو ہندی زبان میں منتقل کرنا ہے۔ جسے آپ نے مسلسل ۱۲سال کی محنت کے بعد مکمل فرمایا ہے۔ جو گذشتہ سال جمعیتہ علماء ہند کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ آپ نے اس کام کا آغاز مراد آباد کے زمانہ قیام میں فرمایا تھا۔ یہ ایک ایسی عظیم خدمت ہے جو ہندی داں طبقہ میں صحیح دینی اسپرٹ پیدا کرنے میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ رب العزت آپ کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین۔



میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں
(ارشاد نبوی ﷺ)

تاریخ شاہی کا ایک ورق

تحریر :- جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی بہرائچی استاذ حدیث وفقہ جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی رامپور

مدرسہ شاہی مرادآباد نے آبیاری علم وفن اور مذہبی اقدار و روایات کی حفاظت و صیانت میں جو نمایاں خدمت ایک سو سولہ سال کی مدت میں انجام دی ہے وہ آفتاب نیمروز سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے۔ اس اسلامی دانشگاہ نے صالح افکار وخیالات کے ہادی اور منادا اور علم و فن فکر و عمل کی ایسی نابغہ روزگار ہستیوں کو جنم دیا ہے۔ جنھوں نے کشت زار اسلام کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور دین حنیف کی حفاظت و پاسداری میں ہر میدان کارزار کی بادیہ پیمائی کی ہے۔

چنانچہ تاریخ کے انمٹ نقوش اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ اشاعت دین اور علم وفن کا کوئی ایسا باب نہیں ہے جس کے گیسوئے برہم کو اس کے ساختہ و پرداختہ افراد نے سنوارا نہ ہو، اور اپنے فکر کی پختگی اور فنی کمال ومہارت سے اسے مالامال نہ کیا ہو۔

سنہ ۱۲۹۶ھ میں اس عظیم ادارے کی بنیاد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے رکھی تھی۔ اخلاص کا لگایا ہوا یہ پودا چند ہی سال میں ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ تشنہ کامان علوم نبوت کشاں کشاں اس مجلس کی سامان زینت بنتے گئے۔ اور اپنے دامن مراد کو علم کی موتیوں سے بھرتے گئے۔ اور آج اس کا فیضان نور صرف سرزمین ہند ہی کو نہیں بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ کو بھی مستنیر و فیضیاب کر رہا ہے۔

اس عظیم ادارہ کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اسے ابتداء ہی سے شان مرکزیت کا مقام حاصل رہا ہے اور عوام وخواص کا ہمیشہ مرجع رہا ہے۔ ادارہ کی قدامت

کے ساتھ جہاں بہت سی حسین اور تاریخی یادیں اس کے تاریخ کا جزء بن گئی ہیں منجملہ ایک کڑی جامعہ قاسمیہ سے ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور کے ربط و تعلقات کی بھی ہے۔ مدرسہ شاہی کے روئدادوں سے اور تاریخی یادداشت سے پتہ چلتا ہے کہ اس قصبہ کو جامعہ سے بہت قدیم اور دیرینہ تعلقات رہے ہیں اس ادارہ کے منتظمین علماء و مشائخ نے ہمیشہ اس قصبہ کا دعوتی و تبلیغی اسفار کر کے مسلک دیوبند کی اشاعت اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے مدارس کی سطح پر بھی ان کا قیام ان کی سرپرستی اور ان کو مفید مشوروں سے نوازنا اس ادارہ کی نوازشات میں شامل رہی ہیں۔ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحبؒ قصبہ کے قدیم دینی ادارہ جامعہ رحمانیہ کے ۱۳۷۰ھ سے تادم حیات صدر رہے ہیں اور برابر جامعہ رحمانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے رہے اور مناسب ہدایات (جامعہ کا رجسٹر معائنہ، رجسٹر کارروائی اور خصوصی ہدایات کے رجسٹر اس پر شاہد ہیں) اور تعمیر و ترقی کے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

اصل قصبہ کا والہانہ تعلق یہ رہا کہ وہ ہمیشہ اس ادارہ کے تعمیر و ترقی میں فراخدلی اور دریا دلی سے حصہ لیتے رہے ہیں اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اس ادارہ سے وابستہ رکھی چنانچہ ادارہ سے فیض یافتگان کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز ہے۔ اس قصبہ کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس نے جامعہ قاسمیہ کو بہت سے رجال کار فراہم کئے ہیں جنھوں نے جامعہ کی ایک مدت دراز تک آبیاری کی ہے۔ اس وقت موضوعِ سخن متوخر الذکر حضرات کے کارناموں اور ان کے حیات پر ایک اجمالی نظر ڈالنی ہے۔

حافظ نور محمد صاحبؒ

قصبہ ٹانڈہ بادلی آپ کا وطن تھا۔ قصبہ کو جن گرامی قدر شخصیات پر ناز ہے ان میں سے ایک مثالی شخصیت حافظ نور محمد صاحب مرحوم کی تھی۔

جنکے صدق وصفا، خلوص وللہیت، خشیت و انابت تقویٰ وورع، عقیدہ کی پختگی اور دینی صلابت کے باعث آج بھی قصبہ اور اہالیانِ مراد آباد ان کی نیکی وخلوص کے ثناخواں ہیں۔

یکم رجب ۱۳۰۴ھ کو مرکزی ادارہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تین روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر ہوا اور پھر ہر شے سے بیگانہ ہوکر مدرسہ شاہی کی خدمت اور قرآن کریم کے تعلیم وتعلم میں مصروف ہوگئے اور زندگی کا بیش قیمت حصہ قرآن کریم کو سینوں میں منتقل کرنے اور حفظ قرآن کریم کے آتش شوق کو بھڑکانے اور تیز سے تیز تر کرنے میں صرف کردی ہزاروں کی تعداد میں شاگردان رشید تیار کئے جنھوں نے قرآن کریم کی صحیح تعلیم کو عام کیا اور شمع علم کو فروزاں کیا ہے آپ کے بہت سے نامور شاگردوں میں ایک نام فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کا بھی ہے۔ اپنی زندگی میں سات بار زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت حافظ صاحبؒ کو کسی صاحب نے حج بدل کے لئے بھیجا۔ اتفاق سے کسی رکن کی تکمیل نہ ہوسکی حج سے واپس آکر اپنا ایک مکان فروخت کیا اور دوبارہ حج کے لئے عازمِ سفر ہوئے اس دینی انحطاط وتنزل کے دور میں جب کہ امانت ودیانت عنقا ہورہی ہے۔ حافظ صاحب کا یہ عمل ہمارے لئے چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت حافظ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عامہ سے نوازا تھا شہر مراد آباد خاص طور پر آپؒ کے عقیدتمندوں کا مرکز تھا۔ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ میں جس وقت آپؒ نے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کیا تو آپؒ کے عقیدتمندوں کا اصرار ہوا کہ حافظ صاحبؒ کی تدفین مراد آباد میں کی جائے، چنانچہ انھیں حضرات کے اصرار پر قبرستان پنجابیان آپ کی آخری آرامگاہ قرار پائی۔ اس طرح نصف صدی تک مدرسہ شاہی میں خدمت قرآن کریم میں مصروف رہ کر رب کریم کے حضور حاضر ہوئے

اللہ تعالیٰ بہترین اجر سے نوازے آمین ۔

اللہ ان پہ بارشِ رحمت ہو دم بہ دم ان کے لئے کھلیں ترے رحم وکرم کے باب

قاری محمد ابراہیم صاحبؒ

قاری صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم جامعہ رحمانیہ میں قاری عبداللہ صاحب کے پاس حاصل کی اس کے بعد مدرسہ شاہی میں داخل ہوئے اور یہیں پر آپ نے حافظ نور محمد صاحبؒ کے پاس حفظ کی تکمیل کی ۔ حفظ کی تکمیل کے بعد مدرسہ شاہی کے معروف ومشہور قاری عبداللہ صاحب کے پاس قرآءت وتجوید کی تعلیم حاصل کی ۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ابتداءً کچھ دنوں آپ نے جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے ۔ بعد میں ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ شاہی منتقل ہو گئے حافظ نور محمد صاحبؒ نے جس وقت اپنے آخری حج کا ارادہ کیا تو قاری صاحب کو اپنی خاص جگہ پر بٹھلا کر سفر پر روانہ ہوئے ۔ حافظ صاحبؒ کے آپ شاگرد بھی تھے اور آپ پر حافظ صاحب کو بڑا اعتماد بھی تھا ۔

قاری صاحب کا شمار اپنے زمانہ کے ممتاز قاریوں میں ہوتا تھا ۔ تقریباً بارہ سال تک آپ نے شاہی مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنایا آپ کے دلکش اور جاذب قلوب انداز کے سبب ایک جم غفیر آپ کے پیچھے سامعین کا ہوتا تھا ۔ ۱۹۵۱ء تا ۱۹۶۴ء آپ امام شہر ٹانڈہ بھی رہے ہیں ۔

تقریباً چالیس سال تک آپ نے مدرسہ شاہی میں درجہ حفظ کی خدمت انجام دی ۔ درجہ حفظ کے ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار استاذ تھے آپ نے بڑے باکمال شاگرد تیار کئے ۔ سینکڑوں کی تعداد میں آج بھی مرادآباد و اطراف وجوانب میں موجود ہیں اور علم دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں ۔

طبیعت کے اعتبار سے انتہائی سادہ کم گو متواضع اور متقی اور پرہیزگار انسان تھے ۔ اکابرین سے آپ کو خاص تعلق تھا ، خصوصاً حضرت شیخ الاسلامؒ کے بڑے مداح اور سچی عقیدت رکھنے والوں میں سے تھے ۔ جمعیۃ علماء ہند کے پروگراموں سے بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے ۔ آزادی سے قبل زیارت حرمین شریفین کی سعادت

بھی نصیب ہوئی

مدرسہ شاہی کے زمانہ تدریس میں آپ نے چند سال انجیر والی مسجد محلہ بھٹی میں امامت کی، اس کے بعد مستری والی مسجد سیدھی سرائے میں امامت کا فریضہ انجام دیا۔

۱۹۶۴ء میں اچانک فالج کا حملہ ہوا پھر حالت سنبھل نہ سکی اسی حالت میں وطن ٹانڈہ آگئے۔ تقریباً آٹھ سال تک علاج و معالجہ کا سلسلہ رہا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر ۲۲ فروری بروز منگل ۱۹۷۲ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح مدرسہ شاہی ایک ایسے سچے خادم سے جس نے چالیس سال شاہی کے بام و در کو قرآن کریم کے حسین و دلکش نغمات سے معمور و مخمور کر رکھا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔ اکہتر سال کی عمر پائی اور قبرستان عیدگاہ میں تدفین ہوئی۔ پسماندگان میں سینکڑوں روحانی اولاد کے علاوہ نسبی اولاد میں دو لڑکے جناب قاری محمد نعیم صاحب امام جمعہ و عیدین جامع مسجد ٹانڈہ اور محمد شمیم صاحب اور چار لڑکیاں اور اہلیہ محترمہ کو چھوڑا۔ خداوند تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

قاری عبداللطیف صاحبؒ

قاری صاحب مرحوم ایک اصول پسند، نیک باطن، دیانتدار، علم دوست، متقی اور پرہیزگار انسان تھے ابتدائی تعلیم قصبہ کے قدیم دینی ادارہ جامعہ رحمانیہ میں حاصل کی اور یہیں پر آپ نے پرائمری اور حفظ کی تعلیم مکمل کی۔ حفظ سے فراغت کے بعد مدرسہ شاہی میں درجۂ قرأت وتجوید میں داخل ہوئے۔ اور قاری عبداللہ صاحبؒ سے تجوید کا فن حاصل کیا۔

ابھی تعلیم سے فراغت ہی ملی تھی کہ ادارہ کے ذمہ دار و منتظمین جنھوں نے قاری صاحبؒ کی باطنی صلاحیتوں کا اندازہ زمانۂ طالب علمی ہی میں کر لیا تھا، ۱۳۵۰ھ میں آپ کا مدرسہ شاہی میں تقرر کر لیا۔ ابتداءً آپ نے حافظ نور محمد صاحبؒ کی معاونت میں کام کیا۔ بعد میں آپ کو باضابطہ درجۂ حفظ سپرد کیا گیا۔ تقریباً ۵۸ سال

تک آپ نے اس مفوضہ ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ پابندیٔ اوقات میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ وقت سے پانچ منٹ قبل درسگاہ میں پہونچنا اور پورے وقت درس وتدریس میں مشغول رہنا وظیفۂ زندگی بن گیا تھا آپ کی پر وقار شخصیت کی بناپر طلبہ پر ایک خاص رعب قائم تھا۔ لیکن اس کے باوجود طلبہ کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے۔ درجۂ حفظ کے ممتاز اساتذہ میں آپ کا شمار تھا۔ سینکڑوں کی تعداد میں لائق شاگرد تیار کئے اور اپنی زندگی کا مشن ہی قرآن کریم کی ترویج واشاعت بنایا۔

تین بار زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۵۳ء میں، دوسری بار ۱۹۷۱ء میں، اور تیسری بار ۱۹۷۸ء میں۔ بیعت وارادت کا تعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ حضرتؒ کے بڑے گرویدہ اور سچے فدائیوں میں سے تھے۔

ان تمام محاسن وخوبیوں کے ساتھ حضرت قاری صاحبؒ کو ملی مسائل سے بھی کافی تعلق ولگاؤ تھا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر آپ ایک زمانہ تک جمعیۃ علماء ہند کے ورکر اور مخلص کارکن کی حیثیت سے جمعیۃ کے پروگراموں کو آگے بڑھانے میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔ قرآن پاک سے آپ کو بچپن سے ہی بہت زیادہ شغف تھا اسلئے آپکو انجمن اشاعت القرآن مدرسہ شاہی کا ناظم منتخب کیا گیا آپ نے اپنے شوق وجذبہ کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اور اس کی تنظیم وترقی میں نمایاں کردار ادا کیا آپ ۱۳۸۴ھ سے تاحیات جامعہ رحمانیہ کے نائب مہتمم کے منصب پر بھی فائز رہے۔

معمولات کے بڑے پابند تھے، تہجد، اشراق، اور اوابین تک کا اہتمام رکھتے تھے۔ تہجد اور اوابین میں سواپارہ قرآن پڑھنا ایک مدت دراز تک آپ کے معمول میں داخل رہا۔ آخر عمر میں جب ضعف ونقاہت زیادہ بڑھ گئی اس وقت اس معمول میں فرق آیا۔ قرآن کا دور پھر بھی اخیر عمر تک برقرار رہا۔

۱۴۰۷ھ میں ضعف وپیرانہ سالی کے باعث مدرسہ شاہی سے وظیفہ یاب

ہو گئے تھے اور عمر کے بقیہ ایام اپنے وطن ٹانڈہ میں گذارے۔ ۲۵ صفر المظفر سنہ ۱۴۱۱ ہجر کو صبح ۸ بجے وہ سفر درپیش ہوا جس کے بعد لوٹنا نہیں ہے۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لئے بزم حیات سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قبرستان عید گاہ میں تدفین ہوئی۔ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ شاہی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، دو صاحبزادے جناب مولانا محمد خالد صاحب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم مراد آباد، مولانا مجیب احمد صاحب، اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔

قاری حافظ عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

والد کا نام عبد الحی تھا۔ آپ قاری محمد ابراہیم صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں جامعہ رحمانیہ میں حاصل کی تھی۔ اس کے بعد مدرسہ شاہی میں داخل ہو کر حفظ و قرارت کی تکمیل کی۔ سنہ ۱۳۵۳ ہجر میں آپ کا مدرسہ شاہی میں تقرر ہوا۔ ابتداءً کچھ دنوں آپ نے اردو سیکشن میں کام کیا۔ اس کے بعد درجہ حفظ کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ ۴۳ سال آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ بڑی محنت اور لگن کے ساتھ آپ نے اپنے فرائض کی انجام دہی کی۔ سینکڑوں شاگردوں نے آپ سے اخذ و استفادہ کیا۔

طبیعت کے اعتبار سے انتہائی نیک مخلص، پختہ عزم و ارادہ کے مالک اور علماء نواز واقع ہوئے تھے۔ اکابرین سے آپ کو خصوصی تعلق و لگاؤ تھا۔ مدرسہ میں جس وقت بزرگانِ دین اور اکابرین کی آمد ہوتی تو آپ ہر خدمت کے لئے پیش پیش رہتے۔ اور اپنے لئے سعادت تصور کرتے۔ حضرت مولانا سید فخر الدینؒ سے آپ کو بڑی عقیدت و محبت تھی۔ حضرتؒ کو بھی قاری صاحب سے کافی تعلق تھا۔

قاری صاحبؒ نے اپنی اخیر عمر میں جو زندہ جاوید یادگار چھوڑی ہے وہ ہے ٹانڈہ کی جامع مسجد، جس کی تعمیر و توسیع میں آپ نے بڑے ہمت و حوصلہ اور شوق و جذبہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ شاہی شان و شوکت کی مالک یہ مسجد قاری صاحب

کے مخلصانہ جدوجہد کی ہمیشہ یاد دلاتی رہے گی۔

اخیر میں چند سال قبل جب مسجد کی مصروفیت زیادہ بڑھ گئی تو آپ مدرسہ سے سبکدوش ہوکر وطن آگئے اور اخیر عمر وطن ہی میں گذاری۔ وفات سے ایک سال قبل فالج کا حملہ ہوا۔ علاج و معالجہ سے قدرے افاقہ ہوگیا۔ لیکن دوبارہ پھر حملہ ہوا اور اس کے بعد درمیان کے ایام بیماری ہی میں گذرے۔ ۲۵ر فروری ۱۹۸۹ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عطا و مغفرت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

مولوی حافظ عبدالخالق صاحبؒ

آپ کے والد کا نام نور محمد صاحبؒ تھا۔ دسمبر ۱۹۱۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی اس کے بعد مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا۔ اور یہیں سے حفظ، قراءت اور عربی تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ قراءت آپ نے قاری عبداللہ صاحبؒ سے پڑھی تھی، سبعہ عشرہ کے قاری تھے۔ اس فن سے آپ کو کافی مناسبت تھی۔ یکم محرم ۱۳۵۶ھ میں دس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا مدرسہ شاہی میں تقرر ہوا۔ ابتداءً درجہ دینیات آپ کے سپرد رہا۔ بعد میں درجۂ حفظ کی خدمت سپرد کی گئی۔ تقریباً اٹھارہ سال تک شاہی میں آپ نے تدریسی خدمت انجام دی۔ بڑے محنتی اور جفاکش لوگوں میں سے تھے۔ کامیاب مدرسین میں آپ کا شمار تھا۔ ۱۳۷۳ھ میں حیات العلوم چلے گئے اور اخیر عمر تک حیات العلوم میں مدرس رہے۔ ۱۹۶۲ء میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

طبیعت کے اعتبار سے انتہائی نیک مخلص متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور عنایتوں سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

مولوی عبدالواحد صاحبؒ

قصبہ ٹانڈہ آپ کی جائے پیدائش ہے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ شاہی میں کچھ دنوں تعلیم حاصل کی۔ ۲۰ر ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ میں

شاہی میں تقرر ہوا کچھ دنوں دینیات میں کام کیا۔ اس کے بعد دفتری خدمت سپرد کی گئی۔ ۱۳۶۸ھ تک مدرسہ شاہی سے متعلق رہے۔ اس کے بعد سبکدوش ہوکر وطن آگئے۔ اس کے بعد جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ، اسی طرح مدرسہ شمس العلوم کاشی پور اور ہلدوانی وغیرہ مقامات پر بھی محرری کا کام انجام دیا۔ اچھے خوش نویس وخوش پوشاک تھے۔ اصول کے بڑے پابند تھے۔ تقویٰ وطہارت سے آراستہ زندگی کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت سے نوازے۔ آمین۔

شیخ محمد نعیم صاحبؒ

مدرسہ شاہی میں آپ نے خادم مدرسہ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ ۹ر ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ میں تقرر ہوا۔ ۳ر ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ تک آپ مدرسہ شاہی سے وابستہ رہے۔ اخیر عمر میں ضعف وپیرانہ سالی کی وجہ سے ترک ملازمت کرکے وطن چلے آئے اور زندگی کی بقیہ عمر وطن میں گذاری۔

انتہائی سادہ خوش گفتار اور ملنسار، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

حافظ عبد اللہ صاحبؒ

حافظ عبد اللہ صاحب شیخ نبیہ صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے ۱۸۹۵ء میں ٹانڈہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے ذہین اور لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ سن شعور سے والد صاحب نے اپنے ساتھ رکھا۔ اسلئے پرائمری ناظرہ اور حفظ کی تعلیم مدرسہ شاہی میں ہوئی۔ ۱۹۱۲ء میں آپ نے حفظ مکمل کیا اس کے بعد مدرسہ شاہی میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر ہوا۔ کافی مدت تک بحسن وخوبی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ بعد میں ذاتی وجوہات کی بنا پر کلکتہ جانا ہوا جس کی بنا پر مدرسہ شاہی سے ترک ملازمت کرنی پڑی ۱۹۵۲ء میں واپسی کے بعد آپ نے جامعہ رحمانیہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا۔ اور اخیر عمر تک جامعہ رحمانیہ سے منسلک رہے۔ ۱۹۷۳ء میں معمولی علالت کے بعد اس دار فانی سے دار البقا کی جانب کوچ کیا۔

موصوف خوش شکل سادہ مگر خوش لباس، کم سخن سنجیدہ اور متین انسان تھے

حافظ صاحب کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی آپ کا تخلص اختر تھا۔ چیرمین وفاء الرحمٰن صاحب کے ساتھ ساتھ میدان سیاست میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ خصوصاً جمعیۃ کے پروگراموں میں کافی سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کے نیک خدمات کا نیک صلہ عطا فرمائے (آمین)

حافظ کریم بخش صاحبؒ

مدرسہ شاہی کے ابتدائی مدرسین میں سے ایک نام حافظ کریم بخش صاحب کا بھی ہے آپ درجہ حفظ کے ایک مدت تک استاذ رہے ہیں۔ حافظ نور محمد صاحب کا زمانہ اور آپ کے تدریس کا زمانہ ایک ہے بہت ہی مخلص اور نیک زاہد اور شب زندہ دار لوگوں میں سے تھے۔ طبیعت میں قناعت پسندی اور خود داری حد درجہ کی تھی درجہ حفظ کے ایک تجربہ کار استاذ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا نیک صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مشہور فیض یافتگان

اولین فیض یافتہ

حضرت مولانا سید عبد الغنی پھلاودی ؒ

از :- حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی سابق رکن شوریٰ مدرسہ شاہی مراد آباد

قطب الوقت حضرت مولانا حافظ حاجی سید عبد الغنی پھلاودی ؒ ابن حاجی سید محمد ایوب پھلاودی ؒ اپنے زمانے کے عجیب وغریب بزرگ تھے ان کے واقعات سے براہ راست اور تحریروں سے ان کے کمالات خاصہ کا کچھ نہ کچھ اندازہ اور انکشاف ہوجاتا ہے جو درجاتِ ولایت اور مقامات رفیعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہیں۔ وہ ایک طرف سیدھے سادے صوفی منش درویش تھے۔ نہ لباس میں کوئی نمائش نہ تکلم میں کوئی تکلف، علوم قاسمیہ ان پر چھائے ہوئے تھے، دوسری طرف وہ فارسی واردو کے شاعر بھی تھے۔ حافظ تخلص تھا۔ ان کے بیاضوں سے ان کی نظم ونثر کی بلاغت وفصاحت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔

مولانا پھلاودی ؒ نے ابتدائی تعلیم حاجی حافظ محمد یٰسین صاحب سے حاصل کی تھی جو کھتولی میں رہتے تھے وہیں ان کا انتقال ہوا۔ پھر فارسی کی ابتدائی تعلیم پاکر غالباً میرٹھ آگئے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا نانوتوی ؒ قاسم العلوم والمعارف میرٹھ میں مطبع مجتبائی کے اندر تصحیح کا کام انجام دیتے تھے اور چند طلبہ بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ براہ راست دن رات پڑھا کر انکو کہیں سے کہیں پہونچا دیتے تھے۔ رئیس الاتقیاء حضرت مولانا محدث امروہوی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی ؒ بھی انھیں طلبہ

میں سے تھے جنھوں نے حضرت قاسم العلوم کے زیر سایہ زانوئے تلمذ طے کر کے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، ادب، ہیئت، تاریخ، منطق و فلسفہ بڑی دلچسپی اور محنت سے پڑھا۔ پھر ان حضرات کو دار العلوم دیوبند (جو اس وقت مدرسہ عالیہ کہلاتا تھا) میں داخل کرا کے دورۂ حدیث کی تکمیل ہو جانے پر سند فراغ مدرسہ دیوبند سے دلوائی۔ پورا نصاب درس حاصل کرنے میں ان حضرات کو جو وقت لگا وہ ان کی استعداد علمی کی نسبت سے بہت کم ہے۔ یہ پتہ نہ چلا کہ حضرت امروہیؒ کے میرٹھ پہونچنے کے بعد مولانا پھلاودیؒ میرٹھ آئے یا ان کے آنے سے پہلے آ گئے تھے۔

خاندانی حالات

حضرت مولانا حافظ سید عبد الغنیؒ قصبہ پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ کے باشندہ تھے۔ آپ کا خاندان سادات رضویہ کا ایک مشہور و معروف خاندان ہے۔ آپ کی پیدائش ۳ ذی قعدہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۵۲ء بروز جمعہ ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام محمد عبید الغنی (۱۲۶۸ھ) تھا۔ حضرت نانوتویؒ کے بہت سے خطوط آپ کے نام ہیں جن سے آپ کے اور حضرت نانوتویؒ کے علمی و روحانی روابط کا اندازہ ہوتا ہے آپ نے اپنی تمام عمر تکمیل سلوک، تزکیۂ نفس اور تعلیم و تدوین علوم دینیہ میں گذاری۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی مگر تمام علوم و فنون متداولہ مستحضر تھے۔

مدرسہ شاہی سے فراغت

حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ رشید رأس الاذکیاء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ خورجہ، سنبھل، دہلی وغیرہ میں تعلیم دینے کے بعد ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں مدرسہ شاہی مراد آباد کے سب سے پہلے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ جب ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی مفسر امروہویؒ جنھوں نے

ترمذی شریف مدرسہ چھتہ دیوبند میں حضرت نانوتوی رح سے پڑھی تھی۔
اور جو دارالعلوم دیوبند کے فرزندانِ قدیم تھے، مدرسہ شاہی مرادآباد چلے گئے اور وہاں حضرت امروہوی رح کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے تھے اور ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی کو مدرسہ شاہی سے سند فراغ ملی۔ حضرت حافظ عبدالغنی پھلاودی رح کو بھی اسی سنہ میں مدرسہ شاہی سے سند فراغ ملی[1] حضرت حافظ عبدالغنی پھلاودی رح کو حضرت امروہوی رح نے جو سند حدیث اپنے قلم سے لکھ کر مرحمت فرمائی تھی وہ ابھی تک پھلاودہ میں محفوظ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت پھلاودی رح نے تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ مشکوٰۃ اور مؤطا کی قرأت و سماعت کی تھی۔

جب ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں مدرسہ شاہی سے ترکِ تعلق کر کے حضرت امروہوی رح نے اپنے وطن امروہہ میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد قائم کیا تو مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحبؒ صدیقی اور مولانا حافظ سید عبدالغنی صاحبؒ پھلاودی رح دونوں اس مدرسہ کے مدرس مقرر ہوئے۔ کئی سال تک اس مدرسہ میں حضرت پھلاودی رح نے درس دیا۔ حضرت پھلاودی رح کے قیامِ امروہہ کے زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کا ایک مکتوبِ گرامی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے پتے پر حضرت پھلاودی رح کے نام آیا ہے۔ اس مکتوبؒ میں حضرت حاجی صاحبؒ رح نے مدرسہ اسلامیہ کے حق میں دعاءِ خیر تحریر فرمائی ہے۔ حضرتؒ

---

[1] مدرسہ شاہی کے قدیم رکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالغنی صاحبؒ رح ۱۲۹۸ھ میں فارغ ہوئے۔ پھر مدرسہ شاہی میں مدرس دوم کے عہدہ پر مامور ہو گئے اور شوال ۱۳۰۳ھ میں حضرت محدث امروہوی رح کے ساتھ آپؒ نے بھی مدرسہ سے استعفاء دے دیا۔ (رجسٹر کارروائی شوریٰ ۱۳۰۳ھ)

حاجی صاحبؒ لکھتے ہیں!

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ

بخدمت سراپا برکت عزیزم مولوی عبد الغنی صاحب مدرس مدرسہ امروہہ ارزق اللہ محبتہ ومعرفتہ، بعد سلام مسنون ودعائے خیر وبرکت کے واضح رائے سعادت ہو کہ آپ کا نامہ مرقومہ ۳۰ ر شعبان ۱۳۰۵ھ (۱۱ رمئی ۱۸۸۸ء) قدسی وارد ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ اپنے فضل وکرم سے آپ کے مدرسہ کی مدد واعانت کرتا رہے گا اور سب سرمایوں سے باقی اور لازوال سرمایہ توکل ہے جس چیز کا یا جسکا اللہ جل جلالہ خود کفیل ہو تو اس کا کیا کہنا ہے آپ لوگ نظر حضرت حق کی رحمت پر رکھ کر اس کے بندوں کو باخلاص تعلیم و تلقین فرمائیے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مستطیع فرماکر شرف زیارت حرمین شریفین سے شرف فرمادے۔

السلام علیکم وعلی من لدیکم۔ ۱۲ ر ذی قعدہ ۱۳۰۵ھ

خلافت

حضرت قطب الاقطاب شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ نے مولانا عبد الغنی پھلاودیؒ کو اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اور انہیں یہ خلافت نامہ اپنے قلم سے لکھ کر عنایت کیا تھا۔

از مکہ معظمہ، یکم ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

حق حق حق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

می گوید فقیر حقیر محمد امداد اللہ چشتی کہ برادر دینی وطالب یقینی مولوی ...

عزیزم حافظ مولوی عبد الغنی صاحب زید معرفتہ، در صحبت عزیزم مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بودہ از فیاض حقیقی فیض برداشتند ونسبت انتقال واستعداد وتعلیم وتلقین طریق سلوک حق حاصل کردند چونکہ فقیر ومولانا مرحوم در طریقہ متحد و در نسبت کنفس واحد است پس فقیر ہم اجازت اذکار واشغال ومراقبات کہ در رسالہ ضیاء القلوب نوشتہ ام اجازت عام باجازت کہ داد مرا بزرگان طرق اربعہ چشتیہ وقادریہ ونقشبندیہ وسہروردیہ رحمہم اللہ ورزقنا اللہ من برکاتہم وکمالاتہم وفیوضہم دادم ونیز اگر کدام طالب صادق نام حق آید اول از و بیعت گرفتہ حسب استعداد وقابلیت او تلقین ذکر وغیرہ کردہ دہند واز آداب سلوک ہم اطلاع نمایند وتوجہ بر حال او مرعی دارند وبہ تحصیل مسائل فقہیہ ضروریہ بر تصحیح عقائد اہل سنت وجماعت تاکید فرمایند ورغبت وتحریص بر اتباع شرع شریف وسنت نمایند کہ بدون ایں وصول مطلب غیر ممکن است. واللہ ولی الفضل والارشاد ونسئلہ بارک اللہ لنا ولکم ونفعنا اللہ وایاکم التوفیق والامداد

مہر

وفات حضرت مولانا حافظ عبد الغنی پھلاودی رحؒ نے ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ہجر (۱۱ راگست ۱۹۳۲ء) بروز چہار شنبہ ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔

قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون

حضرت مولانا قاضی عبدالباری گڈھ مکتیشری ؒ

والد کا نام عنایت اللہ اور سنہ پیدائش غالباً ۱۲۷۹ھ ہے مدرسہ شاہی کے ابتدائی فیض یافتگان میں ہیں۔ صفر ۱۲۹۶ھ میں جس وقت آپ نے مدرسہ میں داخلہ لیا تو آپ کی عمر ۲۳ برس تھی پہلے سال آپ نے ترمذی شریف، میبذی اور شرح تہذیب پڑھی[1] پھر ۱۲۹۸ھ میں درج ذیل کتابیں پڑھنے کا پتہ چلتا ہے۔ مسلم شریف، قاضی مبارک، موجز، جنہیں امتحان سالانہ میں بالترتیب ۲۰، ۲۰، ۲۰ اور ۱۹ نمبرات آپ نے حاصل کئے۔ اور انعام میں آپ کو سنن ابن ماجہ، قبلہ نما اور انتصار الاسلام کتابیں دی گئیں[2] ۱۳۰۱ھ کے اجلاس دستار بندی میں آپ بھی اُن خوش نصیب افراد میں شامل تھے جنہیں اسوقت کے اکابر علماء امت کے بدست دستار فضیلت دی گئی، آپ کا اور آپ کے ساتھی مولانا محمد یحییٰ صاحب شاہجہانپوری ؒ کا تعارف کراتے ہوئے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے فرمایا تھا۔

"ان دونوں صاحبوں نے بشان معاونت مدرسہ ہذا میں کار تعلیم کو عمدہ انجام دیا،"[3]
آپ کافی عرصہ تک مدرسۃ الشرع سنبھل میں مدرس رہے ہیں۔ سنہ وفات کا علم نہ ہوسکا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب دبکوی ؒ

دبکہ ضلع بیلی بھیت کے باشندہ اور مولانا عبداللہ صاحب کے نورنظر تھے سنہ پیدائش غالباً ۱۲۷۲ھ ہے اس لئے کہ ۱۹ر صفر ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی میں آپ کے داخلہ کے وقت عمر ۲۴ سال لکھی گئی ہے[5] آپ بھی مدرسہ شاہی کے اولین خوشہ چینوں میں ہیں، ۱۲۹۸ھ کی روداد سے معلوم ہوتا ہیکہ اس سال آپ نے مدرسہ شاہی میں میرزاہد اسراجی، مقامات حریری اور دیوان متنبی کے اسباق میں حصہ لیا ہے[6] آپ نے طالب علمی کیساتھ مدرسہ میں کچھ عرصہ مدرسی بھی کی اور طلبہ میں مقبولیت حاصل کرلی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۰۱ھ میں آپ کی دستار بندی کا اعلان کرتے ہوئے ان الفاظ میں تعارف کرایا۔

"ان دونوں صاحبوں (مولانا عبدالحق و مولانا عبدالغنی) نے چند عرصہ سے اس مدرسہ میں مدرسی بھی کی اور تعلیم کا کام بخوبی انجام دیا ہے اور طلبہ ان سے راضی اور خوش رہے"[8]
مدرسہ شاہی سے جانے کے بعد آپ مدرسہ عالیہ فتحپوری میں مدرس رہے۔ سنہ وفات معلوم نہ ہوسکا۔

---

[1] رجسٹر داخلہ وخارجہ بابت ۱۲۹۶ھ [2] روداد ۱۲۹۸ھ مطبوعہ [3] روداد اجلاس دستار بندی ۱۳۰۱ھ [4] روداد مدرسہ شاہی بابت ۱۳۳۶ھ [5] رجسٹر داخلہ ۱۲۹۶ھ [6] روداد مدرسہ ۱۲۹۸ھ [8] روداد اجلاس دستار بندی ۱۳۰۱ھ

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب شاہجہانپوری

۱۳۰۱ھ کے عظیم الشان اجلاس دستار بندی میں آپکی بھی دستار بندی ہوئی ہے مدرسہ شاہی کے قابل فخر سپوتوں میں ہیں ۱۲۹۸ھ کی روداد میں لکھا ہیکہ اس سال آپنے درج ذیل کتابیں پڑھیں اور امتحان سالانہ میں امتیازی نمبرات حاصل کئے۔ بیضاوی شریف ۲۰، ۱/۲، حمداللہ ۲۰ ۱/۲، قاضی مبارک ۲۰، ۱/۲، ملاحسن ۲۰ ۱/۲ [1] چونکہ ۱۲۹۹ھ اور ۱۳۰۰ھ کی رودادیں مطبوعہ موجود نہیں ہیں اسلئے مدرسہ شاہی میں رہتے ہوئے آپکے اگلے تعلیمی حالات کا علم نہ ہوسکا۔ البتہ ۱۳۰۱ھ کے اجلاس کی روداد سے پتہ چلتا ہیکہ فراغت کے بعد آپ نے کچھ دنوں مدرسہ شاہی میں درس بھی دیا ہے [2] ۱۲۹۸ھ کی روداد میں بھی آپ کو معین مدرس لکھا گیا ہے۔

حضرت مولانا سید عبد الحکیم صاحب امروہوی

جناب عبد السبحان صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور مردم خیز قصبہ امروہہ کے ساکن تھے۔ ۱۹ر صفر ۱۲۹۶ھ کو ۱۲ سال کی عمر میں مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا۔ اور اس سال شرح عقائد نسفی اور قطبی کے درس میں شریک رہے [3] اعلیٰ درجہ کے ذہین اور طباع تھے۔ فراغت کے بعد مدرسہ عثمانیہ حیدرآباد میں درجہ علیا کے مدرس رہے۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سنبھلی

یکم جمادی الاول ۱۲۹۶ھ میں مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا۔ اسوقت عمر ۲۲ سال تھی والد کا نام غلام شاہ اور وطن سنبھل ہے آپنے ۱۲۹۶ھ میں قطبی، شرح وقایہ اور مختصر المعانی کتابیں پڑھیں [4]، اور ۱۲۹۸ھ میں ملاحسن مسلم شریف اور کنز الدقائق مقامات کا امتحان دیا، اور شرح عقائد اور حاشیہ جمالی انعام میں حاصل کیں [5] آپ اپنے دور کے مشہور اور مقبول عام خطیب تھے، واعظ الاسلام لقب تھا۔ آپ ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۳۰ھ تک مدرسہ شاہی کے رکن شوریٰ بھی رہے [6]

---

[1] روداد ۱۲۹۸ھ [2] روداد اجلاس ۱۳۰۱ھ [3] رجسٹر داخلہ ۱۲۹۶ھ [4] رجسٹر داخلہ ۱۲۹۶ھ
[5] روداد ۱۲۹۸ھ [6] فہرست اراکین شوریٰ۔

فیض یافتہ

مولانا خادم حسین مرادآبادیؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ)

غالباً ۱۲۴۸ھ کی پیدائش ہے۔ والد کا نام شیخ حسین بخش تھا۔ وطن اصلی مرادآباد تھا، بعد میں مستقل امروہہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ مدرسہ شاہی کے ابتدائی فضلاء میں سے ہیں۔ ۱۲۹۸ھ کی روداد میں آپ کا نام بیضاوی شریف، مقامات حریری اور دیوانِ متنبی کے طالب علموں میں ملتا ہے۔ جن کے امتحان میں آپ نے علی الترتیب ۲۰ میں سے ۲۰ - ۲۰½ اور ۱۸½ نمبرات حاصل کئے ہیں۔ اور انعام میں آپ کو مؤطا امام مالکؒ۔ سدیدی اور دیوان متنبی دی گئی ہے۔[۱]

۱۳۰۱ھ میں مدرسہ شاہی کے عظیم الشان جلسۂ دستار بندی میں آپ کی بھی اکابر کے ہاتھوں دستار بندی کی گئی۔ آپ کے بارے میں استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس اول دارالعلوم دیوبند نے دستار بندی کے وقت یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"مولوی خادم حسین صاحب مرادآبادی، یہ صاحب مدرس فارسی ہیں، اور کتب عربیہ نیز پڑھاتے رہتے ہیں۔"[۲]

فراغت کے بعد آپ مدرسہ شاہی میں درجہ فارسی کے مدرس اول قرار پائے تھے، ادبیات فارسی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اواخر شوال ۱۳۰۲ھ تک آپ اس خدمت پر مامور رہے۔[۳] اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے، بعد ازاں مدرسہ عباسیہ بجھراؤں میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

طویل عمر پاکر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۳۴ء کو وفات پائی۔[۴]

---

[۱] روداد مدرسہ شاہی ۱۲۹۸ھ۔ [۲] روداد جلسہ دستار بندی مدرسہ شاہی ۱۳۰۱ھ۔

[۳] روداد مدرسہ ص۱۰ بابتہ ۱۳۰۲ھ۔

[۴] مکتوبات سید العلماء ص۳۴ و حاشیہ ص۱۴۶ مطبوعہ امروہہ۔

فیض یافتہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سیوہاروی (المتوفی ۱۹۳۲ء)

حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ کے شاگرد خصوصی اور عربی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ مدرسہ شاہی کی ۱۲۹۸ھ کی رُوداد سے آپ کا یہاں شرح جامی پڑھنا معلوم ہوتا ہے۔ جس میں امتحان سالانہ میں آپ نے ۱۹½ نمبر حاصل کئے ہیں۔ اور رضی کتاب بطور انعام آپ کو دی گئی ہے۔ اس کے بعد ۱۳۰۳ھ کی رویداد میں آپ کا نام ہدایہ جلد ثانی کی جماعت میں ملتا ہے۔ نیز ۱۳۳۶ھ کی رویداد میں آپ کو مدرسہ شاہی کے فیض یافتگان کی فہرست میں نمایاں مقام پر رکھا گیا ہے [۱]

۱۳۲۹ھ میں جب مرادآباد میں مؤتمر الانصار کا انعقاد ہوا تو آپنے ایک شاندار نعتیہ قصیدہ عربی میں لکھا تھا جسے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اجلاسِ عام میں پڑھ کر سُنایا [۲] آپ کے قصائد اتنے بلند پایہ ہوتے تھے کہ جنہیں دیکھ کر دورِ جاہلیت کے شعراء کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

آپ ۱۳۴۴ھ سے ۱۳۵۰ھ تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے۔ مجلس العلماء بھوپال کے رکنِ رکین تھے، اخیر عمر میں جامعہ احمدیہ بھوپال کے مسندِ اہتمام پر بھی فائز ہوئے۔ آپکے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں بھوپال میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا [۳]

---

[۱] روداد مدرسہ شاہی بابتہ ۱۲۹۸ھ و ۱۳۰۳ھ و ۱۳۳۶ھ۔

[۲] روداد اجلاس مؤتمر الانصار مرادآباد

[۳] بھوپال تحریکات آزادی کے آئینہ میں قاضی وجدی الحسینیؒ ص ۲۹۳۔

فیض یافتہ

مولانا عبداللطیف سنبھلیؒ صدر مفتی حیدرآباد

م ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء

"مولانا عبداللطیف صاحب ابن اسحٰق حنفی سنبھلی۔ افضل گڑھ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے، لیکن اپنے والد صاحب کے ساتھ عرصہ تک سنبھل ضلع مرادآباد میں رہے، اس لئے سنبھلی مشہور ہوئے، درسیات مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے پڑھیں، متوسط کتابیں مدرسہ شاہی میں پڑھیں، سنہ ۱۳۰۷ھ کی روداد میں آپ کا ذکر ہے، جس سے یہاں آپ کا مشکوٰۃ شریف اور نورالانوار کا امتحان دینا معلوم ہوتا ہے۔

عرصہ تک دلمئو ضلع رائے بریلی میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں افتاء و تدریس پر تقرر ہوا، اور عرصہ تک وہاں یہ خدمات انجام دیں، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے بیعت اور مولانا سید محمد علی صاحب سے خصوصی تعلق تھا، چنانچہ حجاز سے تین سال کے بعد جب واپس ہوئے تو عرصہ تک انہیں کی خدمت میں خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں قیام کیا، وہاں درس و افادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں استاد دینیات کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ اور عرصہ تک شعبہ کی صدارت پر فائز ہوکر وظیفہ یاب ہوئے۔ وہاں سے سبکدوش ہوکر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ دینیات سے متعلق رہے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اور ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔

مولانا عبداللطیف صاحب نہایت جید الاستعداد اور فاضل شخص تھے۔ حدیث و فقہ میں بہت اچھی دستگاہ تھی۔ تصنیفات میں شرح ترمذی، الشرح اللطیف کے نام سے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے، لطف الباری شرح تراجم ابواب البخاری اور تاریخ القرآن اور متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصنیفات ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی اور قدیم فضلاء ندوہ میں سے ایک بڑی تعداد کو ان سے تلمذ حاصل ہے[1]

مولانا حکیم عبدالحئی نے اصول حدیث پر ایک کتاب اور مشکلات القرآن، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی سیرۃ "تذکرۂ اعظم" "صرف لطیف اور "نحو لطیف" اور کئی علمی رسائل کا آپ کی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔[2]

---

[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی؛ حیات عبدالحئی؛ دارالمصنفین دہلی؛ نومبر ۱۹۷۰ء ص ۱۴۳، ۱۴۴ ، حاشیہ،

[2] مولانا حکیم عبدالحئی؛ نزہۃ الخواطر؛ حیدرآباد ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۲۸۳، ۲۸۴۔

گلشن قاسمی کا گل سرسبد

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ نوراللہ مرقدہ

مولانا معزالدین احمد قاسمی

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے افق علم پر جو علم وفضل کے درخشندہ وتابندہ ستارے نمودار ہوئے ہیں ان میں وہ آفتاب فضل وکمال بھی ہے جس کی ضیا پاشی اور ضوباری سے عالم اسلام نصف صدی سے زائد منور رہا اس گلشن قاسمی کے گلہائے رنگا رنگ میں وہ گل سرسبد بھی ہے جس کی بوئے علم وعرفان صدیوں محسوس کی جاتی رہے گی۔ اس بزم نانوتوی کے سرستوں میں وہ دانائے راز بھی ہے جس نے ہم عصروں میں تفقہ فی الدین کا ذوق پیدا کیا۔ جس کی بے پناہ قوت اجتہاد نے علماء دین قیم کے لئے مشعل راہ کا کام کیا۔ اور جس کی بصیرت اور حسن تدبر نے علم وسیاست کی الجھی ہوئی گتھیوں کو بیک جنبش نگاہ حل کر دیا۔ قدرت کی فیاضیوں نے جس کو نانوتوی ذکاوت، گنگوہی فقاہت کا آئینہ دار اور عزم محمودی کا پیکر بنایا تھا۔ جو بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، خطاط، ریاضی دان، سیاست دان اور مجاہد دوراں سب کچھ تھا اپنی ہمہ جہت وہمہ نوع خوبیوں کے باعث "ع اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم" کا مصداق تھا جس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

دنیا نے اس عظیم ہستی کو "مفتی اعظم ہند"، "فقیہ الامت"، "رئیس العلماء"، "ابوحنیفۂ زماں" اور "مفکر بے بدل"، جیسے خطابات سے نوازا جو اس کی قامت پر بالکل چست

تھے۔ یہ مجموعۂ کمالات ذات گرامی "مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوری ثم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ" کی تھی۔ بالیقین آپ اپنی جامعیت و سابقیت کے باعث اقلیم علم وکمال کے تاجدار۔ میدان سیاست کے مکہ تاز، زمانے کے نبض شناس نباض، بحر شریعت وطریقت کے کامیاب غواص مختصر یہ کہ قافلہ فضل وکمال کے درشہوار اور قافلہ حریت کے قافلہ سالار تھے۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

سچ ہے ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں جنم لیتی ہے ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ولادت اور تعلیم

یہ شہنشاہ علم وفضل شاہجہانپور کے ایک غریب خانوادہ کا چشم و چراغ ہے جو ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء میں شیخ عنایت اللہ بن فیض اللہ بن خیر اللہ بن عباد اللہ الخ کے گھر "محلہ سن زئی" میں پیدا ہوا۔ شیخ عنایت اللہؒ کے فرزند ارجمند کی جبین سعادت پر علم کی بلندی کا ستارہ پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارہ بلندی

مستقبل کا یہ مفتی اعظم بچپن ہی سے لہو ولعب سے محترز کھیل کود سے بے رغبت اور تعلیم و تفکر کی طرف مائل تھا نیز والد گرامی کے اندر غربت وناداری کے باوجود اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا دلولہ صادق تھا چنانچہ جب عمر پانچ برس کی ہوئی تو تعلیمی سفر شروع ہوگیا۔ حافظ برکت اللہ مرحوم کے مکتب میں قاعدہ بغدادی سے ناظرہ قرآن کریم تک اور حافظ نسیم اللہ مرحوم کے مکتب واقع محلہ ورگ زئی میں اردو و فارسی کی تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ اعزازیہ قائم کردہ مولوی اعزاز حسن خان مرحوم واقع محلہ خلیل شرقی میں صاحب نسبت بزرگ حافظ بدھن خاں مرحوم سے فارسی کی اعلیٰ کتابوں اور قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے مرید باصفا حضرت مولانا عبید الحق خاں افغانیؒ متوفی ۱۳۲۱ھ تلمیذ رشید عالم شہیر مولانا لطف اللہ علی گڈھیؒ سے کافیہ، قدوری تک عربی کتابوں کا درس لیا۔ استاذ کی نگاہ جوہر شناس نے اس دُرِ یکتا وجوہر قابل کو

پہچان لیا۔ اور اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے ازہر ہند دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہا مگر والدین اپنی غربت و ناداری نیز مسافت کی دوری کی وجہ سے رضامند نہ ہوئے بالآخر بڑی ردوکد کے بعد مدرسۃ الغربا شاہی مسجد مراد آباد بھیجنے پر والدین کو آمادہ کیا جو دارالعلوم دیوبند ہی کی ایک شاخ تھا اور نابغۂ روزگار اساتذہ کے باعث ثانیٔ دارالعلوم بنا ہوا تھا۔

آغوش مدرسۂ شاہی میں

۱۳۱۰ھ میں اپنے استاذ مربی مولانا عبیدالحق خاں افغانیؒ کا گرامی نامہ لے کر رفیقِ درس حافظ عبدالمجیدؒ کے ہمراہ مدرسۃ الغربا شاہی مسجد مراد آباد پہنچے واقعہ کی تفصیل آپ کے خلف الرشید مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ مرحوم کی زبانی سنئے۔

"غریب والدین کے لئے اپنی اولاد کو جدا کرنا اور پھر اس کمسنی میں پردیس بھیج دینا بڑا کٹھن ہوتا ہے مگر مولانا عبیدالحق خاں صاحبؒ کا تصرف باطنی کہئے یا کارکنان قضا و قدر کی کارسازی سمجھئے کہ یہ مسئلہ بڑی آسانی کے ساتھ طے ہوگیا اور یہ دونوں ساتھی مولانا کا خط لے کر مدرسۂ شاہی مسجد مراد آباد کے مہتمم مرزا حافظ نبی بیگؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے مرزا صاحب مولانا کے پیر بھائی تھے خط ان کے نام تھا مگر وہ ان دنوں بمبئی گئے ہوئے تھے نائب مہتمم حاجی محمد اکبر خاں سوداگر مرحوم نے خط دیکھ کر بڑی نوازش فرمائی اور ہاتھی خانے کی مسجد میں مولوی عبدالخالق کے پاس عارضی طور پر ٹھہرا دیا۔ اور بعد میں مستقل قیام کے لئے حافظ محمد اسمٰعیل وکیل کا دیوان خانہ واقع محلہ مغل پورہ تجویز کیا گیا[۱] اور کھانا مولانا قاضی محمد حسن مراد آبادیؒ کے اصرار پر مولانا ممدوح کے یہاں کھاتے تھے۔ اوپر کے خرچ کے لئے اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بُن کر بازار میں فروخت فرماتے تھے اور نہایت خودداری کے ساتھ طالب علمانہ زندگی بسر فرماتے تھے"[۲]

۱؎ روزنامہ الجمعیۃ مفتیٔ اعظم نمبر ص۴ ۲؎ بیس بڑے مسلمان ص۲۱۷

۱۳۱۱ھ میں داخل مدرسہ ہوئے دو سال قیام رہا جس میں حضرت مولانا عبد العلی قاسمی میرٹھی رح تلمیذ رشید حضرت نانوتوی رح، مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہوی محشیٔ بیضاوی رح مولانا محمود حسن سہسوانی رح، مولانا قاضی محمد حسن مراد آبادی (مغلپوری) اور مولانا بشیر احمد رح وغیرہ اساتذۂ باکمال سے مختلف علوم وفنون کی دس کتابوں کا اکتساب درس کیا اور ۱۳۱۱ھ و ۱۳۱۲ھ کے امتحانات سالانہ کے موقع پر اکابر دار العلوم دیوبند شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رح، محدث شہیر مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رح مفتیٔ اعظم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رح، مولانا حافظ محمد احمد رح مہتمم دار العلوم دیوبند رحمہم اللہ کو امتحان دے کر تمغۂ امتیاز حاصل کیا۔ کتابیں اور ان کے نمبرات حسب ذیل ہیں۔ کنز الدقائق ۲۱۔ اصول الشاشی ۲۰ شرح تہذیب ۲۰۔ قطبی ۲۰۔ شرح جامی ۱۹۔ شرح وقایہ ۱۸، ہدایہ اول ۲۰۔ نور الانوار ۲۰۔ جلالین شریف ۱۹۔ قطبی مع میر ۲۱

یاد رہے کہ مجوزہ نمبر ۲۰ ہوا کرتے تھے۔ رفقائے درس میں مولانا عبد الخالق شاہجہانپوری مولانا عبد المجید شاہجہانپوری، مولانا فیض الحسن عمروی مراد آبادی والد گرامی مولانا فخر الحسن رح صدر المدرسین دار العلوم دیوبند خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

از مدرسہ شاہی دار العلوم دیوبند میں

دو سال مدرسہ شاہی میں زیر تعلیم رہ کر شوال ۱۳۱۲ھ میں مرکز علم وعرفان دار العلوم پہونچے جہاں علم کا بحر بیکراں پوری آب وتاب کے ساتھ موج زن تھا۔ تشنگانِ علوم نبوت بقدر ظرف سیراب ہو رہے تھے زمام اہتمام مولانا محمد منیر نانوتوی رح کے ہاتھوں میں تھا اور منصب صدارت پر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رح جیسا جہبذ وقت فائز تھا احاطۂ مولسری کے کمرہ ۴۲ میں قیام رہا۔ مادر علمی میں تعلیمی مدت تین سال ہے جس کے دوران مختلف علوم وفنون کی پچیس کتابیں پڑھیں اور ۱۳۱۵ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ حضرات اساتذہ کی فہرست میں حضرت شیخ الہند رح کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح

---

[1] از روئیداد ہائے مدرسہ شاہی ۱۳۱۱ھ و ۱۳۱۲ھ

حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ، حضرت مولانا حکیم محمد حسنؒ برادر خورد شیخ الہندؒ حضرت مولانا غلام رسول بغوی ہزارویؒ اور حضرت مولانا منفعت علی دیوبندیؒ جیسے اساطینِ فضل وکمال شامل ہیں اور رفقاء درس میں محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بانی مدرسہ امینیہ مولانا امین الدین ایولویؒ بانی مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ مولانا سید احمد فیض آبادیؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا ضیاء الحق دیوبندی صدر مدرس مدرسہ امینیہ دھلی وغیرہم علم وفضل کے آفتاب وماہتاب شامل ہیں۔[1]

بائیس برس کی عمر میں غریب خانوادہ کا چشم وچراغ بزم محمودی کا ایک دانائے راز بن کر نکلا اپنی خداداد ذہانت وذکاوت نیز "آنانکہ خاک راہ بنظر کیمیا کنند" کے مصداق اساتذہ باکمال کی فیض صحبت کے اثر سے اقران واعیان میں امتیازی مقام اور تبحر علمی وجامعیت کی وہ شان حاصل کرلی کہ شاید وباید کسی کو نصیب ہو۔ علوم عقلیہ وشرعیہ میں سے کوئی ایسا علم نہیں جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہ ہو۔ علم وادب کا کوئی ایسا میدان نہیں جس میں آپ نے گوئے سبقت حاصل نہ کرلی ہو۔ شیخ الاسلامؒ کا ارشاد ہے کہ "گرچہ ہزاروں علماء نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز سے علوم نقلیہ وعقلیہ کا استفادہ کیا مگر قدرت کی فیاضیوں نے جو خاص جامعیت اور سابقیت مفتی صاحب مرحوم کو عطا فرمائی تھی وہ بہت کم نصیب ہوتی ہے"۔[2]

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

"وکان الشیخ کفایت اللہ قوی العلم عالمًا متقنًا ضلیعا طویل الباع. راسخ القدم فی الفقہ. عظیم المنزلۃ فی الافتاء وتحریر المسائل وتنقیحھا یکتبھا بعبارۃ وجیزۃ متینۃ وکان دقیق النظر فی المسائل والنوازل جید المشارکۃ فی الحدیث وصناعتہ لہ ذوق فی الادب

---

[1] از روئیداد دار العلوم ۱۳۱۳ھ تا ۱۳۱۵ھ [2] مفتی اعظم کی یاد ص ۶۷

العربی وقدرة علی قرض الشعر، بارعًا فی الحساب والعلوم الریاضیة جید الخط،،[۱]

الحاصل آپ ایک بلند پایہ بے مثال فقیہ و محدث ہونے کے ساتھ ادب و شاعری میں اُس مقام بلند کے مالک تھے کہ آپ کے کلام پر قدمار کے کلام کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ حساب و ریاضی میں تو مشکل ہی سے کوئی عالم آپ کا حریف ہو سکتا تھا اسی کے ساتھ خط نسخ و نستعلیق میں بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ تاہم اصل طغرائے امتیاز آپ کا بے نظیر تفقہ فی الدین غیر معمولی مجتہدانہ بصیرت اور جزئیات فقہ پر بے پایاں عبور ہے جس کی وجہ سے ملت بیضا نے مفتی اعظم کا خطاب دیا اور کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی قامتِ تفقہ پر اس خطاب کا جامہ بالکل چست آتا تھا۔ اور عالم اسلام کے مسلمہ مفتی مانے جاتے تھے مختلف الخیال علمار بھی آپ کے فتاویٰ بلا چون وچرا تسلیم کرتے تھے آپ کا فیصلہ ایسا مستحکم اٹل ہوتا تھا کہ کسی کے لئے اس کا خلاف کرنا آسان نہ تھا۔

اسی طرح دوسرا امتیازی وصف آپ کا بے مثال حسن تدبر ہے جس کے تمام علمار ہند، زعمائے سیاست، کار پردازانِ تحریکِ آزادی قائل ہی نہیں بلکہ معتقد تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رح جیسے عبقری شخص کا ارشاد ہے کہ ،، میں اس وقت مولانا کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا معتقد ہوں ،،[۲] اس وصف کے باعث آپ قائدین ملت کے بے خطا مشیر سمجھے جاتے ہیں۔ نزاعی مسائل میں ،، مصالحتی فارمولا ،، پیش کرنے میں سند مانے جاتے ہیں۔ گاندھی و نہرو اور علی برادران جیسے چوٹی کے رہنما بات بات میں آپ سے مشورہ کرتے نظر آتے ہیں۔ شیخ الہند رح ارباب جمعیۃ کو وصیت کرتے ہیں کہ وہ مولانا کفایت اللہ کو کبھی نہ چھوڑیں[۳]

---

[۱] نزہۃ الخواطر صفحہ ۳۷۶ ج ۸ [۲] مفتی اعظم کی یاد صفحہ ۱۲۶ بروایت مولانا قاری محمد طیب رح
[۳] علمار حق جلد اول

جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس

آپ کے حسن تدبر کا ہی کرشمہ ہے کہ مختلف الخیال مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی بنا ڈالی جو آپ کا ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے کہ آئندہ نسلیں اس پر جس قدر آپ کو داد دیں کم ہے۔ اور صرف جمعیۃ علماء ہی نہیں بلکہ تحریک آزادی کے طلوع سے لے کر اُس کے غروب تک کوئی ایسی سیاسی جماعت نہ تھی جس میں آپ کے مفید مشوروں اور تدبر کا دخل نہ ہو۔ جنگ آزادی سے متعلق کوئی پارٹی یا کانفرنس ایسی نہ تھی جو سرزمین ہند پر ابھری ہو۔ اور اس کے کاکل پیچاں کے سنوارنے اور اس کی خم دار زلفوں کو زینت استقامت بخشنے میں آپ کا دست راست کارفرمانہ ہو۔ کوئی تجویز۔ ریزولیشن اور عملی اقدام ایسا نہ تھا جو آپ کے مشورہ اور رائے عالی کا مرہون منت نہ ہو، تمام اکابر و اصاغر آپ کے اس جوہر گراں مایہ کے قدرداں تھے علامہ انور شاہ کشمیری رح تو اپنے گھریلو اور ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی کے مشورہ پر عمل کرتے[1] شیخ الہند رح جب کسی سیاسی لیڈر سے بات کرتے تو آپ کو ساتھ رکھتے اور فرماتے کہ مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے[2]

درس و تدریس

آپ کے تدریسی دور کا آغاز مدرسہ عین العلم شاہ جہان پور سے ہوا جس کو آپ کے اولین استاذ مولانا عبید الحق خاں افغانی رح نے مدرسہ اعزازیہ سے اختلاف عقائد کی بنیاد پر علیحدہ ہو کر ۱۳۱۴ھ میں قائم کیا تھا آپ کی فراغت کے بعد انھوں نے فوراً آپ کو بلالیا اور ۱۵ر روپئے ماہوار پر تدریسی و دفتری خدمات سپرد کر دیں جہاں شوال ۱۳۲۱ھ تک درس و افتاء کا کام انجام دیتے رہے اور دیگر متعلقہ خدمات و مصروفیات کو بھی بحسن و خوبی انجام دیا۔

شوال ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا امین الدین رح بانی مدرسہ امینیہ دہلی کی طلب و فرمائش پر دہلی تشریف لائے اور مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس و مفتی کے عہدے پر

---

[1] مفتی اعظم کی یاد ص ۱۵۶ بروایت مولانا ازہر شاہ قیصر۔ [2] بیس بڑے مسلمان ص ۴۲۶

مامور ہوئے وہ دہلی جہاں حقیقت نگر نگاہیں خاندان ولی اللّٰہی کے ختم ہونے کے بعد کسی بدر کامل کی منتظر تھیں قدرت نے اسی خاندان کے خوشہ چینوں میں سے آپ کی ہستی کو چن لیا اور پیشانی پر ولی اللّٰہی انوار لے کر آسمان دہلی کے افق پر نمودار ہوئے اور تقریباً نصف صدی سرزمین دہلی سے عالم اسلام کو اپنی ضیار پاش شعاعوں سے منور رکھا۔

رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ میں بانی مدرسہ امینیہ مولانا امین الدین رح کا وصال ہوگیا تو حضرت شیخ الہند رح نے ۹ر شوال ۱۳۳۸ھ کو مدرسہ کا انتظام و انصرام اور اہتمام بھی آپ کے سپرد کر دیا۔ اس وقت سے لے کر تادم واپسیں آپ مدرسہ امینیہ بلکہ ہند و پاک کے مفتی اعظم ہونے کے ساتھ مدرسہ امینیہ کے مہتمم بھی رہے۔ صدر مدرس بھی اور شیخ الحدیث بھی۔ البتہ ۱۰ر ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کو مدرسہ کی ایک مجلس منتظمہ تشکیل دے کر اہتمام اس کے سپرد کر دیا پھر بھی تمام امور آپ ہی انجام دیتے۔ ۵۵ سالہ زمانۂ تدریس میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ارباب فضل و کمال تیار ہوئے جن میں شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی رح، مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری رح صدر مفتی دار العلوم دیوبند رح، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رح، مولانا اکرام اللہ خاں ندوی رح ایڈیٹر کانفرنس گزٹ علی گڈھ، مولانا مفتی عبدالغنی پٹیالوی رح شیخ الحدیث و مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ مولانا حافظ سید محمد حسین فرزند ارجمند پیر جماعت علی شاہ رح، مولانا مفتی محمد اسماعیل بسم اللہ سورتی رح مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات، مولانا محمد تقی امینی ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

طرز تدریس و طریقہ تعلیم میں اپنے استاد حضرت شیخ الہند رح کے نقش قدم پر چلتے تھے انتہائی مختصر اور جامع تقریر ہوتی مسلک حنفیہ کی توثیق پر ایسے ایسے دلائل اس حسن و خوبی کے ساتھ پیش کرتے کہ مستفیدین از سرنو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ حنفیہ کا مسلک اس قدر کتاب و سنت کے موافق ہے تو دنیا ان کو قیاسی کیوں کہتی ہے

تصنیف و تالیف

درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق

بھی ابتداء عمر سے تھا مگر تدریسی، سیاسی اور فتوی نویسی کی مصروفیات و مشاغل کی وجہ سے آپ کی تصنیفات کم ہیں پھر بھی جو ہیں وہ آپ اپنی شاہکار ہیں۔

۱۔ رسالہ "البرہان" مدرسہ عین العلم شاہجہانپور کے زمانہ تدریس میں تردیدِ قادیانیت کے لئے یہ رسالہ جاری فرمایا جو آپ کے دہلی آجانے کے بعد بند ہوگیا اس کے شماروں میں جو تردید قادیانیت پر آپ کے مضامین ہیں اگر اُن کو کتابی صورت دے دی جائے تو آپ کی پہلی علمی و مذہبی یادگار ثابت ہوں گے۔

۲۔ علامہ شبلی کا فتویٰ خود اپنے الحاد و زندقہ پر۔ ۱۳۳۲ھ میں تحفہ ہند پریس دہلی سے شائع ہوا

۳۔ مسلمانوں کے مذہبی و قومی اغراض کی حفاظت ۱۹۱۷ء میں دہلی پرنٹنگ پریس میں طبع ہوا

۴۔ رسالہ شیخ الہند (حالات اسیری و سوانح شیخ الہند) حالات شیخ الہندؒ پر یہ پہلا رسالہ ہے ۱۹۱۶ء میں انجمن اعانت نظر بندان اسلام کی طرف سے شائع ہوا۔

۵۔ روض الریاحین (عربی قصیدہ) ۱۳۲۷ھ میں افضل المطابع دہلی میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

۶۔ تعلیم الاسلام (چار حصے) یہ آپ کی مشہورِ زمانہ تصنیف ہے بے شمار مدارس میں بچوں کے لئے داخل نصاب ہے متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۷۔ کفایت المفتی ۹ جلد یہ آپ کا علمی شاہکار ہے جو آپ کے فتاوی پر مشتمل ہے آپ کے خلف الرشید مولانا حفیظ الرحمٰن واصف مرحوم نے حسن ترتیب کے ساتھ مرتب فرمایا ہے

۸۔ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات۔

۹۔ خیر الصلاۃ فی حکم الدعاء للاموات۔ یہ دونوں رسالے ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوئے

۱۰۔ النفائس المرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ

۱۱۔ الصحائف المرفوعہ۔ یہ دونوں رسالے یکجا ۱۳۴۹ھ میں جید برقی پریس دہلی سے طبع ہوئے۔

۱۲۔ رسالہ قنوت نازلہ۔ ان کے علاوہ متعدد سیاسی رسائل اور مضامین بھی آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔

ملی، قومی اور سیاسی خدمات

اس باب میں آپ کی خدمات اس قدر وسیع ہیں کہ دفتر کا دفتر تیار ہو جائے یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں تاہم صرف چند عنوان ذکر کر دیئے جاتے ہیں جو طالبانِ تاریخ کے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں۔

(۱) ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں "جمعیۃ الانصار" کا قیام عمل میں آیا آپ اس کے رکن قرار پائے اس کے تمام اجلاسوں میں شرکت کی یہی وہ تحریک ہے جو ۱۹۱۶ء میں ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے ظاہر ہوئی آپ ایک مدت تک اس تحریک کی مرکزی قوت رہے۔ (الرشید دارالعلوم نمبر ص ۴۶۵)

(۲) ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان کے مجروحین کے لئے طلبائے مدرسہ امینیہ کو ساتھ لے کر چندہ کر کے ان مظلوموں کو پہنچایا جس کی میزان تین ہزار آٹھ سو چورانوے روپئے آٹھ آنے نو پائی ہے۔

(۳) ۱۹۱۶ء میں لارڈ مانٹیگو کی آمد کے موقعہ پر آپ نے میثاق لکھنو (کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہوئے سمجھوتہ) پر ایک مفصل تنقید بصورت پمفلٹ شائع کیا۔ جس میں آپنے سب سے پہلے آزادی کی آواز بلند کی جب کہ آزادی کا نام لینا بھی خطرناک تھا۔

(۴) رولٹ ایکٹ کے نفاذ اور تحریک شیخ الہند کے قائدین کی گرفتاری وجلاوطنی کے بعد ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں حکیم اجمل خاں مرحوم وغیرہ سے "انجمن اعانت نظر بندان اسلام" قائم کرائی۔

(۵) دسمبر ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا گیارہواں اجلاس دہلی میں ہوا اس میں دیگر علماء کے ساتھ آپنے شرکت کی صدر استقبالیہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم تھے ان کا خطبہ استقبالیہ آپ ہی نے تیار کیا تھا جو اتنا پر جوش اور مدلل تھا کہ صوبہ متحدہ کی حکومت نے بغاوت کے اندیشہ میں اس کو ضبط کر لیا۔

(۶) ۱۳ر نومبر کو دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں خلافت کانفرنس ہوئی جس میں آپنے برطانیہ کے جشن صلح کا بائیکاٹ کرنے کی تجویز پیش کی جس کی

دیگر علماء کے علاوہ سیٹھ چھوٹانی اور مسٹر گاندھی نے بھی تقریر کی۔

(۷) نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے موقعہ پر مختلف الخیال مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے "جمعیۃ علماء ہند" قائم کی جس کے آپ ۱۹۳۹ء تک صدر رہے اور پھر تادم وفات ۱۹۵۲ء تک اس کی مجلس عاملہ کے رکن رکین۔ آپ کے زمانۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند کے گیارہ عظیم الشان اجلاس ہوئے جس میں چھٹا اجلاس حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رح کی صدارت میں مرادآباد میں ہوا۔ جمعیۃ علماء کی روشن تاریخ آپ کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔

(۸) ۱۹۲۲ء میں سوامی شردھانند کی شدھی تحریک اور ڈاکٹر مونجے کی سنگھٹن تحریک شروع ہوئی اور ارتداد کی مہم جاری ہوئی تو آپنے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اس تحریک کو نیست و نابود کر کے دم لیا شعبۂ تبلیغ وحفاظت اسلام قائم کیا۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء کو اتحاد کانفرنس میں بھی آپنے اعلان حق بلند کیا۔

(۹) ۲۶ر ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کو مکہ معظمہ میں سلطان ابن سعود کی دعوت پر علامہ شریف شرف عدنان کی صدارت میں ایک عالمی موتمر اسلامی منعقد ہوئی جس میں آپنے جمعیۃ علماء ہند کا وفد لے کر بحیثیت رئیس الوفد شرکت کی مجلس مضامین کے ارکان میں مفتی اعظم فلسطین علامہ سید امین الحسینی رح کے بعد آپ ہی کا اسم گرامی تھا۔ آپکے مطالبہ پر اس اجلاس کے ایجنڈے میں حکومت حجاز کی تشکیل کا مسئلہ بھی شامل کیا گیا۔ اس موتمر میں آپنے نمایاں طور پر حصہ لیا انسدادِ غلامی کی تجویز پیش کر کے پاس کرائی۔ اور ایک اہم تجویز پیش کر کے پاس کرائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "عالم اسلام کے ہر عقیدے کے مسلمان اپنے عقائد کے مطابق اعمال حج وزیارت میں آزاد ہوں گے حکومتِ حجاز اپنے معتقدات کی رُو سے کسی پر کوئی پابندی عائد نہیں کرے گی"۔

(۱۰) ۱۹۲۹ء میں آپنے سارداایکٹ کے خلاف "مجلس تحفظ ناموس شریعت" بنائی اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے عام ایجی ٹیشن اور قانون شکنی کا اعلان کیا خود بھی اس قانون شکنی میں شریک ہوئے ساردا بل پر بڑی معرکۃ الآرا تنقید کی جو

"شریعت حفاظت" کے نام سے شائع ہوئی۔

(۱۱) ۱۹۳۰ء میں نہرو رپورٹ پر ایک مفصل و مدلل تنقید شائع کی۔

(۱۲) آزادیٔ ہند کی تحریک میں دو مرتبہ گرفتار ہوئے پہلی بار ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں قانون تحفظ امن عامہ اور بغاوت کے جرم میں ۱۱ راکتوبر ۱۹۳۰ء کو آپ کے دولت خانہ سے صبح چار بجے گرفتار کیا گیا اور دوسری بار جب دوسری گول میز کانفرنس دسمبر ۱۹۳۱ء کی ناکامی کے بعد دوبارہ سول نافرمانی تحریک جاری ہوئی اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کا پہلا ڈکٹیٹر آپ کو بنایا گیا دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں ایک لاکھ افراد کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے آزاد پارک سے گرفتار کئے گئے پہلی بار ۶ ماہ گجرات جیل میں اور دوسری بار ۱۸ ماہ ملتان جیل میں رہے۔

(۱۳) ۱۹۳۸ء میں تقسیم فلسطین کے خلاف پورے ملک میں زبردست مظاہرہ کرایا اور ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مصر میں علامہ علی علوبہ پاشا کی صدارت میں موتمر فلسطین ہوئی جس میں آپ جمعیۃ علماء ہند کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے اس سفر میں حضرت مولانا عبدالحق مدنی رح مہتمم جامعہ قاسمیہ مرادآباد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

الغرض آپ نے ملک وملت کے لئے عظیم القدر خدمات انجام دی ہیں ان کی فہرست ہی اتنی طویل ہے کہ پوری کتاب تیار ہو جائے ع

پھر سن لینا فرصت میں داستان میری

ان عظیم خدمات و بے مثال کمالات کے باوجود آپ کی رفعت تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ کسر نفسی، تواضع اور فروتنی میں آپ کا کوئی نظیر نہیں گویا آپ فرمان رسول "من تواضع لله رفعه الله" کے مصداق اور اسوۂ نبوی "دکان یخدم نفسه" کے مجسم پیکر تھے ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ے

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال   که چوں سوار به منزل رسد پیاده شود

حادثۂ وصال

علم وفضل کا یہ آفتاب عالم تاب ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۲ء/۱۳۷۲ھ کو غروب ہوگیا مگر اس کی جلائی ہوئی قندیلیں روشن ہیں اور تا ابد روشن رہیں گی اس گنجہائے گراں مایہ کو یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں دفن کردیا گیا۔

آسمان اس کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جہاد آزادی کا بطل جلیل

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۲ ۱۳ھ)

معزالدین احمد گونڈوی

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے آغوش علم میں پرورش پاکر جو علم و عمل کے پیکر نکلے۔ ان میں وہ بطل جلیل اور قائد بے مثل بھی ہے۔ جس نے اپنا سرمایۂ حیات خدمت قوم و وطن کی راہ میں نچھاور کردیا، جس کے ایثار و کردار اور بے پناہ قربانیوں نے ملک و ملت کو رفعت و سربلندی سے سرفراز کیا، جس کی ہمت مردانہ اور عزم ہمالہ نے ۱۹۴۷ء کے سیلاب حوادث کا پامردی سے مقابلہ کیا اور ملت اسلامیہ ہند کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا۔ جس کی ذات محمودالحسن کے فکر و عمل، حسین احمد کے جہاد حریت، اور ابوالکلام آزاد کے تدبر و فراست کا سنگم تھی جس کی زندگی سعی پیہم اور جہد مسلسل کی صحیح تعبیر تھی۔ جس کو فطرت نے پردرد اور جگر پرسوز سے نوازا تھا۔ پھر جس کی ذات ہمدردی، غم گساری اور فریادرسی کی ایسی زندہ جاوید مثال بن گئی تھی کہ

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جو صرف میدان سیاست کا علمبردار ہی نہ تھا بلکہ گلستان علم و ادب کا گل سرسبد بھی تھا، جس کی شخصیت بڑی جامع اور کارنامے بڑے گوناگوں تھے جو وادی سیاست میں بے باک، نڈر مجاہد اور جرأت و حق گوئی کا پیکر نظر آتا ہے تو بزم علم و تحقیق میں بالغ النظر عالم، پرجوش خطیب، خوش بیان واعظ تجربہ کار معلم و مدرس، صاحب طرز ادیب، مشاق مصنف اور صاحب قلم، جس کو دنیا کہتی تھی مولانا مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ولادت اور خاندان ۱۰ر جنوری ۱۹۰۱ء (مطابق ۱۳۱۸ھ) کو قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور کے محلہ مولویان میں ایک زمین دار، تعلیم یافتہ، صدیقی گھرانے میں پیدائش ہوئی۔ والد گرامی حاجی مولوی شمس الدین مرحوم نہایت صالح متقی، پرہیزگار اور خاندانی بزرگ تھے۔ علمائے حق کے

قدر دران اور گرویدہ، قطب دوران شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید باصفا تھے۔ آپ کا اسم گرامی "معزالدین" تجویز ہوا اور تاریخی نام "حفظ الرحمان" (۱۳۱۸ھ) (الف کے عدد کے ساتھ)

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ درس نظامی کی زیادہ تر کتابیں مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں حضرت مولانا سید عبدالغفور سیوہاروی تلمیذ رشید محدث امروہوی، حضرت مولانا آفتاب علی شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا الحاج حافظ احمد حسن چشتی وغیرہم اساتذہ باکمال سے پڑھیں۔ ۱۳۳۳ھ میں مدرسہ شاہی کے خوان علم سے بھی خوشہ چینی کی اور ۱۶ر صفر ۱۳۳۳ھ کو بلبلان شاہی میں شامل ہو کر شرح جامی، شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کتابوں کا درس دیگر اساتذۂ فضل و کمال کے علاوہ فخرالمحدثین حضرت مولانا سید فخرالدین احمد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مراد آباد سے حاصل کیا۔ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں مدرسہ فیض عام سیوہارہ سے فراغت حاصل کر کے گلستان علم و فضل از ہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچے جو اس وقت محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری کے نغموں سے گونج رہا تھا اور یہ سحاب علم موسلا دھار برس رہا تھا جس سے آپ نے خوب خوب سیرابی حاصل کی اور اپنی ذکاوت وذہانت اور شوق و لگن کے باعث حضرات اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ ۱۳۴۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے۔ محدث العصر علامہ کشمیری کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور عارف باللہ مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آفتاب و ماہتاب اکابر ملت سے استفادہ کیا۔ جن کی کیمیا اثر نگاہوں نے آپ کو شاہراہ ترقی پر کھڑا کر دیا۔ تقریر سے دلچسپی اور اس کی تیاری کا ذوق وشوق بھی زمانہ طالب علمی سے آپ کو حاصل رہا۔ ہر ہفتہ کسی خاص موضوع پر تیاری کر کے تقریر کرتے اور حضرات اساتذہ سے داد تحسین حاصل کرتے۔ اسی ذوق و شوق نے آپ کو وہ شان خطابت عطا کی کہ شاید و باید کسی کو نصیب ہوتی ہے۔

درس و تدریس فراغت کے بعد پرنام بٹ مدراس سے ایک امتیازی اوصاف تدریس رکھنے والے بلند فکر عالم کی طلب آئی تو اکابر کی نگاہ انتخاب اسی نوجوان سال عالم حفظ الرحمن پر پڑی حضرات اساتذہ کے حکم سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور اپنی انتھک محنت اور بے پناہ قابلیت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا۔ اور وہیں سے آپ کا تصنیفی جوہر بھی کھلا۔ "حفظ

الرحمٰن لمذہب النعمان" اور "مالابار میں اسلام" اسی دور کی شاہکار ہیں۔ اس زمانہ میں جو مشاہرہ ملتا تھا اس کو جمع کر کے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں حجاز مقدس کا سفر کیا اور حج وزیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ حج سے واپسی کے بعد مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۳۴۶ھ میں اپنے اساتذۂ کبار محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے ہمراہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اور تقریباً تین برس وہاں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ کی دعوت پر کلکتہ تشریف لے گئے۔ ڈھائی سال قیام رہا، درس قرآن کریم خاص شغل تھا روزانہ صبح دفتر تبلیغ سراج بلڈنگ میں اور بعد نماز عشا مسجد جمال الدین مرحوم میں دل نشیں پیرایہ میں مطالب ومعارف قرآنی کے بیان کا سلسلہ جاری رہا۔ اس انجمن کے سرپرست امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ خرابی صحت کے باعث کلکتہ سے واپسی ہو گئی اس کے بعد کچھ عرصہ امروہہ کے "جامعہ اسلامیہ جامع مسجد" اور "مدرسہ چلہ امروہہ" کی نگرانی واہتمام کے فرائض انجام دیئے۔

تصنیف و تالیف درس وتدریس کے دور نیز مجاہدانہ سرگرمیوں کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رہا جس کا آغاز پر نام بٹ کے زمانہ تدریس سے ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں قیام ندوۃ المصنفین دہلی کے بعد ذوق تصنیف کو مزید اجاگر کرنے کا موقع بہم پہنچا۔ مگر ۱۹۴۷ء کے ہولناک انقلاب پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا پھر بھی اس مختصر مدت میں عظیم الشان تصنیفی کارنامے انجام دیئے۔ جن کو ہندوستان کے صفِ اول کے ادباء و مصنفین کے مقابلہ پر بلا تکلف پیش کیا جا سکتا ہے۔ قومی وملی خدمات سے یکسو ہو کر دیگر اصحاب قلم کی طرح قلم کی جولانیاں دکھلانے کا موقع میسر آتا تو خدا جانے آپ کا اس میدان میں کیا مقام ہوتا۔ آپ کی تصانیف میں قصص القرآن چار جلد، اسلام کا اقتصادی نظام، اخلاق و فلسفہ اخلاق، البلاغ المبین فی مکاتیب سید المرسلین، نور البصر فی سیرت خیر البشر، حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان، مالابار میں اسلام اور متحدہ قومیت وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

سیاسی سرگرمیاں، زریں خدمات خدمت خلق کا جذبہ آپ کی فطرت میں ودیعت ہوا تھا۔ بچپن ہی سے اس راہ میں تکالیف برداشت کرنے کا حوصلہ تھا۔ زمانہ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ سیوہارہ میں ایک جذامی کی وفات ہو گئی، سارے قصبے میں اس کو کوئی غسل دینے کے لئے تیار نہ تھا آپ نے اپنی کم عمری میں اس کو غسل دیا اور کفن و دفن کا سارا کام اپنے ہاتھوں کیا

اسی طرح زمانہ تعلیم غالباً ۱۹۱۹ء میں "سہپور نوادہ" ریلوے اسٹیشن پر ایکسپریس گاڑی کا شدید حادثہ پیش آیا۔ آپ بے قرار ہوکر سہپور پہنچے، حادثہ کا نظارہ آنکھوں سے آنسوؤں کو روک نہ سکا اور پوری مستعدی اور انتھک محنت سے زخمیوں کو اپنی کمر پر لاد لاد کر اسپتال پہنچایا۔ ایک دن ایک رات بھوکے پیاسے زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہے۔

اسی جذبہ خدمت نے سیاست کی پرخار وادی میں پہنچایا پھر اس راہ سے ملک وملت کے لئے وہ خدمات انجام دی جن کو الفاظ کے قالب میں پیش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسی ولولۂ خدمت نے قیادت، سیادت اور پیشوائی کا تمغہ پیش کیا کیونکہ ع "ہر کہ خدمت کرد مخدوم شد" اور "سید القوم خادمہم"

۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کا ہنگامہ پورے ملک میں گونج رہا تھا۔ ۲۱ر فروری ۱۹۲۱ء کو سرزمین سیوہارہ پر خلافت کا ایک تاریخی جلسہ ہوا جس کا نظم ونسق حافظ محمد ابراہیم مرحوم کے ہاتھوں میں تھا۔ صدر اجلاس شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور روح رواں نوخیز نوعمر حفظ الرحمٰن تھا۔ جس کو مستقبل میں مجاہد ملت بننا تھا، یہیں سے آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا جب کہ یہ آپ کا تعلیمی دور تھا اس تحریک میں جیل خانہ بھی گئے اس آغاز کا حسن اختتام آپ کی زندگی کے آخری سانس پر ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں ڈانڈی مارچ کی تحریک (جس میں آپ نے بھی قائدانہ کردار ادا کیا اور جیل کی آہنی سلاخوں کا استقبال کیا) کے بعد اپنی زندگی کو اس خدمت کے لئے وقف کردیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کی پلیٹ فارم کو اپنی خدمات کا مرکز بنا کر خدمت قوم وطن اور ملک وملت میں مشغول ہوگئے۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن بنائے گئے اور ۱۹۴۲ء میں مجاہد ملت کا خطاب دیکر نظامت عمومی کا منصب سپرد کیا گیا جس پر تادم وفات فائز رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی اس ۲۰ سالہ خدمات کو آپ کی خدمات کہا جاسکتا ہے جن کی تفصیل کا بار یہ مختصر مضمون کسی طرح نہیں اٹھا سکتا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے قائد ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ہند کے مرجع امید آپ ہی تھے۔ آپ کی زندگی کا یہ دور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری، قطب دوراں شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں "حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنی ۱۹۴۷ء کی خدمات کے عوض اگر عبد القادر کے تمام عمر کے مجاہدات لینا چاہیں تو میں خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں" (الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص ۳۷۶)

آپ کے خواجہ تاش مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی لکھتے ہیں "انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد مولانا کی حالت یہ تھی کہ شعلہ جوالہ بنے ہوئے ہندوستان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ناچتے پھرتے تھے۔ ملی زندگی کا کون سا گوشہ ایسا تھا جہاں مولانا مصروف عمل

نہ ہوں۔ مسلم یونیورسٹی میں مولانا یونیورسٹی کے بنیادی مقاصد کے تحفظ کے لئے جان لڑا رہے تھے، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اس کی انتظامی گتھیوں کو سلجھانے میں اپنی اصابت رائے کے جوہر دکھا رہے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کو سخت سے سخت مشکلات کے بھنور سے نکالنے میں اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لا رہے تھے، حج کمیٹی میں حجاج کو آرام و آسائش پہنچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ اصلاح اوقاف کے لئے وقف بورڈوں میں مولانا کی رہنمائی نشان منزل تھی۔ انجمن ترقی اردو کے لئے مولانا کی قیادت خضر راہ تھی اور پارلیمنٹ کے ایوان میں آپ کا نعرہ حق ملت کے دکھے ہوئے دلوں کے لئے سرمایہ سکون تھا (الجمعیۃ مجاہد ملت نمبر ص ۱۷۸)

مدرسہ شاہی سے تعلق | جمعیۃ علماء ہند کی نظامت اور دیگر ملی قومی مسائل اور ہنگامی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی سرگرمیوں سے شغف اور دینی اداروں کی سرپرستی رہنمائی اور نگرانی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ سینکڑوں مدارس کے رکن انتظامیہ رہے۔ جامعہ قاسمیہ مرادآباد سے تو آپ کو انتہائی تعلق تھا۔ کیونکہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کی قائم کردہ اس درسگاہ سے آپ کو رشتہ تلمذ بھی حاصل تھا۔ نیز آپ کی محبوب جماعت جمعیۃ علماء ہند کے مشن سے یہ ادارہ مکمل آہنگ تھا بلکہ صوبہ متحدہ و آگرہ کی جمعیۃ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ سن ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ اس کے اجلاسہائے شوریٰ و عاملہ نیز اجلاسہائے دستاربندی میں برابر تشریف لاتے رہنمائی فرماتے مدرسہ نے آپ کے تعلق و خدمات کے پیش نظر اپنے پرائمری سیکشن کو "ادارۂ حفظ الرحمٰن" کے نام سے موسوم کرکے ایک یادگار قائم کردی ہے۔

حادثہ وصال | مجاہد ملت کی درد و سوز میں ڈوبی ہوئی زندگی ۱۹۶۲ء میں پوری ہوگئی۔ ۲ر اگست ۱۹۶۲ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو صبح ساڑھے تین بجے بارگاہ عالی سے تقرب کی مخصوص گھڑی میں تاریخ کے طوفانوں سے کھیلنے والی پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ اور سلسلہ ولی اللہی کے اکابر و محدثین کے پہلو میں آرام کی جگہ مل گئی۔

دل کو سکون روح کو آرام آگیا
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا

نوٹ :- تفصیلی حالات و خدمات کے لئے روزنامہ الجمعیۃ کے مجاہد ملت نمبر کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرت مولانا عبد الغفور صاحب غزنوی رح

از:- حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب افغانی سابق استاذ دار العلوم دیوبند

نام و نسب و سکونت

نام (حضرت مولانا) عبد الغفور بن جناب عبد الوہاب صاحب۔ آپ کی پیدائش غالباً ۱۳۱۳ھ کو "دوکوہی" نامی گاؤں ضلع "آب بند" صوبہ "غزنی" میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

آپ کے والد صاحب عالم نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی غریب بھی تھے۔ اسی لئے انھوں نے اپنے صاحبزادے کو بھی بچپن ہی میں روٹی کمانے کے کام میں لگا دیا۔ حضرت مولانا عبد الغفور صاحب کی عمر تقریباً آٹھ سال کی ہوگی کہ آپ بکریوں کے بچے چرانے پر مامور ہوئے۔ حضرت والا کا اپنا بیان ہے کہ ایک دن میں حسب معمول جنگل میں بکریوں کے بچے چرا رہا تھا کہ اچانک ایک سفید ریش عالم کی شکل میں ایک آدمی میرے پاس آئے اور نام وغیرہ پوچھنے کے بعد مجھ سے کہنے لگے کہ آپ دینی تعلیم میں لگ جائیے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بعد میں اس آدمی نے مجھ سے کہا کہ منہ کھولئے۔ میں نے منہ کھولا تو انھوں نے اپنی انگلی سے میرے ایک دانت پر آہستہ مار کر کہا کہ یہ منہ علوم نبوت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر وہ اچانک غائب ہوگئے۔ اور دور دور تک نظر نہ آئے۔

اس واقعے کے بعد ہی میرے دل میں علوم دینیہ حاصل کرنے کا ایک جوش پیدا ہوا اور گھر لوٹتے ہی علوم دینیہ کے حصول کا عزم مصمم کیا

اور یہیں سے تعلیم کی ابتداء ہوئی۔

فنون کی تحصیل

مولینا نے ابتدائی علوم صرف ونحو اور فنون کی تحصیل افغانستان ہی میں وقت کے زبردست علماء سے کی۔ واضح رہے کہ افغانستان میں فنون اور خاص کر علوم عقلیہ پر بہت ہی زور دیا جاتا رہا ہے۔

مدرسہ شاہی میں

مولانا نے علوم ابتدائیہ ومتوسطہ سے فارغ ہونے کے بعد علوم عالیہ اور خاص کر علم حدیث کی تحصیل کے لئے ہندوستان کا رخ کیا اور ہندوستان پہونچ کر مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں ۲۲ر شوال ۱۳۴۷ھ کو داخلہ لیا اور یہاں پہلے سال مختصر المعانی، نفحۃ الیمن، سلم العلوم، اور شرح وقایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اور سات سال بعد ۱۳۵۴ھ میں مدرسہ شاہی سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل ہوئی۔ آپ کی اعلیٰ صلاحیت کی بناپر آپ کے اساتذہ نے آپ کو مدرسہ شاہی میں ہی تدریس کے لئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ محرم ۱۳۵۵ھ سے شعبان ۱۳۵۸ھ تک آپ اس خدمت پر مامور رہے حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب پاکستانی آپکے اسی دور کے شاگرد تھے۔

افغانستان واپسی اور حدیث نبوی کی پرخلوص وزبردست خدمت

مدرسہ شاہی مرادآباد میں چند سال پڑھانے کے بعد مولینا کو یہ خیال ہوا کہ اپنے ملک افغانستان میں حدیث کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہے اسلئے کہ افغانستان کے اکثر علماء کی زیادہ توجہ صرف علوم عقلیہ، فقہ، اصول فقہ اور دیگر فنون کی طرف ہے اور حدیث کی طرف ان کی توجہ نسبۃً کم ہے۔ لہٰذا حضرت والا نے حدیث ہی کی خدمت کی غرض سے افغانستان واپسی کا ارادہ کر لیا اور پہونچتے ہی اپنے ہی گاؤں "دوکوہی" جو شمال مشرقی غزنی میں واقع ہے) کو علم حدیث کی خدمت کیلئے منتخب کیا۔ یہ گاؤں دراصل

ایک معمولی اور غیر معروف گاؤں تھا، لیکن بعد میں حضرت والا کی برکت سے تمام افغانستان میں مشہور رہا اور حضرت مولانا بھی بعد میں "حضرت مولانا دوکوہی" کے نام سے مشہور رہوئے۔

مخالفت کا طوفان اور نصرت ایزدی

حضرت مولانا نے جب علم حدیث کی خدمت شروع فرمائی اور اس کی اہمیت سے تشنگانِ علوم نبویہ کو آگاہ کرایا تو ایک طرف سے طلبہ کے درمیان ان کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی اور دوسری طرف سے بعض حاسدین نے یہ خیال کر کے مخالفت شروع کردی کہ اگر ان کی مقبولیت اسی طرح بڑھتی رہی تو شاید چند سالوں کے بعد ہمارا نام لینے والا کوئی بھی نہ ملے گا، یہ مخالفت چل ہی رہی تھی اور حضرت مولینا کے خلاف شازشیں کی جارہی تھیں کہ استاذ کل حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ المعروف بہ "مولانا صاحب نانگہ" (جو جنوبی غزنی میں واقع "نانگہ" نامی گاؤں میں مختلف علوم وفنون کا درس دیتے تھے اور تمام افغانستان میں ان کے علوم کا چرچا تھا) کو پتہ چلا - اور انھوں نے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کی حمایت کا اعلان کیا اور چونکہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا حلقۂ اثر ورسوخ بہت ہی وسیع تھا اس لئے ان کی حمایت کا یہ اعلان بجلی کی طرح بہت جلد پورے ملک میں پھیل گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مولینا عبدالغفور صاحب کو پورے ملک میں مقبولِ خاص وعام بنایا اور حاسدین ومعاصرین کی تمام سازشیں ناکام ہوگئیں۔

نور المدارس فاروقی میں بحیثیت شیخ الحدیث

حضرت مولانا نے شروع میں تو اپنے گاؤں ہی میں کام شروع کردیا اور ہزاروں تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرایا لیکن چند سال کے بعد افغانستان کی مشہور اور سب سے بڑی دینی درسگاہ "نور المدارس فاروقی"

میں بحیثیت شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تقریباً اخیر عمر تک یہیں پر شیخ الحدیث رہے اور افغانستان کے گوشے گوشے سے لوگ آکر اس مدرسہ میں حضرت والا کے پاس حدیث پڑھتے رہے ۔

۱۹۷۸ء میں جب افغانستان میں منحوس روسی انقلاب آیا اور اس نے سب سے پہلے علماء، مدارس اور مساجد کو اپنا نشانہ بنایا تو " نور المدارس فاروقی" اور اس کے علماء اور بانیان بھی نہ بچ سکے ۔ چنانچہ مدرسہ کو بالکل ویران کردیا گیا اور منتظمین حضرات کے تمام خاندان (جو مجددی خاندان سے مشہور اور تقریباً ساٹھ افراد پر مشتمل تھا اور ان کے متوسلین تمام افغانستان میں پھیلے ہوئے تھے) کو شہید کرڈالا تو اس وقت حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کو (جو نہایت ہی کمزور ہوچکے تھے) بھی نہ بخشا گیا اور حکومت نے انھیں بھی گرفتار کیا لیکن علاقہ کے عوام نے ایک بڑی تعداد میں جاکر حکومت سے کہا کہ ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک حضرت مولانا کو رہا نہ کیا گیا ہو یا ہم سب کو پھانسی نہ دی گئی ہو ۔ لہذا حکومت نے مجبور ہوکر حضرت مولانا کو رہا کردیا ۔ رہا ہونے کے بعد حضرت مولانا نے جنوبی غزنی میں ایک گاؤں " قریب الدین "نامی کو اپنا مقر بنایا اور یہاں پر ایک طرف سے روزانہ کئی گھنٹے مسلسل بخاری شریف کا درس دیتے رہے اور دوسری طرف سے اس علاقہ کے مجاہدین کی سرپرستی فرماتے رہے ۔ چنانچہ ان کے متعدد شاگردوں نے میدان جہاد میں کمانڈر کی حیثیت سے کام کیا اور اب تک کر رہے ہیں ۔ واضح رہے کہ " قریب الدین " نامی گاؤں حضرت مولانا کے پرانے دوست اور کرم فرما استاذ کل حضرت مولانا صاحب نانگہ کے گاؤں سے بالکل قریب واقع ہے ۔

جہادِ افغانستان میں حضرت والا کے شاگردوں کی نمایاں خدمات

حضرت والا کے شاگردوں کا سلسلہ تو بہت ہی وسیع ہے جنھوں نے

تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کے مختلف میدانوں میں بہت ہی بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں اور دے رہے ہیں اور جو حضرات اب تک جہاد میں سرگرم عمل ہیں ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں ۱۔ حضرت مولانا سید محمد صاحب ضلع مقر، ۲۔ حضرت مولانا احمد سعید اخند زادہ صاحب امیر جبہہ مرزی ضلع ناوہ، ۳۔ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا عبدالحی صاحب ضلع آب بند۔ ۴۔ مولوی ولی اللہ صاحب محمد خیل ضلع ناوہ، ۵۔ مولوی محمد نعیم صاحب گیلانی، ۶۔ مولوی وزیر محمد صاحب ضلع مقر وغیرہ۔

یہ تمام حضرات جہاد میں بہت ہی خلوص و تندہی کے ساتھ مصروف ہیں اور کافی علاقوں کو روس کے قبضے سے آزاد کرا چکے ہیں

حضرت والا کا انتقال پر ملال

۱۴۰۳ھ کو حضرت والا بیمار ہوتے، اور کمزور تو پہلے ہی سے کافی ہو چکے تھے اور علاج کی غرض سے پاکستان لائے گئے لیکن علاج سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا اس لئے واپس غزنی افغانستان تشریف لے گئے، جہاں ۱۴۰۳ھ میں تقریباً ۹۱ سال کی عمر میں اپنے ہی گاؤں "دوکوہی" میں دارالفنا سے دارالبقاء کی طرف کوچ فرما گئے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

(نوٹ) :۔ یہ مضمون اس وقت لکھا گیا تھا جب افغانستان میں جہاد جاری تھا)۔

حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب رحؒ کوپاگنجی

متوفیٰ ۱۳۹۳ھ

مولانا عبد الرؤف رح مدرسہ شاہی کے ایک ہونہار سپوت تھے والدگرامی کا نام عبد الشکور رح وطن مالوف محلہ چندن پورہ قصبہ کوپاگنج ضلع اعظم گڈھ (حال ضلع مئو) تھا ولادت ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں ہوئی مدرسہ مصباح العلوم کوپاگنج، مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں، مولانا عبد الصمد کوپاگنجی متوفی ۱۳۸۵ھ مولانا عظیم اللہ کوپاگنجی متوفی ۱۳۹۲ھ وغیرہما سے متوسطات تک تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند پہونچے اور ایک سال مادر علمی میں زیر تعلیم رہے دوسرے سال کچھ رکاوٹوں کے سبب دارالعلوم نہ جاسکے بلکہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں سند فراغت حاصل کی اساتذۂ حدیث میں حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب متوفی ۱۳۹۲ھ۔ اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب متوفی ۱۳۹۵ھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مشہور مصنف مولانا قاضی اطہر مبارکپوری بعض کتابوں میں آپ کے ساتھی تھے قاضی صاحب ایک سال بعد ۱۳۵۹ء میں فارغ ہوتے قاضی صاحب کا بیان ہے کہ دورِ طالب علمی میں مولانا عبد الرؤف صاحب بہت زندہ دل اور رنگین طبیعت تھے لیکن فراغت کے بعد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتحپوری رح متوفی ۱۳۸۶ھ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو طبیعت کی ساری رنگینیاں کافور ہوگئیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جمیعۃ علماء ہند اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاسی کاموں میں حصہ لیا لیکن کچھ عرصہ بعد سیاسیات سے کنارہ کشی اختیار کر کے تدریسی سلسلہ شروع کر دیا مدرسہ مصباح العلوم کوپاگنج میں تقریباً ۳ سال اعزازی طور

پر درس دیا پھر سنہ ۱۳۶۳ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں تدریسی خدمت پر مامور رہے اور درمیان میں تین سال کے علاوہ تادمِ آخر اسی مدرسہ کے مسندِ تدریس واہتمام پر فائز رہے آپ کے شاگردوں میں اچھے اچھے اہلِ علم پیدا ہوتے جو مختلف اداروں میں تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

تین سال مدرسہ اشاعت العلوم سے الگ ہوکر اپنے شیخ ومرشد حضرت فتحپوریؒ کی خدمت میں عبادت وریاضت کے ساتھ تعلیمی مشغلہ جاری رکھا اسی زمانہ میں ایک سال مدرسہ وصیت العلوم کوپاگنج میں اعزازی طور پر درس دیا۔

مولانا مرحوم زہد وتقویٰ سادگی وبے تکلفی میں بے مثال تھے طلبہ واساتذہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے ہر شخص پر آپ کا رُعب یکساں غالب رہتا تھا جب مدرسہ میں آجاتے سناٹا چھاجاتا تھا خلاف شرع امور پر نہایت سخت گرفت کرتے تھے۔

مولانا مرحوم نے بنارس کے صدر اسپتال کبیر چورا میں یکشنبہ ۲۲ رجمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۹۳ھ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا آپ کے جنازہ میں انسانوں کا زبردست اژدحام تھا مدرسہ اشاعت العلوم کے جانب مغرب مقبرۂ پارہ میں آسودۂ خواب ہیں۔

ماخوذ از تذکرہ علماء اعظم گڈھ مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند ص ۱۵۶ تا ص ۱۵۸ ومشاہیر پورہ معروف ص ۵۹ تا ص ۶۲ مرتبہ مولانا محمد عثمان معروفی

حضرت مولانا عبدالحی چشتیؒ

خلیفہ اجل حضرت شیخ الاسلامؒ

مولانا عبدالحی چشتی دیارِ پورب کے زمرۂ علماء میں گل سرسبد تھے۔ علم و فضل زہد و ورع اور اخلاق و فضائل کے اعتبار سے معاصرین میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے ۱۳۴۵ھ مطابق اپریل ۱۹۲۶ء میں مولانا محمد رفیع خانؒ کے گھر انجان شہید ضلع اعظم گڈھ میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی ابتدائی تعلیم والدگرامی اور خالص پور، انجان شہید جین پور وغیرہ مقامات میں حاصل کی اور بلریا گنج مڈل اسکول میں مڈل کی تعلیم مکمل کر کے امتحان دیا پھر علومِ دینیہ کی تحصیل کے لئے ۱۹۴۲ء میں مدرسہ جامع العلوم جین پور میں داخل ہوتے اور مولانا افضال الحق جوہر قاسمی مولانا محمد کامل انجان شہیدی مولانا صدرالدین بیگ ندوی وغیرہ اساتذہ سے تین سال کی مدت میں نحو و صرف، ادب و فقہ منطق وغیرہ کی معتدبہ تعلیم حاصل کی۔

۱۹۴۵ء میں مولانا ابوالوفا شاہجہاں پوری کی ترغیب و تشویق پر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا مدرسہ شاہی کا یہ عہد عہدِ زریں تھا مولانا عبدالحق مدنی اور مولانا سید محمد میاں دیوبندی جیسے باکمال اساتذہ کی علمی سرگرمیوں سے دارالعلوم ثانی بنا ہوا تھا مولانا چشتی مرحوم نے انہیں نادرۂ روزگار اساتذہ سے متوسطات کی تعلیم و تحصیل کی مولانا عبدالحق مدنی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحہ کے شیدائی اور عاشق تھے درس کے علاوہ اپنی نجی مجلسوں میں حضرت شیخ الاسلام کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا کرتے تھے مولانا چشتی مرحوم کو حضرت شیخ الاسلامؒ سے ایک گونہ تعلق خاطر پہلے ہی سے تھا مولانا عبدالحق مدنیؒ کی صحبتوں نے اس تعلق کو عشق میں تبدیل کر دیا اور جب حضرت شیخؒ کی مفارقت شاق گذرنے لگی تو عین ہنگامۂ آزادی اگست سنہ

ہیں دیوبند، مدنی آستانہ پر پہونچ گئے اور دارالعلوم میں داخلہ لے کر تعلیم شروع کردی ۱۹۵۰ء میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی اس کے بعد مزید ایک سال رہ کر معقولات میں تخصص کیا دارالعلوم میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے علاوہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی رح، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رح مولانا عبدالخالق ملتانی رح، مولانا عبدالجلیل دیوبندی رح، مولانا محمد بشیر خاںؒ وغیرہ حضرات اکابر آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔

فراغت کے بعد حضرت شیخ الاسلام رح کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور سخت مجاہدہ کر کے دو سال کے قلیل عرصے میں سلوک و احسان کے اس مقام پر پہونچ گئے جہاں لوگ مدتوں کے بعد پہونچتے ہیں ۱۹۵۲ء میں ختم بخاری شریف کے موقعہ پر دارالحدیث میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے آپ کی خلافت کا اعلان فرمایا تمغۂ خلافت حاصل ہونے کے بعد مزید ایک سال حضرت شیخؒ کی خدمت میں رہ کر حضرت کے سفر و حضر کے معمولات، اتباع سنت عبادت و ریاضت اور طریقۂ نشست و برخاست کا مطالعہ کرتے رہے جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی زندگی اپنے باکمال شیخ کے سانچہ میں ڈھل گئی اور حضرت شیخؒ کے نمونہ نظر آنے لگے۔

علومِ ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد تدریسی کام شروع کیا اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دساڑا (سوراشٹر) دارالعلوم معینیہ اجمیر۔ دارالعلوم پنڈواہنگلی، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، جامعہ حسینیہ جونپور میں طالبانِ علوم کو سیراب کیا آخر الذکر دو مدرسوں کے مہتمم رہے اور اپنے حسنِ انتظام سے ان کو کافی ترقی دی۔ مولانا چشتی مرحوم اس دور کے علماء میں علم تصوف میں اپنی مثال آپ تھے تصوف کے اہم ترین مباحث کو باتوں باتوں میں سمجھا دینا آپ کا معمولی کام تھا ۱۹۶۰ء میں وحدۃ الوجود کے موضوع پر ایک جامع مقالہ تحریر فرمایا جو معارف اعظم گڈھ کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔ ان کمالات و محاسن کے ساتھ تواضع و اخفا کی صفت آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۵ دسمبر ۱۹۷۵ء کو علم و عمل، اخلاص و للّٰہیت اور زہد و ورع کا یہ پیکر ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا (ماخوذ از تذکرہ علماء اعظم گڈھ صد ۱۲۹ تا صد ۱۳۰)

حضرت مولانا بشیر الدین صاحبؒ (شیخ باگا) سلہٹیؒ

○ مولوی رضاء الکریم سدیؔ

برصغیر خصوصاً موجودہ بنگلہ دیش میں جن شخصیتوں نے اسلامی اقدار کی حفاظت میں نمایاں کارنامے انجام دئے ان میں حضرت مولانا بشیر الدین صاحب سلہٹی کا نام روز روشن کی طرح عیاں ہے، آپ اپنے علاقہ میں شیخ باگا کے نام سے مشہور و معروف تھے اور علوم ظاہری اور تصوف پر کامل عبور رکھنے کے ساتھ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

والد ماجد کا نام خورشید علی وطن اصلی تحصیل گلاب گنج ضلع سلہٹ اور سن پیدائش ۱۸۹۵ء ہے ابتدائی تعلیم سلہٹ ہی میں رہ کر متعدد مدارس میں حاصل کی، اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے ہندوستان کا سفر فرمایا۔ اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں فروکش ہوئے، داخلہ رجسٹر سے معلوم ہوتا ہیکہ آپنے ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ میں ۲۲ کی عمر میں مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا اور پہلے سال ہدایہ آخرین، مختصر المعانی اور ملاحسن کتابیں پڑھیں۔ اسکے بعد یہیں مقیم رہے اور ۱۳۴۶ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھ کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اسکے بعد آپ دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں قیام فرمایا۔ اس دوران آپ حضرت سے بیعت ہوکر سلوک و تصوف کے منازل بھی طے کرتے رہے بالآخر خلافت و اجازت سے سرفراز ہوکر وطن واپس ہوئے۔

آپ اپنے شیخ کیطرح نہایت جری اور مجاہد واقع ہوئے تھے اسی جذبہ کے خاطر ۱۹۲۹ء میں آپنے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور بہ واضح طور پر اعلان کیا کہ اس مدرسے جتنے بھی فرزند پیدا ہوں گے وہ سب کے سب مجاہد اسلام بنیں گے، آپ تحریک آزادی میں بھی جی جان سے حصہ لیتے رہے، ۴۲ کی ''ہندوستان چھوڑو'' تحریک کے دوران آپ کو تین ماہ کیلئے قید بھی کیا گیا۔ آپ ۱۹۶۹ء میں جمعیۃ علماء اسلام متحدہ پاکستان کے نائب صدر منتخب کئے گئے، ۱۹۵۶ء میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ جن حضرات کو آخری حج میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ان میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء بروز جمعرات ۷۶، کی عمر میں آپنے وصال فرمایا اور اپنے محبوب حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

حضرت مولانا سید حامد میاںؒ دیوبندی بانی جامعہ مدنیہ لاہور

از : حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا سید حامد میاں رح کا شمار جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے ہونہار سپوتوں اور مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے لائق فرزندوں میں ہوتا ہے آپ مشہور مورخ عالم بے بدل حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبدالحق مدنی رح مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے داماد اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید تھے علم وفضل، ورع وتقویٰ اصابت رائے ودوراندیشی میں امتیازی شان کے مالک تھے ۔

ولادت اور تعلیم

علم وفضل کی بستی دیوبند میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اور عہد طفلی مرادآباد میں بسر ہوا (جہاں آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید محمد میاں رح زیب دہ مسند تدریس تھے اور خدمتِ قوم وملت میں مصروف تھے) ابتدائی اردو تعلیم سے لے کر موقوف علیہ تک مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی اور حدیث وفنون کی تکمیل دارالعلوم میں کی حفظ کلام اللہ جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب مرحوم استاد مدرسہ شاہی سے اور فارسی کی کتابیں مولانا مستحسن الدین بجنوری مرحوم سے پڑھیں اس کے بعد شوال ۱۳۵۹ھ میں مدرسہ شاہی کے شعبۂ عربی میں باقاعدہ داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۵ھ تک داخل درس رہ کر نحو وصرف ادب فقہ اور معقولات وغیرہ کی درج ذیل کتابیں پڑھیں اور امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے رہے بعض کتابوں میں مجوزہ نمبر سے زائد بھی ۔

نحومیر، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، شرح مائۃ عامل، مفید الطالبین، نفحۃ العرب نور الایضاح، تلخیص المفتاح، میزان المنطق، کنز الدقائق، صوان الادیب

شرح وقایہ، نور الانوار، قطبی تصدیقات، شرح تہذیب، ہدیہ سعیدیہ مرقات، حسامی، میبذی، سلم العلوم، شمس بازغہ، توضیح تلویح، شرح عقائد جلالی شرح چغمینی تصریح، ہدایہ اولین، ہدایہ اخیرین مطول، مقامات وغیرہ۔

مدرسہ شاہی میں جن اساتذۂ علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سے حضرت مولانا عبد الحق مدنی، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی رح حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلی رح اور حضرت مولانا عجب نور پشاوری رحمہم اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، آپ کے رفقاءِ درس میں عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد ناظم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ مدظلہ، جیسی شخصیات شامل ہیں۔

شوال ۱۳۶۵ھ میں مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رح جامع المعقول والمنقول علامہ ابراہیم بلیاوی رحمہم اللہ جیسی عبقری وقد آور شخصیات سے اکتسابِ فیض کیا اور ۱۳۶۷ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس

فراغتِ تعلیم کے بعد اکابرِ شاہی کے نظرِ انتخاب نے اس درسگاہِ نانوتوی کے لئے آپ کو منتخب کرلیا چنانچہ سنہ ھ سے سنہ ھ تک آپ مسندِ تدریس پر فائز رہے درس وتدریس کے ساتھ افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے تقسیم ملک کے بعد نقلِ وطن فرماکر لاہور پاکستان منتقل ہوگئے اور اسی کو مسکن بناکر خدمت کا جولان گاہ بنالیا جہاں آپ نے ۱۳۶۷ھ میں اپنے شیخ ومرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کی طرف نسبت کرتے ہوئے جامعہ مدنیہ قائم فرمایا جس کے تادمِ حیات آپ شیخ الحدیث اور مہتمم رہے ہزار ہا تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا اس جامعہ نے چند ہی دنوں میں وہ مقام حاصل کرلیا جو کم ہی مدارس کو نصیب ہوتی ہے۔

بیعت وارشاد

تکمیلِ علوم وفنون کے بعد قطبِ عالم شیخ الاسلام حضرتِ مدنی سے تعلقِ ارادت وبیعت قائم

کر کے راہِ سلوک و معرفت میں ایسی جان سوزی کے ساتھ محنت و مجاہدہ کیا کہ برسوں میں طے ہونے والی راہِ طریقت سال بھر کی قلیل مدّت میں طے کرلی اور بارگاہِ مدنی سے خلعتِ خلافت سے سرفراز کردیئے گئے فطرت نے قلب مصفّیٰ سے نوازا تھا خانقاہِ مدنی نے اس کو مجلّیٰ کردیا آپ کی زندگی میں مرشد مدنی کا رنگ اخیر عمر تک غالب رہا ایک ایک عمل میں اپنے شیخ و مرشد کی نقل فرماتے تھے اتباعِ سنّت آپ کا وصف نمایاں تھا فروتنی، خاکساری، تواضع، خوش خلقی اور جرأت حق میں آپ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے۔ حبّ جاہ، حرص، طمع، اقتدار، خود بینی خود رائی کا آپ کے پاس سے گذر نہ تھا مداہنت کا دور دور نام ونشان نہ تھا آپ کے واقف کار حضرات کو بخوبی یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے کبھی کسی معاملہ میں مداہنت گوارہ نہ کی کتاب و سنت کی روشنی میں جس بات کو حق سمجھا علی الاعلان کہا۔ خلوص، سادگی، قناعت خود داری، تواضع، انکساری کے آپ مجسم پیکر تھے۔ آپ کی ذات پاکستان میں دار العلوم کے مسلک جمیعتہ علماء کے مشن اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحہ کے دینی وسیاسی افکار کے ترجمان کی حیثیت رکھتی تھی اسی لئے آپ کا دولت خانہ علماء کا قیام گاہ بن گیا تھا خانوادۂ مدنی کے ایک ایک فرد سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا۔

مولانا مرحوم نے اپنے صاحبزادے مولانا محمود میاں سلمہٗ اور صاحبزادی رابعہ سلمہا کے عقد مسنون میں بطورِ خاص مجھے مع اہل وعیال شرکت کی دعوت دی اور خاص طور پر تحریر فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میری لڑکی رابعہ سلمہا کا نکاح تم پڑھاؤ مولانا کے اصرار پر مع اہل وعیال پاکستان کے لئے یکم فروری ۱۹۸۰ء کو روانہ ہوا اور پاکستان کے پورے زمانہ قیام میں آپ کے خانہ پر ہی قیام رہا کسی جگہ ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی البتہ جہاں جانا ہوا آپ ہی کے یہاں سے جانا ہوا۔

تقریبات مسنونہ نکاح وولیمہ میں شرکت کر کے ویزا ختم ہونے پر یکم مارچ ۱۹۸۰ء کو روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو مولانا مجھ سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ بھئی دو چار دن اور قیام کرو اور اپنی اس خواہش کا بار بار اظہار فرمایا مزید ٹھہرنے

کی ضرورت محسوس نہ کر کے معذرت کر کے مولانا موصوف سے اجازت حاصل کر لی چلتے وقت نمناک آنکھوں کے ساتھ مصافحہ و معانقہ فرمایا ۲؍ مارچ کو مراد آباد پہونچا ۳؍ مارچ کی شام کو ٹیلی فون کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بعد نماز ظہر اختلاجِ قلب کا شدید حملہ ہوا اور اسپتال میں داخل ہیں ۴؍ مارچ ۸۳ء کو ریڈیو پاکستان نے یہ اندوہ ناک خبر سنائی کہ اختلاجِ قلب کے شدید حملے کی تاب نہ لاکر دارِ فانی سے دارِ جاودانی کو چل بسے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اس جانکاہ حادثہ نے دل کو دہلا دیا کافی دنوں مرحوم کا تصوّر ذہن میں مرکوز رہا اور رہ رہ کر مرحوم کے دو چار دن مزید ٹھہرنے کا اصرار یاد آتا رہا مولانا کی فرمائش کی تعمیل نہ کرنے کا آج تک افسوس ہے ۔ ع

خدا رحمت کرے اس صادق پاکیزہ طینت پر

فیض یافتہ

مولانا رحمٰن گل بنوی ؒ

آپ ۱۹۱۰ء میں جناب مولانا نسیم الدین صاحب کے گھر خواجہ محمد منڈاں ضلع بنوں میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، پھر اپنے بڑے بھائی مولانا محمد حلیم صاحب کے ساتھ مراد آباد چلے گئے۔ وہاں ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی اور انتہائی حضرت مولانا عجب نور صاحب بنوی ؒ سے پڑھیں۔

دورۂ حدیث جناب مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی سے جناب مولانا مفتی محمود صاحب کے ساتھ پڑھا۔ [1]

تدریس:۔ فراغت کے بعد اپنے گاؤں میں مدرسہ "شمس العلوم" میں پڑھانا شروع کیا، سات سال تک اعزازی طور پر تدریسی خدمات انجام دیں۔

پھر اپنے استاذ مولانا عجب نور صاحب کے ارشاد پر اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ معراج العلوم بنوں میں تدریس کا آغاز کیا، اور ۲۰ سال سے اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تبلیغی خدمات:۔ آپ تیس چالیس سال سے غیر شرعی رسوم کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، اپنے علاقہ کے بہترین مقرروں اور خطیبوں میں سے ہیں، مسجد جعفر خاں بنوں کے خطیب ہیں۔ وہاں درسِ قرآن و حدیث میں خاصی حاضری ہوتی ہے، سیاسی طور پر جمعیۃ علمائے اسلام سے تعلق خاطر رکھتے ہیں۔

آپ کے ممتاز تلامذہ میں مولانا غلام نبی ٹل (کوہاٹ) مولانا علم الدین نائب مہتمم معراج العلوم بنوں، مولانا عبد الصمد خطیب جامع قصاباں بنوں، مولانا عبد الرؤف ڈڈ کلی، مولانا محمد صدیق آف علاقہ نار، اور مولانا عبد الحمید صاحب نظام العلوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(آپ کا سوانحی تذکرہ "قوم" پشاور ۲۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو شائع ہوا۔)

---

[1] آپ کا سنہ فراغت ۱۹۴۰ء کے قریب ہے۔

مدرسہ شاہی کے قابل فخر سپوت

فقیہ الملۃ والدین مجاہد ختم نبوت

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از:۔ مولانا عبداللہ صاحب مہتمم دارالہدیٰ بھکر پاکستان

اللہ تعالیٰ نے سادات قندھار کے قبیلہ یسین زئی کو یہ شرف عطا فرمایا کہ اس میں حضرت مولانا سید احمد گل شاہ صاحبؒ جیسے ولی کامل اور اجل عالم ہوئے جن کے فیوض و برکات سے ایک دنیا مستفیض ہوئی۔ سادات کا یہ قبیلہ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو گرمیوں کے چار مہینے نواح قندھار میں خیمہ زن ہوتا اور سردیوں کے چھ مہینے پنیالہ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں قیام کرتا۔ دو مہینے آمد و رفت میں لگ جاتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا بھی یہی معمول رہا۔ آپ تصوف کے چاروں سلسلہ کے مجاز تھے۔ مگر اپنے مشائخ کے طریقہ کے مطابق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ اسی سلسلہ میں بیعت فرماتے اور طالبین کو علم دیتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ علوم دینیہ کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ آپ نے ہمیشہ علوم دینیہ کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ درویشوں اور طالب علموں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ رہتی۔ ایک قافلہ ایک چلتی پھرتی خانقاہ اور خانہ بدوش مدرسہ تھا۔ پنیالہ کے علاقہ میں آپ کے متوسلین کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ پنیالہ کے رئیس شہاب الدین خاں بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ ایک دفعہ سردیاں گذار کر حضرت قندھار کی طرف کوچ کی تیاری میں تھے کہ سخت بیمار ہو گئے۔ نقاہت اتنی زیادہ ہو گئی کہ سفر کے قابل نہ رہے اور سفر ملتوی کر دیا۔ شہاب الدین خاں نے موقع غنیمت سمجھا اور پنیالہ میں مستقل قیام کی درخواست پیش کر دی

آپ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ خان صاحب نے پنیالہ سے چار فرلانگ شمال کی طرف ایک قطعہ اراضی آپ کے لئے مختص کردیا۔ آپ نے ذاتی مکانات مسجد، طلباء اور ذاکرین کے لئے حجرے تعمیر کرائیے اور اس سرزمین کو اپنا وطن بنالیا۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ جن میں سے چار آپ کے پاس رہے۔ اور چار نے کچھ عرصہ خانہ بدوشی کی زندگی گزاری اور پھر قندھار میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سیّد عبدالحلیم صاحبؒ جانشین ہوئے آپ کے ایک فرزند سید عبدالعزیز شاہ آنکھوں سے نابینا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت میں بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ اپنے بھائی سے سلوک کی تکمیل کرکے اجازت اور خلافت سے سرفراز ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں اپنے بھائی صاحب کی اجازت سے اباخیل بنوں ضلع میں قیام فرمایا۔ اور وہاں عمر بھر سلسلہ مجددیہ کی ترویج و اشاعت فرماتے رہے۔

حضرت مولانا سید احمد گل شاہ صاحبؒ کے ایک مرید مولانا محمد صدیق صاحب تھے جن کو خانقاہ اور متعلقین خانقاہ میں خلیفہ صاحب کہا جاتا تھا۔ علاقہ قندھار کے افغان تھے۔ افغانوں کے مشہور خانہ بدوش قبیلۂ ناصر سے تعلق تھا۔ کچھ عرصہ بعد طبیعت کا میلان ذکر و شغل کی طرف زیادہ ہوگیا۔ ضروری کتابیں پڑھ لیں اور پوری مستعدی سے اذکار و مجاہدات میں مشغول رہے۔ سلوک و تصوف کی منازل طے کرکے خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ اپنے شیخ سے ایسی محبت و عقیدت نصیب ہوئی کہ اپنی زندگی شیخ کے قدموں میں گذارنے کی ٹھان لی اور وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا تو سلسلہ مجددیہ کے دستور کے مطابق اپنے شیخ حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی اور بدستور خانقاہ میں مقیم رہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کو ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ شب دوشنبہ کو دوسرا فرزند عطا فرمایا جس کا نام حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب نے محمود تجویز فرمایا۔ یہ وہ سعادتمند اور بلند اقبال فرزند تھا۔ خانقاہ کے

پاکیزہ ماحول میں آنکھیں کھولیں ۔۔ جہاں چارسو قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں تھیں ۔

مراقبات کے حلقے اور اہل اللہ کے تذکرے تھے ۔ خداطلبی کا ذوق اور روحانیت کا شوق تھا ۔ اس پُرانوار اور روح پرور فضا میں آپ کے دل و دماغ پر جو نقوش قائم ہوئے وہ آپ کے شاندار مستقبل کے لئے بنیاد ثابت ہوئے ۔

اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ خانقاہ کے ایک صاحب دل درویش آپ سے پیار کرتے تھے ۔ آپ کو پنیالہ کے بازار میں اٹھاکر لے جاتے اور وہاں پر مٹھائی آپ کو کھلاتے ۔ بعض لوگ کہتے آپ پیروں کے بچوں سے پیار نہیں کرتے اور خلیفہ صاحب کے بچے سے اتنا پیار ہے ۔ وہ جواب میں فرماتے ۔" مجھے اس بچے کی پیشانی میں عظمت کی روشنی معلوم ہوتی ہے ۔"

؎ بالائے سرش زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

چھ سال کے ہوئے تو آپ کو گورنمنٹ مڈل اسکول پنیالہ میں داخل کرادیا گیا ۔ ۱۹۳۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا ۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والد صاحب اور ماموں مولوی شیر محمد صاحب پنیالوی سے قرآن مجید، ناظرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھ لیں ۔ پھر آپ کو ابا خیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بھیج دیا گیا ۔ جہاں آپ نے چند مہینے اسباق پڑھے اور واپس خانقاہ پنیالہ میں آگئے ۔ یہاں دو سال میں اپنے والد صاحب اور اپنے بہنوئی شیر محمد قندھاری اور مولوی غلام رسول صاحب سے شرح جامی، ہدایہ اولین، حسامی اور سلم العلوم تک کتابیں پڑھیں ۔

مدرسہ شاہی میں

ان دنوں فنون کی تعلیم میں مدرسہ شاہی مراد آباد کی شہرت تھی ۔ غزنی کے مولانا عبدالغفور صاحب[۱] ترکی جو خانقاہ

---

[۱] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

کے متعلقین میں سے تھے اور بنوں کے مولانا عجب نور صاحب بھی وہاں مدرس تھے۔ حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب نے ۱۹۳۶ء میں اپنے صاحبزادوں بھتیجوں اور حضرت مفتی صاحب کو مراد آباد پڑھنے کے لئے بھیجا۔ مفتی صاحب ساتھیوں سے الگ ہوکر دیوبند چلے گئے۔ ابھی اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ خلیفہ صاحب کے فرمان پر موجودہ سجادہ نشیں صاحبزادہ احمد صاحب نے آپ کو دیوبند سے مراد آباد لے جاکر شاہی مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ وہاں مسلسل چھ سال پڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کے صاحبزادے محمد صاحب، صاحبزادہ عبدالحمید صاحب اور سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے فرزند صاحبزادہ یار محمد صاحب اور صاحبزادہ جان محمد صاحب بھی وہاں پڑھتے رہے ان سب حضرات نے وہاں چھ سال اکٹھا گزارے۔ سید عبدالعزیز شاہ صاحب آپ کو بھی اپنے صاحبزادوں کے برابر ہر ماہ رقم بھیجا کرتے تھے۔ آپ نے مراد آباد کے مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب سے علم تجوید و قرائت بھی مکمل کیا تھا۔ آپ کے مشفق استاد مولانا سید محمد میاں صاحب نے اسی زمانہ میں اپنی معروف و مقبول کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" تالیف فرمائی تھی۔ آپ مسودات کی نقل و تصحیح وغیرہ میں ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ مراد آباد کے بعد آپ نے کچھ عرصہ امروہہ میں بھی حدیث پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث امروہیؒ ضعف کی وجہ سے پڑھانا چھوڑ چکے تھے۔ مگر آپ کا امتحان لے کر حدیث کی سند اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ کی تعلیم مکمل

(حاشیہ صـ کا) ؎ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قندھاری حضرت مفتی صاحبؒ کے مراد آباد کے اساتذہ میں سے ہیں جامع المعقول والمنقول اور قابل مدرس ہیں۔ مزاج میں سختی تھی۔ آج کل بلوچستان میں ہیں۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے استاذ محترم مولانا عبدالغفور صاحب کی تربیت نے مولوی بنا دیا۔ زندگی میں قدم بہ قدم ان کی تعلیمات اور ہدایات سے مستفیض ہو رہا ہوں۔ (مولوی عبدالحکیم، اقرأ ڈائجسٹ کراچی، ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ)

ہوئی اور وطن واپس آئے۔ حضرت مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحبؒ کے فرمان پر مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں تدریس شروع فرمائی۔ اباخیل جاکر حضرت شاہ صاحب سے بھی بیعت ہوئے۔ تدریس کے ساتھ اپنے وظائف بھی پورے کرتے اور ہر دوسرے مہینے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جاکر تین دن قیام کرتے۔ تقریباً دس سال بعد سلاسل اربعہ میں شاہ صاحب سے مجاز ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اباخیل میں مدرسہ قائم کیا۔ اور ۱۹۴۵ء میں آپ کو مدرسہ میں بلالیا۔ آپ نے اباخیل میں پڑھانا شروع کیا تو طلباء کا بہت زیادہ ہجوم ہوگیا آپ کے ساتھ آپ کے رفیقِ درس شاہ صاحب کے فرزند صاحبزادہ جان محمد صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ دو سال بعد مدرسہ کے اخراجات پورے ہونا مشکل ہوگئے۔ اور اس مدرسہ کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مدغم کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا عبدالحق صاحب کو بلاکر مدرسہ کا سارا سامان ان کے حوالہ کردیا اور آپ پنیالہ آگئے۔

اوائل ۱۹۴۷ء میں آپ کے سسرالی گاؤں عبدالخیل کے ایک محلہ میں امام کی ضرورت پیش آئی تو حضرت شاہ صاحب نے وہاں آپ کو امام مقرر فرمادیا۔ آپ نے امامت کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا ایک مکان اور چھپر طالب علموں کی قیامگاہ اور درسگاہ تھے۔ کوئی فنڈ قائم نہیں کیا۔ محلہ والے طلبہ کے لئے کھانا وغیرہ مہیا کردیتے اور آپ تو لوجہ اللہ تعلیم دیا کرتے تھے۔ خود بھی شروع میں ایک مستعار مکان میں رہے اور بعد میں اپنا ذاتی کچا مکان تعمیر کرالیا۔ اور عبدالخیل کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔

عبدالخیل گاؤں ڈیرہ اسمٰعیل خاں شہر سے کوئی پینتالیس میل کے فاصلے پر ایک بے آب وگیاہ علاقہ میں ہے جہاں شمال اور جنوب میں خشک پہاڑ اور درمیان میں ریت کے ٹیلے ہیں۔ پنیالہ کے علاوہ علاقہ میں نہ کوئی چشمہ ہے نہ کنواں، فصلوں کا انحصار بھی بارشوں پر ہوتا ہے۔ لوگوں نے گھروں میں

پختہ تالاب تعمیر کر رکھے تھے، بارش ہو، تو گھروں کے صحنوں اور چھتوں کا پانی ان میں جمع ہو جاتا ہے۔ تقریبًا پانچ سال پہلے تک لوگ اسی پانی سے ضرورت پوری کرتے تھے اگر کسی سال بارش نہ ہوتی اور تالابوں کا پانی ختم ہو جاتا تو عبدالخیل کے لوگوں کو سات میل دور پنیالہ سے اونٹوں پر لاد کر پانی لانا پڑتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے زمانہ وزارت کی اسکیم پر ۱۹۷۵ء میں عمل درآمد ہوا۔ اور پنیالہ سے عبدالخیل تک منزل در منزل تالابوں کی تعمیر اور ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے پانی پہونچا دیا گیا اس سے کچھ عرصہ سے ڈیرہ بنوں روڈ تک سولہ سترہ میل کا سفر پیدل یا اونٹوں پر ہوا کرتا تھا۔

اس دور افتادہ علاقہ میں ہونے کے باوجود آپ کی علمی قابلیت، تدریسی مہارت کی شہرت دور تک ہو گئی تھی۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی انتظامیہ نے ۱۹۵۰ء مسند افتاء و تدریس کی پیشکش کی۔ آپ نے اپنے شیخ سید عبدالعزیز شاہ صاحب کی اجازت سے عبدالخیل کی امامت اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد صاحب کے سپرد کی اور خود ملتان تشریف لے گئے۔ ملتان سے پہلے آپ کو مولوی محمود صاحب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہاں مدرسہ قاسم العلوم میں تدریس کے ساتھ مفتی کا منصب بھی آپ کو تفویض کیا گیا۔ اور "مفتی صاحب" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کو صدر مدرس شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات بھی بنا دیا گیا۔

سیاسی زندگی

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز مراد آباد کے زمانہ تعلیم میں ہوا، جب آپ نے ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند کی حمایت میں کام کیا تھا۔ اور انتخابات کے سلسلے میں دور دراز علاقوں کے دورے کئے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ باقاعدہ جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے۔ اور آپ کو آل انڈیا جنرل کونسل اور صوبہ سرحد ورکنگ کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔ درس و تدریس کے ساتھ تحریک آزادی میں بھی برابر حصہ لیتے رہے ۱۹۴۶ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمتہ نے

صوبہ سرحد کا دورہ فرمایا تھا۔ آپ بھی جنوبی اضلاع میں ساتھ رہے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آجانے کے بعد ۱۹۵۲ء میں آپ نے اپنے رفقاء سمیت جمعیتِ علمائے اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں حصہ لیا اور چھ مہینہ ملتان جیل میں محبوس رہے۔ ۱۹۵۶ء میں علماء کنونشن بلانے کا فیصلہ ہوا۔ مجلس استقبالیہ کی تشکیل ہوئی، جس کی صدارت حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے منظور فرمائی اور نظامت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔ حضرت لاہوریؒ اور آپ کی طرف سے دعوت نامہ جاری ہوا۔ ۷، ۸، ۹ کنونشن ہوا جس میں مغربی پاکستان کے کئی سو علماء نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں جمعیۃ علمائے اسلام کی از سرِ نو تشکیل ہوئی۔ امیر حضرت لاہوریؒ، نائب امیر آپ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ منتخب ہوئے اس انتخاب سے جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا اور یہ جماعت ایک فعال دینی وسیاسی جماعت کی حیثیت سے ابھری۔

آپ نے جمعیۃ علماء اسلام کی منصبی ذمہ داری کو بڑی خوبی سے نبھایا۔ ملک کے طول وعرض میں دورے کئے۔ ۱۹۵۶ء کے دستور پر "تنقید وترمیم" لکھ کر اس کے خلافِ اسلام دفعات کو بے نقاب کیا۔ ۱۹۶۲ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے ایک نواب صاحب اور پیر صاحب زکوڑی کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں عائلی قوانین کا مسئلہ پیش ہوا۔ تو آپ نے ان کے خلاف مدلل مفصل تقریر فرمائی۔ جس میں ارکان اسمبلی ذہنی اور قلبی لحاظ سے آپ کے ہمنوا ہو گئے۔ اسپیکر نے اس تقریر کو اسمبلی کی بہترین تقریر قرار دیا۔ قاہرہ میں متعدد بار علماء کے عالمی اجتماعات کو خطاب کیا۔ آپ کے علمی تجربے، قوتِ استدلال اور سیاسی بصیرت نے دنیا کے علماء کو بہت متاثر کیا۔ ۱۹۶۸ء میں راولپنڈی میں علماء کا عالمی اجلاس ہوا۔ جس میں بعض لوگوں نے اپنے مقالوں میں کتاب وسنت کے خلاف نظریات پیش کئے۔ آپ نے جرأتمندی

سے انھیں ٹوکا اور ان کی مدلل تردید کی۔ پورے اجلاس پر آپکے علم کی دھاک بیٹھ گئی اور مسلم نما ملحدوں کو ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس میں علماء کے متفقہ بائیس نکات اور مسلمان کی تعریف دستور میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ڈیرہ اسمٰعیل خان سے مسٹر بھٹو کو بھاری اکثریت سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ ان انتخابات کے بعد بعض لیڈروں کی ہوسِ اقتدار نے ملک میں خطرات پیدا کر دیئے تو آپ نے اور حضرت مولانا غوث ہزاروی نے ملکر ملک کو ان خطرات سے بچانے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ اور خون خرابہ کے بعد سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ پیش آکر ہی رہا۔

وزارت اعلیٰ

۱۹۷۲ء میں آپ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے اور حلف وفاداری اٹھاتے ہی صوبہ میں شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ پھر اردو کو سرکاری زبان اور شلوار قمیص کو سرکاری لباس قرار دیا کالج کی ابتدائی کلاس میں داخلہ کے لئے میٹرک پاس ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ناظرہ اور نماز باترجمہ یاد ہونا لازمی ٹھہرایا۔ سرکاری قرضوں پر سود، قمار بازی، جہیز کی ممانعت اور احترام رمضان کے قوانین نافذ کیے۔ بعض لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے اپنی کابینہ میں کسی عورت کو وزیر نہیں بنایا۔ عوام کے ملنے کے لئے دروازے کھلے رکھے۔ ایک عام افسر کے مقابلہ میں وزیر اعلیٰ کی ملاقات آسان تھی۔ نماز کا وقت ہوتا تو وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ پر اذان ہوتی سب لوگ وزیر اعلیٰ کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ یہ منظر ایمان افروز اور سبق آموز ہوتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور وہیں امامت کے مصلّے پر لوگوں نے درخواستیں پیش کرنا شروع کر دیں۔

پھر آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے دست مبارک سے احکامات تحریر فرما دیئے مسٹر بھٹو نے صوبہ سرحد میں افراتفری پیدا کر کے آپ کی حکومت کو ناکام

کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا آپ نے بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا خود فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں نے نو مہینے کے عرصے میں ایک انچ زمین پر بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں کی۔ اور میری پولیس کی بندوق سے کسی کی طرف ایک گولی نہیں نکلی۔"

آپ نے قومی اسمبلی میں ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیاب نمائندگی فرمائی۔ اسمبلی کی کمیٹی کے سامنے مرزائیوں کے موجودہ پیشرو مرزا ناصر کا بیان ہوا تو آپ نے جرح کرکے اس کو مبہوت کر دیا جو ارکان اسمبلی اس سے پہلے مرزائیوں کے کفر کے قائل نہ تھے وہ اس جرح سے قائل ہوگئے۔ اور آپ کی تجویز کے مطابق دستور میں ترمیم کرکے مرزائیوں کے دونوں گروپوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم قرار دیدیا گیا۔

پاکستان قومی اتحاد قائم ہوا تو آپ اس کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات اور تحریک نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ نے جس تدبر اور استقامت سے قیادت کی، اس کا موافق ومخالف کو اعتراف ہے۔

فوجی حکومت قائم ہوگئی۔ مگر آپ کو نصب العین کی لگن نے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اپنی بے پناہ سیاسی مصروفیات کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس سال بھی بخاری شریف پڑھا رہے تھے۔ چند سال پہلے ترمذی شریف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی۔ ۱۹۷۷ء میں ہری پور جیل اور سہالہ کیمپ میں بھی کافی حصہ لکھا تھا۔ یہ شرح ابواب القدر والایمان تک ہو چکی تھی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کراچی کے علماء کے سامنے عشر وزکوٰۃ آرڈیننس کے متعلق اپنا شرعی موقف بیان فرما رہے تھے کہ پیغام اجل آپہونچا۔ جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ ۱۵ اکتوبر کو آپ کی پسند کے مطابق عبد الخلیل کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

سنہ ۱۹۵۰ء میں آپ کے والد ماجد اور سنہ ۱۹۶۱ء میں والدہ صاحبہ کا وصال ہوا۔ سنہ ۱۹۷۵ء میں چھوٹے بھائی مولانا محمد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب آپ نے سفر آخرت فرمایا۔ اپنے پیچھے دو بیوائیں، پانچ بچے، تین بچیاں چھوڑیں آپ کی شادی سنہ ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں آپ کے بڑے فرزند مولانا فضل الرحمٰن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ان کے بعد گھر میں ایسی بیماری شروع ہو گئی کہ بچے پیدا ہو کر فوت ہو جاتے تھے۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں دوسری شادی کی جس سے تین بچیاں اور تین بچے ہیں۔

(آپ اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند کے موقع پر ہندوستان تشریف لائے تو دیگر مدارس کے علاوہ اپنے مادر علمی مدرسہ شاہی کو بھی تشریف آوری کا شرف بخشا اور مدرسہ کی ظاہری و باطنی ترقی دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا)

(مرتب)

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی

ملک وبیرون ملک کے مشہور صاحب علم اور ورع و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز بزرگ ہیں، تواضع اور سادگی میں واقعتہ نمونۂ اسلاف ہیں۔ جفاکشی اور محنت اور دین کے لئے جدوجہد آپ کی زندگی کے تابندہ نقوش ہیں۔ سہولت پسندی یا دنیاوی آرام و راحت گویا آپ کی... حیات میں عنقا ہیں۔ ایک خلق خدا آپ کے روحانی اور علمی فیض سے مستفیض ہے۔ ہزارہا ہزار لوگ آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر ہدایت پا چکے ہیں۔ آپ کا قائم فرمودہ مدرسہ عربیہ (ہتھورا باندہ) ملک کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے، جس کے آپ ہی ناظم اور شیخ الحدیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے مثال مقبولیت سے نوازا ہے۔

ولادت اور تعلیم آپ کا سنہ ولادت ۱۳۴۳ھ، وطن ہتھورا ضلع باندہ، یوپی اور والدماجد کا اسم گرامی سید احمد صاحب ہے۔ ابتداءاً اپنے جد امجد قاری عبدالرحمٰن صاحب تلمیذ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور اپنے ماموں مولانا سید امین الدین صاحب کے پاس رہ کر حفظ قرآن مجید کی تکمیل فرمائی۔ اس کے بعد کانپور آگئے اور یہاں ماہر اساتذہ سے عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں جن میں حضرت مولانا مفتی محمد سعید احمد صاحب محدث لکھنوی شامل ہیں۔ بعد ازاں پانی پت تشریف لے گئے اور وہاں شرح جامی بحث فعل تک تعلیم درس نظامی حاصل کر کے سبعہ عشرہ قرأت کی تکمیل بھی فرمائی۔

۱۳۵۹ھ میں اصول الشاشی اور میر قطبی وغیرہ کی جماعت میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۱ھ اور ۱۳۶۲ھ کے اوائل تک مدرسہ مظاہر علوم میں تسلسل کے ساتھ قیام رہا۔

مدرسہ شاہی میں رجسٹر داخلہ مدرسہ شاہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۹ سال کی عمر میں ۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ کو مدرسہ شاہی میں داخل ہوئے اور اس سال مشکوٰۃ شریف، ملاحسن، اور ہدایہ آخرین وغیرہ کتابیں پڑھیں ہیں اور ساتھ میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب سے قرأت میں شرف تلمذ بھی حاصل فرمایا۔ شعبان ۱۳۶۲ھ کے رجسٹر نمبرات امتحان

میں درج ہے کہ اس امتحان میں آپ نے مشکوۃ شریف میں ۵۰ میں سے ۵۱ اور ہدایہ آخرین میں ۵۰ نمبرات حاصل فرمائے ہیں۔ مدرسہ شاہی سے آپ کس تاریخ کو تشریف لے گئے اس کی قطعی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔ تاہم علماء مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات (مرتبہ مولانا سید محمد شاہد صاحب) سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۱۳۶۳ھ میں مظاہر علوم میں رہ کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل فرمائی ہے۔

درس و تدریس | تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے تدریس و تعلیم کا شغل اختیار فرمایا۔ متعدد مقامات پر تدریس کے بعد آپ نے اپنے وطن میں ہی تعلیمی کام کا آغاز کیا۔ اور ایک عظیم الشان مدرسہ "جامعہ عربیہ ہتھورا" باندہ کے نام سے قائم فرمایا جس کے ذریعہ سے نہ صرف تعلیم کی شمعیں روشن ہوئیں بلکہ علاقہ میں پھیلے ہوئے فتنہ ارتداد کا مقابلہ بھی کیا گیا۔ آپ نے بہت سی جگہوں پر دینی مکاتب قائم فرمائے اور متعدد بڑے مدارس کے رکن شوریٰ اور سرپرست بھی ہیں۔

بیعت و خلافت | سہارنپور کے زمانہ قیام میں آپ نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور خلیفہ اجل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے شرف بیعت حاصل کیا اور آپ ہی کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر سلوک و تصوف کے مراحل طے کیا اور مرشد کامل کی جانب سے اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز کئے گئے۔

تصنیف و تالیف | تدریس، انتظام، وعظ و تقریر اور اصلاح امت کے ساتھ علمی تصنیفات سے بھی آپ شغل رکھتے ہیں۔ تسہیل التجوید، احکام المیت، آداب المعلمین، آداب المتعلمین، تسہیل المنطق، حق نما، فضائل نکاح، تسہیل الصرف، اسعاد الفہوم شرح سلم العلوم وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ (تلخیص از علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات، از ص۔ ۱۴۰ تا ص ۱۴۴)

مورخ اسلام قاضی محمد اطہر صاحب مبارک پوری مدظلہ

مولانا اشتیاق احمد صاحب بہرائچی استاذ جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی

چمنستان قاسمی سے گل چینی کرنے والوں میں جن عبقری شخصیتوں کا نام سرفہرست ہے ان میں ایک قد آور شخصیت قاضی محمد اطہر صاحب مبارکپوری کی بھی ہے۔

موصوف زبردست عالم، مورخ، محقق، مصنف، بلند پایہ ادیب اور صاحب قلم شخصیت ہیں جن کے اشہب قلم نے علم و تحقیق کے باب میں جو در فشانی کی ہے اس پر ہمیشہ آپ کو داد تحقیق اور خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔ خصوصاً اسلامی تاریخ ہند پر آپ کے قلم گہربار نے جو مواد اور لٹریچر فراہم کیا ہے وہ تاریخ اسلام کے اوراق کی زینت اور مرقع کی حیثیت رکھتا ہے۔

نام و نسب اور تاریخ ولادت آپ کا نام عبدالحفیظ اور تخلص اطہر ہے اور اسی نام سے آپ کو شہرت ملی ہے۔ والد کا نام شیخ محمد حسن ہے۔ ۷ر مئی ۱۹۱۶ء مطابق ۱۴ر رجب ۱۳۳۶ھ بروز دوشنبہ صبح ۵ بجے ولادت ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن کٹرہ مانک پور تھا۔ جد امجد اب سے تقریباً پونے پانچ سو سال پہلے سلطان نصیرالدین محمد ہمایوں کے عہد سلطنت میں خانوادۂ حامدیہ چشتیہ کے ایک بزرگ راجہ سید مبارک ابن راجہ سید احمد بن راجہ سید نور بن راجہ سید حامد شاہ (متوفی ۲ر شوال ۹۶۵ھ) بانی مبارکپور کے ہمراہ کٹرہ مانک پور سے آکر مبارکپور میں آباد ہو گئے تھے اور انہی کے خاندان میں مبارک پور کی نیابت قضا کا عہدہ رہا۔

(ہندوستان میں عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء اور ان کی دینی خدمات - ص ۲۰۳)

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، جس میں والدہ کا کافی حصہ رہا۔ اس کے بعد قصبہ کے مشہور دینی ادارہ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخل ہوئے اور یہیں پر آپ نے اردو فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ سن ۱۳۵۴ھ میں آپ نے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں پہلی بار داخلہ لیا اور مقامات زمخشری اور دیوان حماسہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر درمیان سال میں آپ واپس مبارک پور چلے گئے اس کے بعد ۱۳۵۸ھ میں دوبارہ دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لئے مدرسہ شاہی میں تشریف لائے۔ جن حضرات

اساتذۂ کرام سے آپ نے گلشن قاسمی میں اکتساب فیض کیا ہے ان میں فخرالمحدثین حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے ماموں مولانا محمد یحییٰ رسول پوری سے عروض و قوافی اور ہیئت کی تعلیم حاصل کی۔

بچپن ہی سے مطالعہ، کتب بینی اور مضمون نگاری و انشاء پردازی کا ذوق تھا۔ زمانہ طالب علمی میں بھی بہت سے مضامین تحریر کئے جو قبولیت کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ ان میں سے بعض مضامین ماہنامہ "قائد" مراد آباد میں شائع ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے قلمی رسالہ "الاحیاء" اور انجمن اصلاح البیان مدرسہ شاہی کے دیواری پرچہ "البیان" کے مدیر بھی رہے۔ آپ کے اس شوق و ذوق کو مہمیز لگانے میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کا بڑا ہاتھ ہے۔ قاضی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ تصنیف و تالیف میں مولانا مرحوم میرے اولین محسن و مربی ہیں اگر ان کی توجہ نہ ہوتی اور رسالہ "قائد" میں میرے مضامین شائع نہ ہوتے تو شاید میں تصنیف و تالیف کے لائق نہ ہوتا۔"

تدریس | ۱۳۵۹ھ میں تعلیم سے فراغت کے بعد ایک سال مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں حسبۃً للہ تدریس کا کام انجام دیا۔ لیکن اس کے بعد معاشی و مالی دشواریوں کے سبب، جو بقول آپ کے صبر ایوب اور گریہ یعقوب کا دور تھا۔ حالات کے پیش نظر آپ نے باتنخواہ کام کیا۔ یہاں پر آپ نے صرف و نحو کے علاوہ شرح نقایہ، ملاحسن، مقامات حریری، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، مقدمہ ابن خلدون وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ ۱۳۶۴ھ تک مدرسہ احیاء العلوم سے آپ متعلق رہے۔

۶۷-۱۳۶۶ھ تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں عربی ادب و لغت کی تعلیم دی، وہاں پر آپ نے شرح جامی، مقامات حریری، دیوان حماسہ، دیوان متنبی اور مختصر المعانی کا درس دیا۔

اس کے علاوہ بمبئی کے دوران قیام جس کی مدت تقریباً ۴۲ سال ہے، آپ نے تصنیف کے ساتھ تدریس کی خدمت بھی انجام دی ہے۔

تصنیف و تالیف | تصنیف و تالیف آپ کا فطری ذوق ہے اور آپ اپنے انداز نگارش

میں منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ جملے جن میں الفاظ کا توزیر و بم نہیں لیکن جادو کی تاثیر سے کم بھی نہیں، جس سے قاری کو کسی لحہ اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

۱۹۴۵ء میں سہ روزہ زمزم لاہور سے منسلک ہوئے اور یہیں سے آپ نے باضابطہ صحافت، تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا۔ اخبار زمزم کے صفحات آپ کی تحریروں کے زینت بنتے رہے اور زمزم کمپنی کی جانب سے منتخب التفاسیر کے نام سے ساڑھے نو سو صفحات سے زائد ایک تفسیر لکھی اور الصالحات، ائمہ اربعہ اور علماء اسلامی کی خونی داستان نامی کتابیں لکھیں۔ لیکن افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت ضائع ہو گئیں۔

تقسیم ملک کے بعد ایک سال بہرائچ میں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کے سرپرستی میں نکلنے والے ایک ہفتہ وار اخبار ”انصار“ کی ادارت کی۔

۱۳۶۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دوران قیام اپنی مشہور کتاب ”رجال السند والہند“ تحریر کی۔

۱۹۴۹ء میں آپ عروس البلاد بمبئی منتقل ہو گئے۔ ابتداء کچھ دنوں کوئی مستقل کام نہیں رہا اس کے بعد روزنامہ جمہوریت سے منسلک ہو گئے اور اس کے بعد ۲۳ر فروری ۱۹۵۱ء میں ترک تعلق ہو کر روزنامہ ”انقلاب“ سے وابستہ ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ ماہنامہ ”البلاغ“ کی ادارت بھی آپ کے ذمہ رہی۔

بمبئی کے دوران قیام ہی قاضی صاحب نے اکثر تصنیفی و تالیفی کام انجام دیا ہے۔ بلکہ بقول قاضی صاحب قیام بمبئی کا پورا دور میرے علمی و تحقیقی کاموں کا دور شباب ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہندوستان کے دیگر علمی و دینی، ادبی و تحقیقی جرائد و رسائل آپ کے تحقیقی مضامین کے زینت بنتے رہے ہیں اور بنتے رہتے ہیں۔ اللھم زد فزد

آپ کی اہم تصانیف | آپ کے قلم سے جو کتابیں عربی اور اردو میں منصہ شہود پر آئی ہیں ان میں سے ہر ایک علم و تحقیق کا شاہکار ہیں اور جن کی تعداد چالیس سے بھی متجاوز ہے۔ جن کا تعارف اور احاطہ اس چھوٹے سے مضمون میں ممکن نہیں۔ یہاں پر آپ کی چند معرکتہ الاراء تصانیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جنھوں نے علمی دنیا میں آپ کو مورخ، محقق، وسیع النظر عالم کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

۱۔ رجال السند والہند (عربی) ۲۔ الفتوحات الاسلامیہ فی الہند (عربی)
۳۔ شرح و تعلیق جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول (عربی) ۴۔ الہند فی عہد العباسیین
۵۔ خیر الزاد، شرح بانت سعاد ۶۔ مراۃ العلم ۷۔ دروس النبی ؐ

۸- تاریخ وتدوین سیرومغازی ۹- سوانح مختصرائمہ اربعہ

۱۰- خلافت راشدہ اورہندوستان ۱۱- عرب اورہند عہد رسالت میں۔

۱۲- ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۱۳- اسلامی ہند کی عظمت

ان میں سے عرب وہند عہد رسالت کا عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالعزیز عزت مصری کے قلم سے قاہرہ میں "العرب والہند فی عہد الرسالہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

دوسری کتاب ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں "الاول العربیہ فی الہند" قاہرہ سے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت مصری ہی کے ترجمے سے شائع ہوئی۔

آپ کو صدر جمہوریہ ایوارڈ "انڈین عظیم عربی اسکالر" سے سرفراز کیا گیا ہے۔

شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کے اعزازی نگراں ہیں اس کے علاوہ دیگر ہندوستانی اخبار ورسائل کی سرپرستی بھی فرماتے ہیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود جوانوں کا سا عزم ہے اور مستقل تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری ہے۔

اخلاق وعادات | محاورہ ہے کہ اچھا ادیب، اچھا انسان بھی ہوتا ہے۔ قاضی صاحب علم و فضل کے سرخیل ہونے کے ساتھ بلند اخلاق، پاکیزہ اوصاف اور انتہائی متواضع اور منکسر المزاج انسان ہیں۔ خوردنوازی اور حوصلہ افزائی جو آپ کے قرب میں دیکھنے کو ملیں وہ کم ہی دیکھنے کو مل سکی۔ بلکہ شاعر کی زبان میں

هم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

کے پوری طرح مصداق ہیں، انتہائی سادہ مزاج اور یہ سادگی کھانے پینے، نشست وبرخاست، رہن سہن، لباس اور گفتگو ہر چیز میں ملحوظ ہے۔ اہل علم سے بڑا تعلق اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سایہ کو تادیر بعافیت تمام باقی رکھے۔ آمین۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

آج کا مدرسہ شاہی

- شعبہ جات
- نظام تعلیم و تربیت
- میر کارواں
- موجودہ اساتذہ
- مرقع تصاویر

آج کا مدرسہ شاہی

ادارہ

مدرسۃ الغرباء کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والا الہامی مدرسہ آج اپنی زندگی کے ۱۱۷ سال پورے ہونے پر عوام وخواص میں اپنے معروف نام "مدرسہ شاہی" کے نام سے پکارا اور جانا جاتا ہے۔ اس ادارہ کا اپنی طویل زندگی میں موڑ موڑ پر شدید تنگیوں اور پریشانیوں سے واسطہ رہا ہے لیکن اللہ رب العزت کی مدد برابر شامل حال ہونے کی وجہ سے یہ ادارہ پھلتا اور پھولتا رہا۔ ماضی کی قربانیاں، داستانیں اور اکابرین کے بلند پایہ خیالات آپ کے سامنے گذشتہ صفحات میں آگئے ہیں۔ آیئے آج کے مدرسہ شاہی پر ایک نظر ڈالتے چلیں!

آج کا مدرسہ شاہی اپنی وسعت دامانی اور وسعت ظرفی کے اعتبار سے رشک عالم بنا ہوا ہے۔ اس کی خدمات مفید شعبوں میں منقسم ہو کر انجام پاتی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شعبہ عربی | یہ مدرسہ کا اولین اور بنیادی فعال شعبہ ہے۔ جس میں درس نظامی کے مطابق آٹھ سالہ عربی تعلیم وتدریس کا انتظام ہے۔ نحو وصرف سے لے کر فقہ وحدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ماہر اور محنتی اساتذہ کی ایک جماعت اس شعبہ سے وابستہ ہے۔ جو پوری تندہی کے ساتھ اپنے متعلقہ امور انجام دیتی ہے۔

شعبہ فارسی | یہ شعبہ فارسی زبان کی ترویج واشاعت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ چونکہ نحو وصرف کی ابتدائی کتابیں فارسی نصاب میں داخل ہیں نیز اسلامی علوم وفنون کا بہت بڑا ذخیرہ اس زبان میں محفوظ ہے اس لئے ضرورت کے پیش نظر فارسی سکھانے کا بھی نظم باقاعدہ کیا گیا ہے۔ تاکہ طالب علم عربی شروع کرنے سے قبل اس زبان میں بھی مناسبت پیدا کرلے۔

دارالافتاء | یہ مدرسہ کا وہ بنیادی شعبہ ہے جس نے روز قیام سے آج تک بیش بہا دینی خدمات انجام دی ہیں۔ مدرسہ شاہی کے فتاویٰ نہ صرف اہل علم میں وقعت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں بلکہ یہاں فتویٰ نویسی کی جو مشق کرائی جاتی ہے وہ بھی علمی دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔ اس وقت اس شعبہ میں دو مفتی اور ایک محرر کا عملہ کام کررہا ہے اور داخل شدہ طلبہ کی تعداد دس ہے۔ جن میں مستحق طلبہ کو تعلیمی وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

تجوید و قرات | مدرسہ شاہی کے شعبۂ تجوید و قرات کو بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ ماضی میں حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا قاری محمد کامل صاحبؒ اس شعبہ سے متعلق رہ چکے ہیں۔ اس وقت دو قراء کرام خدمت تجوید پر مامور ہیں جب کہ طلبہ کی تعداد ہے۔ نیز حضرات قراء کرام عربی و فارسی کے طلبہ کو بھی قرأت کی مشق کراتے ہیں۔ شعبہ کی ایک انجمن "صوت القرآن" کے نام سے قائم ہے جس کی طرف سے موقع بموقع مظاہرۂ قرأت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

تکمیل ادب | یہ بھی جامعہ کا فعال شعبہ ہے جس کا خاص مقصد طلبۂ علوم دینیہ میں عربی ادب کی مہارت و ذوق پیدا کرنا ہے۔ تکمیل ادب کا ایک سالہ کورس ہے جس میں عربی انشاء پردازی اور تقریر کی مشق کے علاوہ ۱۶ اسباق بھی باقاعدہ پڑھائے جاتے ہیں۔ تاریخ ادب عربی، اسالیب الانشاء اور البلاغۃ الواضحہ جیسی اہم کتابیں اس کے نصاب میں شامل ہیں۔ طلبۂ تکمیل ادب کی اپنی انجمن "النادی الادبی" کے نام سے قائم ہے جس کے تحت عربی میں دو پندرہ روزہ دیواری پرچے "البلاغ" اور "النداء" شائع ہوتے ہیں اور ہر ہفتہ جمعرات کو مغرب کے بعد تقریری مشق کا پروگرام ہوتا ہے۔

تحفیظ القرآن | مدرسہ شاہی میں حفظ قرآن کریم کا بھی خاص اور بہتر نظم ہے۔ شہری اور بیرونی بچے بڑی تعداد میں اس شعبہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس وقت ۴ اساتذۂ حفظ خدمت قرآن کریم میں مصروف ہیں۔ دو درجے شاہی مسجد میں اور دو درجے دارالطلبہ لال باغ میں قائم ہیں۔ اب تک سیکڑوں حفاظ اس شعبہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔

کتب خانہ | تعلیمی اداروں کے لئے کتب خانہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدرسہ شاہی بھی اپنے قیمتی کتب خانہ کی طرف خاص توجہ دیتا ہے۔ الحمد للہ اس وقت کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کی تقریباً ۲۵ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ اور مزید کتابوں کے اضافہ کا منصوبہ پیش نظر ہے۔

شعبۂ کتابت | تحریر و املاء کی صحت اور خوشنویسی کی تعلیم کے لئے شعبۂ کتابت بھی قائم ہے۔ جس میں کاتب صاحب مختلف جماعتوں کے طلبہ کو خوشنویسی کی مشق کراتے ہیں۔

پرائمری درجات شہری بچوں کی ابتدائی اور بنیادی مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دینیات کی حسب ضرورت تعلیم کے لئے مدرسہ شاہی میں پرائمری درجات قائم کئے گئے ہیں۔ جس کے دو حصے ہیں۔ ایک حفظ الرحمٰن اردو سیکشن "اے" کے نام سے شاہی مسجد میں جاری ہے اور دوسری شاخ حفظ الرحمٰن اردو سیکشن "بی" کے نام سے لال باغ میں ہے۔ اس میں سیکڑوں بچے پڑھتے ہیں اور ۱۲ اساتذہ کا عملہ کام کرتا ہے۔

مطبخ اس شعبہ کے ذمہ طلبہ کے لئے دونوں وقت کھانہ پکانے کا کام ہے۔ مستحق اور نادار طلبہ کے لئے مفت اور ذی استطاعت طلبہ کے لئے قیمتاً کھانا وقت پر مہیا کرنے کا انتظام ہے۔ اس شعبہ میں ایک ناظم اور تین باورچی کام کرتے ہیں۔ مطبخ کا سامان پہلے سے خرید کر اسٹاک کیا جاتا ہے۔ نیز ذمہ داران موقع بموقع کھانے کی نگرانی کرتے رہتے ہیں تاکہ مہمانان رسول کو عمدہ کھانا مہیا کیا جا سکے۔

نشر و اشاعت اس شعبہ کی جانب سے مدرسہ کا تعارفی لٹریچر مختلف زبانوں میں شائع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح احکام رمضان المبارک، احکام عید الاضحیٰ، شاہی کیلنڈر اور دیگر اشاعتی امور اسی شعبہ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

ندائے شاہی یہ مدرسہ کا ماہنامہ دینی و اصلاحی مجلّہ ہے۔ جو ۱۹۸۸ء سے جاری ہوا ہے۔ اس مختصر مدت میں اس نے نہ صرف مدرسہ شاہی کے تعارف کا فریضہ انجام دیا ہے بلکہ صحیح دینی فکر عام کرنے میں بھی بہترین رول ادا کیا ہے۔ "ندائے شاہی" کے مضامین آسان اور سہل ہونے کے ساتھ ساتھ علمی مواد بھی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس شعبہ کے عملہ میں مجلس ادارت اور مشاورتی بورڈ کے ارکان کے علاوہ ایک باقاعدہ محرر شامل ہے جو رسالہ کی بروقت اشاعت وطباعت کی نگرانی اور خریداران رسالہ سے رابطہ قائم رکھنے کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

شعبہ تعلیمات یہ مدرسہ کا کلیدی شعبہ ہے۔ جو تمام تعلیمی امور کی نگرانی کرتا ہے۔ تقسیم اسباق، امتحانات کا اہتمام، نصاب کا تعین اور اسناد وغیرہ کی فراہمی جیسے اہم معاملات اسی شعبہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ اس شعبہ کا عملہ ناظم تعلیمات، نائب ناظم تعلیمات اور ایک محرر پر مشتمل ہوتا ہے۔

شعبۂ اوقاف | مدرسہ کے پاس بہت سی وقف جائیدادیں ہیں۔ جن کی دیکھ بھال اور کرایہ داروں سے رقم وصول کرنے کی غرض سے اوقاف کا الگ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ جائیدادوں کا تحفظ اور نزاعی معاملات میں عدالتی چارہ جوئی اس شعبہ کے فرائض میں داخل ہے۔ ایک باضابطہ ذمہ داران امور کو انجام دیتا ہے۔

تنظیم و ترقی | مدرسہ کے بہی خواہوں سے تعلق اور رابطہ اور سرمایہ کی فراہمی کے لئے سفراء کو مختلف حلقوں میں بھیجنا اور ان کی روانگی کے پروگرام بنانا اسی طرح خاص موقعوں پر فراہمی مالیہ کی کوشش کرنا اس شعبہ کی اولین ذمہ داری ہے۔

شعبۂ تعمیرات | مدرسہ کی تعمیری سرگرمیاں اسی شعبہ کے تحت انجام دیجاتی ہیں۔ ماضی قریب میں اس شعبہ نے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

امور خارجہ | مدرسہ کے خارجی امور "ٹیلی فون" اور بجلی کے بلوں کی ادائیگی، ریلوے بکنگ، اور راشن وغیرہ کی فراہمی اس شعبہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی بیرونی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی شعبہ کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔

محاسبی | یہ مدرسہ کا بنیادی شعبہ ہے۔ مالیہ سے متعلق سبھی کارروائیاں اس شعبہ کے تحت عمل میں لائی جاتی ہیں، تنخواہوں کی تقسیم، بنکوں سے رابطہ اور رواؤچروں کی تیاری اسی شعبہ کے فرائض میں داخل ہیں۔ اس شعبہ کا عملہ ایک تحویلدار اور تین محرروں پر مشتمل ہے۔

دارالاہتمام | یہ شعبہ مدرسہ کے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سارے شعبوں کی کارگذاریوں اور عملہ کے افراد کے کاموں کی نگرانی اسی شعبہ کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہتمام کی جانب سے مدرسہ کے تمام امور پر گہری نظر نے ہی مدرسہ شاہی کو پر سکون علمی ماحول عطا کیا ہے۔

یہ ہے ان شعبوں پر ایک اجمالی نظر--- جن کے حدود میں رہ کر آج مدرسہ شاہی ترقی کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گلشن کو اور سرسبزی و شادابی عطا فرمائے۔ آمین۔

مدرسہ شاہی کا نظام تعلیم و تربیت

از:
حضرت مولانا خورشید انور صاحب قاسمی
نائب ناظم تعلیمات و استاذ حدیث
مدرسہ شاہی مرادآباد

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا قائم کردہ وہ عظیم ادارہ ہے جو اپنے مسلک و مشرب، افکار و نظریات بلکہ نظام تعلیم میں بھی اصولاً انہی قوانین کا پابند ہے جو ازہر الہند دار العلوم دیوبند کے ہیں، یہی مدرسہ شاہی کا طرۂ امتیاز ہے اور اسی میں اس کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ فقیہ العصر امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے بھی مدرسہ شاہی کے مہتمم اور ارباب شوریٰ کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "مدرسہ شاہی دار العلوم دیوبند کی فرع ہے"۔ اسی بناء پر اپنے روز قیام سے لے کر آج تک مدرسہ شاہی برابر اسی راہ پر گامزن رہا ہے جو دار العلوم دیوبند کا راستہ ہے، چنانچہ آج مدرسہ شاہی شمالی ہند میں دیوبندی مکتبِ فکر کے ایک جماعتی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بعد تمام مدارس میں اسے نمایاں مقام حاصل ہے۔

تحریکِ دیوبند سے وابستہ دیگر مدارس کی طرح مدرسہ شاہی کے قیام کا مقصد بھی دراصل برصغیر میں اسلامی روایات کی حفاظت اور دینی اقدار کی بقاء کے سامان مہیا کرنا اور ایسے افراد کی تربیت کرنا ہے، جو نہ صرف علوم نبوت کے حامل ہوں بلکہ صحیح معنی میں خادم اسلام اور دین کے لئے قربانی کا صحیح جذبہ رکھنے والے ہوں اسی مقصد کے پیش نظر ارباب مدرسہ شاہی نے جہاں اعلیٰ تعلیم کے انتظام کے لئے جامع نصاب ذی استعداد اور بلند کردار اساتذہ اور بے لاگ تعلیمی نصاب کے حصول و اجراء

کے لئے کوششیں کیں وہیں طالبانِ علومِ نبوت کی معیاری تربیت کے سلسلہ میں بھی ادنیٰ غفلت نہیں برتی جس کا کچھ اندازہ حسبِ ذیل تفصیل سے لگایا جاسکتا ہے۔

نصابِ تعلیم

مدرسہ شاہی کا نصاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے مطابق ہے۔ جو درس نظامی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہی وہ نصاب تعلیم ہے جس سے فراغت حاصل کر کے ہزاروں ایسے مبلغینِ اسلام، صحافی اور خطیب، مدرس، مربّی، قومی وملّی قائد ورہنما وجود میں آئے ہیں، جن کی تعلیمی، تصنیفی، سیاسی اور اصلاحی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ہماری نظر میں یہ نصابِ تعلیم جو اسلامی علومِ نقلیہ کے ساتھ ساتھ علومِ عقلیہ کو بھی شامل ہے، اپنے اندر مخلص اسلامی خدمتگاروں کی تیاری میں بے مثال تاثیر رکھتا ہے۔ اور چونکہ علوم وفنون کی ترتیب اس انداز پر رکھی گئی ہے کہ دنیا کا طالب شخص اس کے سیکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتا اور بلاواسطہ دولت وثروت کا حصول اس نصاب کی تعلیم سے وابستہ نہیں ہوتا اس لئے قدرتی طور پر عموماً وہی لوگ اس نصاب کو پڑھنے آتے ہیں جن کے دل ودماغ میں دنیا کی طلب سے زیادہ خدمت دین کا سودا سمایا رہتا ہے۔ اور یہی اس نصاب کے بابرکت ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے برخلاف بعد کے دور میں بعض ایسے مدارس قائم کئے گئے جن کا نصابِ تعلیم صرف دینی علوم پر ہی مبنی نہیں ہے بلکہ اس میں ایسے جدید علوم بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جن کا تعلق زیادہ تر دنیوی مفادات سے ہوتا ہے تاریخ شاہد ہے کہ ثانی الذکر مدارس سے ایسے افراد تو بہت نکلے جنھوں نے نصاب کی بدولت اپنی انفرادی دنیا پُر تعیّش بنالی لیکن ایسے مخلص خادمانِ اسلام کی تعداد بہت کم ہے جنھوں نے بے لوث رہ کر دین کے لئے مخلصانہ خدمات انجام دی ہوں، ایسے اداروں کے فارغین دینی مدارس میں رہ کر ٹھوس علمی خدمات انجام دینے کے بجائے اکثر اپنی دنیا بڑھانے یا شہرت حاصل کرنے یا ملی قیادت اور قومی رہنمائی کے مقام پر فائز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدرسہ شاہی کا مزاج فطری طور پر اس کے برخلاف ہے کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ اسی حیثیت سے دنیوی علوم کو بھی شاملِ نصاب

کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے مدارس کا جو بنیادی مقصد ہے یعنی خالص دینی رجال کار کی تیاری، وہ فوت ہوجاتا ہے۔ واضح رہے کہ ہم اس کے خلاف نہیں کہ الگ سے دینی ادارے کھولے جائیں یا یہ کہ ہمارے فضلائے علم دین پڑھ کر دوسری جگہوں پر جاکر علوم دنیوی حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں بھی آج کل کے حالات میں دین کی خدمت میں معاون بن سکتی ہیں لیکن ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ اپنے نصاب میں دیگر علوم کو شامل کرکے اس کی افادیت سے محروم ہوجائیں۔ خود ہمارے اکابر نے بھی دنیوی علوم کو عام کرنے کی کوششیں فرمائی ہیں۔ اور فرماتے رہتے ہیں لیکن اس کی بنا پر دینی مدارس کے مقاصد اصلیہ سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اس نصابِ تعلیم سے طالبِ علم میں ایسی استعداد پیدا ہوجاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ کسی بھی علم سے تحقیق کے ساتھ مستفید ہوسکتا ہے۔ اس نصاب کو دورۂ حدیث تک آٹھ حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے اور ہر حصہ میں طلبہ کی عمومی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی بڑی کتابیں رکھی گئی ہیں۔ ابتدائی درجات میں فارسی، صرف ونحو کے ساتھ اسلامی تاریخ سے متعلق اسباق بھی شامل ہیں۔

اس کے علاوہ مدرسہ شاہی میں شعبۂ تکمیل افتاء اور تکمیل ادب عربی بھی ہے، جن میں خاص طور پر تمرین فتاوی اور تمرین ادب عربی پر زور دیا جاتا ہے۔

معیارِ تعلیم

اہلِ علم جانتے ہیں کہ محض کاغذی طور پر نصابِ تعلیم مقرر کرلینا مفید نہیں بلکہ بہتر نصاب سے بہتر فائدہ اسی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جب کہ مدرسہ کا تعلیمی معیار بھی بلند اور مفید ہو، بریں بنا مدرسہ شاہی نے اس پہلو سے بھی کبھی غفلت نہیں برتی، مجلس شوریٰ، مجلس عاملہ اسی طرح مجلس علمی کے اجلاسوں میں برابر اس امر کی طرف توجہ دی جاتی رہی ہے اور اس کی انجام دہی کے لئے مؤثر تجاویز اور منصوبے بروئے کار لائے جاتے رہے اور اس معاملہ میں مدرسہ نیک نام اور مشہور رہا جس کا بڑا سبب یہاں کے وہ قابل قدر اور عظیم المرتبت اساتذہ تھے جنھوں نے اپنی علمی خدمات سے شعبۂ تعلیم کو چار چاند لگا دیئے۔ علاوہ ازیں مدرسہ کا معیار

بلند رکھنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور کی جاتی رہی ہیں اس کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے۔

امتحانِ داخلہ

معیار تعلیم کو بلند کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اچھے طلبہ کا ہوتا ہے محنتی اور ذہین طلبہ ہی مدرسہ کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے دیگر مدارس سے آکر مدرسۂ شاہی میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ کے امتحان داخلہ میں خاصی احتیاط اور سختی برتی جاتی ہے۔ ممتحن اساتذہ اس بات کے مکلف کئے جاتے ہیں کہ وہ کثرت طلبہ سے زیادہ استعداد طلبہ کو مدنظر رکھیں۔ اس تاکید کیوجہ سے بعض مرتبہ مدرسہ کے عربی درجات کے طلبہ کی تعداد بہت گھٹ گئی لیکن اس کے باوجود ارباب مدرسہ نے اپنے معیار کے خلاف امتحان داخلہ میں نرمی گوارہ نہیں کی ۱۹۸۰ء کے فساد میں مرادآباد کے تمام ہی شعبہ ہائے زندگی متأثر تھے اور مدارس کا حال بھی اطمینان بخش نہیں تھا۔ ضرورت تھی کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کا داخلہ لیا جائے۔ تاکہ کم ازکم درجات تو باقی رہیں۔ لیکن پھر بھی امتحان میں کافی احتیاط سے کام لیا گیا۔ اس وقت کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی اپنی تعلیمی رپورٹ میں لکھتے ہیں :-

"باوجودیکہ مدرسہ ماہ صفر سے شروع ہوا اور مدارس کو درجات قائم رکھنے کیلئے طلبہ کی ضرورت تھی جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ رطب و یابس ہر طرح کے طلبہ کو داخل کرلیا جاتا لیکن اس کے برعکس مدرسہ میں داخلہ کے امتحان پر کافی توجہ دی گئی۔ ستائیس فیصد ناکام اور تہتر ۷۳ فیصد کامیاب ہونے والوں کا تناسب ہے"۔

اور اگر کبھی کسی بنا پر اساتذہ کی طرف سے امتحانات میں نرم پالیسی اپنانے کا اندازہ ہوا تو اس کا تدارک کیا گیا۔ اور متعلقہ حضرات کو تنبیہ کی گئی۔ چنانچہ مجلس علمی منعقدہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ میں ایک تجویز منظور کی گئی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"ابتدائیہ کے امتحاناتِ تقریری اور زبانی رپورٹوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امتحان داخلہ میں پوری ذمہ داری سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ مجلس علمی آئندہ

کے لئے ممتحنین حضرات کو متنبہ کرتی ہے کہ آئندہ پوری ذمہ داری سے کام لیا جائے اور ہر طالب علم کو وہی درجہ دیا جائے جس کا وہ مستحق ہو۔ تاکہ اساتذہ کرام کی محنت کارآمد ہو سکے اور مدرسہ کی نیک نامی برقرار رہے۔"

نیز مدرسہ کے اکابر اساتذہ کا یہ بھی دستور رہا کہ امتحان داخلہ میں کتب مطلوبہ میں ناکامی کی صورت میں آنکھ بند کر کے کتب ممتحنہ نہیں دیتے تھے بلکہ مختلف کتابوں کا امتحان لے کر اور استعداد کو جانچ کر وہی درجہ طالب علم کے لئے تجویز کرتے تھے جس کا وہ اہل ہوتا تھا۔

درمیان سال میں طالب علم کا تنزل

اسی کے ساتھ ساتھ امتحان داخلہ میں ممکنہ عدم احتیاط کے تدارک کے لئے باقاعدہ دستور میں یہ دفعہ شامل ہے کہ درمیان سال میں اگر کوئی طالبعلم کسی جماعت میں چلنے کے قابل نہ ہو تو اساتذہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس کی اطلاع ناظم تعلیمات کو دیدیں تاکہ معیار تعلیم کو برقرار رکھنے اور طالب علم کی استعداد کو پختہ کرنے کے لئے اسے وہ کتابیں پڑھائی جائیں جن کی وہ اہلیت رکھتا ہو۔ چنانچہ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۰ ارذی قعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴ /جنوری ۱۹۳۸ء زیر صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ میں مدرسہ شاہی کے دستور کی منظوری دی گئی جس میں فرائض مدرسین کے تحت دفعہ ۹۵ میں یہ عبارت موجود ہے۔

"طالب علم جو کتاب پڑھتا ہے اگر اسکی قابلیت نہیں رکھتا ہے، تو ناظم تعلیمات کو اطلاع دینا۔"

آج بھی جامعہ کا یہی دستور ہے اگرچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو طلبہ درمیان سال میں تنزل سے دوچار ہو جاتے ہیں وہ دوسرے مدارس میں چلے جاتے ہیں۔ تاہم دستور کی اس دفعہ میں ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ میں اتنی ترمیم کر دی گئی ہے کہ اس سلسلہ میں اساتذہ کرام یکم ذی الحجہ تک صحیح جائزہ لے کر رپورٹ پیش کر دیا کریں کیونکہ تاخیر کے بعد اعادۂ سال کرنے سے طالب علم کے سامنے یہ دشواری کھڑی ہو جاتی ہے کہ جو درجہ اسکے

لئے تجویز کیا جاتا۔ اس میں کتابوں کا اتنا معتد بہ حصہ ہوچکا ہوتا تھا جس کی تلافی کی صورت نہ نکل پاتی تھی۔

اساتذہ کی نگرانی

تعلیمی معیار کو بلند رکھنے کے لئے اساتذۂ کرام کا محنت سے پڑھانا اور دلجمعی سے کام کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ ارباب انتظام نے ہمیشہ اساتذہ کی کارکردگی پر بھی نظر رکھی۔ صدر مدرس کا یہ فریضہ ہوا کرتا تھا کہ روزانہ ایک گھنٹہ تعلیم وتدریس کی نگرانی میں صرف کریں اور ہر مہینہ بالالتزام اساتذہ کے بارے میں اہتمام کو رپورٹ پیش کریں۔ مجلس شوریٰ منعقدہ ۹ رمضان ۱۳۴۸ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۳۰ء میں حسب ذیل تجویز منظور کی گئی ہے۔

"جملہ مدرسین کو پورے چھ گھنٹے روزانہ کام کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں صدر مدرس صاحب کو پانچ گھنٹے تعلیم دینا ہوگا اور ایک گھنٹہ نگرانی تعلیم کے لئے رہے گا۔ صدر مدرس صاحب کو ماہوار رپورٹ پیش کرنی ہوگی کہ کون مدرس کیسا کام کر رہا ہے۔"

اس تجویز پر حضرات صدر المدرسین عمل پیرا رہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الجبار صاحبؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرات بغیر اطلاع کے عین سبق کے دوران درسگاہوں میں پہونچ جاتے تھے اور اساتذہ کی کارکردگی تعلیم اور طرزِ تعلیم کا جائزہ لیتے تھے۔

نصاب کی تکمیل اور تصحیح عبارت پر زور

مدرسۂ شاہی کے نظامِ تعلیم میں تکمیلِ نصاب کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ جس کتاب کا جو بھی نصاب مقرر ہے پوری کوشش کی جاتی ہے کہ وقت معینہ پر اعتدال روی کے ساتھ وہ مقررہ مقدار تک پہونچ جائے۔ اس مقصد کے لئے جہاں ہر کتاب کا سہ ماہی نصاب مقرر کر کے حضرات اساتذہ کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے وہیں پر ہر مہینہ ہر استاذ سے مقدار خواندگی کا نقشہ پُر کرایا جاتا ہے اور اگر کسی کتاب کی مقدار خواندگی کم ہوتی ہے تو اس پر متعلقہ استاذ کو مناسب انداز میں توجہ دلائی

جاتی ہے۔ نیز درس میں حل کتاب کے ساتھ ساتھ عبارت کی صحت، وجوہِ اعراب اور صرفی ونحوی ترکیب کی طرف بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دستور کی دفعہ ۹۶ کے اعتبار سے استاذ کا یہ فرض منصبی قرار دیا گیا ہے کہ وہ جماعت طلبہ میں بوقت تدریس کسی بھی طالبعلم سے بلا تعیین روزانہ قرارت کرائے اور صحت الفاظ و عبارات کو ملحوظ رکھے

تعلیمی امتحانات

طلبہ کی استعداد و صلاحیت پرکھنے، محنت کا شوق پیدا کرنے اور استحقاق سند و دستار کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے مدرسہ شاہی میں حسب ذیل امتحانات رائج ہیں۔

۱: ماہانہ امتحان ۔ درجۂ فارسی سے درجۂ چہارم عربی تک کی کتابوں کا ہر مہینہ امتحان لیا جاتا ہے جس کا سلسلہ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ میں شروع ہوا ہے۔ الحمد للہ بیس سال سے اس امتحان کے مفید اور بہتر ثمرات و نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ ابتداءً ہر ماہ کے ابتدائی تین یوم اس امتحان کے لئے طے ہوئے تھے لیکن اس صورت میں تعلیم کے نمایاں نقصان کا تجربہ ہوا جس کی وجہ سے مجلس علمی نے ہر مہینہ کا پہلا پنجشنبہ و جمعہ ماہانہ امتحان کے لئے مقرر کر دیا۔ اسی طرح ابتدائی مرحلہ میں خود اساتذہ اپنی اپنی متعلقہ کتابوں کا ماہانہ امتحان لے لیا کرتے تھے لیکن اس کی خاطر خواہ افادیت سامنے نہ آئی تو مجلسِ علمی منعقدہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ نے حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری استاذ حدیث و تفسیر دارالعلوم دیوبند کی تجویز کے مطابق یہ طے کیا کہ ان درجات کا امتحان (خواہ سہ ماہی ہو یا ششماہی یا سالانہ) وسطیٰ یا علیاہی کے اساتذہ کرام لیا کریں۔

ماہانہ امتحان میں تیسری ترمیم یہ ہوئی کہ اس کا سلسلہ پورے سال کے بجائے ششماہی تک محدود کر دیا گیا۔ اجلاس مجلس علمی منعقدہ ۴ جمادی الاخری ۱۴۰۴ھ کی تجویز حسب ذیل ہے

"ششماہی امتحان کے بعد مدرسین و طلبہ پر کام کا بار زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے (ششماہی امتحان کے بعد) ماہانہ امتحان کا سلسلہ موقوف کیا جانا طے کیا گیا۔"

نمبر ۲ امتحان سہ ماہی ۔ یہ امتحان عموماً ماہ صفر کے پہلے ہفتہ میں ہوتا ہے۔

تقریری امتحان علیا اور وسطیٰ کے اساتذہ لیتے ہیں اور تحریری امتحان باقاعدہ شاہی مسجد کے ہال میں اجتماعی طور پر حضرات اساتذہ کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔

ع۳ :- امتحان ششماہی ۔ یہ امتحان جمادی الاولیٰ کے پہلے ہفتہ میں لیا جاتا ہے اور اس میں بھی وہی طریقہ اپنایا جاتا ہے جو سہ ماہی میں اپنایا جاتا ہے۔

ع۴ :- امتحان سالانہ ۔ یہ عموماً اوائل شعبان سے شروع ہو کر ۱۷، ۱۸ شعبان تک جاری رہتا ہے۔ اس امتحان میں تمام درجات کے تقریری و تحریری امتحانات لینے کے لئے دوسرے اداروں سے رابطہ قائم کرنے کا قدیم معمول ہے جن میں خاص کر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے علاوہ دیگر مدارس کے ایسے اساتذہ بھی شامل ہوتے ہیں جو تدریس میں بلند کردار کہنہ مشق اور نیک نام ہونے کے ساتھ ساتھ استعداد طلبہ کو پرکھنے کا بھی معیاری شعور رکھتے ہوں۔ رجسٹر معائنہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تحریری امتحان کے لئے بھی دینی مدارس سے ممتحن حضرات تشریف لایا کرتے تھے لیکن اب عرصہ سے صرف تقریری امتحان کے لئے آمد ہوتی ہے اور تحریری امتحان کے لئے ممتحنین سے پرچہ جات سوالات بنوا کر پوری راز داری کے ساتھ انھیں مدرسہ میں لانے اور جوابات کی کاپی جانچنے کے لئے ممتحنین تک پہونچانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔

ان امتحانات کے علاوہ مجلس تعلیمی کی تجویز کے مطابق ۱۴۰۵ھ میں ابتدائی درجات عربیہ کے لئے ایک ضمنی امتحان کا بھی اضافہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی سابق صدر مدرس و ناظم تعلیمات مدرسہ شاہی اپنی تعلیمی رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "یہ طے کیا گیا تھا کہ وسطٰی میں دارالعلوم دیوبند ہی کے اساتذہ سے ان درجات کا امتحان دلوایا جائے اور جن خامیوں کی وہ نشاندہی فرمائیں ان کو سالانہ امتحان تک دور کیا جائے۔ چنانچہ اس سال وسط ربیع الاول میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب اور مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی ضمنی امتحان کے لئے تشریف لائے اور مفید

مشورے دئے جس کی وجہ سے سالانہ امتحان میں مثمر نتائج برآمد ہوتے۔"

طریقۂ امتحان

سہ ماہی اور ششماہی امتحانات میں درجۂ فارسی اور عربی اول سے لے کر سوم تک کی تمام کتابوں کا اور درجہ چہارم کی آدھی کتابوں کا تقریری امتحان جامعہ ہی کے درجۂ وسطیٰ وعلیا کے اساتذہ لیتے ہیں جب کہ درجۂ چہارم سے اوپر کی تمام جماعتوں اور کتابوں کے تحریری امتحان کا معمول ہے۔ درجۂ چہارم کی تین کتابوں "سلم العلوم" "ترجمہ کلام پاک" "شرح وقایہ" کا بھی امتحان تحریری لیا جاتا ہے۔

۱۴۱۲ھ تک کا معمول تو یہ رہا ہے کہ اساتذہ اپنی اپنی متعلقہ کتابوں کے سوالات مرتب فرماکر روز بروز ساتھ لاتے اور طلبہ کو املاء کرادیتے تھے لیکن طلبۂ عزیز کی سہولت کے پیش نظر اس سال یہ نظم کیا گیا ہے کہ اساتذہ کرام اپنی متعلقہ تمام کتابوں کے سوالات مرتب فرماکر امتحان سے تین یوم قبل تعلیمات کے ذمہ داران تک رازداری کے ساتھ پہونچادیں تعلیمات اس کی فوٹو کاپی کراکے محفوظ رکھے اور امتحان ہال میں طلبہ کو وہی کاپیاں تقسیم کردی جائیں۔ اس طریقۂ کار سے ایک طرف طلبہ کو سہولت ہوئی کہ املا نویسی کی زحمت سے وہ بچ گئے اور املا میں جو وقت صرف ہوتا تھا وہ جواب کے لئے مل گیا۔ دوسری طرف نظم میں یہ خوبی پیدا ہوگئی کہ سوالات لکھنے کے دوران یا اس کے بعد اپنی نشستگاہوں کی طرف جاتے ہوئے طلبہ کو باہمی امداد واستمداد کا جو سرسری موقعہ ہاتھ آجایا کرتا تھا اس پر کنٹرول ہوگیا۔

یہ ہے مدرسہ کے تعلیمی نظام کا خلاصہ جس کی بدولت بحمداللہ مدرسہ شاہی روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور تعلیمی سربلندی کے اعتبار سے ممتاز مقام پر فائز ہے۔

نظام تربیت پر ایک نظر

زمانۂ طالب علمی کی تربیت دراصل پوری زندگی کے لئے روشنی کا معیار اور بہترین مشعل راہ ہوتی ہے۔ یہ زمانہ بننے بگڑنے دونوں کی ابتداء کا ہے۔ اس موقع پر ذراسی بے راہ روی اور ادائے فرض میں کوتاہی زندگی بھر کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے تو اس قیمتی عرصہ کی قدر اور اس کی حفاظت ایک گمنام شخص کو ترقیوں کے بام عروج تک بھی

پہونچا سکتی ہے۔ صرف علم ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اصل چیز اس علم کے مطابق عملی زندگی بنانا ہے اور یہ ملکہ تعلیم سے نہیں بلکہ مؤثر تربیت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ صحیح تربیت ہی انسان کو ایسا سچا طالب علم بناتی ہے جس کے پیشِ نظر دنیا نہیں بلکہ آخرت اور رضاء خداوندی ہوتی ہے اور اس کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف دین بن جاتا ہے۔

اسی وجہ سے مدرسہ شاہی نے ہمیشہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تہذیب اخلاق اور عملی تربیت کی جانب بھی خصوصی توجہ دی ہے ـــ اور یہ توجہ وقت اور ضرورت کے ساتھ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اساتذہ کے تقرر میں جہاں علمی معیار اور صلاحیت کو دیکھا جاتا ہے وہیں ان کی تربیتی صلاحیتوں کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا عبدالہادی صاحب پرتاب گڑھی اور سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی مدظلہم العالی کے تقرر کے وقت ان کے یہی امتیازات خاص طور پر پیشِ نظر تھے۔ ان حضرات نے اپنی کاوشوں اور محنتوں سے تربیتی اعتبار سے مدرسہ شاہی کو ایک مثالی مقام عطا کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ذیل میں مدرسہ شاہی کے دارالاقامہ کے قوانین اور چوبیس گھنٹے کا نظام الاوقات پیش کیا جاتا ہے جس سے مدرسہ شاہی کی تعلیمی و تربیتی جدوجہد کا اندازہ لگا لینا مشکل نہ ہوگا۔

دارالاقامہ کے قوانین

دارالاقامہ میں مقیم ہر طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ نمبر۱: عصر کے علاوہ بقیہ تمام نمازیں حتیٰ کہ نماز جمعہ بھی دارالاقامہ کی مدنی مسجد میں ادا کرے۔ نمبر۲: عصر کی نماز جمعہ کے روز سبھی طلبہ مدنی مسجد میں پڑھیں۔ بقیہ ایام میں وہ طلبہ جن کا آخری گھنٹہ شاہی میں ہو وہ شاہی مسجد میں اور جن کا آخری گھنٹہ دارالطلبہ میں ہو وہ مدنی مسجد میں ادا کریں۔ نمبر۳: مغرب کی نماز کے لئے جب مسجد آنے لگیں تو کتابیں کاپیاں وغیرہ نوشت و خواند کی تمام چیزیں ساتھ لے آئیں۔ نمبر۴: مغرب سے عشاء تک بلا اجازتِ نگراں مسجد سے باہر

نہ جائے ۔ ع۵ : اپنے پاس باہر کے کسی آدمی کو (خواہ اس کا عزیز ہی ہو) نگراں کی اجازت کے بغیر نہ ٹھہرائے ورنہ باز پرس ہوگی۔ ع۶ : خلافِ شرع لباس یا وضع وقطع یا غیر شرعی اخلاق واقوال سے کلی اجتناب کرے۔ ع۷ : کسی بھی مدرس یا ملازم مدرسہ سے خلاف ادب گفتگو نہ کرے۔ ع۸ : بلا اجازت نگراں دارالاقامہ سے باہر نہ جائے ع۹ : بلا اجازت حضرت مہتمم صاحب شہر سے باہر نہ جائے۔ شہر سے باہر کہیں بھی جانا ہو اور کتنے ہی قلیل وقت کے لئے جانا ہو حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں رخصت کے لئے تحریری درخواست پیش کر کے منظوری لے جس پر دارالاقامہ کے نگراں حضرات میں سے کسی کے تصویبی یا سفارشی دستخط موجود ہوں۔ ع۱۰ : نظماء دارالاقامہ سے ربط قائم کئے بغیر حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں کوئی درخواست نہ پیش کی جائے۔ ع۱۱ : منظوری کے بعد درخواست پر مطبخ کے نگراں سے دستخط کرا کے درخواست دفتر تعلیمات میں جمع کر دے تاکہ واپسی پر اسی درخواست کی روشنی میں بر وقت یا تاخیر سے حاضری کا فیصلہ کر کے مناسب کارروائی کی جا سکے۔ ع۱۲ : علالت وبیماری کی صورت میں نادار طالب علم نگراں حضرات کو بیماری وناداری کی اطلاع دیں تاکہ منجانب مدرسہ علاج اور پرہیز کا نظم کیا جا سکے۔ ع۱۳ : رات میں ۱۱ بجے صدر دروازہ بند کر دیا جائے اور بغیر شناخت کسی کے لئے نہ کھولا جائے۔ الا یہ کہ آنے والا شخص دارالطلبہ میں مقیم کسی آدمی کی نشاندہی کرے تو اس سے اور نظماء دارالاقامہ سے رابطہ قائم کر کے کھولا جا سکتا ہے۔

نظام الاوقات

نوٹ : دارالاقامہ میں رہائش گیر طلبہ کے لئے مدرسہ کے نظام الاوقات کی پابندی لازم ہے۔

ع۱ :۔ نماز فجر سے کم از کم ایک گھنٹہ قبل بیدار رہنا۔ ع۲ :۔ ضروریات سے فارغ ہو کر مسجد پہونچنا۔ سنتِ فجر کی ادائگی اور جماعت کے وقت تک مطالعہ، یا ذکر وتسبیحات میں مشغول رہنا۔ ع۳ : طلوع آفتاب سے آدھ گھنٹہ پہلے جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کرنا ع۴ : نماز سے فراغت کے بعد کم از کم پندرہ منٹ تک مسجد ہی کے اندر نظماء دارالاقامہ

میں سے کسی کی نگرانی میں اجتماعی طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

نوٹ :۔ یہ معمول ۱۴۱۰ھ میں شروع ہوا جب کہ اس دورِ رشیدی میں دیگر عالیشان عمارتوں کی طرح دارالطلبہ کو ایک وسیع وعریض حسین وسنگین دیواروں کی خوبصورت ودیدہ زیب مسجد میسر ہوگئی ہے، عربی، فارسی اور تجوید کے تمام طلبہ اسی مسجد میں قطار در قطار بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ کلام اللہ سے دلچسپی اور روحانیت پسندی کا دلکش منظر پیش کرتے ہیں اور ملائکہ کے لئے سامانِ رشک واسباب فخر ومسرت مہیا کرتے ہیں۔

۱۴۱۰ھ سے پہلے جب دارالطلبہ لالباغ کی اپنی کوئی مسجد نہیں تھی، طلبہ محلہ کی وسیع وعریض مسجد ــ معروف بہ حوض والی مسجد ــ میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور رات کو وہیں تکرار ومطالعہ کی مجلسیں بھی گرم ہوتی تھیں۔ (اللہ تعالیٰ اہل محلہ بالخصوص متولیان مسجد کو جزائے خیر دے کہ یہ حضرات ہمیشہ پانی، روشنی اور مطالعہ وغیرہ کے لئے تپائیوں کا نظم کرتے رہے۔) اُس دور میں فجر کی نماز سے پہلے ہی اسی مسجد میں طلبہ تلاوت کیا کرتے۔

ع ۵ : تلاوت کے بعد ناشتہ سے فارغ ہوکر مدرسہ کے تعلیمی اوقات کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی درسگاہوں میں حاضری دینا اور بصورتِ عذر معقول وبیماری اساتذۂ کرام کو تحریری اطلاع دینا۔ ع ۶ : اوقات تعلیم ختم ہونے کے بعد سنجیدگی کے ساتھ مطبخ سے کھانا حاصل کرنا اور احباب کے ہمراہ یا انفرادی طور پر کھانا کھاکر اذانِ ظہر تک آرام کرنا۔ ع ۷ : اذانِ ظہر ہوتے ہی بیدار ہونا، پھر نماز کی ادائیگی۔ ع ۸ : ظہر کے بعد متصلاً اپنی اپنی درسگاہوں میں حاضری، دو گھنٹے تعلیم، پھر نمازِ عصر سے فارغ ہوکر کتاب سننا اور مطبخ سے کھانا حاصل کرنا، اس کے بعد قبیل مغرب تک تفریح، ورزش، ہفتہ واری پروگرام کے لئے تقریر یاد کرنا وغیرہ۔ ع ۹ : نمازِ مغرب کی ادائیگی کے فوراً بعد درجاتِ حفظ کے طلبہ کا اپنی اپنی درسگاہوں میں پہونچ کر اساتذہ کی نگرانی میں اسباق یاد کرنا اور درجاتِ عربی، فارسی وتجوید کے تمام طلبہ کا مسجد میں نظماء دارالاقامہ کی نگرانی میں تکرار ومطالعہ اور اسباق یاد کرنے میں عشاء تک مشغول رہنا۔

نوٹ :۔ دارالطلبہ لالباغ کی مدنی مسجد میں عشاء ومغرب کے درمیان

تین ساڑھے تین گھنٹے کا فصل رکھا جاتا ہے تاکہ اس دوران پوری یکسوئی کے ساتھ تکرار و مطالعہ ہو جائے۔ اس پورے وقت میں طلبہ کو حتی الامکان تکرار و مطالعہ کے علاوہ کسی بھی دوسری مشغولیت سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

حفظ و ناظرہ کے علاوہ تمام طلبہ کا مسجد میں اساتذہ کی نگرانی میں مغرب سے عشاء تک مسلسل مذاکرہ و مطالعہ یا اسباق یاد کرنے کا یہ حسین سماں ارباب ذوق کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ اس انتظام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ شاہی میں کالجوں کی طرح صرف لکچر پر اکتفا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ دن کے چھ گھنٹوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے رات میں اس کے تکرار اور یاد کرنے پر مکمل زور دیا جاتا ہے تاکہ طلبہ میں ایک طرف علمی مشاغل کا ذوق و شوق پیدا ہو وہ علمی مذاکروں کے خوگر بنیں، دوسری طرف روزمرہ کا پڑھا ہوا سبق یاد بھی ہوتا رہے اور طلبہ اپنے اوقات کو ضائع کرنے کے بجائے تحصیل مقصد میں صرف کریں۔

۱۰: پنجشنبہ کے روز بعد نماز مغرب تعلیم کے بجائے پندرہ بیس منٹ تک مدنی مسجد میں پروگرام کے مطابق حضرت مہتمم صاحب، یا باہر سے آنے والے علماء یا جامعہ کے اساتذۂ کرام میں سے کسی کے پند و نصائح سننا اس کے بعد عشاء تک اپنی اپنی انجمنوں کے پروگرام میں متعینہ موضوع پر تقریر و خطابت کی مشق کرنا۔

نوٹ:۔ تذکیر و تقریر اور وعظ و نصیحت کی افادیت اور قلوب کا اس سے متأثر ہونا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ الآیہ فرمایا گیا ہے اس لئے پنجشنبہ کو نمازِ مغرب کے بعد طلباء عزیز کے سامنے اکابر و اسلاف کے واقعات اور احادیث و قرآنی آیات کی روشنی میں سلف صالحین، علماء و صوفیاء، محدثین و مفسرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی اور انکی پاکیزہ زندگی کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس مفید سلسلہ کا پروگرام بھی سنہ ۱۴۱۰ھ سے حضرت مہتمم صاحب کی ہدایت پر شروع ہوا ہے۔

۱۱: دارالاقامہ کی طرف سے نامزد طلبہ کی جماعت کا عصر سے پہلے تبلیغی مرکز پہونچ کر جمعہ کی اشراق تک وہاں کے پروگراموں میں شرکت کرنا۔

(نوٹ : طلبہ کو تبلیغ کی مشق کرانے کا یہ سلسلہ ابھی ۱۴۱۱ھ سے شروع ہوا ہے۔

عـ۱۲ : عشاء کی اذان ہوتے ہی تعلیمی یا تقریری مشاغل کو چھوڑ کر نماز کی تیاری کرنا۔ عـ۱۳ : عشاء کے بعد اگر جی چاہے خصوصی اجازت لے کر ساڑھے گیارہ بجے تک مطالعہ میں مصروف رہنا ورنہ ضروریات سے فارغ ہو کر سو جانا۔ عـ۱۴ : جمعہ کے روز فجر کے بعد تلاوت کلام اللہ اور ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمرے، کپڑے اور جسم کی صفائی کرنا۔ (جس کا نظماء دارالاقامہ وقتاً فوقتاً معائنہ بھی کرتے رہتے ہیں اور اس سلسلہ میں ضروری ہدایات دیتے رہتے ہیں) عـ۱۵ : اذان جمعہ سے پہلے غسل وغیرہ سے فارغ ہونا پھر مسجد پہونچ کر سنت وغیرہ ادا کرنا۔ عـ۱۶ : نماز جمعہ کے بعد آیت کریمہ کے ختم اور اجتماعی دعاء میں شرکت، پھر عصر تک آرام، یا کوئی شدید ضرورت ہو تو نگراں سے اجازت لے کر جا سکتا ہے۔

یہی وہ اصول ہیں جن کی وجہ سے مدرسہ شاہی کو اپنے معاصر مدارس میں یک گونہ امتیاز حاصل ہے اور اس کی انجام دہی والتزام میں موجودہ مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ کی توجہ کو بھی خاص دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

عربی ادب کی جانب بڑھتے قدم

النّادی الادبی

از قلم :- مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ ادب عربی مدرسہ شاہی مراد آباد

عربی، اسلام کی شرعی و قانونی زبان ہے جس سے نابلد رہ کر کوئی مسلمان اپنے دین کی حقیقی روح اور اس کے مقاصد سے باشعور طریقے پر واقف نہیں ہو سکتا۔ اس حیثیت سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عربی زبان سیکھنا ہر مسلمان کے لئے ایک دینی و شرعی فریضہ ہے۔ قرآن و حدیث کی زبان ہونے کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کی علمی زبان بھی عربی ہی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی یقیناً حقیقت کے مطابق ہی ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات (جو تمام مسلمانوں کی مائیں — امہات المؤمنین — ہیں ان) کی زبان ہونے کی حیثیت سے عربی ہر مسلمان کی مادری زبان بھی ہے۔۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی مقیم پیرس لکھتے ہیں :

"ساری دنیا کے مسلمانوں کی مشترکہ علمی زبان اور خاص کر دینی علم کا ماخذ عربی زبان ہی ہے۔ امہات المومنین کی زبان ہونے کے باعث وہ سارے اگلے پچھلے مسلمانوں کی مادری زبان بھی ہے۔" (البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر ص ۱۰۸۲)

اپنی مذکورۂ بالا خصوصیات کی بنا پر عربی زبان ہر مسلمان کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بننے کی مستحق ہے۔ بریں بنا مدارس اور علماء پر اسکا یہ حق بھی ہے کہ اس کی اشاعت کی مقدور بھر کوشش کریں۔ اللہ کا فضل ہے کہ بہت سے دینی ادارے اس راہ میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ شاہی مراد آباد ہندوستان کے علمی مراکز میں جس اہمیت کا حامل ہے اسکا تقاضا ہے کہ وہ بھی اس راہ میں ٹھوس خدمات انجام دے چنانچہ اسکے ارباب انتظام خصوصاً حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ مہتمم مدرسہ نے اس ضرورت کا احساس کر کے یہاں تکمیلِ ادب کا شعبہ قائم کیا ہے جسکا ایک باقاعدہ نصاب ہے۔ اسمیں داخلہ لیکر طلبہ عربی زبان و ادب میں مہارت و تخصص حاصل کرتے ہیں

ظاہر ہیکہ شعبۂ تکمیل ادب سے باضابطہ استفادہ تمام طلبہ کیلئے ممکن نہیں ہے، حالانکہ کم از کم عربی تقریر وتحریر کی مشق تمام ہی طلبہ کی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کیلئے دارالعلوم دیوبند کے نہج پر "النادی الادبی" کے نام سے عربی انجمن قائم کی گئی ہے جسکا مقصد تکمیل ادب اور دیگر شعبوں کے طلبہ کو عربی تقریر وتحریر کی مشق کی سہولتیں فراہم کرنا ہے، ان سرگرمیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔ تحریر، ۲۔ تقریر۔

تحریری سرگرمیوں کے طور پر دو پندرہ روزہ دیواری پرچے نکلتے ہیں۔ ۱۔ الندا۔ اسکی نگرانی کے فرائض برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہ نائب مفتی مدرسہ شاہی انجام دیتے ہیں۔ ۲۔ البلاغ۔ اسکی نگرانی راقم الحروف سے متعلق ہے۔ پرچوں کی تیاری کا کام طلبہ تکمیل ادب انجام دیتے ہیں۔ دونوں پرچوں کے نگرانِ اعلیٰ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ ہیں۔

تقریری سرگرمیاں ہفتہ واری پروگرام کی شکل میں جاری ہیں جنکا ایک کامیاب نمونہ اُس سہ ماہی پروگرام کی شکل میں پیش آیا جو ۲۵؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ بروز جمعرات بعد نماز مغرب مدنی مسجد دارالطلبہ لبلاغ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصورپوری مدظلہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کا شرف بخشا۔ دیگر شرکاء میں مدرسہ شاہی اور مرادآباد کے دیگر مدارس کے اہم اساتذۂ کرام نیز شاہی کے مؤقر اراکینِ شوریٰ شامل تھے۔ حضرت مہتمم صاحب اور مہمان خصوصی نے ہمت افزائی اور تحسین کے کلمات سے نوازا۔ دیگر شرکاء نے بھی اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ اللہ کے فضل سے یہ پروگرام عربی زبان سے دلچسپی کا ماحول پیدا کرنے میں ایک کامیاب بنیادی کڑی ثابت ہوا۔

تقریر وتحریر کی اِن تربیتی سرگرمیوں میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی سرپرستی کے علاوہ تکمیلِ ادب کے دیگر ماہر اساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور حضرت مولانا محمد میثاق صاحب دامت برکاتہم کی رہنمائی اور ہر قدم پر تعاون راقم اور طلبہ کے شکریہ سے بالاتر ہے۔ عام طلبہ میں ان ادبی عربی کاموں سے دلچسپی ترقی پذیر ہے تمام حضرات اساتذہ کرام کا تعاون اس کو بام عروج پر پہونچا سکتا ہے۔

النادی کے لئے عربی کتب کی ایک وسیع لائبریری لازمی ہے جس سے اسکی سرگرمیوں میں علمیت اور وسعت پیدا ہوگی، لائبریری کا قیام حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور دیگر اکابر کی توجہ سے انشاء اللہ بآسانی ہوجائیگا۔

دعا ہیکہ اللہ تعالیٰ اپنی اپنے رسول کی اور اہلِ جنت کی اس عظیم زبان سے متعلق ان حقیر خدمات کو شرف قبول سے نوازے اور ان میں ترقی اور جلا پیدا کرے۔ آمین۔

کتبخانہ مدرسہ شاہی کی تاریخ

از مولانا مفتی عبد الجلیل خانصاحب قاسمی فاضل شاہی و نائب ناظم کتبخانہ

کسی بھی تعلیمی ادارے کے لئے اس کا بیش بہا سرمایہ کتابیں ہوا کرتی ہیں جس درس گاہ کے ساتھ ایک مکمل کتب خانہ نہ ہو اس کی ہستی ناتمام اور ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ مدارس عربیہ کے لئے خصوصاً اور عوام الناس کے لئے عموماً کتب خانے اور لائبریریاں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہر ملک و شہر میں کتب خانوں کی قلت و کثرت اس ملک میں رہنے والوں کے علمی ذوق یا بدذوقی کا بہترین ثبوت ہوتی ہے۔ کتب خانے دراصل علم کے لئے وسیلہ ہیں۔ دنیا میں ہر جن و انس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور علم کی حفاظت کتابوں کی شکل میں اختیار کی گئی اور کتابوں کی حفاظت کے لئے کتب خانے قائم کئے گئے گویا کتب خانے بقائے علم کا ذریعہ ہیں۔ آثار قدیمہ سے بھی بکثرت کتب خانوں کا ثبوت ملتا ہے۔ کتب خانہ کی اہمیت کے پیش نظر اکابر مدرسہ شاہی نے تعلیم اور طلبا و اساتذہ کے مطالعہ و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ قائم ہو کیونکہ ایسے کتب خانوں کے بغیر تدریس و تحقیق کا اعلیٰ معیار برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔

کتب خانہ مدرسہ شاہی کی ابتدا اور اس کا تدریجی عروج

روئیداد اوّل سے پتہ چلتا ہے کہ کتب خانہ کی ابتدا ۱۲۹۸ھ سے قبل ہو چکی تھی۔ مگر باضابطہ کتب خانہ کے نام سے کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی بلکہ دفتر مدرسہ میں کتابیں رکھی جاتی تھیں۔

مدرسہ شاہی کی دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم کے مطابق یہ خصوصیت رہی ہے کہ درسی کتابوں کی فراہمی کا بار طلبا پر نہیں ڈالا جاتا تھا باوجود اس کے کہ جب مدرسہ شاہی

کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پاس نہ تو کتابیں موجود تھیں اور نہ اس کے حاصل کرنے کے لئے سرمایہ تھا اس لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ شہر مرادآباد و قرب و جوار کے جن اہل علم حضرات کے پاس درسی کتابیں یا کتب خانے موجود تھے ان سے کچھ مدت کے لئے عارضی طور پر کتابیں مستعار لے لی جائیں چنانچہ روئیداد اول میں جناب نواب مولوی محی الدین احمد خانصاحب مرادآبادیؒ کا نام درج ہے کہ انھوں نے ایک مدت سے اپنی ساری کتابیں مدرسہ شاہی میں بھجوادی تھیں جس کے باعث کسی قدر مدرسہ کا کام چلتا رہا مگر ظاہر ہے کہ ہجوم طلبا پر ایک کتب خانہ کیا کام دے سکتا تھا؛ ناچار بنام خدا جن جن کتابوں کی ضرورت تھی ان کی فہرست تیار کر کے تخمینہ لگایا گیا تو سات سو روپیہ کا تخمینہ ہوا مگر اس زمانہ میں سات سو روپیہ کا اکٹھا کرنا بہت مشکل تھا۔ چندہ ہوا جس میں تقریباً سو روپیہ کی کتابیں اور تین سو روپیہ نقد چندہ ہوا جن کی کتابیں خریدی گئیں اور دفتر مدرسہ میں جمع کر دی گئیں مگر پھر بھی کتابیں طلبہ کے لئے ناکافی رہیں اور مستعار کتب کا سلسلہ چلتا رہا جن کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے چند حضرات کا نام درج ذیل ہے۔

۱۔ جناب مولانا سید احمد حسن صاحب امروہیؒ مدرس اول مدرسہ ھٰذا۔ ۵۹ جلدیں۔
۲۔ جناب مولوی نواب محی الدین احمد خانصاحب مرادآبادی ۔ ۱۸۱ جلدیں
۳۔ جناب مولوی سید ابوالحسن صاحب وکیل کندرکی مرادآباد ۔ ۵۸ ″
۴۔ ″ ″ قاضی احتشام الدین صاحب ″ ۵۸ ″
۵۔ ″ حاجی محمد اکبر صاحب مہتمم مدرسہ ہٰذا ۲۹ ″
۶۔ ″ مولوی محمد علی صاحب تحصیلدار بچھرایوں ۹ ″
۷۔ ″ ″ تفضل حسین صاحب۔ مرادآبادی ۸ ″
۸۔ ″ ″ محمد نور صاحب ″ ۷ ″
۹۔ ″ مرزا محمد نبی بیگ صاحب مہتمم مدرسہ ہٰذا۔ ۵ ″ وغیرہ

روئیداد دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مستعار کتب کا سلسلہ ۱۳۰۵ھ سے ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل چونکہ جوں جوں کتابیں فراہم ہوتی جاتیں مستعار کتب واپس کر دی جاتی تھیں۔

باضابطہ سب سے پہلے کتب خانہ کے نام پر شاہی مسجد کے داہنی جانب نیچے والا حجرہ تجویز کیا گیا اور کتب خانہ کے لئے محرر جناب منشی مشتاق حسین صاحب مرادآبادی مقرر کئے گئے جو پہلے مدرسہ میں حاضری نویس تھے۔

۱۳۱۱ھ سے قبل کی روئیداد وغیرہ امور کتب خانہ کے بارے میں خاموش ہیں البتہ قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کتب خانہ کی تعمیر سے قبل جملہ کتب دفتر مدرسہ میں رکھی جاتی تھیں اور محرر دفتر ہی کتب خانہ کے تمام امور کو انجام دیتے تھے۔

روئیداد ۱۳۱۲ھ میں منشی مشتاق حسین صاحب کا نام محرر کتب خانہ کی حیثیت سے ملتا ہے اور ۱۸ر شوال ۱۳۱۲ھ کو مستعفی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کے بعد جناب منشی محمد شاہ صاحب محرر کتب خانہ مقرر ہوئے اور ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ کو بجائے ان کے جناب منشی طاہر بیگ صاحب محلہ مغل پورہ مرادآباد مقرر کئے گئے اور صفر ۱۳۱۶ھ سے علیحدہ ہو گئے۔

رجسٹر قبض الوصول ۱۳۱۴ تا ۱۳۴۰ھ سے پتہ چلتا ہے کہ منشی طاہر بیگ صاحب کے بعد جناب حافظ محمد زاہد حسن صاحب منتظم مدرسہ کتب خانہ کا کام انجام دیتے تھے۔ درمیان میں جناب مولوی محمد فاروق صاحب مدرس نجم و خوشنویس مدرسہ ہٰذا، از ۱۰ر شوال ۱۳۲۰ھ تا ۱ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۱ھ حافظ محمد زاہد حسن صاحب کے عوضی و محرر کتب خانہ رہے۔ مولانا محمد فاروق صاحب کے بعد پھر حافظ محمد زاہد حسن صاحب منتظم مدرسہ کتب خانہ کا کام انجام دیتے رہے اور ۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ کو مرزا حمید شاہ بیگ محرر کتب خانہ مقرر ہوئے اور ۲۱ر ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو مستعفی ہو گئے۔

ان کے بعد جناب مولوی فیض الحسن صاحب قصبہ عمری ضلع مرادآباد (جو حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے والد بزرگوار ہیں) کا ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ کو محرر کتب خانہ کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا، موصوف کا دور نظامت بہت طویل رہا، آپ ہی کے دور میں کتب خانہ نیچے والے حجرہ سے منتقل ہو کر مسجد کی جانب مشرق کی دوسری منزل پر واقع ہوا یہ دورِ اہتمام حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

محرر، منتظم، ناظم کا استعمال

روئیداد سے پتہ چلتا ہے کہ شروع سے لے کر ۱۳۳۶ھ تک جو بھی کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالتا، اسے محرر کتب خانہ اور ۱۳۳۷ھ سے ۱۳۵۰ھ تک منتظم کتب خانہ لکھا جاتا تھا۔ ۱۳۵۰ھ سے ناظم کتب خانہ کا استعمال شروع ہوا اور آج تک یہی مستعمل ہے۔

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب کے بعد، صفر ۱۳۶۳ھ کو حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب قصبہ افضل گڑھ ضلع بجنور ناظم کتب خانہ و مدرس عربی بنائے گئے، اور ۲۱ صفر ۱۳۹۱ھ کو سبکدوش ہو گئے۔

آپ کے دور نظامت ہی میں جناب مولانا سیف اللہ صاحب بھاگلپوری معاون کتب خانہ تھے جو بعد میں ناظم کتب خانہ بنائے گئے اور شعبان ۱۳۹۲ھ تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ پھر ان کے بعد مولانا عبدالقدوس صاحب گڑھی سلیم پور ناظم کتب خانہ بنائے گئے پھر ۱۴۰۱ھ میں مولانا نصیرالدین صاحب حسینی بھاگلپوری ناظم کتب خانہ بنائے گئے جو آج تک اسی عہدہ پر قائم ہیں۔

کتب خانہ میں دو آدمیوں کی ضرورت

پہلے کتب خانہ میں ایک ہی آدمی ہوتا تھا وہی ناظم بھی کہلاتا تھا لیکن کتب خانہ کا کام بڑھ گیا اور ایک آدمی کتب خانہ کے لئے ناکافی سمجھا گیا تو ۱۴۰۳ھ میں ناظم کی معاونت کے لئے ایک اور آدمی کا تقرر کیا گیا جسے محرر (یعنی نائب ناظم کتب خانہ یا معاون کتب خانہ) قرار دیا گیا۔ اس سے قبل مولوی علیم الدین صاحب بھاگلپوری اس عہدہ پر فائز تھے۔ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ میں ان کے مستعفی ہو جانے کے بعد بندہ کو اس منصب پر فائز کیا گیا جو آج تک اس عہدہ پر قائم ہے۔

موجودہ کتب خانہ

موجودہ کتب خانہ کی عمارت جو جانب جنوب میں تیسری منزل پر واقع ہے یہ حضرت مولانا انصار الحق صاحبؒ کے دور اہتمام ۱۳۹۰ھ میں تعمیر ہوئی۔

ابتداءً کتب خانہ کا آغاز درسیات کی متعلقہ شروحات سے ہوا پھر رفتہ رفتہ درسیات کے علاوہ عام کتابیں بھی فراہم کی جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ چند سال میں مختلف علوم و

وفنون کی کتابوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ فراہم ہوگیا آگے جوں جوں زمانہ ترقی کی طرف رواں دواں ہوتا رہا اکثر خریداری مدرسہ کچھ مخیر حضرات کے کتابی یا زری تعاون سے مزید کتابوں کا ذخیرہ جمع ہوتا رہا اب ہر ہر سال کئی ہزار کی کتابیں داخل کتب خانہ ہوتی ہیں۔ کتب خانہ میں وقفی کتابوں کے مقابلہ میں غیر وقفی کتابیں زیادہ ہیں۔

کتب خانہ میں بہت سی ایسی کتابیں بھی ہیں جو مراد آباد کے کسی کتب خانہ میں دستیاب نہیں ہوتیں شہر اور مضافات شہر کے حضرات جن کو کتابوں سے علمی لگاؤ ہے، فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس وقت مجموعی حیثیت سے کتب خانہ میں ۲۵ ہزار کے قریب کتابیں ہیں جس میں بڑی تعداد اگرچہ غیر درسی کتابوں کی ہے مگر کم وبیش نصف کتابیں درسی بھی ہیں۔

کتب خانہ کی ترتیب

رجسٹر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کتب خانہ کی ترتیب اور فہرست تیار کرنے کا کام ۱۳۴۹ھ سے قبل سب سے پہلے حضرت مولانا فیض الحسن صاحب نے کیا، کچھ دنوں تک یہ فہرست کام دیتی رہی۔ مگر چوں کہ یہ ادھوری ونامکمل تھی اس لئے دوبارہ تیار کی گئی، ترتیب ثانی کس نے کی اور کس سن میں ہوئی اس سلسلہ میں معلومات نہ ہوسکیں۔ یہ فہرست ۱۴۰۵ھ تک کام دیتی رہی مگر یہ بھی ناکافی رہی مزید ترتیب جدید کی ضرورت پیش آئی، اس وقت کافی کتابوں کا اضافہ بھی ہوچکا تھا اس لئے حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ ہٰذا نے مولانا نصیر الدین صاحب حسینی کو ۱۴۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ٹریننگ کی غرض سے بھیجا موصوف نے ایک ہفتہ گذار کر ترتیب جدید کا کام بحسن خوبی انجام دیا۔ اور نئے نئے رجسٹر جات چھپوائے۔ اب الحمد للہ اگر کسی صاحب کو کسی کتاب کی ضرورت پڑتی ہے تو فوراً فن وار رجسٹر سے مع نمبر، مصنف، سنہ طباعت، سنہ تصنیف، وغیرہ کی معلومات کے ساتھ کتابیں حاصل کرکے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ کتابوں کی تقسیم وترتیب میں فن کا بہت خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک فن وموضوع سے تعلق رکھنے والی تمام کتابیں یکجا رکھی گئی ہیں یہ کتابیں ترتیب وتقسیم کے لحاظ سے ۳۵ عنوانات پر مشتمل ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱. قرآن مجید مصری۔ ۳۔ تجوید ۵ تفسیر مع شروح تفسیر وحواشی۔ ۷۔ اسماء الرجال
۲۔ قرآن مجید مترجم۔ ۴۔ اصول تفسیر ۶۔ اصول حدیث۔ ۸۔ حدیث مع شروح حدیث

۹۔ اصول فقہ ۔ ۱۰۔ فقہ ۔ ۱۱۔ فتاویٰ ۔ ۱۲۔ فرائض مع شروح ۔ ۱۳۔ عقائد و کلام ۔ ۱۴۔ علم نحو ۔ ۱۵۔ علم صرف ۔ ۱۶۔ منطق ۔ ۱۷۔ فلسفہ ۔ ۱۸۔ علم ہیئت ۔ ۱۹۔ علم ہندسہ ۔ ۲۰۔ طب ۲۱۔ علم معانی ۔ ۲۲۔ فارسی ۔ ۲۳۔ عربی ادب ۔ ۲۴۔ اردو ادب ۔ ۲۵۔ علم عروض ۔ ۲۶۔ لغت ۲۷۔ تصوف ۔ ۲۸۔ تاریخ ۔ ۲۹۔ سیرت ۔ ۳۰۔ تذکرۂ اکابر و سوانح ۔ ۳۱۔ مواعظ و اخلاق ۳۲۔ علم مناظرہ ۔ ۳۳۔ اخبار و رسائل ۔ ۳۴۔ متفرقات ۔ ۳۵۔ ہندی انگلش کتابیں ۔

عمارت کتب خانہ

موجودہ کتب خانہ میں ایک وسیع ہال اور ۲ دو کمرے ہیں ایک کمرہ مخطوطات کے لئے خاص ہے جس میں تین خانوں پر مشتمل آئینہ دار میز ہے جس میں قلمی کتابیں رکھی ہوئی ہیں ۔ تاکہ شائقین حضرات ان کے دیدار سے محظوظ ہو سکیں ۔

دوسرے کمرہ میں آئینہ دار لوہے کی سات بڑی الماریاں ہیں جس میں مختلف فنون کی کتابیں رکھی ہوئی ہیں ۔ ہال میں چاروں طرف سے اور وسط میں لوہے کی جالی دار بڑی بڑی الماریاں ہیں جو جملہ کتب درسیہ اور مختلف فنون کی کتابوں سے آراستہ ہیں ۔ طلبہ و اساتذہ و دیگر حضرات ہال و کمرہ ۲ میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے ہیں ۔ گویا یہی مطالعہ گاہ ہے

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مہتمم مدرسہ ہذا

یوں تو کتب خانہ کی ابتدا بحمد اللہ ۱۲۹۸ھ سے قبل ہو چکی تھی اور درسیات کا انتظام حتی المقدور کیا جاتا تھا ۔ لیکن شروحات وغیرہ کی طرف توجہ نسبۃً کم رہی ۔ لیکن ۱۳۹۶ھ میں جب حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی ۔ مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ ہذا تشریف لائے تو جہاں انھوں نے دیگر شعبہ جات مدرسہ کی طرف توجہ فرمائی وہیں کتب خانہ کو بھی اپنی خاص توجہات سے نوازا آپنے معائنہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے مجلس عاملہ میں یہ تجویز رکھی کہ جو استاد کتابیں کتب خانہ سے مستعار لے جائیں وہ سال کے اخیر میں (یعنی اختتام تعلیم پر) کتابیں داخل کتب خانہ کر دیں ورنہ آئندہ سال کتابیں کتب خانہ سے نہیں دی جائیں گی ۔ (تجویز اجلاس عاملہ ۲۳ ۴ ۹۷ھ)

کیونکہ اس سے قبل اساتذہ کئی کئی سال تک کتابیں واپس نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے کتاب کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا تھا۔

پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ کتب خانہ کی ترقی اور اس کی ترتیب کے لئے ایک مزید محرر کا نظم ہونا چاہئے تاکہ کتب خانہ کی افادیت برقرار رہے۔ آپ نے ایک محرر کے لئے مجلس عاملہ منعقدہ یکم شعبان ۱۴۰۳ھ میں ایک تجویز رکھی جو منظور ہوئی۔

موجودہ کتب خانہ کی ترتیب کے لئے مجلس عاملہ منعقدہ ۲۲ محرم ۱۴۰۶ھ میں مجلس عاملہ نے یہ طے کیا کہ ناظم کتب خانہ کو ایک ہفتہ کے لئے دار العلوم کے کتب خانہ میں بھیجا جائے۔ تاکہ وہاں کی ترتیب دیکھے اور سمجھے کہ کس طرح کتابوں کی ترتیب اور رجسٹر وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے بحمد اللہ ایک ہفتہ کے بعد واپس آتے ہی تمام فن وار رجسٹر کھاتہ کھتونی کی طباعت کے لئے آپ نے اجازت عنایت فرمائی

چونکہ کتابوں کی آمد اور خریداری میں اضافہ ہونے کی وجہ سے سابقہ جگہیں ناکافی ہوگئی تھیں، اس لئے نئی الماریاں جو بند ہیں اور محفوظ ہیں آپ کی اجازت سے تیار کرائی گئیں۔ اور مخطوطات کی حفاظت کے لئے لکڑی کے خوبصورت شوکیس بنوائے گئے، اور اس وقت بھی الماریوں کی مزید کمی کو دیکھتے ہوئے تقریباً ۱۹ شیشہ کی الماریاں بنوانے کی درخواست کو حضور والا نے منظور فرمایا ہے انشاء اللہ عنقریب یہ الماریاں کتب خانہ کی زینت بن جائیں گی۔

حضرت مہتمم صاحب کی ہی تحریک پر مجلس عاملہ منعقدہ ۱۲ محرم ۱۴۰۸ھ میں یہ طے کیا گیا کہ کتب خانہ کی گاہ بگاہ نگرانی ضروری ہے۔ اس لئے جناب ماسٹر سید احمد شاہ صاحب رکن مجلس شوریٰ کو مقرر کیا جاتا ہے کہ موصوف کتب خانہ کی مفصل اور باقاعدہ نگرانی اور معائنہ فرمائیں۔ پھر ۲۶ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ میں مجلس عاملہ نے ایک ضابطہ مقرر فرماتے ہوئے کتب خانہ کی مزید جانچ کے لئے حضرت مولانا اسحاق صاحب سنبھلی ممبر و رکن مجلس شوریٰ مدرسہ ہذا کو مقرر فرمایا۔

الحمد للہ آپ کے دور میں شروحات اور غیر درسی کتابوں میں بیش از بیش اضافہ ہوا حتی کہ انہی میں سے تقریباً چوتھائی حصہ آپ کا مرہون منت ، اور آپ کی توجہ کا ثمرہ ہے ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے جن میں پاکستان، سعودی عرب، بیروت کی اہم و نادر اور نایاب کتب

مثلاً روح المعانی تفسیر مظہری، اضواء البیان، اسد الغابہ، مرقات شرح مشکوٰۃ، عمدۃ القاری، اعلاء السنن، فتح الباری، السنن الکبریٰ، المغنی، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، تاریخ الطبری، صحیح ابن حبان، مسند احمد، وفاء الوفاء، مجمع الزوائد، تذکرۃ الحفاظ، الکاشف للامام الذہبی، تاریخ ابن خلدون اردو وغیرہ۔

مخطوطات

کتب خانہ میں مطبوعہ کتابوں کے علاوہ بہت سی قلمی کتابیں بھی ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے، جن میں بعض کتابیں فن خطاطی کے لحاظ سے قابل تعریف ہیں بعض نقاشی و مصوری میں اپنا جواب نہیں رکھتیں بعض قریب زمانہ کی ہیں، بعض بعید زمانہ کی، کچھ درسی ہیں اکثر غیر درسی۔ نمونہ کے طور پر بعض کتابوں کا تعارف کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف قلمی

یہ قرآن شریف کوفی رسم الخط میں ہے، کاتب وسن کتابت کا علم نہ ہو سکا ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ میں جناب شیخ عنایت صاحب محلہ قاضی ٹولہ مرادآباد نے قاضی محمد فصیح الدین صاحب کی معرفت داخل کتب خانہ کرایا۔ اس پر عربی کا حاشیہ بھی ہے مگر محشی کا نام معلوم نہ ہو سکا کئی سو صفحات پر مشتمل مطلا کتابت بہت ہی صاف و شفاف بارونق قابل دید ہے۔ کاتب کے ہاتھ چوم لینے کے قابل ہیں۔

مشکوٰۃ شریف قلمی

کاتب حاجی محمد ابن ابراہیم ہیں سن کتابت ۱۲۴۱ھ ہے۔ یہ نسخہ حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم محلہ رفعت پورہ مرادآباد نے بطور یادگار مدرسہ شاہی کے کتب خانہ کو یکم رمضان ۱۳۹۵ھ میں داخل کرایا۔ کتاب پرانی سائز متوسط کتابت دیدہ زیب ہے۔

فتاویٰ بزازیہ قلمی

کتاب کے کاتب وسن کتابت کا علم نہ ہو سکا۔ یہ تحفہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے ۱۴ شوال المکرم ۱۳۸۷ھ میں داخل کتب خانہ ہوا، کتاب ضخیم کتابت صاف وچمکدار سائز بڑا روشنائی سیاہ و پختہ کاغذ موٹا وچکنا کہیں کہیں کاغذ کرم خوردہ بھی ہے۔

عینی شرح ہدایہ قلمی

یہ کتاب ۶ جلدوں پر مشتمل ہے، کاتب محمد ابن محمد ابن حسین

المخزومی ہیں سن کتابت ۹۶۴ھ ہے اولاً یہ کتاب احمد ابن موسیٰ الساعاتی نے مفتی آفندی عثمان ابن عبد السلام الداغستانی کے ترکہ سے خریدی۔ پھر ۱۴ شوال ۱۳۰۷ھ میں حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی کے توسط سے داخل کتب خانہ ہوئی سائز لمبی کتابت صاف و عمدہ روشنائی چمکدار قابل زیارت ہے۔

البدور السافرہ قلمی۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی مشہور کتاب ہے۔ کاتب سعید ابن سالم ہیں کتابت ۱۱۱۷ھ ہے ۱۳۴۹ھ میں منجانب قاضی شمس الدین صاحب مرحوم سہسوانی معرفت جناب احسن الدین صاحب ہیڈ ماسٹر و سب انسپکٹر مدارس شاہ پور علاقہ بھوپال داخل کتب خانہ ہوئی کتاب پرانی، سائز متوسط، کتابت بہترین، کاتب مستحق اجر جزیل ہے۔

نوٹ:۔ اس کے علاوہ بہت سی قلمی کتابیں و مخطوطات قابل تبصرہ ہیں مگر طوالت مضمون کی بنا پر ترک کیا جاتا ہے۔

ماہنامہ ندائے شاہی کے چار سال

از : جناب مولانا حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب دھامپوری 'مدیر ندائے شاہی

ماہ نومبر ۱۹۸۸ء اس حیثیت سے مدرسہ شاہی کی تاریخ میں یادگار رہے گا کہ اسی مہینہ سے مدرسہ کے نفس ناطقہ ماہنامہ ندائے شاہی کا اجراء عمل میں آیا۔ یوں تو یہ تمنا بہت دنوں سے مدرسہ کے ذمہ داروں کے دلوں میں انگڑائیاں لے رہی تھی اور ضرورت کا عام احساس بھی تھا کہ اتنے عظیم تاریخی ادارہ کا خود اپنا کوئی ترجمان نہیں ہے لیکن اس منصوبے کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے موجودہ مہتمم حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی کے مقدر میں لکھی تھی جن کی سرپرستی و نگرانی اور ذاتی توجہ و دلچسپی کے باعث اس رسالہ کا اجراء عمل میں آسکا۔

اغراض و مقاصد رسالہ ندائے شاہی کے اجراء کا مقصد کیا تھا۔ اس کا اظہار اولیں شمارہ میں سرپرست رسالہ حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ نے بایں الفاظ کیا ہے۔

"مدرسہ شاہی اور اس کے مستفیدین فضلاء نے اس کے قیام کے پہلے ہی دن سے سنن نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی ترویج و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ نت نئے' روز جنم لینے والے تمام فتنوں اور ان کی دسیسہ کاریوں سے تمام مسلمانان عالم کو آگاہ کیا' امت مسلمہ کو اسلاف و اکابر کی تاریخی خدمات سے روشناس کرایا اور فرق ضالہ و مضلہ کی سرکوبی کی اور اور اس کی طرف دوسروں کو بھی متوجہ کیا۔

الحمدللہ مدرسہ شاہی آج بھی اس راہ پر گامزن ہے بلکہ مدرسہ شاہی کے ارباب انتظام نے اس فکر ولی اللہی کو مزید ترقی دینے کے لئے ایک ماہنامہ "ندائے شاہی" کے اجراء کی تجویز منظور کی جو قرآن و سنت اور مدرسہ شاہی کے ترجمان کی حیثیت سے اپنی دعوتی و تبلیغی تحریروں کو لوگوں تک پہنچانے اور مسلمانوں کی معلومات میں وسعت اور اعتقاد میں پختگی کا بھی باعث ہو۔"

ندائے شاہی نے یہی اغراض و مقاصد اپنی چار سالہ زندگی میں ہمہ وقت سامنے رکھے ہیں اور تجارتی نقطۂ نظر سے ہٹ کر محض دین کی ترویج و اشاعت کے لئے مطلوبہ مفید مضامین شائع کئے ہیں۔

ندائے شاہی کا معیار ابتداہی سے رسالہ ندائے شاہی کا معیار متوسط مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی نہ تو خالص علمی اور نہ خالص سطحی بلکہ عموماً ایسے مضامین آتے ہیں جو علمی مباحث کی چاشنی لئے ہونے کے باوجود آسان اور سہل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عوام بھی ان سے باسانی مستفید ہوسکتے ہیں دوسرے یہ کہ مضامین زیادہ طویل نہیں ہوتے اور کوشش کی جاتی ہے کہ اگر کوئی طویل مضمون آجائے تو اس کی قسطیں زیادہ نہ ہوں اس لئے کہ تطویل سے قارئین کی طبیعت اکتاجاتی ہے اور جو مضامین سلسلہ وار چل رہے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ ان میں سے ہر قسط الگ مضمون کی حیثیت رکھتی ہے اکثر اس کا پہلی قسط سے مضامین کا التنا ربط نہیں ہوتا کہ پڑھنے والے کی طبیعت اکتا جائے۔

ندائے شاہی کی پالیسی ندائے شاہی اہل سنت والجماعت کا ترجمان ہے، فرق باطلہ کی تردید اور مسلمانوں کی عمومی اصلاح اس کا نصب العین ہے اور بنا بر عموماً ایسے مضامین شریک اشاعت ہوتے ہیں جن کا تعلق عقیدہ اور عمل کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ اختلافی اور رفتہ انگیز مضامین سے احتراز کیا جاتا ہے اور چونکہ مدرسہ شاہی کا تعلق دیوبندی مکتب فکر اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر سے ہے اس لئے ندائے شاہی بھی ان دونوں اداروں سے وابستگی پر دلالت کرنے والے مضامین موقع بموقع شائع کرتا رہتا ہے۔ الغرض یہ رسالہ ٹھوس اصول اور مستحکم پالیسی پر قائم ہے، جس میں روز بروز پختگی آتی جاتی ہے۔

مشاورتی بورڈ رسالہ ندائے شاہی کی بروقت اشاعت اور خاطر خواہ ترقی کے لئے مجلس عاملہ نے ضروری سمجھا کہ ایک ایسی مجلس تشکیل دی جائے جو موقع بموقع رسالہ کی نگرانی کرے اور جس کے مفید مشوروں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسالہ کا معیار بلند اور حلقہ اثر بڑھایا جائے چنانچہ مجلس عاملہ منعقدہ ۱۵ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ نے ندائے شاہی سے متعلق ایک مشاورتی بورڈ تشکیل دیا جس میں سرپرست حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ کے علاوہ دو اراکین راقم الحروف اور جناب مولانا اسحٰق صاحب سنبھلی شامل ہیں یہ بورڈ حسب ضرورت اپنا اجتماع بلا کر ندائے شاہی کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

مجلس ادارت رسالہ ندائے شاہی کے پہلے مدیر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رامپوری سابق نائب مہتمم مدرسہ شاہی تھے جب کہ مدیر مسئول اور مدیر معاون مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی سابق استاذ مدرسہ شاہی رہے لیکن ۱۴۱۱ھ کے اواخر میں جب ان دونوں حضرات نے مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرلی تو ندائے شاہی کو چلانے کے لئے مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ یکم محرم ۱۴۱۲ھ کو ایک مجلس ادارت تشکیل کی جس کے ارکان میں مولانا محمد سالم قاسمی،

مولانا اخلد صاحب رشیدی اور مفتی محمد سلمان صاحب شامل ہیں۔ یہ مجلس اب تک کام کر رہی ہے۔ اسی اجلاس میں راقم الحروف کو اعزازی مدیر منتخب کیا گیا۔

شائع شدہ مضامین ندائے شاہی میں گذشتہ ۴ سالوں میں چھ سو چھوٹے بڑے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں مستقل کالم شمار نہیں کئے گئے۔ مثلاً جامعہ کے شب و روز اور بزم قارئین وغیرہ جب کہ اس مدت میں تقریباً ۲۵ نظمیں شائع ہوئے ہیں جو اکثر حمد یا نعت پر مشتمل ہیں، متعدد اہم شخصیات پر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً مولانا قاضی محی الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا سید عبد الرشید صاحب، حضرت مولانا سید عالم علی صاحب محدث مراد آباد، حضرت مولانا کفایت علی کافی شہید، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی، حضرت امیر الہند مولانا حبیب الرحمن اعظمی، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ایک سلسلہ وار مضمون (جو حضرت شیخ الاسلام کے واقعات و کرامات پر مشتمل ہے اور حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی سرپرست ندائے شاہی کا ترتیب فرمودہ ہے) شائع ہو رہا ہے۔ جس کی اب تک ۳۶ قسطیں چھپ چکی ہیں۔ اور دو سو دس واقعات ترتیب وار آئے ہیں۔

تاریخ شاہی نمبر کافی عرصہ سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مدرسہ شاہی کی مبسوط تاریخ مرتب ہونی چاہئے اور اس عظیم ادارہ کی خدمات اور اس سے وابستہ شخصیات کے کارنامے منظر عام پر لانے چاہئیں۔ چنانچہ ابتداء میں یہ طے کیا گیا کہ کتابی شکل میں اس ضرورت کی تکمیل کی جائی مگر کام شروع کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نہایت صبر آزما کام ہے اور طویل وقت چاہتا ہے اس لئے کہ مدرسہ کا ریکارڈ مرتب طریقہ پر موجود نہیں ہے۔ رودادیں بھی درمیان درمیان کی غائب ہیں پھر فضلاء اور فیض یافتگان کے حالات اور ان کی خدمات کا کوئی ریکارڈ پہلے کبھی تیار نہیں کیا گیا اس لئے بعد میں یہ رائے سامنے آئی کہ سردست جتنا بھی مواد اور معلومات فراہم ہو سکیں انہیں مرتب کر کے ندائے شاہی کا ایک مبسوط شمارہ "تاریخ شاہی نمبر" کے نام سے شائع کر دیا جائے۔ جو کمی رہ جائے گی وہ رفتہ رفتہ پوری ہوتی رہے گی۔ چنانچہ مجلس عاملہ منعقدہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ نے تاریخ شاہی نمبر شائع کرنے کی تجویز منظور کی اور اس کی ترتیب کی ذمہ داری مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری کو سونپی گئی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

نذرِ عقیدت

بخدمت حضرت اقدس مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد

دورِ حاضر میں رشید الدین ہیں شیخِ زمن
رحمتِ حق رات دن ان پر رہا ہے سایہ فگن

کیا عرب کیا لندن و افریقہ کیا ہندوستاں
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے ان کے سورج کی کرن

ننگ مے خانہ جو تھے وہ پیر میخانہ بنے
اپنی آنکھوں سے پلادی جسکو صہبائے کہن

حسنِ ظاہر حسنِ باطن سے منور انکی ذات
وہ زمانے میں ہیں اک روشن چراغِ انجمن

وہ بتاتے ہیں کہ جنت اصل ہے دار القرآں
وہ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا ہے بس دار المحن

مدرسہ کے مہتمم ہیں اور شیخ خانقاہ
"ہر ہوس ناکے نہ داند جام و سنداں باختن"

وہ مدینے کے مہاجر حضرت شیخ الحدیثؒ
جس کو وہ دیدیں اجازت پھر کہاں جائے سخن

ہے یہاں ہندوستاں میں حق کی رحمت انکی ذات
ناز اُن پر کر رہے ہیں آج اربابِ وطن

وہ گلِ تقویٰ لٹاتے ہیں چلو دامن بھرو
حق نے ہے ان کو بنایا معرفت کا اک چمن

آئیں ان کے در سے حاصل کرلیں ایمان و یقیں
صاحبانِ مال و دولت صاحبانِ علم و فن

ہیں گرفتارِ محبت حضرتِ عثمان بھی!
ان کی الفت میں رہا کرتے ہیں اکثر نغمہ زن

پیشکردہ

مولانا عثمان احمد صاحب قاسمی جونپوری

از: حضرت مولانا محمد عمر صاحب نائب مہتمم جامعہ

میرِ کارواں

حضرت مولانا

سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی

سوانح حیات ، صفات وکمالات و دینی خدمات

پر

اجمالی نظر

مدرسہ کس چیز کا نام ہے ؟ چار چیزوں کے مجموعہ کا ۔ بہترین اساتذہ، قابل فخر تلامذہ ، باہوش انتظامیہ اور صاحب الرائے اور حلم وتدبر کا کوہ گراں مہتمم ـــ ان چار عناصر سے ملکر مدرسہ بنتا ہے اور ان عناصر میں سے کسی ایک عنصر کا نقص بھی مدرسہ کے وجود کو کالعدم کردیتا ہے ۔ پھر وہ مدرسہ مدرسہ نہیں رہتا بلکہ ذاتی مفادات اور بے فائدہ سرگرمیوں کا مرکز بن جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے کہ مدرسہ شاہی اپنے روز قیام سے آج تک ان عناصر اربعہ سے مالامال رہا ہے ۔ جہاں اس کے تدریسی منصب پر یگانۂ روزگار اساتذہ متمکن ہوئے ،قابلِ فخر فرزندوں نے مادر علمی کا سر فخر سے بلند کیا ۔ انتظامیہ کے اراکین نے اس گلشن قاسمی کی بقا وحفاظت میں جان وتن کی بازی لگادی وہیں اس الہامی ادارہ کا منصب اہتمام اور کار انتظام ایسی شخصیتوں کے ہاتھوں میں رہا جن کا ورع وتقویٰ اور تدبر زبان زد خاص وعام تھا ۔ مولانا سید عبدالرشید صاحبؒ ، حاجی محمد اکبر صاحبؒ ، مرزا محمد نبی بیگ صاحبؒ ، مولانا حکیم محمد صدیق صاحبؒ ، مولانا محمد حسن صاحب نواب پوریؒ ، حاجی سید مرتضیٰ علی صاحبؒ رشیدی ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ ، حضرت مولانا سید فخرالدین صاحبؒ ، حضرت مولانا مفتی محمد نقی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اس منصب پر فائز ہونے والے وہ چمکتے ستارے ہیں جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاتی ہیں ۔ اور جن کی انتھک جد وجہد نے (ی) مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم کو

جامعہ قاسمیہ اور دار العلوم ثانی بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اسی سنہرے سلسلہ کی ایک کڑی موجودہ میر کارواں اور اسلاف کی عظیم امانت کے امین حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی بھی ہیں جن کے دور اہتمام میں مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل ہوئی۔ سالوں کی مسافت دنوں میں طے ہونے لگی، کیا تعلیم کیا تعمیر، کیا تدریس، کیا افتاء ہر شعبہ قابل رشک بن گیا، بڑے بڑے فتنے تدبر وانتظام کے سامنے دب کر رہ گئے، حالات بدلے وفاداریاں بدلیں، افراد بدلے لیکن مدرسہ کے تاریخی سفر میں کوئی رکاوٹ نہ آسکی۔ آج مدرسہ شاہی کی رونق اور شادابی انہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ یوں کہئے کہ وہ اس کارخانۂ علم کی روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذیل میں پیش ہے آپ کی زندگی اور خدمات کا مختصر اور اجمالی جائزہ۔

پیدائش و تعلیم

فروری ۱۹۳۲ء مطابق ۱۳۵۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد ہے۔ والد ماجد اپنے دور کے مشہور عالم دین اور صاحب ورع و تقویٰ بزرگ حضرت مولانا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو مختلف اوقات میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ نور العلوم بہرائچ، مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ پیر جھنڈا کلاں سندھ کے شیخ الحدیث اور دار العلوم دیوبند کے شیخ التفسیر رہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے خالو شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سایۂ عاطفت میں رہ کر ہوئی۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حفظ قرآن کریم سے لے کر انتہائی تعلیم تک دار العلوم دیوبند ہی میں پڑھا۔ سنہ ۱۹۵۸ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔ اسی سال حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہوا تھا۔ اس لئے بخاری شریف کا کچھ ابتدائی حصہ حضرتؒ سے پڑھا اور تکمیل شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہوئی۔

تکمیل فنون و افتاء

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد ۱۹۵۹ء ۱۳۷۹ھ میں شعبۂ تکمیل فنون سے فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد

دو سال شعبۂ تکمیل افتاء سے منسلک رہے اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی پر عبور حاصل کیا۔ ۱۹۶۱ء میں اس شعبہ سے فراغت ہوئی۔

تدریس

تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ اکابر کے حکم پر مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے اور تین سال یعنی ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۸۳ھ سے ۱۹۶۴ء مطابق ۱۳۸۴ھ تک اسی مدرسے سے تعلق رہا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں آپ مدرسہ امداد العلوم زید پور ضلع بارہ بنکی منتقل ہوگئے اور وہاں آکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

مدرسہ دارالرشاد بنکی بارہ بنکی کی تاسیس و اہتمام

۱۹۶۷ء / ۱۳۸۷ھ سے آپ کی زندگی کا انقلابی موڑ شروع ہوتا ہے۔ یہ درحقیقت آپ کی بہترین پوشیدہ انتظامی صلاحیتوں کے سامنے آنے کا نقطۂ آغاز ہے۔ جس وقت آپ مدرسہ امداد العلوم زید پور میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور تھے تو مشرقی یوپی کے مشہور عالم اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب رحمہ کے مخلص فدائی مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے آپ سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ ان کے مکان واقع بنکی (ضلع بارہ بنکی) اور اس سے ملحقہ زمین میں ایک دینی مدرسہ جاری کیا جائے۔ آپ نے اس اہم معاملہ کا فیصلہ اپنے والد ماجدؒ کی اجازت پر چھوڑ دیا۔ اور جب حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم فرمایا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے مولانا عبدالباری ندوی کی مجوزہ قطعۂ زمین پر مدرسہ دارالرشاد (بنکی) ضلع بارہ بنکی کے اجراء کا فیصلہ کیا، جس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے دیگر اکابر علماء کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین صاحبؒ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ آپ نے اس دینی مدرسہ کو تاسیس کے چند سالوں ہی میں قدیم مدارس کی صف میں نہ صرف لا کھڑا کیا بلکہ تعلیمی، تربیتی اور تعمیری ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر لگا دیا۔ حضرات اکابر کی توجہات برابر اس مدرسہ کی طرف رہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب

اور فدائے ملّت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی اپیلوں اور دعاؤں نے اسے پروان چڑھایا۔ آج اس مدرسہ کا شمار مشرقی یوپی کے مرکزی مدارس میں ہوتا ہے جہاں بہترین تربیت کے ساتھ ساتھ درجات موقوف علیہ تک تعلیم کا نظم ہے۔

۱۹۶۷ء/۱۳۸۷ھ سے ۱۹۷۶ء/۱۳۹۶ھ تک حضرت مولانا رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ نے باقاعدہ بنکی بارہ بنکی میں مقیم رہ کر پوری ذمہ داری اور تن دہی کے ساتھ اہتمام وتدریس کی ذمہ داریاں انجام دیں۔ جب کہ نائب مہتمم آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد سعید صاحب بستوی مدظلہٗ تھے جو اس وقت بھی اسی عہدہ پر فائز ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے ارادت کا تعلق

قیام بارہ بنکی ہی کے دوران آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"۷۳ء/۹۳ھ میں سہارنپور میں شیخ سے بیعت ہوا۔ دست بدست بیعت کا شرف حاصل ہوا میرے ہمراہ ہمشیرہ بھی تھیں (یعنی حضرت مولانا اسعد مدنی کی اہلیہ) اس کو پس پردہ بیعت فرمایا۔ میرا بیعت کا تعلق براہ راست حضرت سے قائم ہوا۔ میرا طبعی تقاضہ بیعت کا حضرت مدنیؒ سے تھا۔ لیکن طالب علمی کے زمانہ میں حضرت کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ میرا تعلیمی آخری سال تھا کہ حضرتؒ کا وصال ہوگیا۔ فراغت کے بعد کافی وقت مرشد کے انتخاب اور تجسس میں گذرا مگر کہیں طبیعت نہیں جمی۔ البتہ جب حضرت شیخ پر اس مقصد سے نظر ڈالی، تو حضرت مدنیؒ سے بہت ہی قریب پایا۔ پھر میلان طبع ادھر ہی کو راسخ ہوگیا اس لئے حضرت ہی سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔"[1]

حضرت شیخ الحدیثؒ سے آپ کا یہ تعلق بیعت کے سات سال بعد ۱۹۸۰ء مطابق ۱۴۰۰ھ میں حضرت کی طرف سے اجازت بیعت وخلافت عطا کرنے پر منتج ہوا۔ جب کہ آپ اپنے مرشدؒ

---

[1] حضرت شیخ اور ان کے خلفاء۔ جزء ثالث ص ۳۶۔

کے ساتھ فیصل آباد پاکستان میں معتکف تھے اس وقت کا واقعہ خود آپ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"دارالعلوم فیصل آباد پاکستان میں ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو شب میں بھائی ابوالحسن صاحب تیزی کے ساتھ میرے پاس آئے اور کہا کہ شیخ یاد فرمارہے ہیں۔ میں فوراً حاضر ہوا تو بھائی ابوالحسن کے سامنے ہی بغیر کسی تمہید کے اجازت عطا فرمائی۔ میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ پھر اس عظیم الشان بار کے تحمل سے اپنی عدم اہلیت کی وجہ سے معذرت کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جاجا۔ میں نے بھی اپنے حضرت سے یوں ہی کہا تھا مگر میری ایک نہ سنی۔ جا۔ اور جو کوئی بیعت ہونا چاہے اسے بیعت کر لینا۔ میرا رسالہ نسبت واجازت اور حضرت مدنیؒ کے مکتوبات تصوف مطالعہ میں رکھنا"[1]

مدرسہ شاہی میں تقرر

۹ شعبان ۱۳۹۶ھ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اتفاق رائے سے اس عظیم اور تاریخی مدرسہ کے اہتمام کے لئے حضرت مولانا سید رشیدالدین صاحب حمیدی مدظلہ کا نام تجویز کیا گیا۔ اور ۱۵ شعبان کو تقرر نامہ کے طور پر ایک اطلاعی تحریر آپ کو روانہ کی گئی۔ آپ نے براہ راست جواب دینے کے بجائے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ الحدیثؒ کی اجازت پر اپنی منظوری کو معلق رکھا۔ چنانچہ اسی سال رمضان میں مدرسہ شاہی کے اراکین شوریٰ کا ایک مؤقر وفد حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوا۔ اور حضرت مولانا رشیدالدین صاحب کو مدرسہ شاہی تشریف آوری کی اجازت دینے کی درخواست کی۔ حضرت شیخؒ نے یہ تجویز سنکر بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعاؤں کے ساتھ بخوشی اجازت مرحمت فرمائی۔

مدرسہ شاہی میں تشریف آوری: اپنے شیخ کی اجازت اور ارکان مدرسہ شاہی

[1] حضرت شیخ اور ان کے خلفاء، جزء ثالث ص ۳۶۔

کے پے در پے اصرار کی بنا پر آپ نے مدرسہ شاہی تشریف لانے کا فیصلہ فرمایا اور ۸ رشوال ۱۳۹۶ھ کو مراد آباد تشریف لاکر امور اہتمام کا چارج لیا۔ اس وقت چونکہ آپ بارہ بنکی میں مقیم تھے اور مدرسہ دارالرشاد بھی آپ کی توجہات کا محتاج تھا اس لئے دونوں مدرسوں کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ آپ مہینہ میں تین ہفتہ مراد آباد میں رہیں گے۔ اور ایک ہفتہ بارہ بنکی میں گذاریں گے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک آپ اس تجویز پر عمل کرتے رہے۔ اور جب دارالرشاد کی طرف سے اطمینان ہوگیا اور حضرت مولانا محمد سعید صاحب نائب مہتمم دارالرشاد نے کار انتظام پوری طرح سنبھال لیا تو آپ نے پورے مہینہ مراد آباد ہی قیام فرمانے کا فیصلہ فرمالیا۔

مدرسہ شاہی دور رشیدی میں

جس وقت آپ مدرسہ شاہی کے مسند اہتمام پر فائز ہوئے تو مدرسہ کی مالی حالت غیر مستحکم تھی۔ کئی ماہ کی تنخواہیں قرض لے کر ادا کی گئی تھیں اور ذخیرۃ الخیر کی رقم چالیس ہزار روپئے بھی بطور دست گرداں ضروریات مدرسہ میں خرچ کی جاچکی تھیں آپ نے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور مالی استحکام کی غرض سے شہر و بیرون شہر معاونین مدرسہ سے رابطہ قائم کیا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت جلد مالی بحران پر قابو پالیا گیا اور پھر کبھی ایسی صورت نہ پیش آئی۔ جب کہ ضروریات اور خرچ میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اس وقت مدرسہ کا سالانہ بجٹ صرف ڈھائی لاکھ (۲۵۰۰۰۰) روپیہ تھا۔ جو اب بڑھتے بڑھتے پچاس لاکھ روپئے تک پہونچ گیا ہے۔

بیرونی اسفار

آپ نے تبلیغی اور اصلاحی سلسلہ میں ملک و بیرون ملک متعدد اسفار کئے، جس سے مدرسہ کا فیض دور دور تک پہونچا اور اس کا تعارف ہوا۔ سنہ وار چند خاص خاص سفروں کی تفصیل یہ ہے۔

سفر پاکستان:۔ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ حضرت شیخ الحدیثؒ کے ساتھ فیصل آباد پاکستان میں گذرا۔ اس کے بعد لاہور، راولپنڈی، ملتان، چینوٹ اور رسخا کوٹ، (صوبہ سرحد) تشریف لے گئے۔ جہاں حضرت مولانا عزیر گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سے ملاقات فرمائی۔ ذی قعدہ میں واپسی ہوئی۔

سفر جنوبی افریقہ وسعودی عرب :- از ۵؍رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ تا ۹؍جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ۔ رمضان المبارک حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ اسٹینگر (جنوبی افریقہ) میں گذارا۔ اس کے بعد ملک کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا۔ واپسی میں سعودی عرب بھی تشریف لے گئے۔

سفر پاکستان (دوسری مرتبہ)۔ یہ سفر ۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ سے ۲؍جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ تک رہا۔

سفر انگلینڈ، باربڈوز، ویسٹ انڈیز، ٹرینی ڈارڈ، پناما، اور سعودی عرب وغیرہ۔ یہ سفر ۲۳؍شوال ۱۴۰۴ھ سے ۱۵؍جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ تک جاری رہا۔

سفر پاکستان (تیسری مرتبہ)۔ یہ سفر ۱۳؍رجب تا ۴؍شعبان ۱۴۰۶ھ تک رہا۔

سفر جنوبی افریقہ: ماریشش، نیروبی وغیرہ۔ آپ ۲۳؍شعبان ۱۴۰۷ھ کو سعودی عرب جنوبی افریقہ ماریشش اور نیروبی کے سفر پر تشریف لے گئے۔ اور تقریباً چھ ماہ بعد ۷؍محرم ۱۴۰۸ھ کو واپس تشریف لائے۔

سفر پاکستان: ۱۲؍جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ تا ۱۲؍رجب ۱۴۰۸ھ کو آپ نے پاکستان کا سفر فرمایا۔ آپ کا قیام لاہور میں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ مدینہ لاہور کے یہاں رہتا تھا۔ اتفاق یہ کہ آپ کے ہندوستان واپسی کے چند ہی روز بعد مولانا موصوف کا وصال ہوگیا۔

سفر انگلینڈ :- آپ ۲۷؍شعبان ۱۴۱۰ھ کو انگلینڈ کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ جہاں سے ۲۴؍محرم ۱۴۱۱ھ کو واپسی ہوئی۔

سفر پاکستان (پانچویں مرتبہ): یہ سفر مولانا یٰسین صاحب خانپوری کی دعوت پر ہوا۔ جو ۸؍جمادی الاول سے ۲۷؍جمادی الاول ۱۴۱۲ھ تک جاری رہا۔

سفر جنوبی افریقہ: نیروبی، زمبیا، سعودی عرب۔ آپ کا یہ سفر ۲۸؍جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ سے شروع ہوکر ۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ تک جاری رہا۔

مطبخ کی طرف توجّہ

آپ نے تشریف لانے کے بعد مدرسہ شاہی کے نظام مطبخ کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ اور تقسیم طعام کے نظام کو مستحکم بنایا جس کی بناپر اکثر طلبہ مطبخ سے کھانا لینے لگے۔ جب کہ مطبخ کے قیام سے پہلے عموماً طلبہ محلوں سے کھانا لیتے تھے یا مدرسہ کی طرف سے کسی ہوٹل والے سے بات کرلی جاتی تھی۔ اسی طرح ہر فصل کے شروع میں ضروریات کی سب اجناس مہیا کرنے کا انتظام کیا۔ ابتداءً سال سوم عربی سے دورۂ حدیث تک کے طلبہ کو کھانا دیا جاتا تھا آپ نے اس میں وسعت دے کر درجہ تحفیظ القرآن سے لے کر عربی کے تمام درجات کے طلبہ کا کھانا جاری کرنے کے احکامات دیئے۔

طلبہ کی نگرانی

طلبہ کی تربیت اور ان کی دیکھ بھال کے لئے آپ نے الاؤنس دے کر نگراں حضرات کا تعین کیا جو مرتبہ نظام الاوقات اور دارالاقامہ کے قوانین کے مطابق ہر وقت طلبہ کی نگرانی کرتے ہیں۔

نشرواشاعت

مدرسہ کو متعارف کرانے اور اس کی دینی وملّی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے آپ نے چھوٹے چھوٹے پمفلٹ شائع کرائے جو اردو کے علاوہ عربی، انگلش، گجراتی اور ہندی میں ہیں۔ اسی طرح اردو اور انگریزی میں ہر سال مدرسہ کی طرف سے شاہی کیلنڈر شائع ہوتا ہے جس میں تاریخ اور فضائل واحکام عیدین ورمضان کے ساتھ ساتھ مدرسہ شاہی کی اجمالی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ماہنامہ ندائے شاہی

مدرسہ شاہی کے پیغام کو دور دور تک پہونچانے، اپنے مسلک کی ترویج واشاعت اور بہی خواہانِ مدرسہ کو احوال مدرسہ سے مطلع کرنے کے لئے ۱۴۰۹ھ سے آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ ندائے شاہی کا اجراء ہوا جو بحمداللہ اپنے مقصد میں کامیاب اور روز بروز ترقی پذیر ہے اور ندائے شاہی کا یہ خاص تاریخ شاہی نمبر بھی آپ کی توجہات کا ثمرہ ہے۔

دارالافتاء

پہلے دارالافتاء میں صرف ایک مفتی رہتے تھے۔ آپ نے ضرورت کا خیال فرماتے ہوئے۔ مزید ایک نائب مفتی کا تقرر تجویز کیا۔ اسی طرح فتویٰ نویسی کی مشق کرنے والے طلبہ کی تعداد پانچ سے بڑھاکر دس کردی گئی۔ ترتیب فتاویٰ کا کام باقاعدہ شروع کیا گیا۔ نقل و ترتیب فتاویٰ کے لئے الگ سے ایک محرر کو مقرر کیا گیا۔ نیز رمضان المبارک کی تعطیل میں بھی دارالافتاء کا کام جاری رکھنے کا نظم فرمایا۔

محکمۂ شرعیہ

آپ ہی کی صدارت و سرپرستی میں ۱۴۰۶ھ سے مدرسہ شاہی میں امارت شرعیہ ہند کے ماتحت محکمۂ شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں شہر کے بااثر علماء کرام بھی شامل ہیں۔ سنہ ۱۴۱۰ھ میں محکمۂ شرعیہ کے طور طریقہ بتانے اور کارکنان کو تربیت دینے کی غرض سے مدرسہ شاہی میں سہ روزہ تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا۔ جس میں ملک کے ہر علاقہ سے آنے والے بہت سے علماء اور مفتیان نے شرکت فرمائی۔

کتبخانہ

کتب خانہ بھی آپ کی توجہات عالیہ کا شاہد اور گواہ ہے۔ جس کی ترقی اور اضافہ میں آپ نے ذاتی طور پر دلچسپی لی۔ درسیات کے علاوہ شروحات اور جدید مطبوعہ حدیث و فقہ کی گرانقدر کتابیں آپ نے پاکستان اور سعودی عرب سے منگوا کر کتبخانہ کی زینت بنائیں اسی طرح متعدد الماریاں اور ریک بنوائے گئے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

شعبۂ تکمیل ادب

آپ ہی کے زمانے میں شعبۂ تکمیل ادب قائم کیا گیا۔ پھر سنہ ۱۴۱۲ھ میں باقاعدہ اس شعبہ کو فعال بنانے کیلئے مزید ایک استاذ ادب عربی کا تقرر کیا گیا۔ یہ شعبہ بحمداللہ خوبی کے ساتھ جاری ہے اور مختصر وقت میں اس نے اچھے نتائج پیش کئے ہیں۔

تعمیرات

آپ کے دور اہتمام کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ مدرسہ شاہی کی تعمیرات ہیں۔ جس وقت آپ تشریف لائے تو جہاں مدرسہ کے صدسالہ عمارتیں بوسیدگی اور تنگ دامانی کی وجہ سے باعث تشویش بنی ہوئی

تھیں، وہیں دارالطلبہ لالباغ کی جدید عمارتیں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی تھیں آپ نے متوکلاً علی اللہ اپنے حسن تدبر اور مساعی جمیلہ سے اس اہم منصوبے کی تکمیل کا ارادہ فرمایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ شاہی واقعۃً پر شکوہ عمارتوں کا مجموعہ بن گیا۔ شاہی مسجد سے ملحقہ عمارت تقریباً ازسرِنو بنائی گئی اور وسیع کی گئی اور دارالطلبہ لالباغ کی توسیعی عمارتیں آپ ہی کے دور اہتمام میں تعمیر ہوئی ہیں۔ سنہ وار تعمیرات پر اجمالی نظر حسبِ ذیل ہے۔

سنہ ۱۳۹۷ھ ۔ دارالطلبہ کے احاطہ میں دار جدید کے پانچ کمروں کی تعمیر ہوئی۔

سنہ ۱۴۰۲ھ ۔ دارالطلبہ میں تین فیملی رہائشی مکانات وسیع اور ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ مہمان خانہ اور ایک پانی کی بڑی ٹنکی بنائی گئی۔

سنہ ۱۴۰۴ھ ۔ مہمانخانہ سے متصل طلبہ کی رہائش کے لئے چھ کشادہ کمرے تعمیر کئے گئے اور دارالطلبہ کے احاطہ قدیم میں سیمنٹ کا عمدہ فرش بنایا گیا۔

سنہ ۱۴۰۵ھ ۔ دارالطلبہ میں متعدد غسل خانے، بیت الخلاء وغیرہ اور ایک پانی کی ٹنکی اور تعمیر ہوئی۔

سنہ ۱۴۰۶ھ ۔ شاہی مسجد کی جنوبی بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے صدر دروازہ مدرسہ شاہی، دفتر محاسبی، دفتر تعلیمات اور محافظ خانہ کی تعمیر ہوئی۔ دفاتر کے بیرونی حصہ (متصل سڑک) پر سنگ مرمر لگایا گیا۔

سنہ ۱۴۰۷ھ ۔ کتبخانہ مدرسہ شاہی کے متصل ایک بڑا کمرہ تعمیر کیا گیا جس میں اس وقت مخطوطات شوکیس میں رکھے ہیں۔ مدرسہ شاہی میں بڑی ٹنکی تعمیر ہوئی، مدرسہ شاہی مسجد میں مہمانخانہ کے تین کمرے بنائے گئے۔ نیز مسجد کے شمالی اور مشرقی حصہ میں نیچے ستون بنا کر وسیع گیلریاں بنائی گئیں۔ اور تیسری منزل پر اردو سیکشن کے لئے چھ بڑی درسگاہیں تعمیر ہوئیں۔

سنہ ۱۴۰۸،۹ھ ۔ اساتذہ و ملازمین کے لئے دارالطلبہ میں مزید چھ رہائشی مکانات تعمیر ہوئے حضرت مہتمم صاحب کیلئے ایک کشادہ مکان بنایا گیا۔ مطبخ کی نئی تعمیر ہوئی جس میں

چار کمرے بنائے گئے۔ اور ۱۴۰۹ھ میں جلسہ دستار بندی کے موقع پر دار الطلبہ میں مدنی مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

۱۴۱۰-۱۱ھ۔ اس سال مدنی مسجد کی تحتانی منزل تعمیر ہوئی اور اس کے متصل وضوخانہ دو کمرے اور ارد گرد گیلریاں بنائی گئیں۔

۱۴۱۲ھ۔ دار الطلبہ میں مہمانخانہ جدید تعمیر ہوا۔ اور شاہی مسجد کے درمیان مضبوط ستون بناکر برآمدہ کے حصہ کو دو منزلہ کیا گیا۔ جس سے مسجد میں کافی وسعت ہوگئی۔ اسی طرح مدنی مسجد لال باغ اور شاہی مسجد میں پتھر کا فرش لگایا گیا اور دیواروں پر سنگ مرمر نصب کیا گیا۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

۱۴۱۳ھ۔ دار الطلبہ کی تیسری منزل پر دس رہائشی کمرے اور مدنی مسجد کی فوقانی منزل کی تعمیر اسی سال شروع ہوئی۔ نیز مطبخ میں ایک اور کشادہ کمرے کا اضافہ کیا گیا۔ اور دونوں مسجدوں میں پتھر لگانے کا کام بھی جاری رہا ہے۔

ان اہم تعمیرات کے علاوہ جو مرمت وغیرہ ہوتی رہی ہیں ان کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ آپ کے دور اہتمام میں تعمیرات پر جو رقم خرچ ہو چکی ہے اس کا اندازہ تقریباً تہتّر لاکھ روپئے کا ہے۔ اور کئی منصوبے ابھی زیر غور ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید خدمت کا موقع دے۔ آمین۔

اجلاسِ دستار بندی

آپ نے اپنے دور میں ہر تین سال پر اجلاس دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ ۱۴۰۹ھ میں اس طرح کا پہلا اجلاس پوری آب و تاب کے ساتھ منعقد ہوا۔ اور اب دوسرا اجلاس ۱۴۱۳ھ میں منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں درمیانی چار سالہ فضلاء، مفتیان کرام، حفاظ و قراء کرام کی دستار بندی کی جائیگی ان شاء اللہ۔

یہ ہے مدرسہ شاہی میں آپ کی خدمات کا اجمالی جائزہ جس سے آپ کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات قبول فرمائے۔ اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

نکاح واولاد

۱۹۵۲ء میں آپ کا نکاح حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی بڑی صاحبزادی رحمہا اللہ سے ہوا۔ خود حضرتؒ نے نکاح پڑھایا اس وقت آپ کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں باحیات ہیں۔ بڑے صاحبزادے جناب احمد بادشاہ صاحب جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اردو سیکشن میں معلم ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولانا اخلد صاحب رشیدی دار العلوم دیوبند کے فاضل اور مدرسہ شاہی میں عربی کے استاذ ہیں۔ اور تیسرے صاحبزادے مولوی اشہد صاحب رشیدی بھی دار العلوم دیوبند کے ہونہار فرزند اور مدرسہ شاہی میں استاذ ہیں۔

المناک سانحہ

ابھی یہ سطور طباعت کے مرحلہ سے گذری تھیں کہ وہ حادثہ پیش آیا جسکے تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یعنی حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اہلیہ مکرمہ رابعۂ وقت محترمہ ریحانہ مدنی صاحبہ مورخہ ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۹۲ء بروز پیر دن میں ۳ بجے دہلی کے نرسنگ ہوم میں مختصر علالت کے بعد اپنے محبین ومتعلقین کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی نعش مبارک دہلی سے دیوبند لیجائی گئی اور رات میں ۱۰ بجے اپنے والد محترمؒ کے قریب مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی ۔ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ نے جن عظیم خوبیوں اور صفات سے نوازا تھا وہ بہت کم کسی میں جمع ہوتی ہیں۔ ورع وتقویٰ، حزم واحتیاط اور جود وکرم جیسی بلند پایہ صفات کے علاوہ آپ شب بیداری اور اوراد ووظائف پر پابندی میں بھی ممتاز تھیں مستقل مزاجی اور صبر وشکر آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئے تھے۔ آپ حضرت شیخ الاسلامؒ کی سب سے بڑی اور سب سے چہیتی صاحبزادی تھیں۔ اور حضرتؒ کی سرپرستی میں سلوک کی تربیت حاصل کی تھی۔

آپ کی وفات سے پورا مدرسہ شاہی سوگوار ہے۔ اور کئی دن گذر جانے کے باوجود ابھی تک حسرت و افسوس اور رنج وغم کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اس المناک حادثہ پر مدرسہ شاہی اور ادارہ ندائے شاہی اپنے سرپرست حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی، مرحومہ کے برادران وصاجزادگان اور خانوادۂ مدنی کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوفہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے

گلشن کی آبرو وہیں، یہ اپنے چمن کی آن

مدرسہ شاہی کے موجودہ اساتذہ کرام

کسی بھی مدرسہ کی ترقی اور استحکام میں اساتذہ کی محنت اور توجہ کا خاص دخل ہوتا ہے۔ تعلیمی اعتبار سے مدرسہ کو نیک نامی حضرات اساتذہ کی حسن کارکردگی کی بدولت ہی حاصل ہوتی ہے الحمد اللہ آج مدرسہ شاہی کو ایسے افراد کی خدمات حاصل ہیں جو فکری اور عملی اعتبار سے متفق المشرب ہیں اور مدرسہ سے پوری طرح ہمدردی رکھتے ہیں۔ اسی اتفاق و اتحاد اور خیر خواہی میں ادارہ کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ دوسری طرف ان اساتذہ کا ادارہ کی زینت بننا خود ان کے لئے قابل قدر ہونا چاہئے کیونکہ اسی ادارہ کے جلو میں رہ کر انھیں اپنے گراں مایہ علمی گوہر لٹانے کا موقع میسر آیا ہے۔ اور اسی سے انتساب نے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دیا ہے۔

ذیل میں ان حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس وقت مدرسہ شاہی میں تدریس کی خدمت پر مامور ہیں۔ (مرتب)

جناب مولانا عبد السلام صاحب مظفر نگری

آپ درجہ علیا کے موقر استاد ہیں۔ اور اس وقت بخاری شریف (ہر دو جلد) اور ابو داؤد شریف کے اسباق آپ سے متعلق ہیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نظامت تعلیمات و دار الاقامہ کے منصب پر بھی فائز ہیں اور شاہی مسجد کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رائے پوری سے بیعت و ارادت کا تعلق ہے۔ مزاج کی سادگی اور شرافت اور گوشہ نشینی آپ کی ممتاز صفات ہیں۔

۱۹۴۸ء میں اپنے وطن پیموزہ تحصیل جانسٹھ ضلع مظفر نگر میں پیدائش ہوئی۔ والد ماجد کا نام حافظ محمد صدیق صاحب ہے۔ ابتدائی تعلیم قریبی قصبہ کوال میں حاصل کی پھر مدرسہ شمس العلوم ٹنڈھیرہ میں کچھ دنوں رہے اس کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور ۱۳۸۸ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحب سے بخاری شریف پڑھ کر دورۂ

حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ ۱۳۸۹ھ میں تکمیل ادب کے شعبہ میں زیر درس رہے۔ اس کے بعد مدرسہ شمس العلوم ٹنڈھیرہ، مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ اور مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور ۱۴۰۱ھ سے مدرسہ شاہی کی خدمت پر مامور ہیں۔

جناب مولانا محمد عمر صاحب سہارنپوری

آپ نیابت اہتمام کے ساتھ ساتھ بعض متوسط کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں۔ آج کل ہدایہ اول آپ سے متعلق ہے۔ آپ کی جفاکشی اور نظم وضبط کی پابند طبیعت دیکھ کر رشک آتا ہے۔ جس دلچسپی اور تندہی کے ساتھ آپ مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ یقیناً قابل قدر اور باعث اجر ہے۔

۱۳ر اگست ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام منصب علی صاحب اور وطن مجاہد پور ضلع سہارنپور ہے۔ ابتدائی تعلیم مظفر آباد، ریڑھی تاجپورہ اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی۔ پھر دار العلوم دیوبند آ گئے۔ اور وہیں سے شیخ الاسلام حضرت مدنی کے زمانے میں ۱۳۷۴ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد حکیم محمد عمر صاحب سے طب کی بھی تکمیل کی۔

۱۴۰۲ھ میں مدرسہ شاہی میں رونق افروز ہوئے۔ اس سے قبل آپ نے دار العلوم حسینیہ تاؤلی، مدرسہ خادم العلوم باغونوالی اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں بھی تدریسی اور انتظامی خدمات انجام دے کر داد تحسین حاصل کی ہے۔

جناب مولانا مفتی شبیر احمد صاحب (مفتی مدرسہ)

ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے قابل فخر سپوت اور گلشن قاسمی کے لائق وفائق خوشہ چیں ہیں۔ موجودہ دور میں دار الافتاء مدرسہ شاہی کی عظمت و سربلندی درحقیقت آپ ہی کی شبانہ روز محنت جدوجہد اور جفاکشی کی رہین منت ہے۔ آپ کے دور میں شعبہ افتاء کو ہر اعتبار سے عروج اور خاص وعام میں بھرپور اعتماد حاصل ہوا ہے اور دور دور تک یہاں کی تعلیم افتاء کی شہرت ہو گئی ہے۔ آپ کے مزاج کی سادگی اور تحقیق و تنقید کا جذبہ زبان زد خواص وعوام ہے۔
آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔ سن پیدائش ۱۳۷۷ھ ہے، والد کا نام جناب خلیل الرحمن (مرحوم) تھا۔ ابتدائی تعلیم ۱۳۹۲ھ میں جامعہ مظہر العلوم بنارس میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۳۹۳ھ سے ۱۳۹۶ھ تک مدرسہ قاسمیہ شاہی (میرٹھ) میں بغرض تعلیم

قیام رہا، جہاں مختصر المعانی تک کتابیں پڑھیں پھر شوال ۱۳۹۶ھ میں از ہرہند دار العلوم دیوبند میں جماعت پنجم میں داخلہ لیا۔ ۱۴۰۰ھ میں سال ہفتم کی تکمیل کے بعد دورۂ حدیث شریف کی تعلیم موقوف کرکے تقریباً ایک سال اپنے پیرو مرشد حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی کی خدمت عالیہ میں قیام فرمایا۔ بعد ازاں ۱۴۰۲ھ میں دوبارہ دار العلوم میں داخل ہوکر موقوف علیہ کی تعلیم حاصل کی۔

شعبان ۱۴۰۴ھ میں دار العلوم سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ۱۴۰۴ھ، ۱۴۰۵ھ میں شعبہ افتاء میں داخل ہوکر فتویٰ نویسی پر عبور حاصل کیا۔ بعد ازاں شوال ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۷ھ تک تقریباً دو سال تک دار العلوم دیوبند ہی میں معین مدرس رہے۔

۲۳؍ شعبان ۱۴۰۷ھ کی وہ مبارک تاریخ تھی جب آپ کو ارباب مدرسہ شاہی کی طلب پر اکابر دیوبند نے اپنے اعتماد پر مدرسہ شاہی کی خدمت تدریس و افتاء پر مامور فرمایا۔ اور ۲۴؍ شعبان ۱۴۰۷ھ سے آپ نے باقاعدہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا فریضہ انجام دینا شروع کردیا۔ فتویٰ نویسی اور شعبہ افتاء کی زیر درس کتابوں 'سراجی' درمختار' الاشباہ اور رسم المفتی کے اسباق کے ساتھ دورۂ حدیث شریف اور درجہ موقوف علیہ کی اعلیٰ کتابیں آپ سے متعلق رہی ہیں۔ جن میں طحاوی شریف' موطا امام مالک' نسائی شریف اور ہدایہ جلد رابع قابل ذکر ہیں۔ ۱۴۱۱ھ سے افتاء کے اسباق کے علاوہ ترمذی شریف (مکمل) اور مسلم شریف کا آپ درس دے رہے ہیں آپ کے فتاوے کی تعداد سن وار درج ذیل ہے۔

۱۴۰۷ھ-۷۱۸' ۱۴۰۸ھ-۵۲۱' ۱۴۰۹ھ-۵۵۸' ۱۴۱۰ھ-۴۳۳' ۱۴۱۱ھ-۴۲۵'
۱۴۱۲ھ-از شوال تا ربیع الاول ۱۴۱۳ھ-۲۵۲۔

تدریس و افتا کے ساتھ آپ تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں' اب تک آپ کی جو کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱- ایضاح الطحاوی (دو جلد) یہ حدیث شریف کی مشہور کتاب طحاوی شریف کی بہترین شرح ہے' جس میں مشکل مباحث کو آسان اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے مبتدی اور منتہی ہر طرح کے طلبہ بہ آسانی مستفید ہو سکتے ہیں۔

۲- ایضاح المسائل' یہ ۳۱۳ مسائل جدیدہ و نادرہ کا مختصر مجموعہ ہے۔ جس میں روزمرہ کے ضروری اور اہم مسائل تحقیق کے ساتھ جمع کردیئے گئے ہیں۔

ان مطبوعہ تصانیف کے علاوہ آپ کے علمی مقالات و مضامین برابر رسالہ دار العلوم دیوبند اور رسالہ ندائے شاہی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً (۱) غیر اسلامی ممالک میں بلاسودی

بینک کاری، (۲) انشورنس کی شرعی حیثیت (۳) غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضا کا تصور (۴) اسلام میں زکوہ کے مصارف اور فی سبیل اللہ کا مصداق۔ موصوف کا ان مضامین کو بھی الگ سے طبع کرانے کا خیال ہے۔

الحاصل جناب حضرت مفتی صاحب کا وجود مدرسہ شاہی کے لئے بساغنیمت ہے۔ مفتی صاحب کے لئے بھی یہ امرباعث فخر ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے مدرسہ شاہی جیسے عظیم گلشن علمی اور روحانی ماحول میں خدمت کا موقع عطا فرمایا۔ آپ کی قابل قدر علمی و تصنیفی خدمات دراصل اسی ادارے کی رہین منت ہیں۔ آپ کو حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی سے اجازت بیعت بھی حاصل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کو مزید خدمت کی توفیق اور حوصلہ عطا فرمائے اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

جناب مولانا خورشید انور صاحب قاسمی فیض آبادی

مدرسہ شاہی کے موقر استاد حدیث نائب ناظم تعلیمات اور دارالاقامہ کے نگراں ہیں۔ سنجیدگی اور وقار چہرے بشرے سے عیاں اور نظم وضبط کی پابندی میں ممتاز ہیں۔ مدرسہ شاہی سے صرف نسبت تدریس وانتظام ہی نہیں بلکہ شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔

پریتم پور ضلع فیض آباد کے باشندے اور مولانا جمال الدین قاسمی مرحوم (تلمیذ حضرت مدنی) کے خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔ تاریخ پیدائش ۱۰ ر رجب ۱۳۷۷ھ ہے۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ قاسمیہ گیا (بہار) مدرسہ انوار العلوم بھولے پور، فیض آباد، مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ اور مدرسہ شاہی میں حاصل فرمائی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا۔ وہاں سے ۱۳۹۸ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۴۰۴ھ تک مدرسہ حسینیہ جونپور میں خدمت تدریس پر مامور رہے۔ اور ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ میں مدرسہ شاہی کی رونق بنے۔ یہاں آپ کو درجات متوسطہ کی کتب کے علاوہ مشکوۃ شریف، شمائل ترمذی شریف، اور نسائی شریف وغیرہ اعلیٰ کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ اس وقت نائب ناظم تعلیمات کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اور دارالشعبہ لالباغ میں نگرانی دارالاقامہ کا کام بھی آپ سے متعلق ہے۔ آپ نے شاہی مسجد اور مسجد حوض والی لال باغ مراد آباد میں درس قرآن کریم کی خدمت بھی انجام دی ہے۔ آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق ہے۔ الفوز الکبیر پر ایک مبسوط اور مفصل حاشیہ (اردو) زیر طبع ہے۔ اور قرآن کریم پر تدریسی طرز کا تحشیہ زیر تصنیف ہے۔

جناب مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی

مدرسہ شاہی کے قدیم فیض یافتہ اور صوفی منش شخصیت ہیں۔ دل میں اصلاح قوم کے جذبہ نے قوت ایمانی کو جلا بخشی ہے۔ تحریک دعوت و تبلیغ سے بھی خاص لگاؤ ہے۔ مدرسہ شاہی کے دارالاقامہ کے آپ بھی نگراں ہیں۔

حافظ عبدالغفور صاحب مدظلہ والد اور وطن اصلی میہاں ہرنگ پور ضلع دیوریا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر کچھ عرصے بھٹنی اور مدرسہ فرقانیہ میں رہ کر حفظ اور درجات فارسی کی تکمیل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم مئو آگئے۔ کافیہ تک وہاں پڑھنے کے بعد مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں سے ۱۳۹۵ھ میں سند فراغت حاصل فرمائی۔ اس کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں رہے۔ دارالعلوم دیوبند سے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تشریف لے گئے اور ۱۳۹۷ء میں مدرسہ شاہی میں مدرس بنائے گئے۔ مدرسہ شاہی میں یہ آپ کا ۱۶واں سال ہے۔ اس دوران آپ کتب متوسطہ کے علاوہ مشکوۃ شریف جلد ثانی اور شمائل ترمذی شریف کا درس دیتے آئے ہیں۔ آپ کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی سے شرف اجازت و خلافت بھی حاصل ہے۔

مولانا محمد میثاق صاحب بارہ بنکوی

عربی ادب سے خصوصی ربط رکھنے والے اور اعلیٰ کردار کی حامل شخصیت ہیں۔ اپنے ذاتی، تجارتی کاروبار کے ساتھ ساتھ حسبۃ للہ مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔

۳۰ر جولائی ۱۹۶۳ء کو اپنے وطن اچراء مئو ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام محمد اسحاق ہے ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں جامعہ مدینۃ العلوم قصبہ رسولی ضلع بارہ بنکی اور مدرسۃ الرشاد بنکی بارہ بنکی میں قیام رہا۔ پھر ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اس کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں رہے۔ پھر دارالعلوم سے مدرسہ امدادالعلوم وڈالی گجرات چلے گئے۔ اور وہاں سے ۱۴۰۴ھ میں مدرسہ شاہی کے منصب تدریس کی زینت بنے۔ جلالین شریف، موطا امام مالک اور کتب ادبیہ آپ سے متعلق رہی ہیں۔

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی

دارالعلوم دیوبند کے ہونہار فرزند اور ذہانت وفطانت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ شیریں زبان اور شستہ تحریر کے مالک ہیں۔ اپنی تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ حسبۃ للہ مدرسہ شاہی میں تدریس اور ترجمہ قرآن کریم کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

تاریخ پیدائش ۱۷ر رمضان ۱۳۸۴ھ والد کا نام محمد وکیع صاحب اور وطن قصبہ پیہانی ضلع ہردوئی ہے۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد تکمیل ادب کیا۔ بعد ازاں ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی اور مدرستہ تعلیم القرآن میلانی ضلع لکھیم پور کھیری میں رہے۔ پھر ۱۴۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں آپ کا تقرر کیا گیا اور تادم تحریر اسی ادارہ سے وابستہ ہیں، آپ ماہنامہ ندائے شاہی کی مجلس ادارت کے رکن رکین بھی ہیں۔

مولانا عبد الناصر صاحب رامپوری

قاسمی نسبت سے منتسب، ظریفانہ طبیعت کے حامل اور ذھانت وحاضر جوابی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تدریس کے ساتھ ساتھ انشاءپردازی اور عمومی مطالعہ کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ تبلیغی تحریک سے بھی وابستگی ہے۔

وطن اصلی قصبہ نگلیا عاقل ضلع رامپور اور والد ماجد کا نام حاجی وحافظ عبد الخالق صاحب ہے۔ ابتداءاپنی بستی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر جامع العلوم رام نگر چلے گئے۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۴۰۴ھ میں فراغت حاصل کی اور اگلے سال تکمیل ادب میں بھی داخل رہ کر ادب عربی میں مناسبت پیدا کی۔ اس کے بعد مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں مدرس رہے۔ اور صفر ۱۴۰۸ھ میں مدرسہ شاہی میں آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ اس دوران آپ کو درس نظامی کی ۳۶ کتابیں پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ جن میں بیضاوی شریف اور ہدایہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری

سنجیدگی اور وقار ومتانت کی صفات سے متصف، حسن اخلاق کی چلتی پھرتی تصویر اور قدرت کی عطا کردہ بے شمار صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ علمی پرواز اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے آپ کو گلشن قاسمی کی بہار بننا مقدر ہوا۔ جس سے آپ کے جوہر نکھر آئے۔ اس وقت شعبہ تکمیل ادب کے روح رواں آپ ہی ہیں۔

وطن قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور ہے۔ ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۴ر اپریل ۱۹۶۹ء

کو ولادت ہوئی، والد ماجد حضرت مولانا سعید احمد صاحب (تلمیذ حضرت مدنی) کے سایہ عاطفت میں رہ کر پروان چڑھے اور بنیادی عربی تعلیم انہی سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ چلے گئے اور وہاں سے ۱۴۰۷ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ پھر دار العلوم دیوبند سے دوبارہ ۱۴۰۸ھ میں فراغت کی سعادت میسر آئی۔ اس کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں اور دو سال معین المدرسین کے طور پر دار العلوم میں مقیم رہے۔ پھر مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں ایک سال رہے اور شعبان ۱۴۱۲ھ سے مدرسہ شاہی کے درجہ وسطی کے مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ تکمیل ادب کی کتابوں کے علاوہ ہدایہ جلد رابع اور شرح عقائد وغیرہ کتابیں آپ سے متعلق ہیں۔

مولانا محمد عثمان صاحب مراد آبادی

مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ اور لائق وفائق فرزند ہیں۔ حاصل کردہ علوم کی حفاظت اور خدمت دین کے جذبہ سے حسبۃ للہ مدرسہ شاہی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں۔

سن پیدائش ۱۹۵۴ء شہر مراد آباد کے ساکن اور حافظ مقصود علی خاں صاحب کے لخت جگر ہیں۔ ابتدا سے انتہا تک مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۹۴ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جاکر تکمیل ادب کیا اور ۱۳۹۶ھ سے مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات پر مامور ہیں۔ سال اول سے سال پنجم تک کی کتابیں آپ سے متعلق رہی ہیں۔

مولانا اشفاق حسین صاحب مراد آبادیؒ

تحریک آزادی کے سرگرم رکن، اکابر واسلاف کے کارناموں اور زندگیوں کے عینی شاہد اور مدرسہ شاہی کے نامور فرزندوں میں آپ کا نام ہے۔ بڑے بڑے اصحاب قلم اور جراتمند ساتھیوں کی معیت کا شرف آپ کو حاصل رہا ہے۔ اس دور میں پرانے زمانے کی یادگار ہیں اور سراپا تاریخ بن گئے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں مراد آباد میں پیدا ہوئے والد کا نام (حاجی) مشتاق حسین صاحب مرحوم ہے۔ از اول تا آخر مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی ۱۹۴۲ء میں فراغت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد دینی و ملی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ شاہی مسجد کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے نمایاں خدمات انجام دیں۔

نوٹ: افسوس ہے کہ مورخہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ بروز بدھ کی شب میں آپ وصال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۵؍ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ سے باقاعدہ مدرسہ شاہی میں تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۴۱۳ھ میں مسلسل بیماری اور معذوری کی بناپر مجلس عاملہ نے آپ کو نصف تنخواہ پر پینشن منظور کرکے مدرسہ سے سبکدوش کردیا ہے۔

مولانا عبدالمنان صاحب بہرائچی

فیضان قاسمی سے اپنے دامن علمی کو بھرنے والے اور محنت و توجہ سے مفوضہ خدمات انجام دینے والے شخص ہیں۔ طلبہ کی نگرانی کا کام بھی نظام مدرسہ کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ فن کتابت سے بھی دلچسپی ہے۔

۱۹۵۶ء میں اپنے وطن موضع کوتوا تحصیل قیصر گنج ضلع بہرائچ یوپی میں پیدائش ہوئی۔ والد ماجد کا نام جان محمد صاحب ہے۔ ابتدائی علوم مدرسہ نورالعلوم بہرائچ اور مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حاصل کئے۔ پھر دارالعلوم دیوبند سے کسب فیض کے لئے دیوبند آگئے اور یہاں سے درس نظامی کی تکمیل کرکے ۱۴۰۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد متفرق اوقات میں آگرہ، بنگلور، لکھنؤ اور بستی کے مدارس میں رہ کر تدریسی اور دیگر دینی خدمات انجام دیں۔ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ میں مدرسہ شاہی کے مدرس بنائے گئے۔ اور اب تک اسی خدمت پر مامور ہیں۔

مولانا صدرالدین صاحب قاسمی اعظمی

شریف اور سنجیدہ طبیعت کے مالک اور فن کتابت سے شغف اور دلچسپی رکھنے کے ساتھ علمی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ مدرسہ شاہی میں چار گھنٹے کتب متوسطہ کی تدریس اور ماہنامہ ندائے شاہی کی کتابت کی ذمہ داریاں آپ سے متعلق ہیں۔

سنہ پیدائش ۱۹۵۷ء اور والد ماجد کا نام محمد صابر ہے۔ "کوئریاپار" ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن اور مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۳۹۴ھ میں مدرسہ شاہی میں داخلہ لے کر شرح وقایہ تک پڑھنے کی سعادت حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے وہاں سے سنہ ۱۳۹۹ھ میں دورۂ حدیث شریف سے اور سنہ ۱۴۰۰ھ میں تکمیل ادب سے فراغت ہوئی۔ پھر مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دی۔ اس کے بعد ۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ سے مدرسہ شاہی میں خدمت تدریس و کتابت پر مامور ہیں۔ آپ نے فن کتابت کی تکمیل مشہور خوشنویس منشی محمد عتیق صاحب سے کی ہے۔

مولانا اخلد صاحب رشیدی

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے نور نظر اور مدرسہ کی بہی خواہی میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ درجہ ادنیٰ کے متعدد اہم اسباق آپ سے متعلق ہیں جنہیں آپ حسبۃ للہ انجام

دیتے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ امروہہ، مدرسہ دار الرشاد بنکی بارہ بنکی، مدرسہ شاہی، جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ اور مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی۔ پھر تکمیل کے لئے ۱۴۰۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں درجہ موقوف علیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۴۰۷ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل ہوئی۔

۱۴۱۱ھ سے مدرسہ شاہی میں تدریسی خدمات پر مامور ہیں۔ ماہنامہ ندائے شاہی کی مجلس ادارت کے رکن بھی ہیں۔

مولانا اشہد صاحب رشیدی

دار العلوم دیوبند کے ہونہار سپوت، فکر قاسمی کے حامل اور خدمت دین کے جذبہ سے سرشار ہیں، محنت ودلجمعی کے ساتھ مفوضہ امور کی انجام دہی میں مشغول رہتے ہیں۔

سن پیدائش ۱۳۹۱ھ ہے۔ ابتدا سے چہارم تک مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد دار العلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں سے ۱۴۱۱ھ میں دورۂ حدیث شریف اور ۱۴۱۲ھ میں تکمیل ادب سے فراغت حاصل کی۔ بعد ازاں اکابر کے حکم سے مدرسہ شاہی میں تدریس کے منصب پر مامور ہوئے۔ آپ سے ہدایۃ النحو اور سلم العلوم وغیرہ کتابیں متعلق ہیں۔

مولانا خضر محمد کشمیری

خوش رو اور خوش گو شخصیت ہیں۔ محنتی اور جفاکشی کے ساتھ علم وادب کا صاف وستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ وطن محلہ موتی کشمیر اور والد ماجد کا نام غلام احمد ہے۔ سنہ ۱۳۶۹ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ شمس العلوم ٹنڈھیڑا ضلع مظفر نگر میں حاصل کی۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۴۰۹ھ میں دورۂ حدیث شریف سے اور ۱۴۱۰ھ میں تکمیل ادب سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد دو سال تک مدرسہ خادم العلوم باغوں والی میں تدریسی خدمات انجام دیں اور جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۳ھ سے مدرسہ شاہی میں خدمت تدریس پر مامور کئے گئے ہیں۔

اساتذۂ حفظ و تجوید

مولانا قاری امتیاز احمد صاحب

آپ مدرسہ شاہی کے شعبہ تجوید کے موقر استاد ہیں۔ فن تجوید سے خاصی مناسبت ہے۔ سن ولادت یکم جنوری ۱۹۵۷ء اور آبائی وطن ضلع مدھوبنی بہار ہے۔ لیکن اس وقت قیام مستقل طور پر لکھنؤ میں ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم ندوۃ العلماء میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا جہاں قاری محمد الطاف خاں صاحب لکھنوی سے تکمیل حفص کے بعد قاری عظمت علی بہرائچی سے سبعہ و عشرہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور تکمیل ادب بھی کیا پھر شوال ۱۴۰۲ھ سے محرم ۱۴۰۸ھ تک تقریباً چھ سال مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اور صفر ۱۴۰۸ھ سے اللہ تعالیٰ نے مدرسہ شاہی میں خدمت کا موقع میسر فرمایا ہے۔

قاری صاحب نے تدریس کے ساتھ ساتھ کچھ رسائل ترتیب دینے کا کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ مثلاً ۱۔ مسائل ترتیل۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے اور بعض مدارس میں پڑھایا بھی جاتا ہے۔ ۲۔ شرح مقدمۃ الجزریہ (زیر طبع) ۳۔ ترجمہ تحفۃ الاطفال (زیر طبع)۔

مولانا قاری محمد زکریا صاحب گونڈوی

آپ شوال ۱۴۰۸ھ سے جامعہ کے شعبہ تجوید سے وابستہ ہیں اور اپنی خوش الحانی، پڑھنے کے انداز اور مخارج و صفات پر عبور رکھنے میں مشہور ہیں۔ آپ کے والد محترم کا نام منشی عبدالقدوس اور وطن "بنکٹی" ضلع گونڈہ ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں بھی بغرض تعلیم مقیم رہے اور اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند پہونچے۔ وہاں سے ۱۴۰۶ھ میں سند فراغت حاصل کرنے کے بعد شعبہ تجوید میں داخلہ لیا اور جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی سے سبعہ و عشرہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ایک سال تک دارالعلوم میں معین التجوید بھی رہے۔ اور ۱۴۰۸ھ میں حضرت مہتمم صاحب کی خواہش پر مدرسہ شاہی تشریف لے آئے اور ہنوز اپنے منصب پر فائز رہ کر پوری دلجمعی کے ساتھ امور مفوضہ انجام دے رہے ہیں۔

قاری سلامت جان صاحب

قاری صاحب درجہ حفظ کے قدیم استاد ہیں۔ تجربہ اور طرز تعلیم ممتاز ہے۔ والد کا نام حافظ محمد جان صاحب مرحوم اور وطن مراد آباد ہے۔ مدرسہ شاہی میں حافظ عبدالخالق صاحب چکولی اور قاری عبداللہ صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ شاہی آنے سے قبل مدرسہ امدادیہ اور مدرسہ فلاح دارین میں رہے ہیں۔

مولانا قاری فرید احمد صاحب قاسمی

موصوف درجہ حفظ کے مقبول استاذ اور بڑی مسجد (حوض والی) لال باغ کے امام و خطیب ہیں۔ اپنی مسجد میں روزانہ نماز فجر کے بعد درس قرآن کریم کا بھی سلسلہ ہے۔

یکم رجب ۱۳۷۲ھ میں اپنے وطن بھوڑوارہ ضلع لکھیم پور میں پیدا ہوئے والدماجد کا نام محمد غلام حسین ہے۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اور ادارۂ محمودیہ قصبہ محمدی (لکھیم پور) میں حاصل کی۔ پھر دیوبند آگئے اور دارالعلوم سے ۱۳۹۶ھ میں سند فراغت سے شرفیاب ہوئے۔ فراغت کے بعد ادارۂ محمودیہ و مدرسہ حسینیہ محمدی اور مدرسہ تعلیم القرآن میلانی میں تدریسی خدمات انجام دیں اور کتب عربیہ کا درس دیا۔ پھر ۱۴۰۹ھ میں مدرسہ شاہی کے شعبہ تحفیظ القرآن میں آپ کا تقرر ہوا۔ اسی منصب پر رہ کر آپ اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا قاری احمد علی صاحب

مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور درجہ حفظ مدرسہ شاہی کے استاذ ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں اپنے وطن پریلا، ضلع پرتاپ گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ انوار العلوم مئوائمہ الہ آباد، متوسط تعلیم مدرسہ شاہی اور اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ۱۴۱۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل ہوئی۔ ۱۴۱۳ھ سے مدرسہ شاہی میں ہیں۔

قاری لیاقت حسین صاحب

آپ بھی درجہ حفظ کے استاد ہیں۔ سن پیدائش ۱۹۷۰ء ہے۔ زاہد پور، مراد آباد کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم مدرسہ شاہی اور مدرسہ مدینۃ العلوم رام نگر میں حاصل کی۔ کچھ دنوں مدرسہ قوت الاسلام مراد آباد میں مدرس رہے اس کے بعد ۱۴۱۳ھ کے اوائل میں مدرسہ شاہی میں آگئے۔

مولانا قاری عطاء الرحمٰن صاحب

دھامپور کے رہنے والے اور مدرسہ شاہی کے فاضل ہیں۔ والد کا نام منشی عزیز الرحمٰن ہے۔ اپریل ۱۹۲۶ء میں ولادت ہوئی۔ تعلیم کے لئے تنک پور اور مراد آباد میں قیام رہا۔ ۱۴۱۱ھ میں مدرسہ شاہی سے فراغت حاصل کی اور فراغت کے بعد اسی سال سے درس قرآن کریم (ناظرہ) کی خدمت مدرسہ میں انجام دے رہے ہیں۔

راقم الحروف محمد سلمان منصورپوری

راقم الحروف احقر العباد محمد سلمان منصورپور، ضلع مظفر نگر کا باشندہ اور سادات منصورپور کے خاندان سے متعلق ہے۔ والد ماجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب دارالعلوم دیوبند کے استاد ہیں اور والدہ ماجدہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی منجھلی صاحبزادی ہیں۔ احقر کی ولادت ۱۱ر فروری ۱۹۶۷ء کو دیوبند میں ہوئی۔ پڑھائی کا آغاز جامعہ قاسمیہ گیا میں ہوا۔ جہاں حضرت والد صاحب بسلسلہ تدریس مقیم تھے۔ اس کے بعد ۱۳۹۰ھ میں امروہہ آگئے اور یہاں ۱۴۰۱ھ تک قیام رہا۔ اس دوران حضرت والد صاحب مدظلہ سے حفظ کیا۔ ابتدائی نحو و صرف کی کتابیں پڑھیں اور درجہ چہارم تک باقاعدہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کی۔

اواخر ۱۴۰۲ھ میں انتہائی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کی روحانی فضاؤں کا مکین بننے کی سعادت حاصل ہوئی اور سال چہارم سے دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم سے ۱۴۰۷ھ میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ۷-۱۴۰۸ھ میں تکمیل افتاء اور معین مدرسی کا سلسلہ رہا۔ اسی سال حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ پھر ۱۴۰۸ھ کے اواخر سے ۱۴۱۰ھ کے اواخر تک تدریب الافتاء کے شعبہ میں رہ کر حضرات اساتذہ کے زیر سایہ فتویٰ نویسی کی مشق کی۔

شوال ۱۴۱۰ھ میں اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے گلشن قاسمی مدرسہ شاہی مراد آباد کی خدمت تدریس و افتاء پر مامور ہونے کی توفیق بخشی۔ تدریس کے ساتھ ترتیب فتاویٰ، ترتیب تاریخ شاہی اور ادارتِ ندائے شاہی کی ذمہ داری بھی متعلق کی گئی۔ جن کو اپنی نااہلی اور کم علمی کے باوجود انجام دینے کی سعی جاری رہتی ہے۔ جو اسباق اس درمیان احقر کے ذمہ رہے، ان میں طحاوی شریف، موطا امام مالک، اور ہدایہ جلد ثالث کے علاوہ تکمیل افتاء کی دو کتابیں، رسم المفتی اور درمختار شامل ہیں۔ شوال ۱۴۱۰ھ سے ربیع الاول ۱۴۱۳ھ تک احقر کو ۶۵۲ فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

احقر اپنے شاہی سے انتساب کو محض فضل خداوندی سمجھتا ہے۔ جو بھی خدمت

ٹوٹی پھوٹی انجام دی جارہی ہے وہ سب اسی ادارہ کا فیض ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ اور شرور وفتن سے بچاتے ہوئے دینی خدمات کی انجام دہی کی توفیق سے نوازے، آمین۔

اخیر میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس سیہ کار کو حضرت اقدس والد صاحب دامت برکاتہم کی بے مثال تربیت، حضرت والدہ صاحبہ زید مجدہا کی دعائیں، مرشدی و مولائی حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی اور محسن و مربی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدہم کی توجہات عالیہ نہ ملی ہوتیں تو میں ہرگز کسی کام کا نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اپنی کوتاہ اور سہولت پسند طبیعت پھر شیطان کا تسلط ایسی کمزوریاں ہیں جو مٹائے مٹنے کا نام نہیں لیتیں۔

اساتذۂ اردو سیکشن

حفظ الرحمٰن اردو سیکشن (اے) مدرسہ شاہی

نام	تاریخ تقرر
١۔ ماسٹر سید طیب حسن صاحب زیدی	یکم مارچ ١٩٥١ء
٢۔ ماسٹر سید طاہر رضا صاحب	یکم مارچ ١٩٧٦ء
٣۔ ماسٹر شاہد بیگ صاحب	٢٨ر دسمبر ١٩٦٨ء
٤۔ ماسٹر سید یونس حسین صاحب	٣ر ربیع الثانی ١٤١١ھ
٥۔ مولوی سراج الاسلام صاحب	٢٠ر محرم ١٣٩٨ء
٦۔ قاری محمد تحسین صاحب	٢٨ر ذی قعدہ ١٤٠٨ء

حفظ الرحمٰن اردو سیکشن (بی) لال باغ

١۔ مولوی عبد الواحد صاحب	
٢۔ مولوی عبد القدوس صاحب	١٦ر شوال ١٣٩١ھ
٣۔ ماسٹر اکرم علی صاحب	٢٦ر شوال ١٣٩٥ھ
٤۔ ماسٹر احمد بادشاہ صاحب	٢٢ر محرم ١٤٠٦ھ
٥۔ ماسٹر محمد نثر صاحب	٨ر جمادی الاولیٰ ١٤٠٤ھ
٦۔ ماسٹر سید الیاس حسین صاحب	١١ر اگست ١٩٩١ء

نامِ روشن ہو زمانے میں مرادآباد کا

اجلاسِ دستار بندی ۱۳۵۸ھ کی آخری نشست میں علامہ انور صابری کی پیش کردہ نظم

آخری اجلاس کی تقریر بھی تم سن چکے — قصۂ ناکامیٔ تدبیر بھی تم سن چکے
داستانِ گردشِ تقدیر بھی تم سن چکے — نوحۂ پُر درد و پُر تاثیر بھی تم سن چکے
اب مری یہ آخری فریاد سنتے جائیے
گل چمن زارِ شہِ یثرب کے چنتے جائیے

کام کا ہے وقت باتیں چھوڑیئے باتیں گئیں — ہجر کا ہنگامِ غم ہے وصل کی باتیں گئیں
حق پرستوں حق نوازوں کی مداراتیں گئیں — اپنے بیگانے ہوئے باہم ملاقاتیں گئیں
حلقۂ دامِ غلامی توڑ دینا چاہیئے!
اپنا رشتہ بھی خدا سے جوڑ دینا چاہیئے

دین کی تبلیغ کا احساس پیدا کیجئے! — خود کو دیدِ سیدِ عالم کا شیدا کیجئے!
ذرہ ذرہ سے صداقت کو ہویدا کیجئے — جلوۂ توحید سے معمور سینہ کیجئے
شرق سے تا غرب چرچا ہو خدا کے نام کا
شور ہو ہر سو خدا کے آخری پیغام کا

مسجدِ شاہی میں درسِ علمِ دیں جاری رہے — چار سو اسلام کی یہ گرم بازاری رہے
ظلم و استبداد کی تقدیر میں خواری رہے — عالمانِ دیں کے سر پر سایہ باری رہے
ہو یہی مرکز جہاں میں ملّتِ آزاد کا
نام روشن ہو زمانے میں مرادآباد کا

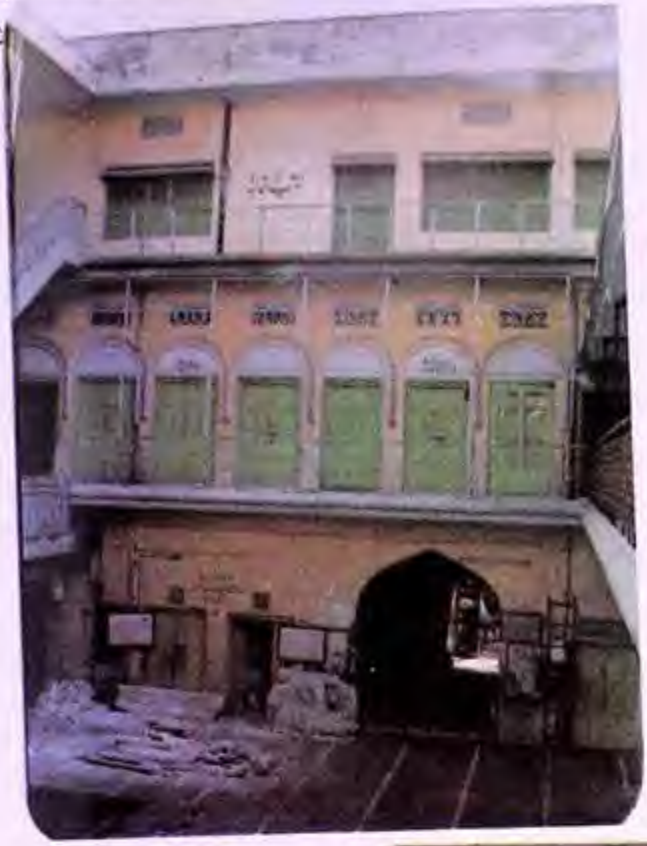
مُرقّع تصاویر



مدرسہ شاہی کا [illegible]



شاہی مسجد کا صحن اور دو منزلہ عمارت



مدرسہ شاہی کا جنوبی حصہ
جس میں صدر دروازہ،
دارالاہتمام، دارالافتاء
اور کتبخانہ کا بیرونی منظر
ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔



دارالاہتمام



دفتر تعلیمات





دار الحدیث



دار الافتاء

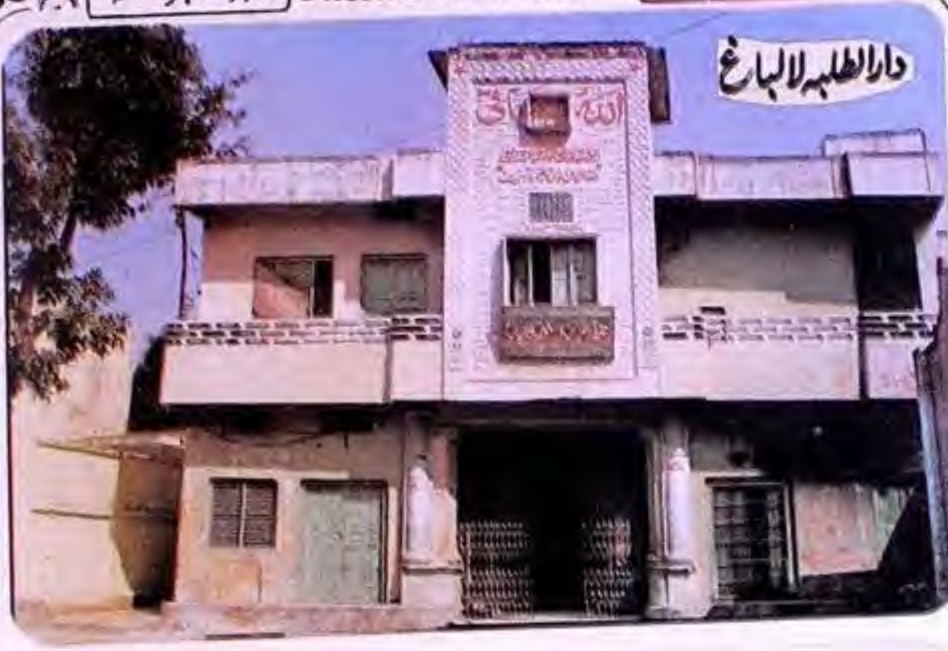


محافظ خانہ


اردو سیکشن مدرسہ شاہی


دفتر ندائے شاہی


کتبخانہ کا ایک منظر



دارالطلبہ لالباغ



دارالطلبہ قدیم کی مغربی عمارت



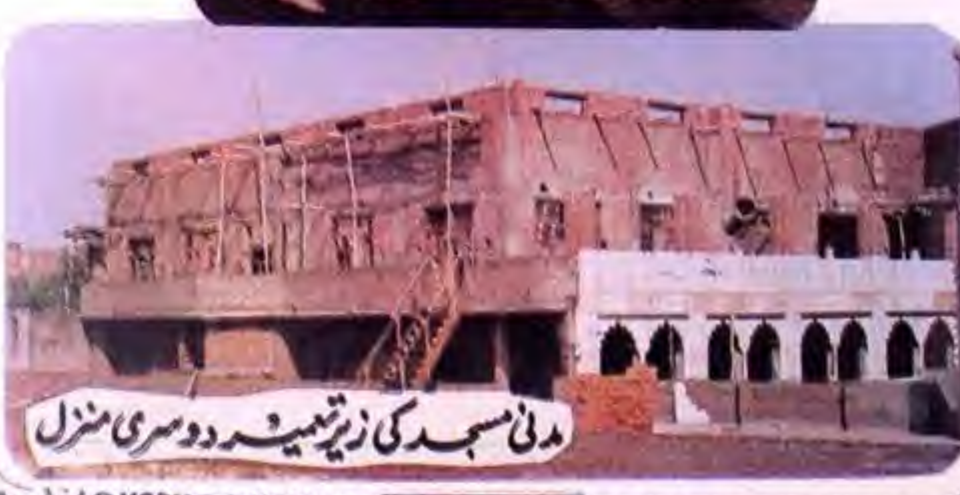
دارالطلبہ کا ایک منظر



مدنی مسجد کا اندرونی حصہ



مدنی مسجد دارالطلبہ لاالباغ کا بیرونی منظر



مدنی مسجد کی زیر تعمیر دوسری منزل



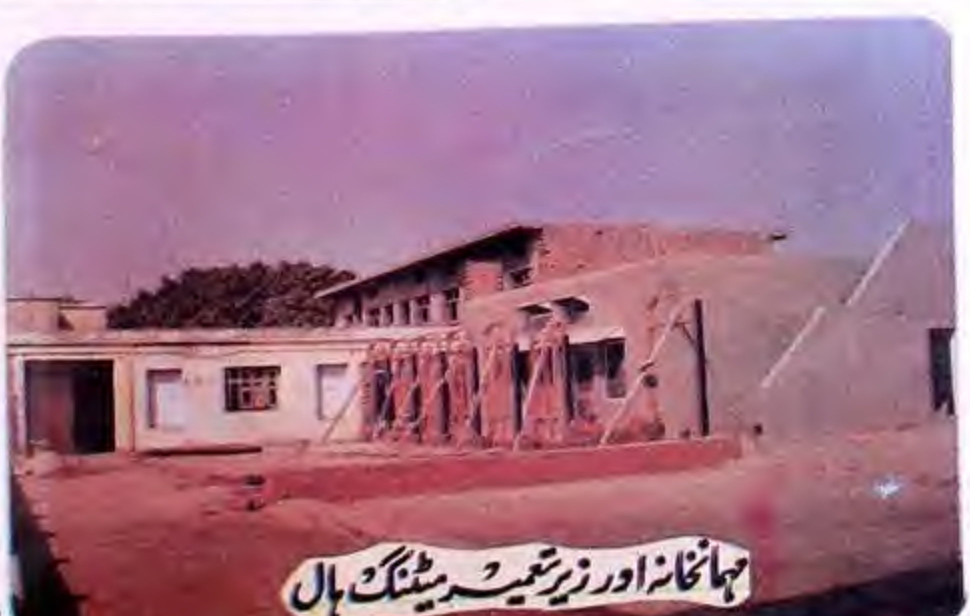
دار الطلبہ جدید



مطبخ



ملازمین کے لئے رہائشی مکانات



مہمانخانہ اور زیر تعمیر میٹنگ ہال